

نوٹس

1

ہندوستان کی تاریخ کو سمجھنا

Understanding Indian History

تاریخ ماضی کے واقعات کا مطالعہ ہے۔ یہ اس عمل کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے، جن کے ذریعہ ابتدائی انسان اپنے گردو پیش کے حالات پر قابو پانے میں کامیابی حاصل کرسکا اور جن سے موجودہ تہذیبوں کا ارتقا ہوسکا۔ یہ صرف جنگوں اور بادشاہوں کا مطالعہ ہی نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک طویل عرصے میں محیط سماج، معیشت اور ثقافتی رجحانات کا تجزیہ ہے جن کی عکاسی دستیاب ذرائع کے توسط سے ہوتی ہے۔ مؤرخ گزرے ہوئے ادوار مختلف کی صورت حال اور واقعات کی جانچ پرکھ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ دریافت کرتا ہے بعض واقعات کہ کیونکر رونما ہوئے اور بڑے پیمانے پر ان کا سماج پر کیا اثر ہوا؟ کسی بھی نئے واقعے یا موجودہ واقعہ کی مختلف اسکالروں کے ذریعہ کی گئی تشریح ماضی کے بارے میں ہماری معلومات کو ثروت مند بناتی ہے۔ مؤرخ حقائق اور افسانے میں تفریق کرتا ہے۔ تاہم، کسی سماج کی زبانی روایت پر مبنی اساطیر یا روایتی قصے ماضی کے واقعات کی یادداشت پر مشتمل ہوسکتے ہیں۔ مؤرخ کا کام یہ ہے کہ مختلف تاریخی واقعے کی دوہری جانچ کے ذریعہ حقائق کا پتہ لگائے۔ اس سبق میں آپ پڑھیں گے کہ مختلف النوع تاریخی شہادتوں کے ذریعہ کس طرح ہندوستان کے قدیم ماضی کو ترتیب دیا گیا۔

مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ:

- ہندوستان کے قدیم ماضی کی تاریخی ساخت کو سمجھ سکیں گے؛
- مؤرخین کے ذریعہ استعمال کیے گئے مختلف قسم کے مآخذ مواد کے بارے میں جان سکیں گے؛
- تاریخ نویسی کی بدلتی روایتوں کی شناخت کرسکیں گے۔

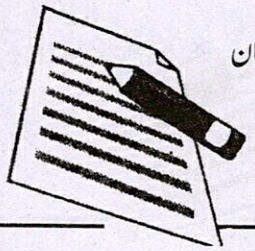

نوٹس

1.1 قدیم ہندوستانی تاریخ کی تشکیل نو کے لیے ذرائع

ماضی کی تشکیل نو کے لیے مؤرخ کو وسائلی مواد کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن یہ ذرائع خود بخود ماضی کو منکشف نہیں کرتے۔ ان کی تشریح و توضیح کی ضرورت ہوتی ہے اور مؤرخ انھیں آشکار کرتے ہیں۔ در اصل مؤرخ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ وسائل کی دریافت کرے، سیاق و سباق کا مطالعہ کرے، اشاروں سے مدد لے، ان کے بارے میں تحقیق کرے اور شواہد کی مدلل اور دوہری جانچ کرے۔ اس سے بامعنی وضاحت حاصل ہوگی۔ مثال کے طور پر 1826 میں چارلس میسن نے مغربی پنجاب (اب پاکستان میں) کے ہڑپا گاؤں کی پرانی بستی کی اونچی دیواروں اور میناروں (ٹاور) کا مشاہدہ کیا اور پانچ دہوں کے بعد سر الیکزنڈر کننگھم نے اس مقام سے کچھ مہریں اکٹھا کیں، لیکن ماہر آثار قدیمہ جان مارشل کو خطہ سندھ میں قدیم ترین تمدن کی شناخت میں مزید پچاس سال لگ گئے۔ مختلف قسم کے واقعات کی دوہری جانچ (تصدیق کرنا) سے متعلق ایک اور مثال ہم پیش کریں گے۔ ہمیں چالوکیہ حکمراں پلک سین دویم کے ہاتھوں راجہ ہرش (ساتویں صدی عیسوی) کی شکست کا ذکر ملتا ہے، جس سے متعلق وسائلی مواد میں کہیں کچھ نہیں دکھائی دیتا، لیکن پلک سین دویم کے کتبوں میں ہرش پر فتح حاصل کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں یہ بالکل واضح ہے کہ ہرش کے سوانح نگار بان بھٹ (جس نے ''ہرش چرتر'' لکھی تھی) نے جان بوجھ کر اپنے سرپرست کی شکست کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''اتیہاس'' کا لفظی مطلب ہے ایسا کبھی تھا اور اس کا ترجمہ ''تاریخ'' (History) کے طور پر کیا گیا ہے۔ ایک وقت تھا جب صرف تحریری ریکارڈوں (اندراجات) کو ہی تاریخ کا مستند وسیلہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ تحریری مواد کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ حوالہ دیا جاسکتا ہے اور دہری جانچ کی جاسکتی ہے، لیکن زبانی شہادت جیسے اساطیر اور لوک گیتوں کو کبھی جائز وسیلہ کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ ابتدائی مؤرخین اساطیر، قصوں اور زبانی روایتوں کے مستند نہ ہونے اور قابل تصدیق نہ ہونے کے سبب محدود انداز میں استعمال کرتے تھے، لیکن آج کل ان غیر مروجہ ذرائع کو اختراعی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ دیگر یہ کہ تاریخی حقائق کی روشنی میں ہی روایتوں اور ثقافتی خصوصیات کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

مثال کے لیے ''مہابھارت'' نبرد آزما بھائیوں کے درمیان لڑائی کی ایک کہانی ہے۔ کوئی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ آیا یہ حقیقی جنگ تھی جیسا کہ رزمیہ میں بیان کیا گیا ہے۔ کچھ مؤرخین یہ مانتے ہیں کہ جنگ واقع ہوئی تھی جبکہ دیگر اس واقعہ کے لیے توثیقی شہادت کے متلاشی ہیں۔ اصل کہانی شاید ان رزمیہ گوؤں کے ذریعہ بیان کی جاتی تھی، جنھیں سوتر اسوں کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ عام طور پر جنگجوؤں کے ساتھ میدان جنگ میں ہوا کرتے تھے اور فاتحین کی تعریف اور اپنے سورماؤں کے کارناموں کے بارے

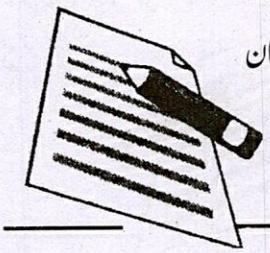

میں نظم کہا کرتے تھے۔ چھتری یہ کہانیاں زبانی طور پر گشت کرتی تھیں اور انسانی یادداشت کے ایک جزو کے طور پر محفوظ رہتی تھیں۔

ادبی ذرائع

1.2 مذہبی ادب

انتہائی قدیم ہندوستان کے مکتوبات مذہبی موضوعات پر مشتمل ہیں اور اُنھیں ''وید'' کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ان کا زمانہ 1500 تا 500 ق۔م۔ (قبل مسیح) بتایا جاتا ہے۔ وید تعداد میں چار ہیں۔ رگ وید عام طور پر دعاؤں پر مشتمل ہے۔ باقی تین سام وید، یجروید، اتھرووید ہیں جو دعاؤں، رسمیات، جادوئی اور اساطیری کہانیوں پر مشتمل ہیں۔ اپنشد میں ''آتما'' اور ''پرماتما'' کے موضوع پر فلسفیانہ بحث کی گئی ہے۔ ان کو ''ویدانت'' بھی کہا جاتا ہے۔

ہماری دو رزمیہ داستانیں مہابھارت اور رامائن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی تالیف ممکنہ طور پر 900 صدی عیسوی میں مکمل ہوئی۔ مہا بھارت کی تالیف ویاس مُنی سے منسوب کی جاتی ہے۔ یہ اصلاً 8800 قطعات پر مشتمل ہے جسے ''جئے گیت'' یعنی فتح مندی کے گیت، کہا جاتا تھا۔ بعد میں اس میں اضافہ ہوتا رہا اور قطعات کی تعداد 24 ہزار ہوگئی اور اسے ''بھارت'' کے طور پر جانا جانے لگا۔ کیونکہ یہ قدیم ویدک قبائل میں ایک کی نسل سے متعلق ہے، جسے ''بھارت'' کہا جاتا تھا۔ اس میں اور بھی توسیع سے قطعات کی تعداد ایک لاکھ ہوگئی اور اسے ''مہابھارت'' کہا جانے لگا۔ اسی طرح والمیکی کی رامائن اصلاً 6000 قطعوں پر مشتمل تھی بعد میں یہتعداد بڑھ کر 12000 اور بلا آخر 24 ہزار قطعات تک پہنچ گئی۔

مابعد ویدک دور (یعنی 600 قبل مسیح) کے بعد کے زمانہ میں رسومات اور اخلاقی قدروں کے متعلق کافی لٹریچر ہمیں مِلتا ہے، جنھیں سوتر کہا جاتا تھا۔ حکمراں طبقہ بڑے پیمانے پر جو ''عوامی یگیہ'' کیا کرتا تھا ان کی رسومات کو ''شرارت'' میں درج کیا جاتا تھا، جبکہ جنم، مرن، شادی بیاہ، جنیو (مقدس دھاگے) دھارن وغیرہ کی تقریبات اور دوسری گھریلو رسومات کو ''گرہ سوتر'' میں درج کیا جاتا تھا۔ یہ تالیفات 600 تا 300 ق م کے درمیانی زمانے کی تصور کی جاتی ہیں۔

جین اور بودھوں کے مذہبی گرنتھوں میں ان مذاہب سے منسوب عظیم شخصیات اور واقعات کا حوالہ ملتا ہے۔ بالکل شروع کے زمانے کے بدھ گرنتھ پالی زبان میں لکھے گئے۔ انھیں تری پٹکا (تین ٹوکریاں) کہا جاتا ہے یعنی سُت پٹکا، وِنے پٹکا، اور ابھی دھم پٹکا۔ بودھ لٹریچر میں جاتک کتھاؤں کی خاص اہمیت ہے۔ یہ عوامی انداز کی کہانیوں پر مشتمل ہیں۔ غیر مذہبی قسم کی ان کہانیوں میں گوتم بدھ کے پچھلے جنم کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ایسا مانا جاتا تھا کہ مہاتما بدھ اصلاً گوتم کی حیثیت میں پیدا ہونے سے پہلے

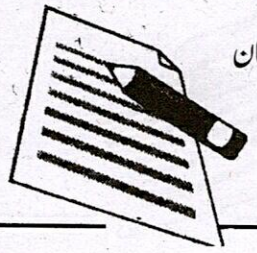

نوٹس

550 جنموں سے گذر چکے تھے۔ ہر جنم کی کہانی 'جاتک' کہلاتی ہے۔ یہ کہانیاں پانچویں صدی ق م سے دوسری صدی ق م کے دوران سماجی اور معاشی صورتحال پر بیش بہا روشنی ڈالتی ہیں۔

جین تالیفات 'پراکرت' زبان میں لکھی گئی تھیں، مگر ان کی تدوین چھٹی صدی عیسوی میں گجرات کے ولبھی مقام پر کی گئی۔ انھیں ''انگ'' (Angas) کہا جاتا ہے۔ ان میں جینیوں کے فلسفیانہ تصورات بیان کیے گئے ہیں۔

1.3 سیکولر ادب

اس زمرے کی تالیفات کا موضوع مذہب نہیں ہے۔ ان کا موضوع دھرم شاستر یا سماجی قانون رہا ہے۔ اس میں مختلف سماجی گروپوں کے فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ چوری، قتل، زناکاری وغیرہ کے خطا کار افراد کے لیے سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ قانون سے متعلق اوّلین کتاب 'منو اِسمرتی' ہے۔ یہ پہلی کتاب تھی جس کا ترجمہ انگریزوں کے ذریعہ کیا گیا اور اُسے ہندوؤں کے ضابطہ قانون کی بنیاد بنایا گیا۔ کوٹلہ کی 'ارتھ شاستر' سے ہمیں موریوں کے دور کی ہندوستانی معیشت اور نظام ریاست کے مطالعے کے لیے زبردست مواد حاصل ہوتا ہے۔ قواعد (گرامر) سے متعلق اولین اور نہایت اہم تخلیق ''اشٹ ادھیائے'' ہے جسے پانی نے لکھا تھا۔ اسکالروں نے اس کا زمانہ 700 قبل مسیح کے آس پاس قرار دیا ہے۔

کالی داس گپت دور کے تھے۔ ان کی تخلیقات نظموں اور ڈراموں پر مشتمل ہیں۔ ''ابھیگیان شکنتلم''، رِتو سنہار، میگھ دوت، ان کی مشہور تخلیقات ہیں۔ یہ عظیم تخلیقی تحریریں تو ہیں ہی اس کے علاوہ گپت دور کی سماجی و ثقافتی زندگی کی جھلکیاں بھی پیش کرتی ہیں، جہاں تک کشمیر کی تاریخ کا تعلق ہے ہمارے پاس ایک اہم کتاب ہے، جسے ''راج ترنگنی'' کہا جاتا ہے۔ اسے کالہن (12 ویں صدی) نے تحریر کیا تھا۔ تاریخ لکھنے کے لیے سوانح عمری یا چرتیائیں نہایت اہم غیر مذہبی کتابیں ہیں۔ انھیں درباری شاعروں نے اپنے سرپرست حکمرانوں کی تعریف میں لکھا تھا۔ چونکہ ان میں اپنے سرپرستوں کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا رجحان پایا جاتا تھا۔ اس لیے ان کا مطالعہ بہت محتاط انداز میں کیا جانا چاہیے۔ ایسی ہی ایک اہم ''ہرش چرتر'' ہے اسے بان بھٹ نے ہرش وردھن کی تعریف میں لکھا تھا۔

قدیم جنوبی ہندوستان کے ادب کو سنگم ادب کہا جاتا ہے۔ اسے تامل زبان میں لکھا گیا تھا اور یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے غیر مذہبی ہے۔ یہ ان شاعروں کے ذریعہ پیش کیا گیا تھا جو عیسوی سنہ کی پہلی چار صدیوں کے دوران سرداروں اور راجاؤں کی سرپرستی میں اسمبلیوں (سنگم) میں ایک ساتھ جمع ہوکر شریک ہوتے تھے۔ یہ ادب مختلف سورماؤں کی تعریف میں مختصر اور طویل نظموں پر مشتمل ہے، انھیں شاید



نوٹس

ہندوستان کی تاریخ کو سمجھنا

درباروں میں پڑھنے کے لیے لکھا گیا تھا۔ یہ رزمیوں کی بھی، تشکیل کرتا ہے۔ انھیں ''شلپدی کرم'' اور ''منی میکلی'' کہا جاتا ہے۔ یہ 300 قبل مسیح سے 300 عیسوی تک جنوبی ہندوستان کے سماج، معیشت اور نظام ریاست کے مطالعے کا ایک بڑا وسیلہ ہے۔ سنگم ادب میں دیے گئے بیانوں کی توثیق آثاری دریافت اور بیرونی سیاحوں کی رودادوں سے ہوتی ہے۔



متن پر مبنی سوالات 1.1

1۔ چاروویدوں کے نام بتایئے۔

(i)_____(ii)_____(iii)_____(iv)_____

2۔ سنسکرت گرامر (قواعد صرف ونحو) کی اولین تصنیف کون سی ہے؟

_____

3۔ ''جاتک'' کیا ہیں؟

_____

4۔ جنوبی ہندوستانی ادب، سنگم ادب کی زبان کون سی ہے؟

_____

5۔ اپنشد کیا ہیں؟

_____

1.4 غیر ادبی ذرائع

کتبات

پتھر، دھات یا پکی مٹی (ٹیرا کوٹا) جیسی سخت سطح پر کندہ کی ہوئی مستقل تحریریں کتبات (Inscription) کہلاتی ہیں۔ کتبات کے مطالعے کو علم کتبہ کہا جاتا ہے۔ اولین کتبات پتھر پر لکھے گئے تھے۔ عام طور پر یہ ان راجاؤں کی کارناموں، سرگرمیوں اور تصورات کا اندراج ہے، جو انھیں کندہ کرواتے تھے۔ اسی طرح وہ کتبات بھی موجود ہیں، جو راجاؤں اور محافظوں کی تعریف میں پرشستی کہا جاتا ہے۔ کچھ کتبہ میں تاریخیں ہیں۔ دیگر میں فن تحریر شناسی یا طرز تحریر کی بنیاد پر بڑی حد تک درستی کے ساتھ تاریخ کا تعین کیا گیا ہے۔ اولین کتبہ پراکرت زبان میں تحریر کیے گئے تھے۔ پراکرت وہ زبان تھی

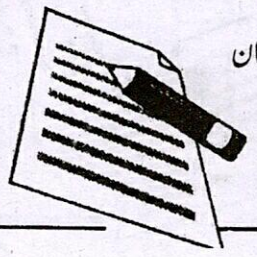

جسے عام لوگوں کے ذریعہ بولا جاتا تھا۔ بعد کے دور میں تمل اور سنسکرت میں بھی کتبے لکھے جانے لگے۔

موریہ راجہ اشوک پہلا شخص تھا جس نے کتبہ تحریر کروائے۔ اس کے زیادہ تر کتبے پراکرت زبان میں تھے اگر چہ وہ برہمی رسم الخط میں لکھے گئے تھے، لیکن شمال مغرب میں کچھ کو کھروشٹی میں بھی لکھا گیا تھا۔ افغانستان میں کتبہ کے لیے آرامی اور یونانی رسم الخط کا استعمال کیا گیا تھا تا کہ مقامی لوگ اپنے معاملات کو سمجھ سکیں۔ برہمی تحریر کو سب سے پہلے جیمس پرنسپ کے ذریعہ 1837 میں سمجھا گیا تھا۔ یہ برطانوی حکومت میں ایک سول ملازم تھا۔ برہمی کو ہندی کی طرح بائیں سے دائیں لکھا جاتا تھا جبکہ کھروشٹی کو دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔ اشوک کے زمانے کے کتبہ اس کی مذہبی وانتظامی پالیسیوں کو سمجھنے میں ہماری کافی مدد کرتے ہیں۔ پہلی صدی ق م سے راجاؤں نے مذہبی لوگوں کو زمین عطیہ کرنے کی شروعات کی تھی۔ دکن کے ست واہن راجاؤں نے پہلی بار اس کی شروعات کی تھی۔ یہ کتبہ عطیہ حاصل کرنے والے (معطی الیہ) کو عطا کی جانے والی رعایتوں کا اندراج کرتے ہیں۔ ایسے کتبہ اس دور کی مذہبی اور معاشی سرگرمیوں کا پتہ لگانے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ بعض کتبہ پتھر پر تحریر کیے گئے ہیں، لیکن زیادہ تر تانبے کی پلیٹوں پر تحریر کیے گئے۔ تانبے کی پلیٹ کے چارٹر (منشورات) شاید ان لوگوں کے معاملات کے ریکارڈ کے طور پر درج ہیں، جنھوں نے زمین اور رعایتیں حاصل کی تھیں۔

تاہم کتباتی شہادت کی کچھ کمیاں ہیں۔ مثال کے طور پر کبھی کبھی الفاظ کافی غیر واضح کندہ ہوتے ہیں اور اس طرح لکھاوٹ مبہم ہوجاتی ہے۔ مزید برآں، کتبہ خستہ ہوسکتے ہیں یا الفاظ مدھم ہوسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کتبات میں استعمال کیے گئے الفاظ کے بالکل درست معنی کے بارے میں ہمیشہ یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، ان میں سے بعض مخصوص جگہ یا وقت کے لیے متعین ہوسکتے ہیں۔



متن پر مبنی سوالات 1.2

1۔ کتبات کے مطالعہ کو کیا کہا جاتا ہے؟

2۔ پرشستی (Pharashatais) کیا ہے؟

3۔ فن تحریر شناسی کی تعریف کیجیے۔

4۔ اشوک کے ذریعہ تحریر کرائے گئے اکثر کتبات کس رسم الخط میں ہیں؟



نوٹس

1.5 سکّے

سکّوں کے مطالعے کو علم سکہ شناسی یا علم مسکوکات کہتے ہیں۔ اس میں نہ صرف بصری عناصر جیسے سکوں کے رسم الخط اور شبیہات کا مطالعہ کیا جاتا ہے بلکہ فلزکاری (دھات سے متعلق) تجزیہ بھی کیا جاتا ہے۔ قدیم سکے زیادہ تر تانبے، چاندی، سونے اور سیسے جیسی دھاتوں میں ڈھالے جاتے تھے۔ ہندوستان میں پائے گئے اولین سکے بعض علامتوں پر مشتمل تھے اور انھیں ٹھپے دار (Punch marked) سکے کہا جاتا تھا۔ یہ چاندی اور تانبے کے بنے ہوتے تھے (تقریباً چھٹی صدی ق م اور اس کے بعد حکمرانوں کے نام اور شبیہہ والے اولین سکے ہند یونانی لوگوں کے ذریعہ جاری کیے گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے بر صغیر ہند کے شمال مغربی حصے میں اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔ (تقریباً دوسری ق م)۔ تقریباً پہلی صدی عیسوی میں کشانوں نے اولین سونے کے سکے جاری کیے۔ سونے کے کچھ دلکش سکے گپت حکمرانوں کے ذریعہ جاری کیے گئے تھے۔ شروع شروع میں انھوں نے جو سکّے جاری کیے تھے وہ سونے کے خالص ہونے کے لحاظ سے نہایت غیر معمولی نوعیت کے ہیں۔

سکے معاشی تاریخ کے بارے میں مفید معلومات فراہم کرتے ہیں کیونکہ انھیں مبادلے کے وسیلے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ کچھ سکے حکمرانوں کی اجازت سے تاجروں اور دستکاروں کی پیشہ ورانہ انجمنوں یا ایسوسی ایشن کے ذریعہ جاری کیے جاتے تھے۔ اس سے دستکاری اور کامرس کے بااثر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ سکوں میں راجاؤں اور دیوتاؤں کی بھی تصویریں ہوا کرتی تھیں اور یہ مذہبی علامتوں پر مشتمل ہوا کرتے تھے، جن سے اس دور کے فن اور مذہب کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔



متن پر مبنی سوالات 1.3

1۔ سکوں کے مطالعے کو کیا کہا جاتا ہے؟

2۔ ٹھپے دار سکوں کو بنانے میں استعمال کی جانے والی دھاتوں کے نام بتایئے؟

3۔ ہندوستان میں کس شاہی خاندان نے سونے کے اوائین سکے جاری کیے تھے؟



نوٹس

1.6 علم آثار قدیمہ

علم آثار قدیمہ کی مدد سے ماضی کے مادّی باقیات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ علم آثار قدیمہ ایک سائنس ہے، جو ہمیں قدیم ٹیلوں کی متواتر پرتوں کو منظّم طور پر کھدائی کا اہل بناتا ہے اور ان جگہوں پر سے دریافت شدہ باقیات کی بنیاد پر ماضی کے لوگوں کی مادی زندگی کے بارے میں ایک تصوراتی شکل سامنے آتی ہے۔ علم آثار قدیمہ قبل تاریخ یعنی لکھاوٹ کی ایجاد سے پہلے کے دور کے مطالعے کے لیے نہایت اہم ہے۔ تاریخ عام طور پر تحریری مواد پر مبنی ہوتی ہے۔ گو کہ تحریر سندھ تہذیب کے دور میں 2500 قبل جانی جاتی تھی، لیکن اس کے رسم الخط کو ابھی تک پہچانا نہیں جاسکا ہے۔ اس طرح، اگر چہ ہڑپا دور کے لوگ یہ جانتے تھے کہ کس طرح لکھا جاتا ہے، لیکن اس کے رسم الخط کے بارے میں ابھی کچھ پتہ نہیں چل پایا ہے۔ ان کی ثقافت کو ابتدائی تاریخی مرحلے میں رکھا جاتا ہے۔ پہلا رسم الخط جس کی پہچان کی گئی تھی وہ برہمی تھا۔ اس کا استعمال اشوک کے کتبات میں کیا گیا تھا اور یہ تیسری صدی قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے۔

ہندوستان میں کھدایوں سے قدیم انسانوں کے اوزاروں کے بارے میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ یہ سات لاکھ سال پہلے کے ہوسکتے ہیں۔ ہڑپائی دور سے متعلق کھدائی کے مقامات سے ان بستیوں کا خاکہ اور گھر مکانوں کی وضع کا پتہ چلتا ہے، جن میں لوگ رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ذریعہ استعمال کیے جانے والے برتنوں، اوزاروں اور دیگر ساز و سامان کی قسم اور اناج وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کس طرح کے تھے اس کے بارے میں پتہ چلتا ہے، جنوبی ہندوستان میں کچھ لوگوں کو ان کے اوزاروں، ہتھیاروں، برتنوں اور دیگر اسباب کے ساتھ بڑے اور بھاری پتھروں کے نیچے دفنا دیا جاتا تھا۔ ان قبروں کو سنگ کلاں (بڑے پتھروں سے بنی ہوئی) کی قبروں کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ان کی کھدائی کے ذریعہ ہم تیسری صدی قبل مسیح سے پہلے دکن اور جنوبی ہندوستان میں بسنے والے لوگوں کی زندگی کے بارے میں واقفیت حاصل کر پائے ہیں۔

کھدائیوں میں پائی گئی باقیات کے زمانے کے تعین کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ اہم ریڈیو کاربن یا کاربن 14(C14) کے ذریعہ زمانے کا تعین کیا جاتا ہے۔ کاربن 14 ایک تابکار (Radioactive) کاربن ہے، جو سبھی جاندار اشیاء میں موجود ہوتا ہے۔ جاندار اشیاء کے ختم ہونے پر سبھی تابکار اشیا کی طرح اس میں بھی گلنے کا عمل ایک یکساں شرح پر ہوتا ہے۔ کسی قدیم شے (لکڑی یا ہڈی) میں موجود C14 مواد کے ضائع ہونے کی پیمائش کر کے اس کے زمانے کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

آب و ہوا اور نباتات کی تاریخ کے بارے میں پودے کے بچے کھچے حصوں کو معائنہ کر کے جانا جاتا

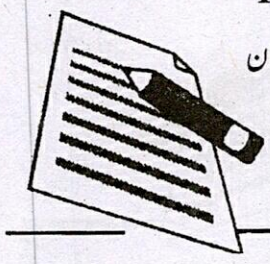

نوٹس

ہے۔ اسی بنیاد پر یہ بتایا گیا ہے کہ تقریباً 7000 تا 6000 قبل مسیح کشمیر اور راجستھان میں زراعت کی جاتی تھی۔ انسان ساختہ دھاتی نمونوں کی نوعیت اور اجزاء کا تجزیہ سائنسی طور پر کیا جاتا ہے اور نتیجتاً ان کانوں (Mines) کو جہاں سے یہ دھاتیں حاصل کی گئی تھیں، ان کے محل وقوع اور دھاتی ٹکنالوجی کے فروغ کے مراحل کی شناخت کی گئی۔ ارضیاتی مطالعے (مٹی، چٹانوں وغیرہ) ماقبل تاریخ کے انسان کے مسکن کے بارے میں اندازے فراہم کرتے ہیں۔ ایک طرف مٹیوں، پودوں، جانوروں کے درمیان جاری باہمی عمل اور دوسری طرف انسانوں کے درمیان جاری بین عمل کا اندازہ لگائے بغیر انسانی تاریخ کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ آثاریاتی باقیات، ارضیاتی اور حیاتیاتی مطالعے مجموعی طور پر انسانی تاریخ کی تعمیر نو اور ارتقا کو سمجھنے کے اہم ذرائع ہیں۔



متن پر مبنی سوالات 1.4

1۔ علم آثار قدیمہ کی تعریف کیجیے۔

2۔ تاریخ یا زمانے کے تعین میں C14 (کاربن 14) کا کیا استعمال ہے؟

1.7 غیر ملکی سیاحوں کے سفرنامے

ملکی ادب کی تکمیل غیر ملکی سفرناموں کے ذریعہ کی جاسکتی ہے۔ یونانی، رومی اور چینی سیاح وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے رہے۔ یہ یا تو سفیر یا سیاح کی حیثیت سے آئے تھے یا مذہبی علم کی جستجو میں آتے تھے۔ انھوں نے جو کچھ یہاں دیکھا اس کی سرگزشت تحریر کی تھی۔ چندر گپت موریہ کے دربار میں ایک یونانی سفیر میگستھینز آیا تھا۔ اس نے انڈیکا لکھی تھی۔ اس کی اصل عبارت تو کھو چکی ہے، لیکن اس کے بعض حصوں کو بعد کے یونانی مصنفین کے ذریعہ بیان کیے گئے حصوں میں محفوظ کیا گیا ہے، جب ان حصوں کو مجموعی طور پر پڑھا جاتا ہے تو ان حصوں سے نہ صرف موریہ دور کی انتظامیہ کے بارے میں بیش بہا معلومات فراہم ہوتی ہے، بلکہ اس دور کے سماجی طبقات اور معاشی سرگرمیوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔

پہلی اور دوسری صدیوں کے یونانی اور رومی سفرناموں میں بہت سی ہندوستانی بندرگاہوں اور ہندوستانی اور رومی سلطنت کے درمیان ہونے والی تجارتی اشیاء کا ذکر ملتا ہے۔ پیری پلس کی ''اریتھینز یں سی'' اور ٹالمی کی ''جیوگرافی'' دونوں یونانی میں لکھی گئی تھیں اور یہ کتابیں اس سلسلے میں بیش



بہا معلومات فراہم کرتی ہیں۔

فاہیان اور ہیون سانگ چینی سیاحوں (Fa-hsien and Hsuan Tsang) کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں بودھ مذہب کے پیروکار تھے اور انھوں نے بودھ خانقاہوں کی زیارت اور بودھ مذہب کے مطالعے کے لیے اس ملک کا دورہ کیا تھا۔ فاہیان جو پانچویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا تھا اور گپتا دور میں ہندوستان کے حالات بیان کرتا ہے جبکہ ہیون سانگ راجہ ہرش وردھن کے دور میں ساتویں صدی میں ہندوستان کی اسی طرح کی سرگزشت بیان کرتا ہے۔ ہیون سانگ بھی اس زمانے کی نالندہ یونیورسٹی (بہار) کی عظمت کا تفصیل بیان کرتا ہے۔



متن پر مبنی سوالات 1.5

1۔ ''انڈیکا'' کس نے لکھی؟

2۔ چینی سیاحوں کے نام بتایئے جو ہندوستان آئے تھے؟

3۔ کون سا چینی سیاح نالندہ یونیورسٹی کی عظمت بیان کرتا ہے؟

1.8 تاریخ کے بدلتے نظریات

مغربی اسکالروں کے ذریعہ خاص طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ قدیم ہندوستانیوں کو تاریخ لکھنے کی جانکاری نہیں تھی، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل میں، تاریخ لکھنے کا ہندوستانی شعور مغرب کے لوگوں سے بالکل مختلف تھا۔ مغرب کے لوگوں نے واقعات کا اندراج سن وار یا تاریخ وار ترتیب میں کیا ہے جبکہ قدیم ہندوستانیوں نے لکھنے میں ایک مختلف انداز اپنایا، پورانوں کی عبارتوں میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس میں چار مختلف ادوار کرتیا، تریتا، دواپر اور کالی کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور ہر دور میں حکمرانوں اور شاہی خاندانوں کی تفصیلی فہرست موجود ہے۔ اس کے علاوہ بڑی تعداد میں کتبات بھی دریافت ہوئے ہیں۔ ان سے مختلف شاہی خاندانی سلسلوں کے راجاؤں کے سلسلہ نسب کے علاوہ ان کی کامیابیوں کا بھی حوالہ ملتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانیوں کو مکان و زماں (جگہ اور زمانے) کا بنیادی علم تھا جہاں یہ واقعات واقع ہوئے تھے۔



نوٹس

ہندوستان کی تاریخ کو سمجھنا

ہندوستان کی قدیم تاریخ میں جدید تحقیق کی شروعات 1765 میں ہوئی تھی، جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال و بہار پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ ہندوستانیوں کے نظم ونسق کے لیے قانون پر قدیم ہندوستانی تصنیف منو اِسمرتی کا 1776 میں انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ برطانیہ کی یہ ابتدائی کوششیں قدیم قوانین اور رسوم کو سمجھنے کے سلسلے میں تھیں۔ 1784 میں بنگال کی ایشیاٹِک سوسائٹی کا قیام اسی کا نتیجہ تھا۔ اس کی نگرانی اور متعدد دیگر ایسی سوسائٹیوں کے تحت ہندو مذہبی اور قدیم متنوں کا ترجمہ انگریزی میں کیا گیا۔ جرمنی میں پیدا ایک دانشور میکس موئکر کے ذریعہ ہندیاتی مطالعات کے لیے زبردست تحریک دی گئی۔ جلد ہی انگریزوں نے محسوس کیا کہ انھیں ہندوستانی مذہبی کتابوں اور سماجی نظاموں کے بارے میں گہری معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان پر زیادہ بہتر طور پر حکمرانی کی جاسکے۔ یہاں تک کہ عیسائی مبلغین نے بھی ہندوستانی قوانین اور رسوم کے بارے میں زیادہ جاننے کی ضرورت محسوس کی تاکہ ان میں تبدیلی مذہب کی کوشش کی جاسکے اور برطانیہ کی حکمرانی کو مضبوط کرنے میں مدد مل سکے۔ عبارتوں کا ترجمہ کرتے وقت مغربی دانشوروں نے تبدیلی کے بارے میں ہندوستانیوں کی عدم آمادگی اور استبداد کے باوجود اپنے مذہب پر اٹل رہنے کے عادی ہیں۔

1904 ئمیں ونسنٹ اے اسمتھ نے ''ارلی ہسٹری آف انڈیا'' لکھی۔ یہ قدیم ہندوستان کی پہلی منظّم تاریخ تھی۔ اس کتاب میں تاریخ کے بارے میں اس کا انداز نظر برطانیہ نواز تھا اور اس نے ہندوستان پر برطانوی حکمرانی کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی۔ یہ مطلق العنان برطانوی حکمرانی کے قائم رکھنے کے لیے ایک بہتر پروپگنڈا مواد ثابت ہوا۔

ہندوستانی دانشوران اور خاص طور پر وہ جنھوں نے مغربی تعلیم حاصل کی تھی برطانیہ کے ذریعہ اپنائے گئے اس انداز سے مضطرب تھے، جس میں وہ اپنے فائدے کے لیے ہندوستانی تاریخ پیش کررہے تھے۔ قوم پرستانہ نظریات سے منضبط کچھ لوگوں نے تاریخ کو از سرنو لکھنے کی خود ذمہ داری اٹھائی تاکہ دنیا کو ہندوستانی ثقافت کی اصل عظمت بتائی جاسکے۔ دو ممتاز قوم پرست مؤرخین آر۔ جی۔ بھنڈارکر (1837 تا 1925) اور وی۔ کے۔ راج واڑے (1869 تا 1926) تھے، جنھوں نے مختلف ذرائع کی مدد سے سماجی و معاشی تاریخ کی تشکیل نو کی۔ تاریخ کو از سرنو مرتب کرتے وقت انھوں نے بعض سماجی برائیوں جیسے کم عمر میں شادی اور ذات پات کے نظام پر بھی چوٹ کی اور بیواؤں کی دوبارہ شادی کی حوصلہ افزائی کی۔ پی۔ وی۔ کانے (1880 تا 1972) کا کارنامہ بھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ جنھوں نے ''ہسٹری آف دھرم شاستر'' کے عنوان سے یادگار تخلیق تحریر کی۔ اس سے ہندوستانی سماج کے خاص خاص عناصر کا پتہ چلتا ہے۔

ان ہندوستانی دانشوروں نے نظام ریاست سے متعلق قدیم ہندوستانی متنوں کا بغور مطالعہ کیا تاکہ

وہ یہ دکھلا سکیں کہ قدیم ہندوستانیوں کو انتظامیہ کی گہری معلومات تھی۔ ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر (1875-1950) ایک ماہر علم کتبات تھے اور انھوں نے قدیم ہندوستانی سیاسی اداروں سے متعلق کتابوں کی اشاعت کی۔ ایچ۔ سی۔ رائے چودھری (1892-1957) نے قدیم ہندوستان کی تاریخ کی تشکیل نو کی اور کئی نکات پر وے۔ اے۔ اسمتھ پر تنقید کی۔ آر۔ سی۔ مجومدار (1888 تا 1980) کی تحریروں میں ایک مضبوط عنصر دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے کئی جلدوں کی "History and Culture of Indian People" نامی کتاب مرتب کی۔ 1960 تک قوم پرستی کے تصور سے لبریز ہندوستانی دانشوروں نے اپنے متعلقہ علاقوں اور اس طرح ہندوستان کی تاریخ کی عظمت بیان کی۔ یہ کے۔ پی۔ جائسوال (1885-1937) تھے، جنھیں غیر معقول استبدایت (Despotism) کو توڑنے کا سہرا جاتا ہے۔ انھوں نے قدیم ہندوستان میں ہندوستانی رجواڑوں اور حکومت خود کے وجود کے بارے میں لکھا۔

آزادی کے بعد تاریخ کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔ یہ سماج اور معیشت پر زیادہ سے زیادہ اصرار کے ساتھ غیر سیاسی تاریخ لکھنے کا رجحان تھا۔ "The Wonder that was India" ایک ایسی ہی اولین تخلیق تھی، جسے اے۔ ایل۔ باشم (1914 تا 1986) نے تحریر کیا تھا۔ ڈی۔ ڈی۔ کوشامبی (1907 تا 1966) کی کتاب "An Introduction to the Study of India History" اس میں مزید تبدیلی کا اظہار کرتی ہے۔ انھوں نے قدیم ہندوستان کے سماجی و معاشی پہلوؤں کو نمایاں کرنے کا انداز اختیار کیا ہے۔ ان کے بعد کے مؤرخین کی کافی بڑی تعداد ایسی تھی، جنھوں نے سماجی، معاشی اور ثقافتی تاریخ پر توجہ مبذول کرنے کا رجحان اپنایا۔ ان کا خاص زور پیداوار کے ذرائع اور لوگوں کے مختلف گروپوں کے درمیان سماجی و معاشی رشتوں پر تھا۔

1.6 متن پر مبنی سوالات

1۔ آزادی کے بعد تاریخ لکھنے میں کس طرح کا رجحان پیدا ہوا؟ بیان کیجیے۔

1.9 ہندوستانی تاریخ کے موضوعات

ماضی کے بارے میں بھرپور معلومات کے لیے طلبا کو سماج کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں آگاہ ہونا چاہیے، ان ہی پہلوؤں کو نفس موضوعات، مرکزی خیال (Themes) کہا جاتا ہے۔ یہ نفس موضوع مختلف میدانوں جیسے سماجی، معاشی، مذہبی، سیاسی اور ثقافتی میدانوں میں ہونے والی پیش رفت کے

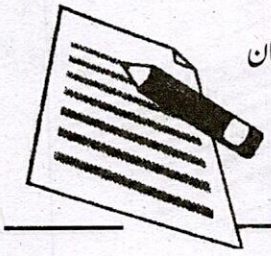

بارے میں جاننے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ان میدانوں میں ہونے والی پیش رفت اتنی گڈ مڈ ہے کہ ان کے درمیان قائم حدیں اکثر ٹوٹ سی جاتی ہیں۔ مثال کے لیے جب ابتدائی ویدک دور کا چراگاہی سماج بعد کے ویدک دور میں ایک منظم زرعی سماج میں بدلا تو اس کے نتیجے میں سیاسی نظام بھی بدل گیا۔ راجہ جسے چراگاہی سماج میں ''گوپتی'' (مویشیوں کا مالک) کہا جاتا تھا وہ اب زرعی معیشت کی ترقی کے ساتھ ''بھوپتی'' زمین کا مالک ہوگیا۔ پہلے جو جنگیں زیادہ سے زیادہ گائے حاصل کرنے کے لیے لڑی جاتی تھیں، وہ اب زیادہ زمینیں حاصل کرنے کے لیے لڑی جانے لگیں۔ دھیرے دھیرے راجہ زیادہ طاقتور ہوگئے اور بادشاہت موروثی ہوگئی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف میدانوں میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں وہ ایک دوسرے سے کافی جڑی ہوئی تھیں اور یہ اکثر بڑے واقعات پر اثر انداز ہوتی تھیں۔ اس نصابی مواد میں آپ فن تعمیر، ذات پات کے نظام، سائنس اور معیشت، ٹکنالوجی کے میدانوں میں ہونے والی ترقیوں اور مختلف مذہبی فرقوں اور رسمیات کے ابھرنے اور ان کی افزائش کے بارے میں پڑھیں گے۔

اختتامی سوالات

1۔ قدیم ہندوستان کے سیکولر ادب پر ایک مختصر نوٹ تحریر کریں۔

2۔ تاریخ کی ترتیب نو میں وسائلی مواد کے طور پر سکوں کے موضوع پر پانچ جملے لکھیں۔

3۔ ماضی کو سمجھنے میں علم آثار قدیمہ کس طرح ہماری مدد کرتا ہے؟

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

1.1

1۔ رگ، سام، یجر، اتھر

2۔ اشٹ ادھیائے

3۔ گوتم بدھ کی پچھلی زندگیوں کی کہانیوں پر مشتمل

4۔ تمل

5۔ اپنشد ویدوں کے آخری حصہ ہیں۔ ان میں آتما اور پرماتما کے فلسفے پر بحث کی گئی ہے۔

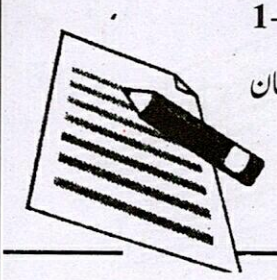

1.2

1۔ علم کتبات

2۔ راجاؤں اور دیگر سرپرستوں کی تعریف میں شاعروں کے ذریعہ مرتب

3۔ طرز تحریر

4۔ برہمی

1.3

1۔ علم سکہ

2۔ چاندی اور تانبہ

3۔ کشان

1.4

1۔ ماضی کو سمجھنے کے لیے کھدائی کا علم

2۔ آثاریاتی کھدائیوں میں پائی گئی ہڈیوں یا لکڑی کا زمانہ متعین کرنے میں مدد کرتا ہے۔

1.5

1۔ میگستھینز

2۔ فاہیان، ہیون سانگ

3۔ ہیوین سانگ

1.6

1۔ سیکشن 1.9 کے پیرا-6 سے رجوع کریں۔

اختتامی سوالات کے لیے اشارے

1۔ 1.3 سے رجوع کریں۔

2۔ 1.5 سے رجوع کریں۔

3۔ 1.6 سے رجوع کریں۔

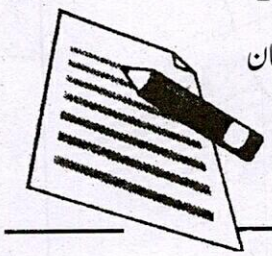

نوٹس

2

ہندوستان کا جغرافیائی ماحول اور ماقبل تاریخ ثقافتیں

The Geographical Setting and Pre-Historic Culturs of India

کسی ملک یا خطے کی تاریخ کو اس کی جغرافیہ سے متعلق بعض معلومات کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ لوگوں کی تاریخ بڑی حد تک خطے (جہاں وہ رہتے ہیں) کے جغرافیہ اور اس کے ماحول سے مشروط ہے۔ خطے کے طبیعی جغرافیہ اور ماحولیاتی حالات میں آب و ہوا۔ مٹّی کی اقسام، آبی وسائل اور دیگر مقامی جغرافیائی خصوصیات شامل ہیں۔ یہ ساری چیزیں خطے کی آبادکاری کے انداز، آبادی کے پھیلاؤ غذائی اشیاء، انسانی برتاؤ اور کھانے پینے کی عادتوں کو متعین کرتی ہے۔ برصغیر ہند میں امتیازی جغرافیائی خصوصیات کے ساتھ ایسے مختلف خطے ہیں جو اس کی تاریخ کے مواد پر زبردست اثر انداز ہوتے ہیں۔

جغرافیائی لحاظ سے دیکھا جائے تو قدیم زمانے میں برصغیر ہند میں ہندوستان، بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان اور پاکستان شامل تھے۔ جغرافیائی تنوع کی بنیاد پر برصغیر ہند کو موٹے طور پر درج ذیل اہم خطوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہیں:

(i) ہمالیائی سلسلہ

(ii) شمالی ہندوستان کے دریائی میدان

(iii) جزیرہ نما ہندوستان

مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ:

- برصغیر ہند کی طبیعی تقسیم کی وضاحت کرسکیں گے؛
- ہر خطے کی امتیازی خصوصیات پہچان سکیں گے؛
- یہ سمجھ سکیں گے کہ کیوں بعض جغرافیائی علاقے دیگر علاقوں کی نسبت زیادہ اہم ہیں؛
- ماحول (Environment) کی اصطلاح کی وضاحت کرسکیں گے؛

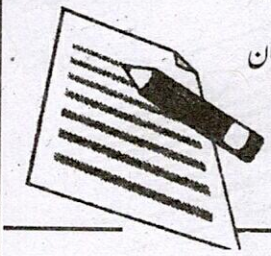

نوٹس

- مختلف خطوں کی جغرافیائی اور تاریخی پیش رفت کے درمیان رشتہ قائم کرسکیں گے؛
- ماقبل تاریخ، ماقبل تاریخ ثقافتیں اور پتھر کے زمانے کی اصطلاح بیان کرسکیں گے؛
- استعمال کیے گئے اوزاروں کی بنیاد پر پتھر کے زمانے یا حجری زمانے کے شروعاتی، درمیانی اور آخری دور کے درمیان فرق کرسکیں گے؛
- آب و ہوا اور استعمال کیے گئے اوزاروں کی بنیاد پر عبوری مرحلے کے طور پر وسطی حجری دور (Mesolithic) کی وضاحت کرسکیں گے؛
- نوحجری دور (Neolithic) کی اہم خصوصیات کی توضیح کرسکیں گے؛ اور
- قدیم حجری دور اور نوحجری دور کے درمیان فرق کرسکیں گے؛
- قبل تاریخی فن کے بارے میں جان سکیں گے۔

2.1 ہمالیائی سلسلہ

ہمالیائی سلسلہ دنیا کا سب سے بڑا اور بلند پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ تقریباً 2,400 کلومیٹر لمبا (نقشہ 2.1) ہے۔ ان پہاڑی سلسلوں سے نہ صرف یہ کہ حملوں سے بچاؤ ہوا بلکہ شمال سے آنے والی ٹھنڈی ہواؤں سے بھی تحفظ حاصل ہے۔ یہ سمندر سے آنے والی مانسون ہواؤں کو بھی روکتی ہیں، جن سے شمالی میدانوں میں بارش واقع ہوتی ہے۔ تاہم کچھ پہاڑی درّے (تنگ راستے) ہیں، جو اگرچہ پیچیدہ ہیں، لیکن حملہ آوروں، تاجروں اور مشنریوں (مذہبی مبلغین) کی رسائی کے لیے محرک ثابت ہوئے ہیں۔ ان درّوں سے قدیم زمانے میں مرکزی ایشیاء، چین اور تبّت کے ساتھ ثقافتی رابطوں میں بھی مدد ملی ہے۔

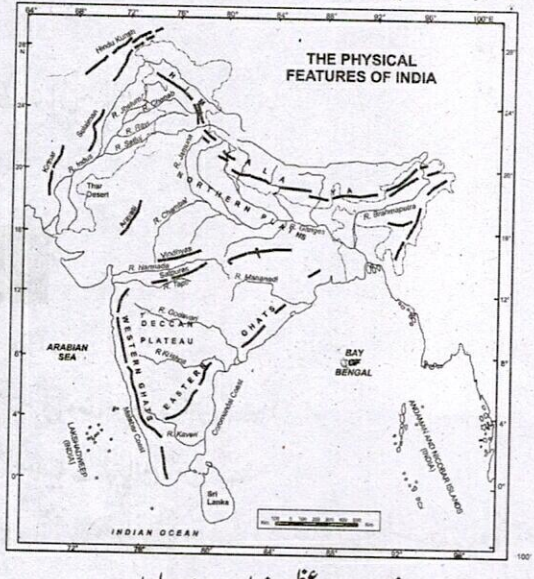

نقشہ: 2.1 عظیم شمالی پہاڑی سلسلے

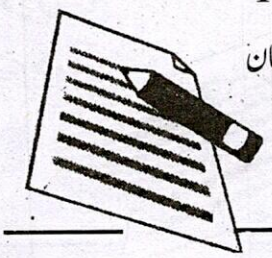

نوٹس

ہندوستان کا جغرافیائی ماحول اور ماقبل تاریخ ثقافتیں

شمال مغربی سمت میں ٹوٹے ہوئے ہمالیائی سلسلے ایران، افغانستان کے ذریعہ وسطی ایشیاء کے ساتھ ہندوستانی میدانوں سے جوڑنے والے بڑے راستوں پر مشتمل ہیں۔ یہ راستے گومل، بولن اور خیبر درّوں سے گزرتے ہیں۔ یونانی، شاکیہ، کشان، ہون اور دیگر غیر ملکی قبائل انھیں راستوں کے ذریعہ ہندوستان پہنچے۔ اسی طرح، ان پہاڑی درّوں کے ذریعہ افغانستان اور وسطی ایشیاء میں بودھ مت اور دیگر ہندوستانی عناصر کی رسائی ہوئی۔

2.2 شمالی ہندوستان کے دریائی میدان

ہمالیائی سلسلہ تین دریائی نظام بھی فراہم کرتا ہے، جن میں دریا سندھ گنگا اور برہم پتر خاص ہیں۔ ان ندیوں نے اپنے اپنے متعلقہ خطوں کو زرخیز بنایا ہے، جس کی وجہ سے یہ آبادکاروں اور حملہ آوروں کی توجہ کا مرکز بنا۔

سندھ کے میدانوں میں پنجاب اور سندھ کے خطے شامل ہیں۔ سندھ ندی کی معاون ندیوں یا دھاراؤں سے آبپاشی ہونے کے سبب ایک وسیع زرخیز میدان کی تشکیل ہوئی جس سے یہ خطہ برصغیر ہند کا غذائی ذخیرہ (Bread basket) بن گیا۔ ''بریڈ باسکٹ'' اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ خطہ گیہوں کی کاشت کے لیے بہت اہم ہے۔ پنجاب خطے کی کلیدی حیثیت اور خوشحالی قدیم زمانے سے غیر ملکی حملہ آوروں کے لیے باعث کشش رہی ہے۔ سندھ کے خطے میں نشیبی وادی سندھ اور ڈیلٹا شامل ہیں۔ یہ سندھ کا میدان ہی ہے جو برصغیر ہند میں پہلی بار ہڑپا کی ثقافت کہی جانے والی ایک شہری (Urbanized) ثقافت کی ترقی کا گواہ رہا ہے۔ (سبق 3 دیکھیں)

گنگائی بیسن (نشیبی علاقوں) میں زیادہ بارش ہوتی ہے اور یہ خطۂ سندھ کی نسبت زیادہ مرطوب ہے۔ گنگائی میدان تین ذیلی خطوں میں منقسم ہے: بالائی، وسطی اور نشیبی، گنگا ندی کے بالائی میدانوں میں اتر پردیش کے مغربی اور جنوبی حصے شامل ہیں۔ اس خطے نے قدیم زمانے سے ہی فعال ثقافتی ترقیاں دیکھی ہیں۔ اس میں بعد کے ویدک دور میں آریہ بسے ہوئے تھے۔ اس دور میں وہ زراعت کا کام ہی کیا کرتے تھے۔ وسطی گنگائی میدان، جو زیادہ زرخیز ہے اور جہاں زیادہ بارش ہوتی ہے، میں مشرقی اتر پردیش اور بہار شامل ہیں۔ یہ وہ خطہ ہے جہاں مہاجن پد (علاقائی ریاستوں) جیسے کوشل، کاشی اور مگدھ چھٹی صدی ق۔م، میں قائم ہوتے تھے۔ ہندوستان کے دو اہم مذاہب جین اور بودھ مذاہب کا ظہور بھی یہیں ہوا تھا۔

نشیبی گنگائی میدان بنگال خطے پر مشتمل ہے۔ اس کے شمالی حصے میں برہم پتر کے ذریعہ آبپاشی کی جاتی ہے۔ اس خطے میں بہت زیادہ بارش ہونے کے سبب گھنے جنگل اور دلدلی زمینیں بنی ہیں۔ جس سے

شروعات میں آبادکاریوں کے فروغ میں مشکل پیش آئی ،لیکن اس کے ساحلی علاقے برصغیر ہند کے دیگر خطوں اور جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے ساتھ بھی رسل و رسائل کے اہم ذرائع کے طور پر کام آئے۔ تامرلپتی یا تاملک اس خطے کی ایک اہم بندرگاہ تھی، جس نے کمرشیل سرگرمیوں میں ایک اہم رول نبھایا۔

مشرقی ہندوستان سے مراد عام طور پر ساحلی میدان ہیں، جن کی تشکیل مہاندی دریا اور دیگر دریاؤں کے ذریعہ ہوئی تھی۔ اس خطے کے زرخیز ساحلی میدانوں سے زراعت، سماج و ثقافت کے فروغ میں کافی مدد ملی۔ نند اور موریوں (چوتھی صدی ق۔م) کے زمانے سے ہی گنگائی ثقافت کے ساتھ ان کا ربط قائم ہوا۔ تقریباً 1000 عیسوی میں اڑیسہ نے اپنی امتیازی اور ثقافتی شناخت کو فروغ دینے کی شروعات کی۔

مغربی ہندوستان سے مراد راجستھان اور گجرات کی جدید ریاستوں کا خطہ ہے۔ یہ خطہ اپنی کالی مٹی کے لیے جانا جاتا ہے، جو کپاس کی کاشت کے لیے اچھی ہوتی ہے۔ راجستھان کا تھار ریگستان نیم خشک خطوں کے ذریعہ گھرا ہوا ہے۔ یہ گنگائی میدانوں کی طرح زرخیز نہیں ہے۔ نتیجتاً یہ خطہ کاشت کاری کے لیے بہت زیادہ موافق نہیں ہے۔ تاہم 8ویں صدی کے بعد رہٹ کی شکل میں آبپاشی کے میکانکی فروغ کے سبب بہت سی بستیاں وجود میں آئیں۔ گجرات میں سابرمتی، ماہی، نرمدا اور تاپتی ندیوں کے زرخیز میدانوں کے ذریعہ خوشحالی آئی۔ گجرات کی بندرگاہوں کے ذریعہ باہری ملکوں کے ساتھ روابط قائم کرنے میں ایک انتہائی طویل سمندری ساحل بھی مددگار ثابت ہوا۔ اس خطے کا انتہائی اہم بندرگاہ برگو کچھ یا بھروچ رہا ہے۔

2.3 جزیرہ نما ہندوستان

جزیرہ نما ہندوستان میں دکن کے پٹھار اور (سطح مرتفع) جنوبی ہندوستان کے ساحلی میدان شامل ہیں۔ یہ پٹھار وندھیاچل پہاڑوں کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ تین اہم خطوں میں تقسیم ہے جو کافی حد تک مہاراشٹر آندھراپردیش اور کرناٹک کی جدید ریاستوں کے مطابق ہے۔ شمالی دکنی پٹھار مہاراشٹر کے ایک حصے پر مشتمل ہے۔ متعدد ماقبل تاریخی دور کے مقامات تانبہ اور پتھر کے اوزاروں کا استعمال کرنے والے لوگوں کے ذریعہ آباد تھے، جنھیں اس خطے میں دریافت کیا گیا ہے۔ کرناٹک میں جنوب مشرقی دکن شامل ہے۔ یہ خطہ پانی اور دیگر وسائل کی دستیابی کے سبب انسانی بستیوں کے لیے شمالی خطے کی نسبت زیادہ موزوں تھا۔ رائچور کا دوآبہ اپنی چاول کی کاشت کے لیے جنوبی ہندوستان کے چاول کی کثرت پیداوار (Ricebowl) کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہ مختلف مملکتوں کے درمیان جھگڑے کی وجہ بھی رہا ہے۔ یہ خطے ماقبل تاریخ کے دور سے ہی بسے ہوئے تھے۔

ماڈیول-1

قدیم ہندوستان

نوٹس

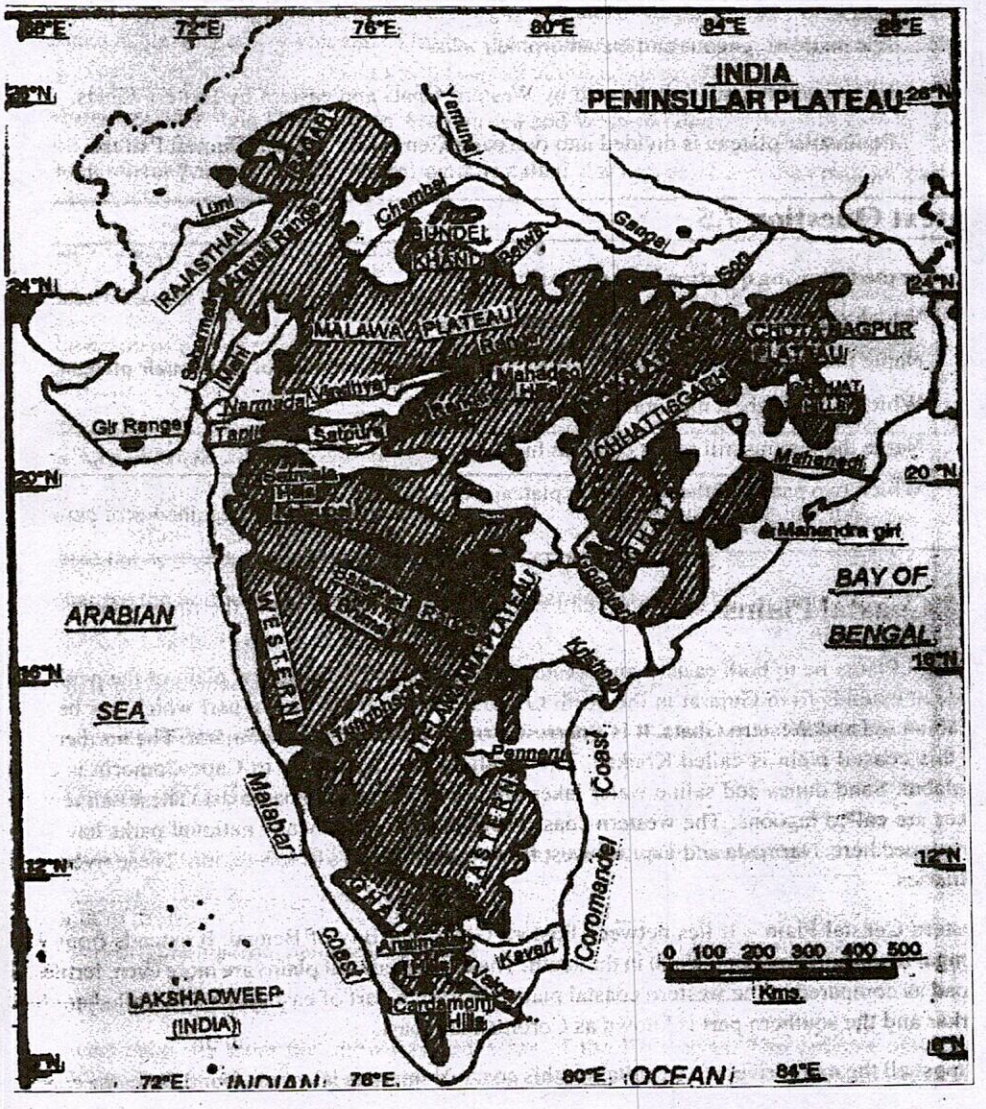

نقشہ:2.2 جزیرہ نما ہندوستان

پٹھاری خطے میں مغربی اور مشرقی گھاٹوں میں پہاڑی ڈھلواں زمین (ٹیرین) بھی شامل ہیں۔ مغربی گھاٹ مغربی ساحل کے انتہائی قریب سے ابھرتے ہیں۔ یہ پٹھار کی مشرقی سمت میں بتدریج سیڑھی دار ہوتے گئے ہیں۔ یہ جنار، کنہری اور کرلے میں درّوں کے ایک سلسلے کے ذریعہ کٹے ہوئے ہیں۔ یہ درّے مغربی ساحل کی بندرگاہوں کو جوڑنے والے تجارتی راستوں کے طور پر استعمال ہوتے رہے ہیں۔ مغربی گھاٹوں کے جنوب ترین سرے پر پال گھاٹ درّہ ہے، جو مغربی ساحل کو کاویری وادی سے جوڑتا ہے اور قدیم زمانے میں ہندرومی تجارت میں ایک اہم رول نبھاتا رہا ہے۔ مشرقی گھاٹ کی بلندی پٹھار اور ساحلی میدان میں دھیرے دھیرے کم ہوگی گئی ہے۔

ساحلی میدان مشرق میں تمل ناڈ اور مغرب میں کیرل ریاستوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ تامل ناڈو میں ندیاں موسمی ہیں۔ نتیجتاً اس خطے کے لوگ قدیم زمانے سے ہی تالاب سے آبپاشی پر زیادہ منحصر ہوا کرتے تھے۔ تاہم، کاویری ڈیلٹا انسانوں کے لیے باعث کشش ایک بڑا خطہ رہا ہے۔ یہ چاول کی کاشت کے لیے موافق حالات پیدا کرتا ہے اور ابتدائی ماقبل تاریخ دور میں سنگم ثقافت کے پنپنے کا گواہ رہا ہے۔ اری کامیڈ اور کاویری پٹنم کی بندرگاہیں عیسائی سن کی ابتدائی صدیوں میں ہندرومی تجارت کے لیے کافی سازگار رہی ہیں۔ تمل خطے میں اس کی اپنی امتیازی اور ثقافتی شناخت کا ارتقا ہوا۔

متن پر مبنی سوالات 2.1

1۔ برصغیر ہند کے شمال مغرب میں واقع اہم پہاڑی دروں کا نام کیا ہے؟

2۔ مابعد ویدک دور میں گنگا ندی کے بالائی میدانوں میں کون آباد تھے؟

3۔ وسطی گنگائی میدانوں میں کون سے دو اہم مذاہب ظہور میں آئے؟

4۔ کون سی ریاست میں قدیم زمانے سے تالاب سے آبپاشی زیادہ مقبول رہی ہے؟

5۔ کاویری ڈیلٹا کون سی فصل کے لیے مشہور ہے؟

6۔ کسی دو غیر ملکی قبائل کا نام بتایئے جو قدیم زمانے میں شمالی مغربی پہاڑی درّوں کے ذریعہ پہنچے تھے؟

7۔ برصغیر ہند کے ''بریڈ باسکٹ'' کے طور پر کون خطّہ جانا جاتا ہے۔

2.4 ماحول کا اثر

کسی خطے میں لوگوں کی آبادکاری اُس کے ماحولیاتی حالات پر بہت زیادہ منحصر ہوتی ہے۔ ماحول

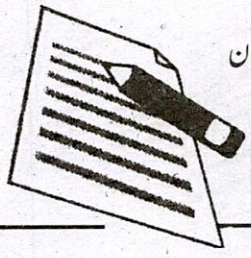

نوٹس

میں گرد و پیش کے حالات شامل ہیں، جس میں مختلف النوع عناصر (انسان، جانور اور پودے) کا وجود ہوتا ہے اور وہ عمل کرتے ہیں۔ ماحول میں خاص طور پر آب و ہوا، زمینی مناظر، ندیاں، پودوں اور جانوروں (نباتات اور حیوانات) جیسے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ ماحول قدیم زمانے سے ہی کس طرح لوگوں کے زندگی اور ان کی تاریخ پر اثر انداز ہوتا رہا ہے۔

ایک نیم خشک علاقہ آبادکاری کے مقصد سے لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر خطہ سندھ میں قدیم زمانے میں آب و ہوا کی یہی نوعیت تھی، جس کے نتیجے میں ہڑپائی تمدن کو یہاں فروغ حاصل ہوا تھا۔ اس سے شہری آبادیوں کے پھلنے پھولنے میں بھی مدد ملی۔ اسی طرح بہار میں پاٹلی پتر اور مگدھ کے عروج کو بھی اس کی طبیعی خصوصیات اور ماحول کے لحاظ سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ پاٹلی پتر گنگا، سون اور گنڈک نام کی ندیوں سے گھرا ہوا تھا، جس سے اسے قدرتی دفاع اور داخلی رسل و رسائل کی سہولت حاصل تھی۔ مزید برآں، زرخیز ہند گنگائی میدانوں نے بھی ایک بڑی آبادی کو برقرار رکھنے میں مدد فراہم کی۔

ماحولیاتی حالات بھی خطے کے امکانی ذرائع کی استعداد کا تعین کرتے ہیں۔ جنگلاتی خطے عمارتی لکڑی کا ایک زبردست وسیلہ ہوسکتے ہیں، جبکہ سمندری ساحلی خطے سمندری اشیاء حاصل کرنے کا ذریعہ ہوسکتے ہیں۔ وہ پہاڑی خطے جہاں کی چٹانوں میں معدنی دھاتیں ہوتی ہیں وہاں دھات کاری کے فروغ کی گنجائش ہوسکتی ہیں۔ دھاتوں کو نکالنے اور اوزاروں کے لیے ان کے استعمال اور دیگر مقاصد کی تکمیل سے معیار زندگی کو بہتر کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر مگدھ، چھوٹا ناگپور کے پٹھار میں خام لوہے کی کانوں اور پتھروں ولکڑی کے وسائل کے نزدیک واقع تھا جس کی وجہ سے مگدھ کی حیثیت میں مزید اضافہ ہوا۔

ذریعہ معاش یا زندگی گزارنے کا انداز بھی ماحولیاتی حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ دریائی میدانوں کے ذریعہ گھرے ہوئے خطوں میں سیلابی مٹی پائی جاتی ہے۔ مٹی کی زرخیزی پیداوار بڑھانے میں مدد کرتی ہے۔ مٹی کی قسم فصل خیزی کے انداز کو متعین کرتی ہے۔ مثال کے لیے کالی مٹی کپاس اُگانے میں بہتر ہوتی ہے۔ زائد پیداوار کے سبب مبادلے سے متعلق سرگرمیاں پیدا ہوتی ہے ان سے بڑے پیمانے پر تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

وہ علاقہ جہاں جہاز رانی کے لائق ندیاں ہیں، وہاں تجارت اور مواصلاتی نیٹ ورک کو کافی فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے قدیم ادب جیسے جاتکوں اور دیگر عبارتوں میں قدیم ہندوستان کے متعدد لب دریائی یا دریائی راستوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح ساحلی راستوں سے مختلف ممالک کے ساتھ طویل فاصلاتی تجارت کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ پہاڑی درّے بھی اس ضمن میں کافی اہم ہیں۔ مثال کے لیے پال گھاٹ

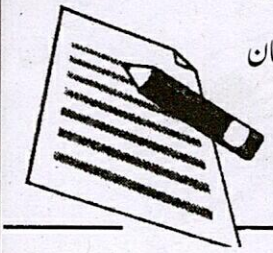

نوٹس

درّے مشرقی اور مغربی ساحلوں سے جڑے ہوئے ہیں اور قدیم زمانوں میں ہندرومی تجارت کو بڑھانے میں مدد ملی۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کسی خطے کی تاریخی اس سے عمل کاری کو نمایاں کرنے میں اُس کے جغرافیائی حالات اور ماحول سے مدد ملتی ہے۔ برصغیر ہند کا تنوع تاریخی ارتقا کا ایک غیر یکساں انداز پیش کرتا ہے۔ وہ علاقے جو وسائل کے لحاظ سے زیادہ خوشحال ہیں خاص اہمیت کے حامل ہیں اور کم وسائل والے علاقے ان سے کافی پیچھے ہیں۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آبادکاری کا انداز اور طرز زندگی مقامی وسائل سے استفادہ کرنے پر مبنی ہوتی ہے۔ اور اسی سلسلے میں ہونے والی اس خطے کی تکنیکی پیش رفت بھی اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔

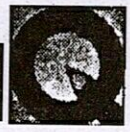

متن پر مبنی سوالات 2.2

1۔ ان ندیوں کے نام بتایئے جن سے پاٹلی پتر (جدید پٹنہ) کے قدرتی دفاع فراہم ہوا ہے۔

_____

2۔ کس خطہ کے ذریعہ مگدھ کو لوہے کی دھات اور عمارتی لکڑی سپلائی ہوتی ہے؟

_____

3۔ مٹی کی کون سی قسم کپاس اُگانے کے لیے بہتر ہے۔ (کالی/لال/ ریگی)

_____

4۔ وہ کون سا مشہور پہاڑی درّہ ہے، جو ہندوستان کے مشرقی اور مغربی ساحلوں کو جوڑتا ہے؟

_____

2.5 ماقبل تاریخی ثقافتیں

ماقبل تاریخ کا دور ہمارے قدیم ماضی کا وہ دور ہے جس کے ہمارے پاس تحریری ریکارڈ نہیں ہیں۔ اس لیے اس دور سے متعلق ثقافتوں کے بارے میں ہمیں جو علم حاصل ہوا ہے، وہ صرف آثاریائی کھدائیوں کی دریافت پر مبنی ہے۔ ابتدائی انسان جو اس دور میں آباد تھے انھوں نے اپنے گرد و پیش میں دریافت پتھر سے اوزار اور ساز و سامان بنایا تھا۔ ان کی بھوک کی تسکین کے لیے یہ اوزار شکار اور غذا جمع کرنے میں مددگار تھے۔ چونکہ انسانوں کے ذریعہ ابتداء میں جو اوزار استعمال کیے جاتے تھے وہ پتھروں سے بنے ہوتے تھے اس لیے انسانی ارتقا کے اس مرحلے کو حجری یا پتھر کا دور کہا جاتا ہے۔

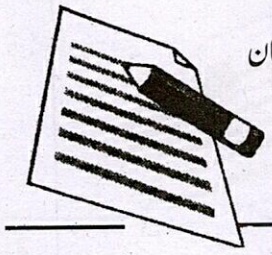

نوٹس

ہندوستان کا جغرافیائی ماحول اور ماقبل تاریخ ثقافتیں

اس سبق میں ہم شکار کرنے اور غذا جمع کرنے سے لے کر غذا کی پیداوار کرنے والوں کے طور پر قبل تاریخی انسان کے ارتقا کو تلاش کرسکیں گے۔ یہ تبدیلی ایسے ہی اچانک نہیں ہوئی بلکہ اس میں سیکڑوں ہزاروں سال لگ گئے۔ ماقبل تاریخی دور میں انسانی ارتقا کے مراحل کو اوزاروں اور تکنیکوں کی مختلف اقسام کی بنیاد پر قدیم حجری دور، وسطی حجری اور جدید حجری دور کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

2.6 قدیم حجری دور کی ثقافتیں

"Palaolibhic" (قدیم حجری دور) یونانی لفظ Palaeo جس کا مطلب ہے قدیم اور Lithic جس کا مطلب پتھر سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس لیے قدیم حجری دور سے مراد قدیم پتھر کا زمانہ ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم حجری دور کی اس ثقافت کا تعین تقریباً دوملین سال پہلے کا کیا ہے۔ پلاسٹوسین دور ایک ارضیاتی زمانہ ہے، جب زمین کی سطح برف سے ڈھکی ہوئی تھی اور موسم اتنا ٹھنڈا تھا کہ انسان یا پودوں کی زندگی کی بقا نہیں ہوسکتی تھی، لیکن ٹراپیکی (استوائی) خطّے میں، جہاں برف پگھل چکی تھی وہاں انسانوں کی بالکل ابتدائی انواع کا وجود ہوسکا تھا۔

لوگ چھوٹی پہاڑیوں کے قریب رہتے تھے اور شکار اور اپنے تحفظ کے لیے صرف پتھروں کے اوزار استعمال کرتے تھے۔ تاہم، اوزار بنانے کے لیے استعمال کیے جانے والے خام مواد کا انتخاب اس کی دستیابی کی بنیاد پر خطہ در خطہ الگ الگ ہوتا ہے۔ مختلف خطوں کے چھوٹے پہاڑی علاقوں میں دستیاب کو ارٹزائٹ کا استعمال ہوتا تھا۔ مہاراشٹر خطے میں بیسالٹ اور کرناٹک خطے میں چونے کے پتھر پائے جاتے تھے۔ قدیم حجری ثقافتوں میں استعمال کیے جانے والے اوزاروں کی قسم اور تکنیکوں میں ہوئی ترقی کی نوعیت کی بنیاد پر انھیں تین مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ ہیں:

(i) ابتدائی قدیم حجری (ii) وسطی قدیم حجری (iii) آخری قدیم حجری مرحلہ۔ یہ مراحل موٹے طور پر 5,00,000 تا 10,000 قبل مسیح کی ایک طویل مدت پر پھیلے ہوئے تھے۔

(a) قدیم حجری دور کے اوزار

ابتدائی قدیم حجری دور کے اہم اوزار تھے دستی کلہاڑی، بڑے پھل کا چھرا اور چھوٹے دستے اور چوڑے پھل کی کلہاڑی (شکل 2.1) انھیں کاٹنے والے اوزار کہا جاتا ہے۔ یہ کھردرے اور بھاری تھے اور پتھروں کے کناروں کو چھیل کر بنائے جاتے تھے۔ دھیرے دھیرے تیز دھار والے اور کم بھاری اوزار بنائے جانے لگے۔

وسطی قدیم حجری ور (شکل 2.2) میں سنگ خارا اوزار یا چھیلے ہوئے ٹکڑے اہم اوزار ہوا کرتے

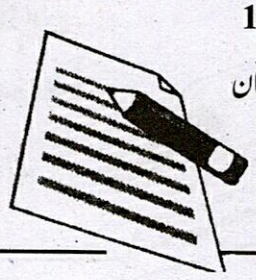

نوٹس

تھے بالائی قدیم حجری دور (شکل 2.3) کے اوزار بنیادی طور پر سنگ خارا کے چھینی جیسے نوکدار اوزار اور چھیلنے کے اوزاروں پر مشتمل تھے۔

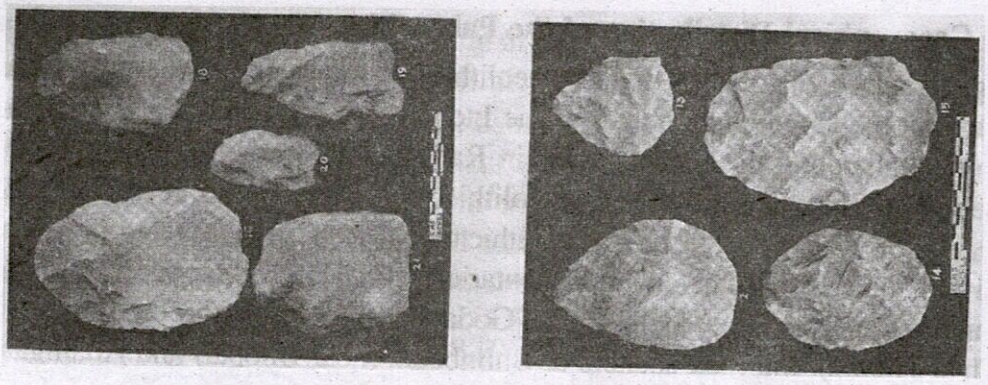

شکل 2.1: ابتدائی قدیم حجری دور کے کاٹنے والے اوزار اور دستی کلہاڑی

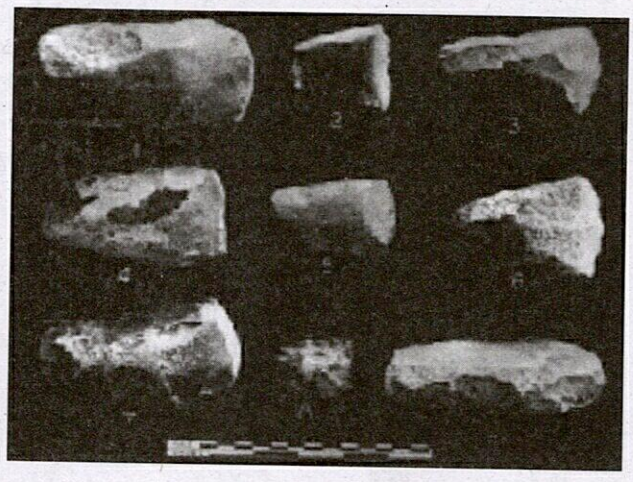

شکل 2.2: ابتدائی قدیمی حجری دور کے کاٹنے کے اوزار اور کلہاڑیاں

نوٹس

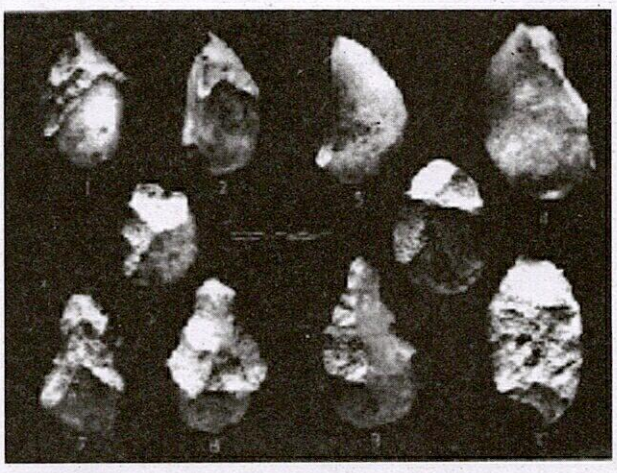

شکل 2.3: ابتدائی قدیم حجری دور کے کاٹنے و چھیلنے کے اوزار اور کلہاڑیاں

آیئے اب ہم مختصراً اوپر ذکر کیے گئے بعض اوزاروں کی اہم خصوصیات اور استعمال کے بارے میں بحث کریں گے۔ کلہاڑیوں میں دستہ چوڑا اور کام کرنے کا کنارہ تنگ ہوتا ہے۔ ان کا استعمال پیڑوں کو کاٹنے یا جڑوں کو کھودنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ کاٹنے کے اوزار (Cleavers) میں دو رخی دھار ہوتی تھی۔ ان کا استعمال پیڑوں کے تنے جیسی چیزوں کو پھاڑنے یا توڑنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ چاپڑ یا بغدہ (Choppers) پر یک رخی دھار ہوتی تھی۔ یہ بڑے پیمانے پر استعمال کیے جانے والے بنیادی اوزار تھے۔ سنگ خارا کے چھینی نما اوزار پھلدار چاقو جیسے تھے۔ یہ نرم پتھروں، ہڈیوں یا چٹانوں پر کندہ کاری کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ چھیلنے کھرچنے والے اوزار (Scropers) بھی دھاردار ہوتے تھے۔ یہ اوزار پیڑوں کی چھالوں اور جانوروں کی کھالوں کو اتارنے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔

(b) قدیم حجری دور کے مقامات کی جغرافیائی تقسیم

قدیم حجری دور کے مقامات کی جغرافیائی تقسیم سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ثقافت برصغیر ہند کے وسیع طول وعرض میں پھیلی ہوئی تھی (نقشہ 2.3) شمال میں وادی کشمیر اور راول پنڈی (اب پاکستان میں) میں وادی سوہن میں قدیم حجری دور کے اوزار ملے ہیں۔ راجستھان میں قدیم حجری دور کے اوزار لونی ندی کے کنارے کے مقامات پر پائے گئے۔ مغربی ہندوستان میں قدیم حجری دور کے اوزار گجرات میں سابرمتی، ماہی اور ان کی معاون ندیوں کے مقامات سے بھی دریافت ہوئے۔ مہاراشٹر میں زیادہ اہم مقامات تاپتی دریائی نظام میں گوداوری اور پاٹن کے معاون ندیوں کے نواسا میں دریافت ہوئے۔ مدھیہ

ہندوستان کا جغرافیائی ماحول اور ماقبل تاریخ ثقافتیں

پردیش میں بھیم بیٹکا (نزد بھوپال) اور ضلع ہوشنگ آباد میں چٹانی گپھاؤں میں قدیم حجری دور سے وسطی حجری زمانے تک کے اوزار ملے ہیں۔

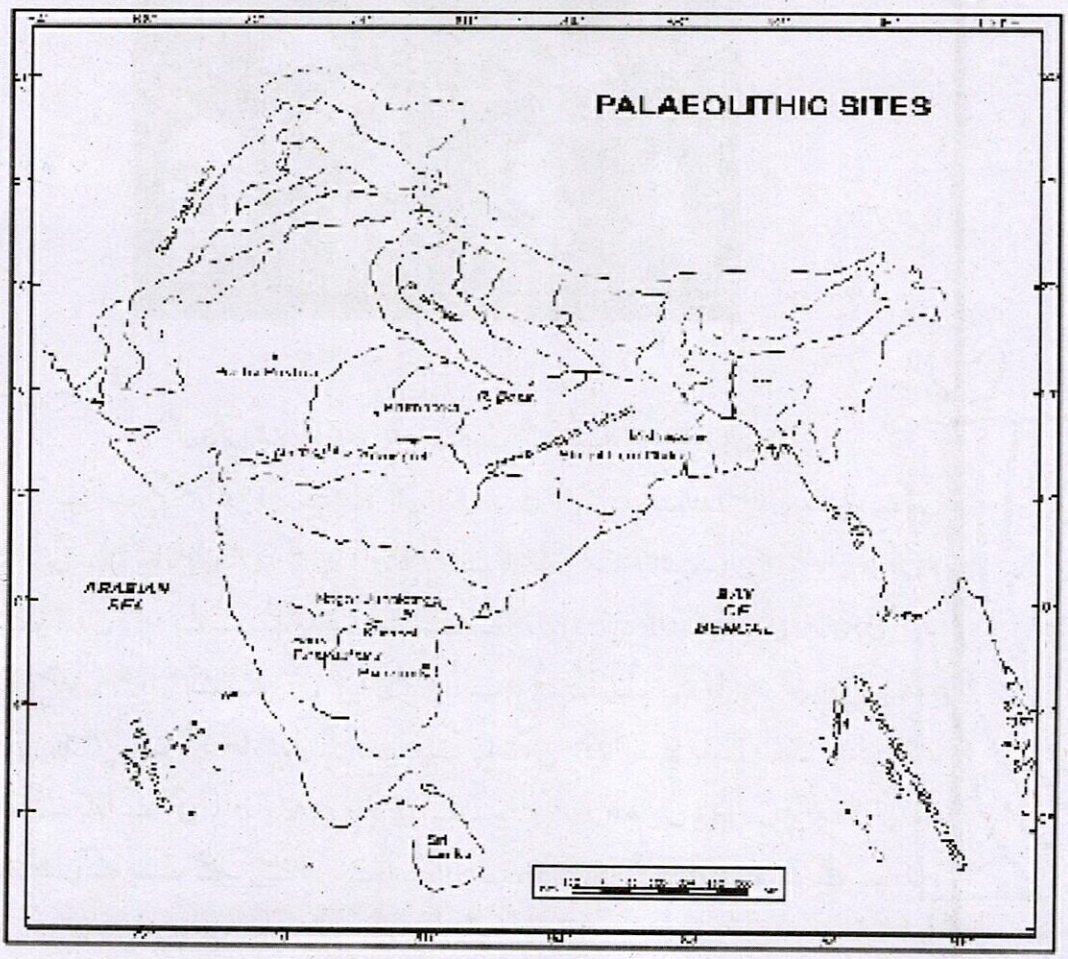

نقشہ 2.3: قدیم حجری زمانے کے مقامات

اتر پردیش میں بیلن وادی (الہ آباد سے وارانسی تک کا خطہ) نہایت اہم مقام ہے۔ وہاں کی دریافت سے قدیم حجری دور کے انسانی پیشوں کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔

جہاں تک مشرق کی سمت کا سوال ہے تو بشمول میگھالیہ (گارو پہاڑیاں) آسام اور پڑوسی علاقوں میں، قبل تاریخی انسانی ہنر وصناعی کے نمونے دریافت ہوئے ہیں۔ قدیم حجری دور کے اوزار بنگال اڑیسہ اور بہار کے مختلف مقامات پر بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ جزیرہ نما ہندوستان میں آندھرا پردیش اور کرناٹک سے قدیم حجری دور کے اوزاروں کے پائے جانے کے آثار ملے ہیں۔ تملناڈ میں جنگل پٹ میں اتیرام پکم نام کا ایک اور اہم مقام ہے۔ قدیم حجری دور کی ثقافتوں کا ذریعہ معاش بطور خاص جانوروں کے شکار

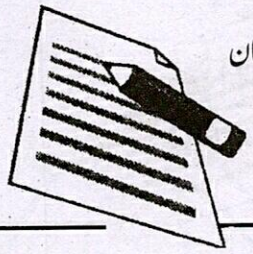

نوٹس

کرنے اور پھلوں اور خوردنی جڑوں کو جمع کرنے پر مبنی تھا۔ دوسرے لفظوں میں لوگ بنیادی طور پر شکاری تھے اور خوردنی اشیاء جمع کیا کرتے تھے اور کوئی منظّم سکونت نہیں تھی۔

درج بالا بحث کی بنیاد پر ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں ماقبل تاریخ کے دور کی قدیم حجری ثقافتیں پورے بر صغیر ہند میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اوزاروں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اوزاروں کی ٹکنالوجی میں دھیرے دھیرے ترقی ہوئی، جن سے وسائل کا بہتر استعمال ممکن ہوسکا۔

(b) گزر بسر کا انداز

قدیم حجری زمانے کے لوگ اپنے گزارے کے لیے شکار اور خوردنی اشیاء کو جمع کیا کرتے تھے۔ انھوں نے شکار کے لیے، کاٹنے، کھودنے اور دوسرے مقصد کے لیے پتھر کے سادے سے اوزار بنائے۔ وہ خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور ان جگہوں پر سکونت اختیار کیا کرتے تھے، جہاں پودوں اور جانوروں کے وسائل کے ساتھ ساتھ پانی بھی آسانی سے دستیاب ہوا کرتا تھا۔

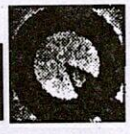

متن پر مبنی سوالات 2.3

1۔ قدیم حجری دور میں انسانوں کے دو خاص پیشے کیا تھے؟

_____

2۔ وہ کون سے مختلف مقاصد تھے، جن کے لیے قبل تاریخی انسانوں نے اوزار بنائے تھے؟

_____

3۔ ابتدائی قدیم حجری دور کے خاص اوزار کے نام بتایئے؟

(a)_____(b)_____(c)_____

2.7 وسطی حجری زمانہ کی ثقافتیں

انگریزی اصطلاح "Mesolithic" (وسطی زمانہ حجری یا وسطی حجری دور) دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ Meso اور Lithic یونانی میں Meso کا مطلب ہے وسط اور Lithic کا مطلب ہے پتھر (حجر)۔ لہٰذا ماقبل تاریخ کا وسطی زمانہ حجری مرحلہ وسطی پتھر کے دور کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ یہ قدیم حجری دور اور نو حجری دور کے درمیان کا عبوری مرحلہ تھا۔ آثاریاتی دریافتوں کی بنیاد پر برصغیر ہند میں وسطی حجری دور کی شروعات کے زمانے کا تعین تقریباً 10,000 قبل مسیح مانا جاتا ہے۔

یہ دور درجہ حرارت کے بڑھنے کی شہادت پیش کرتا ہے۔ نتیجتاً آب و ہوا گرم ہوئی۔ ان تبدیلیوں کا مزید اثر یہ ہوا کہ شروع کی مدت میں برف پگھلی اور اس کے زیر اثر نباتات اور حیوانات میں بھی تبدیلیاں رونما ہوسکیں۔ حالانکہ انسان اب بھی شکار کرنے اور خورونی اشیاء جمع کرنے کے مرحلہ میں تھا، لیکن اس نے اب مچھلی پکڑنے اور کچھ جانوروں کو پالنے کی شروعات کی۔ انھوں نے جو اوزار استعمال کیے انھیں سنگ خورد یا چھوٹے پتھر کے اوزار کہا جاتا ہے۔ بھیم بیٹکا (نزد بھوپال) میں چٹانی مصوری بھی دریافت ہوئی ہے، جو اسی زمانے کی ہے اور لوگوں کے فنی ذوق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(a) وسطی زمانہ حجری کے اوزار

وسطی زمانہ حجری میں وسطی زمانہ حجری کے اوزار: پتھر کے جو چھوٹے اوزار استعمال کیے جاتے تھے وہ سائز کے اعتبار سے بہت چھوٹے تھے اور ان کی لمبائی الگ الگ 1 سے لے کر 8 سینٹی میٹر تک ہوا کرتی تھی۔ یہ کافی حد تک چھوٹے ٹکڑوں یا چھینیوں جیسے ٹکڑوں میں ہوا کرتے تھے (شکل 2.4) ان میں سے بعض اوزاروں کی جیومیترائی شکلیں جیسے مثلث، چوکور شکلوں میں ہوتے تھے۔ یہ اوزار دیگر اشیاء سے بندھے یا ان سے جمائے ہوئے ہوتے تھے اس طرح ان کی شکل تیر یا نیزہ (بلم) کی بنتی تھی۔

(b) وسطی زمانہ حجری کے مقامات کی جغرافیائی تقسیم

وسطی زمانہ حجری کے مقامات کی تقسیم سے پتہ چلتا ہے کہ وسطی زمانہ حجری کی ثقافتیں پورے ہندوستان میں شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یعنی ایک طرح سے یہ پورے ہندوستان کا احاطہ کرتی تھیں۔ اس ثقافت کے اہم مقامات ہیں: گجرات میں لنگھناج (ضلع مہسانہ)، مدھیہ پردیش میں بھیم بیٹکا (نزو بھوپال)، اتر پردیش میں چوپنی منڈو (وادی بیلن میں الہ باد کے نزدیک)، مغربی بنگال میں بیربھان پور (ضلع بردوان)، کرناٹک میں منگنا کالو (ضلع بلاری) اور جنوبی تملناڈ میں توتی کورن۔

(c) گزر بسر کا انداز

وسطی زمانہ حجری کے لوگ اب بھی شکار اور کھانے پینے کی اشیاء کو جمع کر کے گزر بسر کرتے تھے، لیکن اب شکار کا انداز بدل چکا تھا، جہاں قدیم حجری دور میں بڑے جانوروں کا شکار کیا جاتا تھا، وہیں اب تیر کمان کی مدد سے چھوٹے جانوروں کا شکار کیا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ مچھلی پکڑنے اور انڈا دینے والے پرندوں کا پالنا بھی اہم بن چکا تھا۔ مویشی، بھیڑ، بکری، بھینس، سور، چوہا، کوہان دار بیل، دریائی گھوڑا، کتا، لومڑی، چھپکلی، کچھوے اور مچھلی وغیرہ کے حیوانی باقیات مختلف وسطی زمانہ حجری کے مقامات

سے دریافت ہوئے ہیں۔

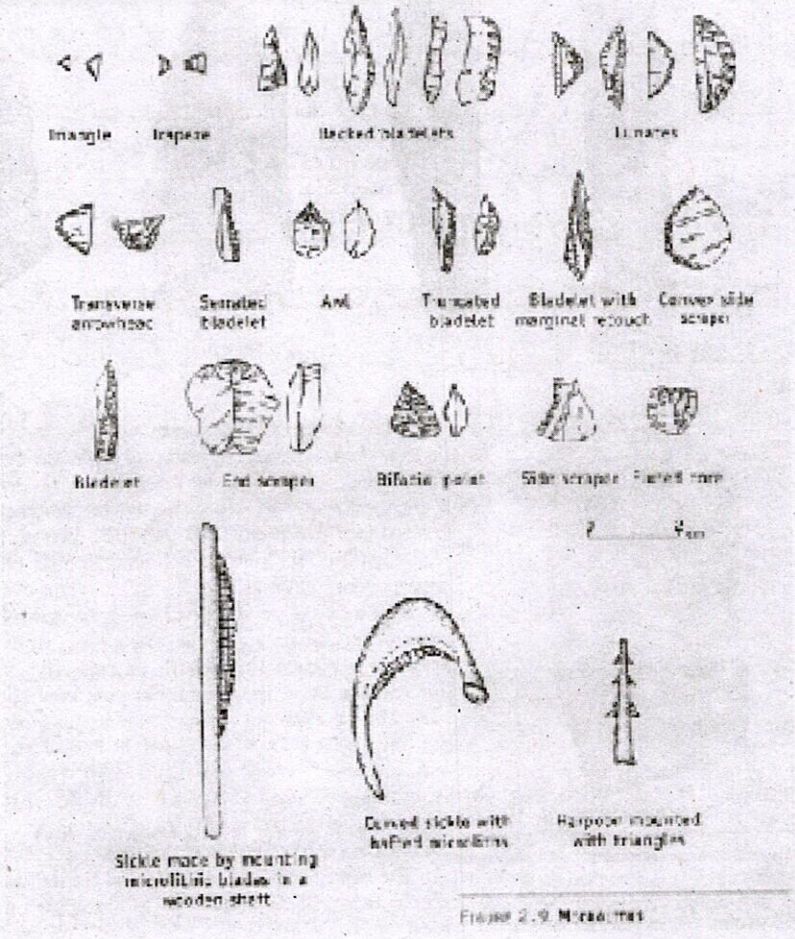

شکل 2.4: وسطی حجری دور کے اوزار

متن پر مبنی سوالات 2.4

1۔ وسطی زمانہ حجری کے اوزاروں کو کیا نام دیا گیا؟

2۔ وسطی زمانہ حجری کے دوران بنائے گئے کچھ اوزاروں کے نام بتایئے؟

3۔ وسطی زمانہ حجری کے کسی دو مقامات کے نام بتایئے؟

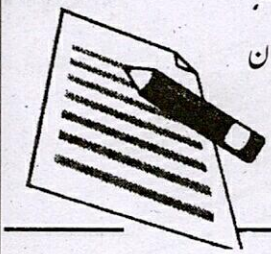

2.8 جدید دور حجری کی ثقافتیں اور غذا کی پیداوار کا آغاز

جدید دور حجری کو ماقبل تاریخ کا آخری مرحلہ مانا جاتا ہے۔ انگریزی "Neolithec" یونانی کے لفظ "Neo" جس کا مطلب ہے نیا اور "Lithic" جس کا مطلب ہے پتھر، سے اخذ کی گئی ہے۔ اس طرح "Neolithic age" سے مراد انسانی ثقافت سے متعلق پتھر کا نیا زمانہ، برّصغیر ہند میں اس زمانے کا تعین تقریباً 8000 ق۔م کیا گیا ہے۔ "Neolithic" کی اصطلاح جان لباک کے ذریعہ وضع کی گئی تھی۔ نئے قسم کے منقش اور چمکدار اور پتھر کے اوزار کا ہونا اس زمانے کی اہم خصوصیت تھی۔ یہ زمانہ پودوں کی کاشتکاری اور جانوروں کے پالنے کی شروعات کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔ اسی زمانے سے ایک منظّم زندگی اور دیہی بستیوں کی آبادی میں اضافے کی شروعات ہوئی۔ جدید دور حجری کی درج ذیل خصوصیات تھیں۔

(i) زرعی سرگرمیوں کی شروعات

(ii) جانوروں کے پالنے کی ابتداء

(iii) پتھر کے اوزاروں کو گھس یا رگڑ کر ہموار کرنے اور چمکدار بنا کر ان کی تیز اور نوکیلی دھار بنانا۔

(iv) برتنوں کا استعمال

(a) ''نو دور حجری انقلاب'' کے معنی

انسان کی سماجی و معاشی زندگی میں اہم تبدیلیوں کی بنیاد پر کبھی کبھی اس دور کو نو دور حجری انقلاب کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جدید حجری دور میں تیز اور چمکدار اوزاروں کے استعمال نے کاشتکاری کو زیادہ آسان بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی جانوروں کے پالنے کے عمل کی بھی شروعات ہو چکی تھی۔ یہ تبدیلیاں ایسی تھیں کہ جس کے نتیجے میں مستقل زرعی کمیونٹیوں کا ظہور عمل میں آیا۔ جدید حجری دور کے لوگ اناجوں کے ذخیرے کے لیے برتن بھی بنایا کرتے تھے۔ نو حجری دور کے مرحلے میں ترقی کے نئے دور کی شروعات ہوئی اور اس سے انسانی زندگی پر زبردست اثر پڑا۔ کچھ دانشوروں نے اس کے لیے ''نو حجری دور انقلاب'' (The Neolithec Revolutic) کی اصطلاح استعمال کی، جس سے ان تبدیلیوں کی صداقت ثابت ہوتی ہے، لیکن بہت سے دانشوروں کا یہ ماننا ہے کہ یہ تبدیلیاں گو کہ کافی اہم و نمایاں ہیں، لیکن انھیں قدیم حجری دور اور وسطی حجری دور کی ابتدائی ترقی کے سیاق و سباق میں دیکھا جانا چاہیے اور اسے ''ارتقا'' (Evolution) کے طور پر سمجھنا چاہیے نہ کہ انقلاب (Revolution) کے طور پر

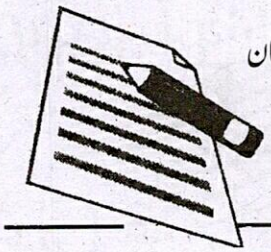

نوٹس

(b) نوحجری دور کے اوزار

نوحجری دور کے اوزار گھِس اور رگڑ کر بنائی گئی سطحوں پر اور اچھی گولائی لیے ہوئے اور متوازن و متناسب شکلوں پر مشتمل تھے۔ گھسنے کے ذریعہ اوزاروں کو تیز اور زیادہ چمکدار بنایا جاتا تھا۔ اس طرح یہ ابتدائی دور کے اوزاروں کی نسبت زیادہ مؤثر ہوا کرتے تھے۔ (شکل 2.5) نوحجری دور کے گھسے ہوئے پتھر کے اوزاروں میں مختلف قسم کی کلہاڑیاں بھی شامل تھیں، جنھیں قدیمی کلہاڑی (Celt) کہا جاتا ہے۔ پتھر کے اوزاروں کے علاوہ اس دور کے مقامات میں مختلف قسم کی ہڈی سے بنی اشیاء بھی حاصل ہوئی ہیں جیسے سوئیاں، صفا کار (رگڑ کر صاف کرنے کا آلہ) برما، تیر کی نوک، آویزہ یا لٹکواں، چوڑیاں اور کان کی بالیاں (شکل 2.6)

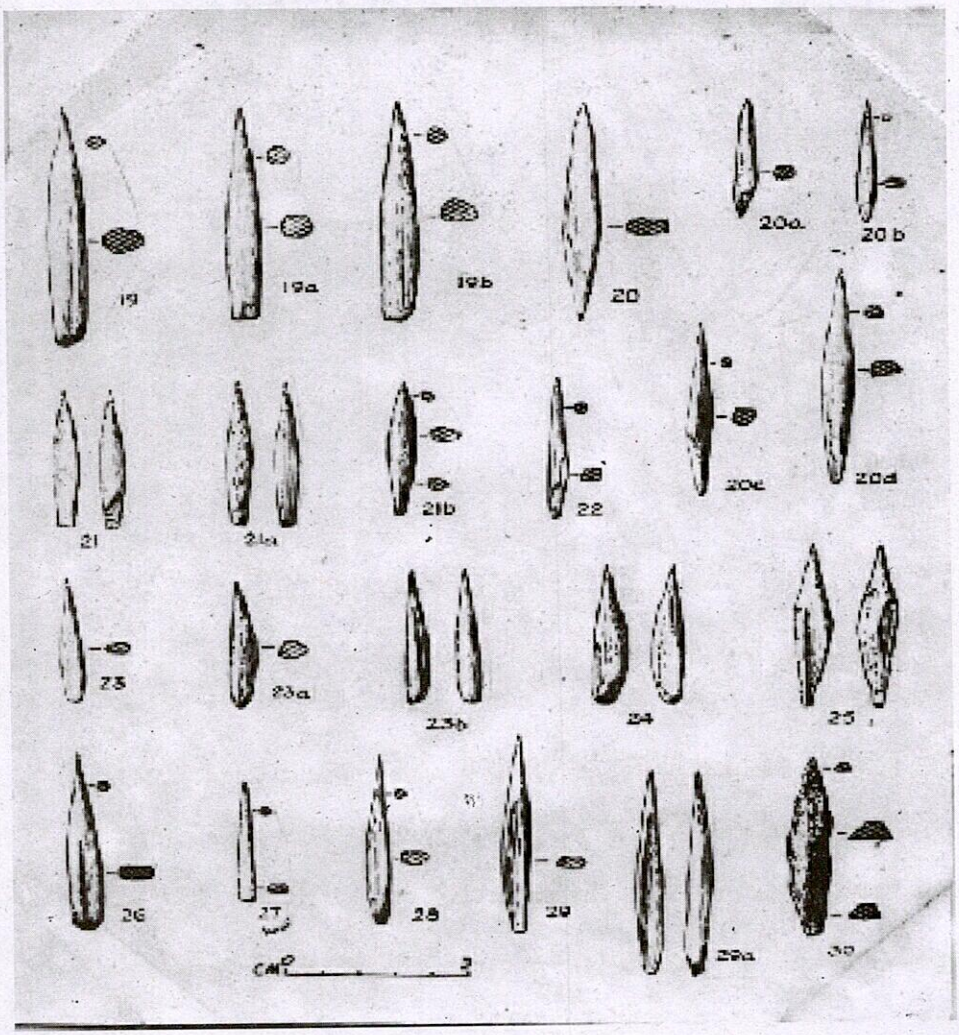

شکل 2.5: نو دور حجری کے اوزار

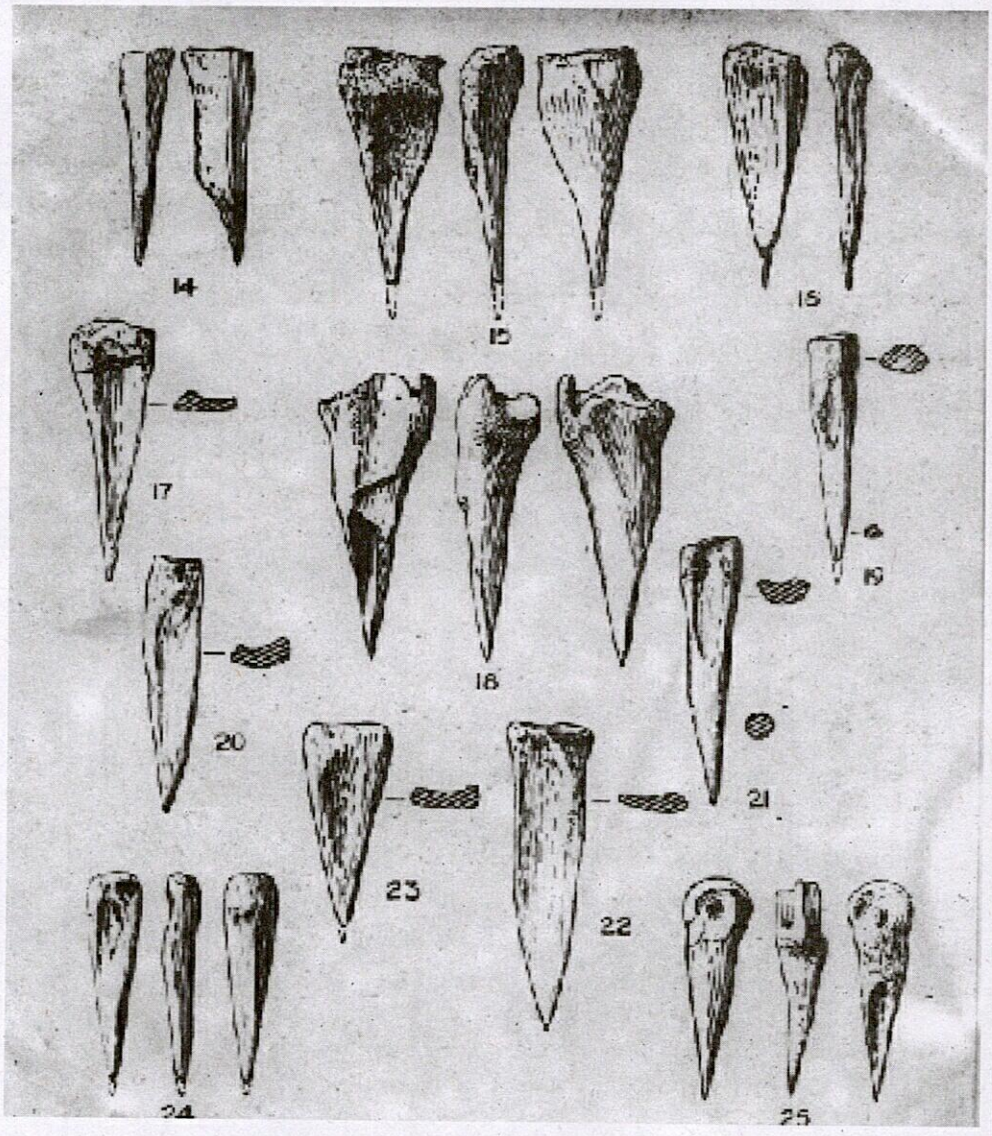

شکل 2.6: برزہوم سے حاصل نو دور حجری کے ہڈی سے اوزار

(c) نوحجری دور کے مقامات کی جغرافیائی تقسیم

نوحجری دور کے مقامات برصغیر ہند کے تقریباً سبھی خطوں میں پھیلے ہوئے ہیں (نقشہ 2.4 شمال مغربی خطے میں مہرگڑھ میں بلوچستان کے کاچی میدانوں میں ایک قدیم مقام ہے۔ مہرگڑھ میں ہوئی کھدائیوں سے نوہجری دور کے لوگوں کے ذریعہ بنائے گئے مکانات کے نشان ملے ہیں۔ یہ دھوپ میں سکھائی ہوئی اینٹوں سے بنے تھے۔ مکان کو چھوٹے چھوٹے کمروں میں بانٹا گیا تھا گیہوں، جو اور کپاس جیسی فصلوں کی کاشت کے شواہد بھی ملے ہیں، جو یہاں دریافت ہوئے تھے۔ وادی کشمیر کے اہم مقامات میں بزرہوم اور گفکرل شامل ہیں۔ ان مقامات پر قیام گاہ کے گڑھے یا تو دائری یا مستطیل تھے، جو نوحجری

دور کی ثقافت کی ایک اہم خاصیت کو اُجاگر کرتی ہیں۔ اتر پردیش میں الہ آباد کے نزدیک وندھیان پٹھار کے کناروں پر واقع بیلن وادی میں کولدیہوا اور مہاگارا جیسے بہت سے نوحجری مقامات تھے۔ نوحجری دور کے اوزار (پتھر اور ہڈی دونوں، برتن، دیگر صناعی، نباتاتی اور حیواناتی باقیات بھی ان مقامات سے دریافت کی گئی ہیں۔ بہار اور وسطی گنگائی وادی خطے میں چراند ایک انتہائی مقبول نوحجری دور کا مقام ہے۔ متعدد نوحجری دور کے مقامات آسام، میگھالیہ اور ناگالینڈ کی پہاڑیوں کا اردگرد ہیں۔ نوحجری دور کی کلہاڑیاں، چھوٹی چکنی کلہاڑیاں اور برتنوں کے باقیات اسی علاقے میں دریافت ہوئے ہیں۔ جنوبی ہند میں نوحجری دور کی بستیاں بھیم، کرشنا، تنگ بھدر اور کاویری ندیوں کے کنارے دریافت ہوئی تھیں۔ کچھ اہم مقامات ہیں: کرناٹک میں سنگنا کلو، برہما گری، ماسکی، پلکی ہل، ہلور، آندھرا پردیش میں اُتنور، ناگا ارجن کونڈا، بڈی بل اور تمل ناڈ میں پائم پلی، ان مقامات پر مکان کے گڈھے دریافت ہوئے ہیں اور اناجوں کی کاشت کاری اور جانوروں کے پالنے کی بھی شہادت ملی ہے۔ جنوبی ہندوستان کے گاؤں والوں کے ذریعہ بالکل ابتدا میں جو فصلیں کاشت کی جاتی تھیں۔ ان میں سے ایک باجرا (راگی) تھی۔

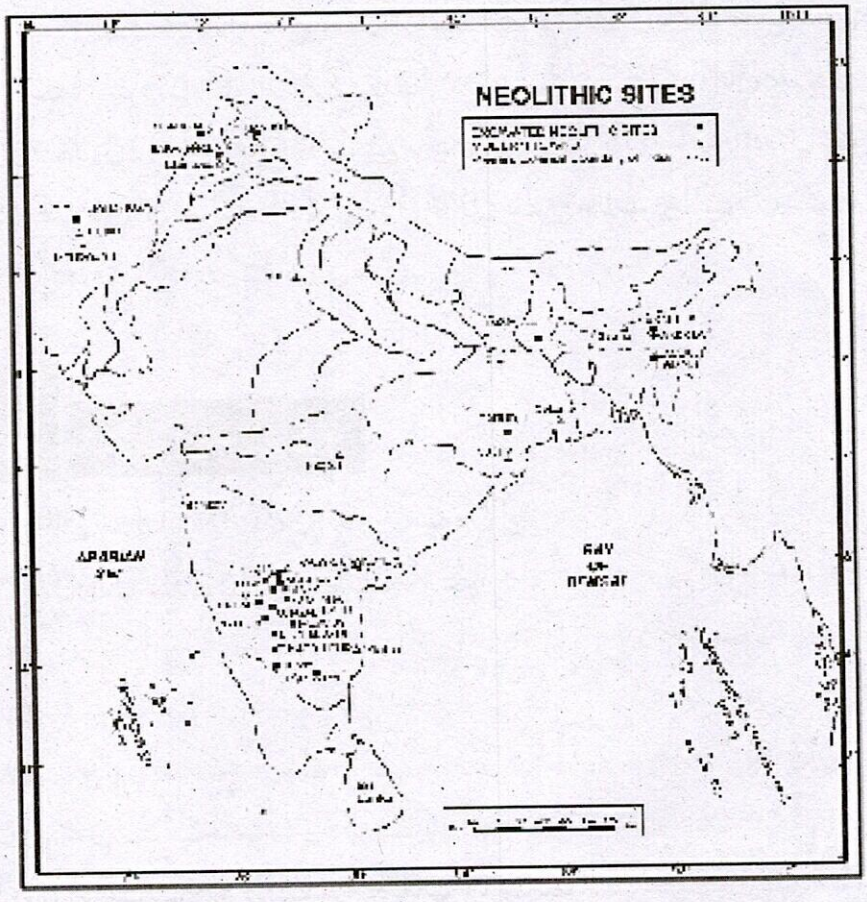

نقشہ 2.4: نوحجری دور کے مقامات

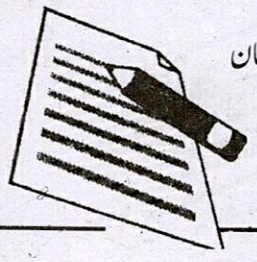

نوٹس

(d) گزر بسر کے انداز

زراعت کی دریافت نوحجری دور کے مرحلے میں ایک انتہائی اہم تبدیلی تصور کی جاتی ہے۔ لوگ جغرافیائی حالات کی بنیاد پر مختلف قسم کی فصلیں جیسے گیہوں، جو، چاول، باجرہ، مسور کی دال وغیرہ کی کاشت کرتے تھے۔ زراعت نے جانوروں کو پالنے کے لیے تحریکی قوت عطا کی، شکار اب بھی ایک اہم پیشہ بنا ہوا تھا۔ لوگ جانوروں کو پالتے تھے، جن میں بھیڑ، بکری، مویشی وغیرہ شامل تھے۔ وہ جنگلی سور، نیل گائے، ہرنوں (غزالہ) جیسے جنگلی جانوروں کا بھی شکار کرتے تھے۔ نوحجری دور کے لوگوں کے ذریعہ پتھر کے مختلف قسم کے اوزار بنائے گئے تھے، جن کے بارے میں پہلے ہی بتایا جاچکا ہے۔ نوحجری دور کے لوگ برتن بھی بناتے تھے، جو شروع شروع میں ہاتھ سے اور بعد میں چاک پر بنائے جانے لگے تھے اور انھیں آگ کی بھٹی پر پکایا جاتا تھا۔ یہ برتن خاص طور پر اناجوں کے ذخیرے کے لیے ہوتے تھے۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ نوحجری دور کی ثقافتوں کی خصوصیت کا تعین اس تبدیلی سے کیا گیا تھا، جو شکار اور غذا جمع کرنے سے فصلوں کی کاشتکاری اور جانوروں کو پالنے میں منتقل ہوئی تھی۔ نئے بنائے گئے چمکدار اوزاروں سے کاشت کاری، شکار اور دیگر سرگرمیوں کو بہتر طور پر انجام دینے میں آسانی پیدا ہوگئی۔ اس سے غذائی وسائل کی زبردست دستیابی ہونے کے ساتھ ساتھ آبادی میں بھی اضافہ ہوا اور اس لیے دیہی بستیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ نوحجری دور کی ثقافتوں نے وہ حالات پیدا کیے جس سے بعد کے زمانے میں قصبوں کے قیام اور پھیلنے میں بھی مدد ملی۔



متن پر مبنی سوالات 2.5

1۔ اصطلاح "Neolithic" (نوحجری دور) کس نے وضع کیا؟

2۔ نوحجری دور کی ثقافتوں کی اہم خصوصیات کا ذکر کیجیے؟

(a) _____

(b) _____

(c) _____

(d) _____

3۔ شمال مغربی خطے کے نوحجری دور کے اہم مقامات کا نام بتایئے؟

نوٹس

2.9 ماقبل تاریخ کا فن

چٹانی مصوری وسطی حجری دور کے لوگوں کی ایک اہم اور امتیازی خصوصیت تھی حالانکہ اس کی شروعات قدیم حجری دور میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ یہ تصویریں چٹانی ٹکڑوں کی دیواروں پر بنائی گئی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر مدھیہ پردیش میں بھیم بٹیکا میں دریافت کیا گیا ہے۔ اس سے وسطی حجری دور کے لوگوں کی سماجی و معاشی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ مصوری کے خاص موضوعات میں شکار، مچھلی پکڑنا اور غذا اکٹھا کرنا ہے۔ ان تصاویر میں زیادہ تر جنگلی سور، بھینس، بندر اور نیل گائے کی عکاسی کی گئی ہے۔ (شکل 2.7)۔ بچے کی پیدائش، بچے کی پرورش اور تجہیز و تدفین کی رسوم سے متعلق تقریبات جیسی سماجی سرگرمیوں کو بھی چٹانی مصوری میں دکھایا گیا ہے۔ گروپ میں شکار کے مناظر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوگ چھوٹے گروپوں میں رہا کرتے تھے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ وسطی حجری دور کا سماج قدیم حجری دور میں رہنے والے لوگوں کی نسبت زیادہ مستحکم تھا اگر چہ شکار اور غذا جمع کرنے کا عمل اب بھی خاص پیشہ بنا ہوا تھا۔



شکل 2.7: قبل تاریخ کے فن

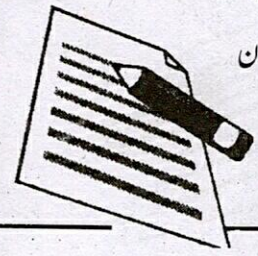

نوٹس

متن پر مبنی سوالات 2.6

1۔ چٹانی مصوری یا چٹانی فن کس دور کی ایک امتیازی خصوصیت تھی؟

2۔ مدھیہ پردیش میں اس مقام کا نام بتایئے، جہاں ہندوستان کی چٹانی مصوری کی کافی تعداد پائی گئی ہے۔

3۔ قبل تاریخ چٹانی فن میں نمایاں اہم موضوعات کا بیان کیجیے۔

آپ نے کیا سیکھا

جغرافیائی خصوصیات اور ماحولیاتی حالات ہندوستان کی تاریخ پر کافی اثر انداز ہوئے ہیں۔ مختلف خطوں کی خصوصیات کا تعین ان کی امتیازی مقامی یا وضعی خصوصیات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس سے ان خطوں میں تاریخی تبدیلیوں کی بھی توضیح ہوتی ہے۔ ہمالیائی سلسلوں نے حملہ آوروں اور سخت ٹھنڈی ہواؤں دونوں سے ہی ہمیں تحفظ فراہم کیا ہے۔ پہاڑی درّوں (تنگ راستے) کے ذریعہ سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی لین دین کی راہ ہموار ہوئی۔ شمالی ہندوستان کے زرخیز دریائی میدانوں سے خوشحال زرعی پیداوار میں مدد ملتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں اِسی خطّے میں طاقتور ریاستوں کا ظہور ہوا۔ پٹھاری خطے، ساحلی میدان اور جزیرہ نما ہندوستان کے پہاڑی خطہ زمین کے سبب زرعی بستیوں اور غیر ملکی روابط کی حوصلہ افزائی قدیم زمانے سے ہی ہوئی ہے۔ مختلف ماحولیاتی صورت حال اور وسائل کی متنوع دستیابی کا نتیجہ مختلف خطوں میں امتیازی سماجی و معاشی اور ثقافتی تشکیلوں کی صورت میں برآمد ہوا ہے۔

قبل تاریخ دور میں انسان اپنے ظہور سے ہی ثقافتی نمو کے کئی مراحل سے گزرے تھے۔ آثاریاتی ذرائع سے برصغیر ہند کے مختلف حصّوں میں متعدد مقامات پر اس کے وجود اور گزر بسر کے انداز کا پتہ چلتا ہے۔ وہ قدیم حجری دور اور وسطی حجری دور میں شکاری اور خورونی اشیاء کا جمع کار تھا۔ نوحجری دور میں اس نے فصلوں کی کاشت کاری اور جانوروں کے پالنے کے بارے میں سیکھا۔ اس زمانے میں وہ برتن بھی بنا

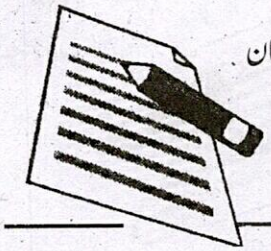

نوٹس

سکتا تھا۔ ان ترقیوں کے سبب دیہی بستیاں آباد ہوئیں۔ مختلف ادوار میں پتھر کے جو اوزار استعمال کیے جاتے تھے ان میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ قدیم حجری دور کے کھردرے اور کند اوزار نو دور حجری میں تیز کرنے اور چمکدار بنانے کے ذریعہ کافی ترقی یافتہ ہو چکے تھے۔ وسطی حجری دور کی خصوصیات کا تعین بہت چھوٹے پتھر کے اوزاروں کے ذریعہ ہوتا ہے، انھیں سنگ خورد اوزار کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں قدیم حجری دور کے شکاری وخورونی اشیاء کے جمع کار کے طور پر انسانوں کا ارتقا نو حجری دور میں غذا کے پیدا کار کے طور پر ہوا تھا۔



1۔ ہندوستان کے نقشے پر درج ذیل کی نشاندہی کیجیے۔

(i) ہمالیائی سلسلے

(ii) مشرقی اور مغربی گھاٹ

(iii) گنگا، نرمدا اور کاویری ندیاں

(iv) اریکا میڈو (پانڈی چیری) تاملک (تامرلپتی) اور بھروچ

(v) پاٹلی پتر (پٹنہ) اور پال گھاٹ

(vi) آدم گڑھ، بھیم بیٹکا اور کولڈیہوا

2 ہندوستان کی جغرافیائی خصوصیات کا اس کی تاریخ پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ ہمالیائی سلسلے اور جزیرہ نما ہندوستان کے خاص حوالے کے ساتھ کیجیے۔

3۔ کسی خطے کے ماحولیاتی حالات وسائل کے امکانات کا تعین کس طرح کرتے ہیں؟ مثالیں بھی دیجیے۔

4۔ قدیم حجری دور میں استعمال کیے گئے اوزاروں کی اہم خصوصیات اور استعمال کیا تھے؟ بیان کیجیے۔

5۔ وسطی حجری دور میں آب وہوا کی تبدیلیوں نے کس طرح شکار کے انداز میں تبدیلی پیدا کی؟

6۔ نو حجری دور کے مقامات کی جغرافیائی تقسیم بیان کیجیے؟

7۔ نو حجری دور کے لوگوں کی زندگی کے بارے میں تحریر کیجیے؟

8۔ نو حجری دور کے لیے کچھ اسکالرز نے نو حجری انقلاب کے دور کی اصطلاح کیوں استعمال کی؟

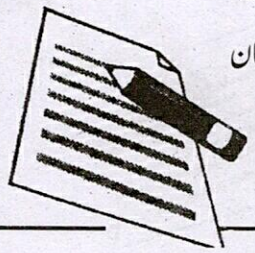

نوٹس

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

2.1

1۔ گومل درّہ، بولن درّہ اور خیبر درّہ

2۔ آریہ

3۔ (a) جین مذہب (b) بدھ مذہب

4۔ تمل ناڈ

5۔ چاول

6۔ کشان اور ہون

7۔ سندھ کے میدانوں میں پنجاب اور سندھ

2.2

1۔ گنگا، سون اور گنڈک

2۔ چھوٹا ناگپور

3۔ کالا

4۔ پال گھاٹ درّہ

2.3

1۔ شکار اور جمع کاری

2۔ شکار، کاٹنا، کھدائی اور دیگر مقاصد

3۔ (a) دستی کلہاڑیاں (b) کاٹنے کے اوزار (c) چھوٹے دستے اور چوڑے پھل کی کلہاڑی

2.4

1۔ سنگ خورو

2۔ مثلث، ہلالی شکل اور چوکور

3۔ بھیم ٹیکا ار چوبانی مانڈو

2.5

1۔ جان لبوک

2۔ (a) زرعی سرگرمیوں کی شروعات

(b) جانوروں کو پالنا

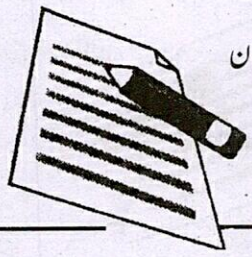

نوٹس

(c) پتھر کے اوزاروں کو گھسنا اور چمکدار بنانا

(d) برتنوں کا استعمال

3۔ مہر گڑھ

2.6

1۔ وسطی حجری دور

2۔ بھیم بٹیکا

3۔ شکار، مچھلی پکڑنا، خوردنی اشیاء جمع کرنا، بچے کی پیدائش، بچے کی پرورش اور تجہیز و تدفین کی تقریب۔

اختتامی سوالوں کے لیے اشارے

1۔ نقشہ 2.1 اور 2.2 دیکھیں

2۔ سیکشن 2.1 اور 2.3 سے رجوع کریں

3۔ سیکشن 2.4 سے رجوع کریں

4۔ سیکشن 2.6(a) سے رجوع کریں

5۔ سیکشن 2.7(c) سے رجوع کریں

6۔ سیکشن 2.8(c) سے رجوع کریں

7۔ سیکشن 2.8(d) سے رجوع کریں

8۔ سیکشن 2.8(a) سے رجوع کریں

فرہنگ اصطلاحات

آریہ — وہ خانہ بدوش لوگ جو مرکزی ایشیا سے آئے تھے۔

دستہ سرا (Butt end) — اوزار کا وہ حصّہ جو عام طور پر چوڑا ہوتا ہے اور اسے پکڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

قدیم کلہاڑی (Celt) — پتھر کی کلہاڑی کی ایک قسم جو نوحجری دور میں بنائی جاتی تھی۔

حیوانیہ (Fauna) — کسی خطے کی حیواناتی زندگی

نباتیہ (Flora) — کسی خطے کی نباتاتی زندگی

جاتک — جن میں بودھ کی پچھلی زندگی سے متعلق کہانیاں تحریر ہیں۔

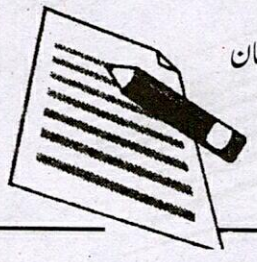

نوٹس

سنگ خوردا وزار — چھوٹے اور تنگ اوزار جن کا استعمال انسانی وسطی حجری دور میں کیا کرتے تھے۔

پہاڑی درّہ — پہاڑوں کے درمیان خلا، جن سے دوسری طرف آسانی سے پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔

ماقبل تاریخ — ہمارے ماضی کا وہ دور جس کا تاریخی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔

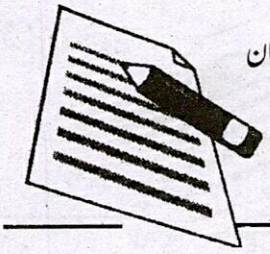

نوٹس

3

ہڑپائی تمدن

The Harappan Civilization

پچھلے باب میں آپ نے پڑھا کہ ماقبل تاریخ کے زمانوں میں لوگ پتھر کے بنے اوزار اور ہتھیار استعمال کیا کرتے تھے۔ بعد کے انسانوں نے دھاتوں کا استعمال شروع کیا۔ تانبہ وہ پہلی دھات تھی، جس کا استعمال اوزار بنانے کے لیے کیا جانے لگا۔ دھیرے دھیرے برصغیر ہند میں کئی ثقافتوں کو فروغ حاصل ہوا۔ یہ ساری ثقافتیں بنیادی طور پر پتھر اور تانبے کے اوزاروں کا استعمال کرتی تھیں۔ انھوں نے کانسے یعنی تانبے اور ٹین کی آمیزش کی دھات کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ تاریخ کے اس مرحلے کو تانبہ پتھر (Chaleolithic) کے زمانے کے طور پر جانا جاتا ہے۔ "Chalcolithic" میں "Chalco" کا مطلب تانبہ اور Lithic کا مطلب پتھر، ہندوستان میں تانبہ پتھر کے عہد کا روشن ترین باب ہڑپا کے تمدن کا ہے۔ اسے وادی سندھ تمدن کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔

ہڑپا تمدن کی دریافت 22-1920 میں اس وقت ہوئی، جب اس کے نہایت اہم مقامات کی کھدائی ہوئی۔ راوی ندی کے کناروں پر ہڑپا اور سندھ کے کناروں پر موہن جوداڑو واقع تھے۔ پہلے مقام کی کھدائی ڈی۔ آر۔ ساہنی اور دوسرے مقام کی کھدائی آر۔ ڈی بنرجی کی زیرنگرانی ہوئی تھی۔ ہڑپائی تمدن کی آثاری دریافتوں کی بنیاد پر اس کے زمانے کا تعین 2600 ق م تا 1900 ق م کیا گیا۔ یہ دنیا کی سب سے قدیم تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ اسے کبھی کبھی وادی سندھ تہذیب کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ کیونکہ شروع میں اس کی اکثر بستیاں سندھ ندی اور اس کی معاون ندیوں کے اردگرد کے میدانوں میں دریافت ہوئی تھیں، لیکن آج کل انھیں ہڑپا تمدن کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہڑپا ہی پہلا مقام تھا، جہاں سے اس تمدن کی موجودگی کا پتہ چلا۔ اس کے علاوہ حالیہ آثاری دریافتیں یہ اشارہ کرتی ہیں کہ یہ تہذیب وادی سندھ سے بہت آگے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اسے ہڑپا تہذیب کہا جائے۔ یہ ہندوستان کی پہلی شہری ثقافت ہے اور دیگر قدیم تمدنوں جیسے عراق (Mesopotamia) اور مصر کی ہم زمان (ایک ہی زمانے کی) ہیں۔ ہڑپائی لوگوں کی زندگی اور ثقافت

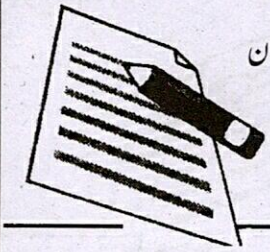

کے بارے میں ہمارے معلومات صرف آثاری کھدائیوں پر مبنی ہیں کیونکہ اس زمانے کے رسم الخط کو ابھی تک سمجھا نہیں جاسکا ہے۔

ہڑپائی تمدن اچانک ہی نہیں ظاہر ہوگیا تھا۔ نئے حجری دور کی دیہی ثقافتوں سے ہی اس کا بتدریج ارتقا ہوا۔ یہ مانا جاتا ہے کہ سندھ ندی کے زرخیز میدانوں کے بھرپور استعمال کی بہتر ٹکنالوجی کا ہی نتیجہ تھا کہ زرعی پیداوار بڑھی۔ اس سے کافی زائد پیداوار ہوئی اور دستکاروں، منتظمین وغیرہ جیسے غیر زرعی (زراعت کا پیشہ نہ اپنانے والے) لوگوں کی خوراک اور کفالت ممکن ہوسکی۔ اس سے دور دراز کے خطوں کے ساتھ مبادلہ یا تجارتی روابط قائم رکھنے میں بھی مدد ملی۔ ہڑپائی لوگوں میں خوشحالی کی وجہ بھی یہ تھی اور اس سے وہ شہروں کو بسا سکے۔

تقریباً 2000 ق م برصغیر ہند کے مختلف حصوں میں متعدد و علاقائی ثقافتوں کو بھی فروغ حاصل ہوا جو پتھر اور تانبے کے اوزاروں کے استعمال پر مبنی تھیں۔ یہ تانبہ پتھر عہد کی ثقافتیں جو ہڑپائی حلقے کے باہر واقع تھیں، اتنی زیادہ خوشحال اور پنپی ہوئی نہیں تھیں۔ بنیادی طور پر یہ دیہی نوعیت کی تھیں۔ ان ثقافتوں کی ابتدا اور ارتقا کا تاریخ وار پھیلاؤ تقریباً 2000 قبل مسیح سے 700 ق۔م تک متعین کیا گیا ہے۔ ان کی دریافت مغربی اور مرکزی ہندوستان میں ہوئی تھی اور انھیں غیر ہڑپائی تانبہ پتھر عہد کی ثقافتیں کہا جاتا ہے۔

مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ:

- ہڑپائی تمدن کے آغاز اور وسعت کی وضاحت کرسکیں گے؛
- ہڑپائی شہری منصوبہ بندی کو بیان کرسکیں گے؛
- ہڑپائی سماجی و معاشی زندگی کے بارے میں سمجھ سکیں گے؛
- ہڑپائی مذہبی عقائد پر بحث کرسکیں گے؛
- یہ واضح کرسکیں گے کہ کیسے اور کیوں ہڑپائی تمدن کا زوال ہوا؛
- ہڑپائی حلقے کے باہر تانبہ پتھر زمانے کی کمیونٹیوں کی شناخت کرسکیں گے؛
- ان تانبہ پتھر عہد کی معاشی حالات اور بسنے کے انداز کی وضاحت کرسکیں گے۔

3.1 آغاز اور وسعت

آثاری باقیات سے پتہ چلتا ہے کہ ہڑپائی تمدن کے ظہور میں آنے سے پہلے لوگ چھوٹے

دیہاتوں میں رہا کرتے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرا چھوٹے قصبوں کا ظہور ہوا اور ہڑپائی عہد کے دوران آخر کار یہ پوری طرح شہروں مین تبدیل ہو گئے۔ درحقیقت ہڑپائی تمدن کی پوری مدت کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (i) ابتدائی ہڑپائی مرحلہ (3500 ق۔م تا 2600 ق م) کی نشاندہی مٹّی گارے سے بنے عمارتی ڈھانچوں، چھوٹی موٹی تجارت، ابتدائی فنون اور دستکاری وغیرہ کی شکل میں قصبائی منصوبہ بندی کی بنیاد پر کی گئی۔ (ii) پختہ ہڑپائی مرحلہ (2600 ق م تا 1900 ق م) یہ وہ دور تھا جس میں ہمیں پکائی ہوئی اینٹوں کی ساختوں کے ساتھ بہتر طور پر ترقی یافتہ شہر، داخلی اور بیرونی تجارت، مختلف قسم کی دستکاریاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ (iii) مابعد ہڑپائی مرحلہ (1900 ق م تا 1400 ق م)۔ یہ زوال کا مرحلہ تھا، جس کے دوران بہت سے شہر متروک ہو گئے تھے اور تجارت ختم ہوتی دکھائی دے رہی تھی اور نتیجتاً اہم امتیازی شہری خصوصیات میں دھیرے دھیرے تنزلی پیدا ہونے لگی تھی۔

آیئے پہلے ہڑپا کی تمدن کے جغرافیائی پھیلاؤ پر ایک نظر ڈالیں۔ آثاری کھدائیوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ثقافت ایک وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی، جس میں نہ صرف آج کی راجستھان، پنجاب، ہریانہ، گجرات، مہاراشٹر، مغربی اتر پردیش کی ریاستیں شامل تھیں، بلکہ اس میں پاکستان اور افغانستان کے کچھ حصے بھی شامل تھے۔ اس تمدن کے بعض اہم مقامات ہیں: جموں وکشمیر میں مانڈہ، افغانستان میں شورتو گھئی، مغربی پنجاب (پاکستان) میں ہڑپا، سندھ میں موہن جوداڑو، راجستھان میں کالی بنگن، گجرات میں لوتھل اور ڈھولا ویرہ، ہریانہ میں بناولی اور راکھی گڑھی، مہاراشٹر میں دائم آباد جبکہ مکران ساحل پر ستکا جندور (نزو پاکستان ایران سرحد) ہڑپائی تمدن کا انتہائی مغربی مقام ہے اور مغربی اتر پردیش میں عالم گیر پور اس کی انتہائی مشرقی حد کی نشاندہی کرتا ہے۔

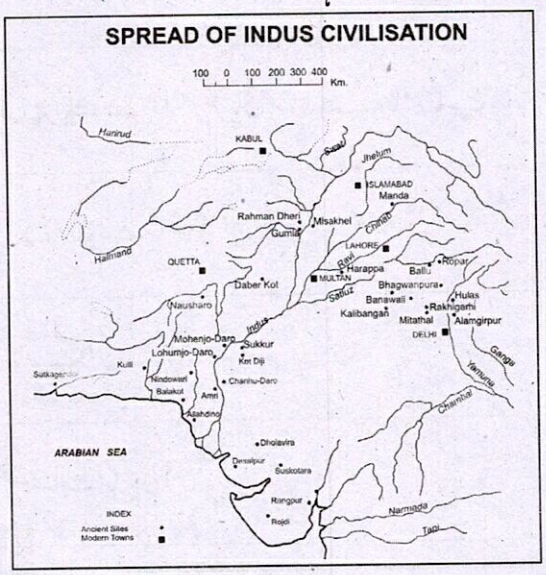

نقشہ 3.1: وادی سندھ تہذیب کا پھیلاؤ

بستیوں کے محل وقوع سے پتہ چلتا ہے کہ ہڑپا، کالی بنگن (گھگر باکرہ ندی پر، جو عام طور پر گم شدہ سرسوتی ندی کے ساتھ وابستہ مانی جاتی ہے) اور موہن جوداڑو تمدن کا مرکز تھا اور زیادہ تر بستیاں اسی خطے میں واقع ہیں۔ مٹی کی قسم، آب و ہوا اور گذر بسر کے انداز کے لحاظ سے اس علاقے کی یکساں خصوصیات تھیں۔ زمین ہموار تھی اور پانی کی فراہمی مانسون اور ہمالیائی ندیوں پر منحصر تھیں۔ اس کی امتیازی جغرافیائی خصوصیت نے اس خطے میں زرعی چراگاہی معیشت کو فروغ دیا، جو اس تمدن کی پہچان بن گیا۔ ہڑپا کی شہری بستیوں کے علاوہ بہت سے ایسے مقامات بھی تھے، جن میں پتھر عہد کے شکاری اور خورونی اشیاء جمع کرنے والے یا چراگاہی خانہ بدوش پر مشتمل قدیم کمیونٹیاں آباد تھیں۔ ان کا وجود بھی ساتھ ساتھ قائم تھا۔ کچھ مقامات بندرگاہوں یا تجارتی چوکیوں کے طور پر تھے۔ یہاں یہ بات دیکھی جاسکتی ہے کہ شہری ثقافت (Urbanisation) کے اہم ترین عناصر عمدہ منصوبہ بند شہر، مخصوص فنون اور دستکاریاں، تجارت، ٹیکس کاری، رسم الخط وغیرہ ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہڑپا کی ثقافت شہری ثقافت کہی جانے کے لیے ان سبھی کسوٹیوں پر پوری اترتی ہے۔

متن پر مبنی سوالات 3.1

1۔ وادی سندھ تمدن کو کیوں ہڑپائی تمدن کہا جاتا ہے؟

2۔ ہڑپائی ثقافت کے مختلف مراحل کیا تھے؟

3۔ ہریانہ اور گجرات میں ہر ایک کے دو اہم ہڑپائی مقامات کے نام بتایئے؟

4۔ موہن جوداڑو کو کس نے دریافت کیا تھا؟

5۔ ہڑپا کس ندی کے کنارے واقع ہے؟

6۔ شہری ثقافت اہم خصوصیات کیا ہیں؟

3.2 شہری منصوبہ بندی

نوٹس

ہڑپا تمدن کی انتہائی دلچسپ شہری خصوصیت اس کی اپنی شہری منصوبہ بندی تھی۔ اس کی شناخت اس کی نمایاں یکسانیت ہے گو کہ کچھ علاقائی تغیرات بھی نظر آتے ہیں۔ شہریوں، گلیوں، ساختوں، اینٹ کے سائز، پانی نکاسی وغیرہ کے نظام میں یہ یکسانیت نظر آتی ہے۔ تقریباً سبھی اہم مقامات (ہڑپا، موہن جوداڑو، کالی بنگن اور دیگر) دو حصّوں میں تقسیم ہیں۔ بستی کے مغرب کی جانب اونچے ٹیلے پر ایک حصار قلعہ اور مشرق کی جانب ایک نشیبی شہر، قلعہ بڑی بڑی ساختوں پر مشتمل تھا جو ظاہر ہے انتظامیہ یا رسوماتی مراکز کے طور پر تھا۔ رہائشی عمارتیں نشیبی شہر میں تھیں۔ گلیاں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی زاویہ قائمہ (90 ڈگری کا زاویہ) پر بنائی گئی تھیں۔ یہ شہر کو متعدد رہائشی بلاکوں میں تقسیم کرتی تھیں۔ بڑی سڑک تنگ گلیوں سے جڑی ہوئی تھی۔ مکانوں کے دروازے ان چھوٹی گلیوں میں کھلتے تھے نہ کہ بڑی سڑکوں پر۔

ہڑپا میں عام لوگوں کے مکانات بہر حال سائز میں مختلف تھے ایک اکیلے کمرے کے مکان سے لے کر بڑی بڑی ساختوں والے مکانات موجود تھے۔ یہ مکانات کافی حد تک پکی اینٹوں سے بنائے گئے۔ بڑے مکانوں میں بہت سے کمرے ہوتے تھے جو ایک چوکور صحن کے گرد بنائے جاتے تھے۔ ان مکانوں میں نجی کنویں، کچن اور نہانے کے لیے چبوترے ہوا کرتے تھے۔ مکانوں کی سائز میں فرق سے پتہ چلتا ہے کہ امیر بڑے مکانوں میں رہا کرتے تھے جبکہ ایک کمرے پر مشتمل عمارتیں یا بارکیں (کوٹھریوں کی قطاریں) سماج کے غریب طبقے کے لیے رہی ہوں گی۔

ہڑپائیوں کا پانی کی نکاسی یا نالیوں کا نظام جامع اور عمدہ طور پر منصوبہ بند تھا۔ ہر مکان میں نالیاں تھیں جو گلی کی نالیوں میں کھلتی تھیں۔ یہ نالیاں اینٹوں یا پتھر کی سلوں (Sloves) سے ڈھکی ہوتی تھیں۔ (انھیں صفائی کے لیے ہٹایا جاسکتا تھا) انھیں صفائی کے لیے گلیوں کے کنارے جگہ جگہ مین ہول بنائے گئے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ صفائی کے علم سے کتنی اچھی طرح واقف تھے۔

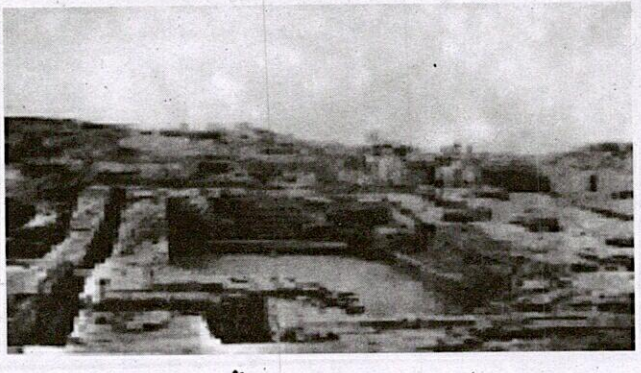

شکل 3.1: موہن جوداڑو کا بڑا غسل خانہ

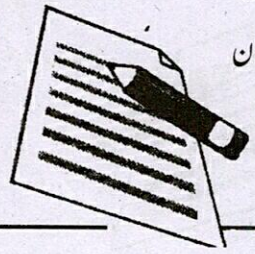

نوٹس

3.3 ہڑپائی شہروں کی کچھ بڑی عمارتی باقیات

موہن جوداڑو میں بڑا حمام (Great bath) انتہائی اہم ساخت کا ہے (شکل 3.1) یہ ہر طرف سے راہداریوں سے گھرا ہوا ہے اور شمال اور جنوب میں سیڑھیوں کے ذریعہ اس کے کنارے پر پہنچایا جاتا ہے۔ غسل خانے کے فرش پر تارکول (Bituman) کی ایک پتلی پرت لگائی گئی تھی تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ پانی اندر نہیں رِسے گا۔ ایک ملحقہ کمرے کے بڑے کنویں سے پانی سپلائی کیا جاتا تھا۔ پانی کو باہر نکالنے کے ایک نالی تھی۔ کپڑے بدلنے کے لیے کمروں کے ایک سلسلے کے ذریعہ غسل خانہ گھرا ہوا تھا۔ دانشوروں کا ماننا ہے کہ ''بڑے غسل خانے'' کا استعمال رسوماتی غسل کے لیے کیا جاتا تھا۔ بڑے غسل خانے کے مغرب کی طرف واقع یہاں ایک اور ڈھانچہ اناج کا گودام ہے۔ یہ اناجوں کے ذخیرے کے لیے اینٹ کے متعدد مستطیل بلاکوں پر مشتمل ہے۔ اناج کا گودام ہڑپا میں بھی پایا گیا ہے۔ اس میں اینٹ کے گول چبوتروں کی قطاریں ہیں، جن کا استعمال اناجوں کے گاہنے (تھریشنگ) کے لیے کیا جاتا تھا۔ یہاں سے گیہوں اور جو کے بھوسے کی دریافت سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔

لوتھل میں ایک اینٹ کے ڈھانچہ کی شناخت، ایک گودی (Dock yerd) کے طور پر ہوئی ہے، جو جہازوں کے لنگر اندازے ہونے اور جہاز کی کھیپ (کارگو) کو اُتارنے کے لیے ہوا کرتی تھی (شکل 3.2) اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوتھل ہڑپائی لوگوں کا ایک اہم بندرگاہ اور تجارتی مرکز تھا۔

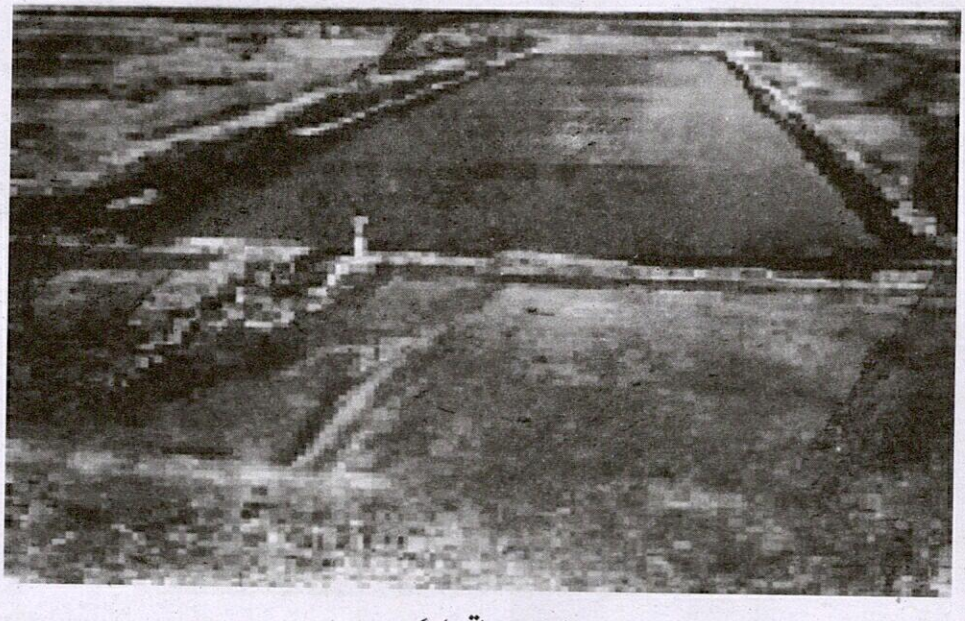

شکل 3.2: لوتھل کی گودی

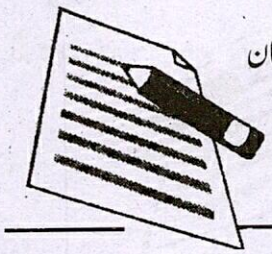

نوٹس



متن پر مبنی سوالات 3.2

1۔ ہڑپائی شہروں میں حصار قلعہ عام طور پر کس سمت میں واقع تھا؟

2۔ مکان بنانے کے لیے کس طرح کی اینٹوں کا استعمال کیا جاتا تھا؟

3۔ ''بڑا غسل خانہ'' کہاں دریافت ہوا تھا؟

4۔ لوتھل میں پائی گئی بڑی ساخت کا نام بتایئے؟

3.4 معاشی سرگرمیاں

(i) زراعت

ہڑپائی تمدن کی خوشحالی کی بنیاد اس کی پنپتی ہوئی معاشی سرگرمیاں جیسے زراعت، فنون، دستکاری اور تجارت تھیں۔ زرخیز سندھ کی سیلابی مٹّی کے سبب اضافی زرعی پیداوار ہوتی تھی۔ اس سے ہڑپائی لوگوں کو دوسروں کے ساتھ داخلی اور بیرونی دونوں طرح کے مبادلے کے مشغلے میں مدد ملی اور دستکاری اور صنعتوں کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

چراگاہی (مویشی پالن) کے ساتھ زراعت ہڑپائی معیشت کی بنیاد تھی۔ ہڑپا، موہن جوداڑو اور لوتھل جیسے مقامات میں اناج کے گودام دریافت ہوئے ہیں، جو اناجوں کے ذخیرے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ زراعت کے لیے استعمال کیے جانے والے اوزاروں کے بارے میں ہمارے پاس واضح ثبوت تو نہیں ہیں تاہم کالی بنگن کے ایک کھیت میں ہل سے بنی لکیریں یا نشانات کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اس سے ہل کے ذریعہ کی جانے والی کاشت کا اشارہ ملتا ہے۔ ہریانہ کے ہسار ضلع میں بناولی سے بھی پکّی مٹّی کے بنے ہل کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہے۔ کنوؤں سے پانی نکال کر یا نہروں میں ندی کے پانی کو موڑ کر چھوٹے پیمانے پر آبپاشی کی جاتی تھی۔

اہم غذائی فصلوں میں گیہوں، جو، تل، سرسوں، مٹر وغیرہ شامل تھیں۔ لوتھل اور رنگ پور میں چاول کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، جو برتن میں لگی ہوئی بھوسی کی شکل میں پایا گیا تھا۔ کپاس ایک اور اہم فصل

تھی۔ بُنے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی موہن جوداڑوں میں پایا گیا ہے۔ اناج کے علاوہ، مچھلی اور جانوروں کے گوشت بھی ہڑپائی لوگوں کی خوراک میں شامل تھے۔

(ii) صنعتیں اور دستکاریاں

ہڑپائی لوگ لوہے کو چھوڑ کر باقی تقریباً سبھی دھاتوں سے واقف تھے۔ وہ سونے اور چاندی کی اشیاء بناتے تھے۔ سونے کی اشیاء میں منکے، بازو بند، سوئیاں اور دیگر زیورات شامل ہیں۔

لیکن سونے کے مقابلے چاندی کا استعمال زیادہ عام تھا۔ چاندی کے زیورات، طشتریوں وغیرہ کی ایک بڑی تعداد دریافت کی گئی ہے۔ متعدد تانبے کے اوزار اور ہتھیار بھی پائے گئے ہیں۔ عام اوزاروں میں کلہاڑی، آرا، چھینی، چاقو، نیزہ اور تیر شامل ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہڑپا والوں کے ذریعہ جو ہتھیار بنائے جاتے تھے وہ دفاعی نوعیت کے تھے کیونکہ تلواروں وغیرہ جیسے ہتھیاروں کی کوئی شہادت نہیں ملی ہے۔ پتھر کے اوزار بھی عام طور پر استعمال کیے جاتے تھے۔ تانبہ عام طور پر راجستھان میں کھیتری سے لایا جاتا تھا۔ سونا شاید ہمالیائی دریائی تہوں اور جنوبی ہندوستان سے اور چاندی عراق سے منگائی جاتی رہی ہوگی۔ ہمیں کانسے کے محدود طور پر استعمال کی بھی شہادت ملی ہے۔ اس سلسلے میں کافی مشہور نمونہ کانسے کی ''رقص کرتی ہوئی دوشیزہ'' کا مجسمہ ہے۔ یہ موہن جوداڑو میں دریافت ہوا تھا (شکل 3.3) یہ ایک برہنہ نسوانی تصویر ہے، جس کا دایاں بازو کولہے پر اور بایاں بازوں رقص کے ہاؤ بھاؤ میں لٹکا ہوا ہے۔ اس نے بہت ساری چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔

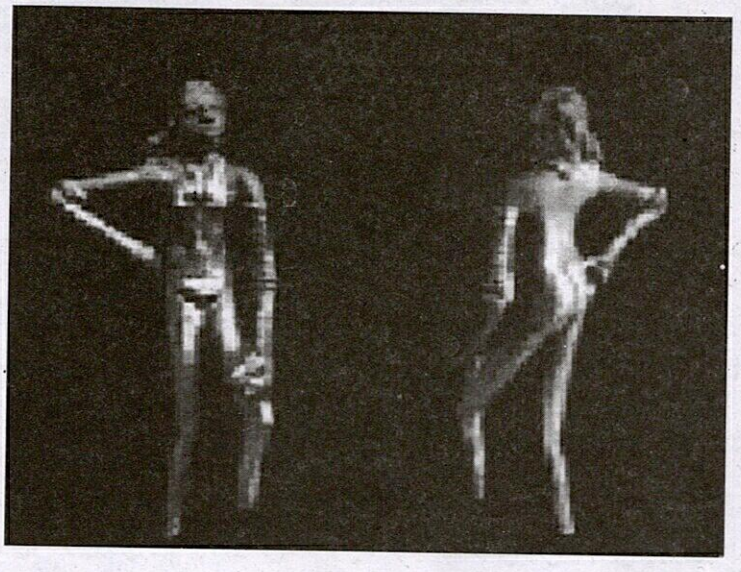

تصویر 3.3: ''رقص کرتی دوشیزہ، موہن جوداڑو

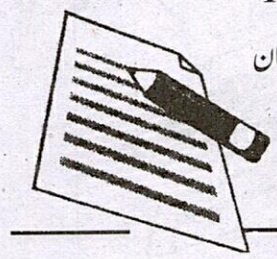

نوٹس

منکا بنانا بھی ایک اہم دستکاری تھی۔ منکے قیمتی اور نیم قیمتی پتھروں جیسے عقیق اور عقیق سرخ سے بنائے جاتے تھے۔ منکے بنانے کے لیے اسٹیٹائٹ (ابرق جیسی دھات) کا استعمال کیا جاتا تھا۔ چنھو دارو اور لوتھل میں منکا بنانے والوں کی دوکانیں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ سونے اور چاندی کے منکے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ منکوں میں ہاتھی دانت کی کندہ کاری اور جڑاؤ کام (مرصع) بھی کیا جاتا تھا۔ بازو بند یا کڑے اور دیگر آرائشی کام بھی کیے جاتے تھے۔ ہڑپائیوں نے اس طرح مختلف قسم کی دستکاریوں اور فنون میں اپنی مہارت دکھائی۔

ہڑپائی دور کے فن کا ایک معروف نمونہ داڑھی والے شخص کا ایک سنگی مجسمہ ہے جسے موہن جوداڑو میں دریافت کیا گیا تھا (شکل 3.4)۔ اس کی نیم باز (آدھی کھلی آدھی بند) آنکھیں اس کے مراقبے (دھیان گیان) کے انداز کا اشارہ کررہی ہیں۔ پورے بائیں کندھے پر کڑھائی کیا ہوا لبادہ پڑا ہوا۔ بعض دانشوروں کے مطابق یہ ایک پجاری کا نیم سینے تک کا مجسمہ ہوگا۔

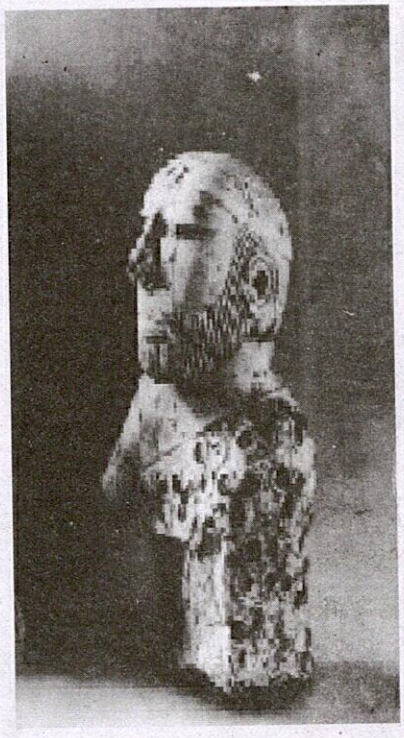

شکل 3.4: ایک داڑھی والے شخص کا سنگی مجسمہ

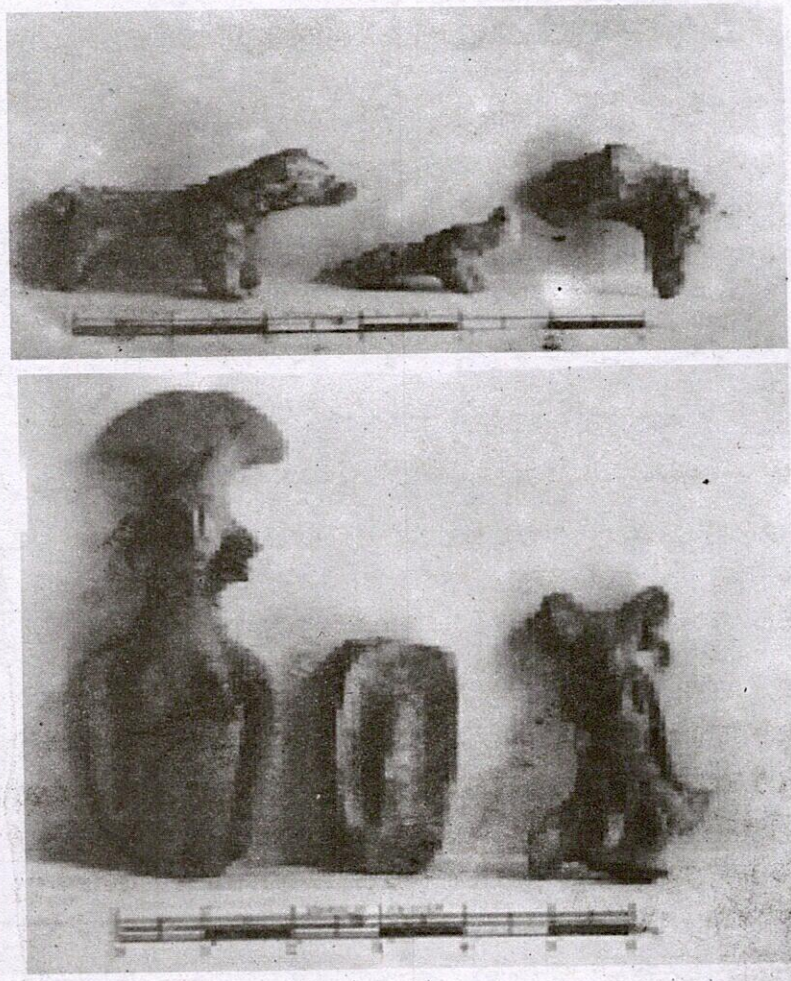

شکل 3.5: ٹیراکوٹا (پکائی مٹی) میں انسان اور جانور کے چھوٹے مجسمے

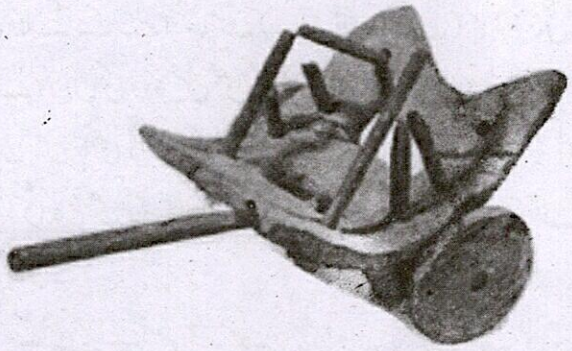

شکل 3.6A: کالی بنگن میں دریافت ٹیراکوٹا بیل گاڑی

مردوں اور عورتوں کے ٹیراکوٹا (پکائی ہوئی مٹی) کے چھوٹے مجسمے بڑی تعداد میں مختلف ہڑپائی مقامات سے دریافت ہوئے ہیں۔ عورتوں کے چھوٹے مجسمے مردوں سے زیادہ ہیں۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ یہ دیوی ماں کی پوجا کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ چڑیوں، بندروں، کتوں، بھیڑ، مویشی، کوہان والے یا بغیر کوہان کے بیلوں کے مختلف نمونے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ تاہم اس سلسلے میں قابل ذکر نمونے ٹیراکوٹا بیل گاڑیوں کے مختلف نمونے ہیں۔

ہڑپائی دور میں برتن بنانا (ظروف سازی) بھی ایک اہم صنعت تھی۔ یہ خاص طور پر کمہار کے چاک پر بنائے گئے تھے اور ان پر سرخ پرت چڑھا کر کالے رنگ میں سجاوٹ کی گئی تھی۔ یہ مختلف سائزوں اور شکلوں میں ملے ہیں۔ پینٹ کیے ہوئے ڈیزائن مختلف موٹائیوں کی لائنوں، پتے کے نمونوں، کھجور اور پیپل کے پیڑوں کی افقی لائنوں پر مشتمل ہیں۔ چڑیوں، مچھلیوں اور جانوروں کی تصویر کشی بھی برتنوں پر کی گئی ہے۔

ہڑپا کے لوگ مختلف قسم کی مہریں بھی بناتے تھے۔ دو ہزار سے زیادہ مہریں مختلف مقامات سے دریافت ہوئی ہیں۔ شکل کے اعتبار سے یہ عموماً مربع ہوتی تھیں اور سیل کھڑی (ناصاف شدہ ابرق) سے بنائی جاتی تھیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے، جہاں مہروں میں متعدد جانوروں کی تصویر کشی کی گئی، وہیں ان پر گھوڑے کی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔ اس کی بنیاد پر بہت سے دانشوروں کی دلیل ہے کہ ہڑپائی لوگ گھوڑوں کے بارے میں نہیں جانتے تھے گو کہ بہت سے ایسے دانشور بھی ہیں جو اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ مختلف قسم کے جانوروں کے علاوہ ہڑپائی مہروں میں ہڑپائی رسم الخط میں کچھ تحریر ہے، جسے بہر حال ابھی تک نہیں سمجھا جا سکا ہے۔ کافی مشہور مہر وہ ہے جس پر سینگ والے نر دیوتا کی تصویر کشی کی گئی

نوٹس

ہے۔اس کے تین سر ہیں اور چار جانوروں ہاتھی، شیر، گینڈا اور بھینسے سے گھرا ہوا یوگ کے انداز میں بیٹھا ہوا ہے۔ بہت سے دانشوروں نے اس کی شناخت بھگوان پشوپتی (حیوانوں کے مالک) کی قدیم شکل کے طور پر کی ہے۔ حالانکہ کچھ دوسرے اس شناخت سے اختلاف رکھتے ہیں۔



شکل 3.7: پشوپتی کی مہر

(iii) تجارت

داخلی (ملک کے اندر) اور بیرونی (ملک کے باہر) دونوں طرح کی تجارت کا ایک نٹ ورک (جال) ہڑپائی کی شہری معیشت کی ایک نمایاں خوبی ہے۔ چونکہ شہری آبادی غذا اور دیگر بہت سی ضروری اشیاء کے لیے آس پاس کے دیہی علاقوں پر منحصر تھی اس لیے گاؤں وشہر میں باہمی رشتے کوفروغ ملا۔ اسی طرح شہری دستکاروں کو دوسرے علاقوں میں اپنی اشیاء فروخت کرنے کے لیے بازاروں کی ضرورت تھی۔ اس سے شہروں کے درمیان بھی رابطہ قائم ہوا۔ تاجروں نے بیرون ممالک خاص طور پر میسوپوٹامیہ سے بھی رابطے قائم کیے۔ یہاں ان اشیاء کی اچھی مانگ تھی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دستکاروں کو اشیاء بنانے کے لیے مختلف قسم کی دھاتوں اور قیمتی پتھروں کی ضرورت پڑتی تھی، لیکن یہ مقامی طور پر دستیاب نہیں تھے اس لیے انھیں باہر سے منگایا جاتا تھا۔ ایسے خام مواد کی اس کے اصل مقام سے دور کے مقامات پر موجودگی سے ظاہر ہے کہ یہ ایک مبادلہ سرگرمی کے ذریعہ ہی یہاں پہنچے ہوں گے۔ اس طرح راجستھان کے علاقے میں تانبے کا بھرپور ذخیرہ تھا اور ہڑپائی یہاں واقع کھیتری کانوں سے خاص طور

پر تانبے حاصل کرتے تھے۔ کرناٹک کے کولار کے سونے کی کانیں اور ہمالیائی ندیوں کی دریائی تہوں سے سونے کی سپلائی ہوتی رہی ہوگی۔ چاندی کے ذرائع راجستھان کے جور کی کانیں ہوسکتی ہیں۔ یہ مانا جاتا ہے کہ ہڑپا کی اشیاء کے مبادلے میں میسوپوٹامیہ سے بھی غالباً چاندی لائی جارہی ہوگی۔

منکے بنانے کے لیے استعمال کیے جانے والے قیمتی پتھروں میں لاجورد (Lapis Lazuli) کے ذرائع شمال ترین افغانستان میں بدخشاں کانوں میں واقع تھے۔ فیروزہ (ایک نیم قیمتی نگینہ) اوریشم (برنگینہ) مرکزی ایشیا سے منگائے جاتے تھے۔ مغربی ہندوستان سے عقیق 'سنگ سلیمانی' اور عقیق سرخ کی سپلائی ہوتی تھی۔ سیپیاں گجرات اور پڑوسی ساحلی علاقوں سے آتے رہے ہوں گے۔ اچھی کوالٹی کی عمارتی لکڑی اور دیگر جنگلاتی اشیاء شاید جموں جیسے شمالی خطوں سے حاصل کی جاتی تھیں۔

ہڑپائی میسوپوٹامیہ سے بیرونی تجارت کیا کرتے تھے۔ یہ کافی حد تک خلیج فارس میں واقع عمان اور بحرین کے ذریعہ انجام پاتی تھی۔ اس کی توثیق ان خطوں میں منکوں، مہروں بانسوں جیسے انسانی ہنر کے ہڑپائی نمونوں کی موجودگی سے ہوتی ہے۔ اگر چہ ان خطوں سے صناعی کے نمونے ہڑپائی کے مقامات پر شاذ و نادر ہی پائے گئے ہیں۔ تاہم مغربی ایشیا یا فارسی اصل کی ایک مہر لوتھل میں دریافت ہوئی ہے، جس سے اس رابطے کی توثیق ہوتی ہے۔ میسوپوٹامیہ کے شہروں جیسے سوسا، اروغیرہ سے تقریباً دو درجن ہڑپائی مہریں حاصل ہوئی ہیں۔ مہروں کے علاوہ ہڑپائی اصل کے دیگر صناعی نمونے جو دریافت ہوئے ہیں ان میں ہڑپائی خوبیوں کے برتن، کندہ کاری کیے ہوئے سنگ یمنی کے منکے اور پانسے شامل ہیں۔

میسوپوٹامیہ سے کتباتی شہادت سے بھی ہمیں میسوپوٹامیہ سے ہڑپائی رابطے کے بارے میں قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کتبات سے دلمن، مانگن (Dilmun) (Magan) (Meluhha) کے ساتھ تجارت کا حوالہ ملتا ہے۔ دانشوروں نے میلوہا کو ہڑپائی خطے، ماگن کو مکران ساحل اور دلمن کے بحرین میں واقع ہونے کی بات کہی ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ میسوپاٹامیہ تانبہ، عقیق سرخ، ہاتھی دانت، لاجورد، موتیاں اور آبنوس درآمد کرتا تھا۔ میسوپاٹامیہ سے ہڑپا برآمد ہونے والی اشیاء میں لباس، اون، پرفیوم (عطر)، چمڑے کی اشیاء اور چاندی جیسی اشیاء شامل تھیں۔ چاندی کے علاوہ باقی سبھی چیزیں تلف ہوجانے والی اشیاء تھیں۔ یہ ایک اہم وجہ ہوسکتی ہے کہ ہمیں ہڑپا کی مقامات پر ان اشیاء کے باقیات کیوں نہیں ملتے۔

متن پر مبنی سوالات 3.3

1۔ زراعت کے علاوہ کون سی معاشی سرگرمی ایسی تھی جسے ہڑپائی لوگ انجام دیا کرتے تھے؟

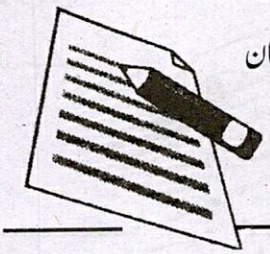

نوٹس

2۔ ہڑپائی لوگوں کے ذریعہ صرف کی جانے والی اہم غذائی فصلوں کے نام بتایئے؟

3۔ وہ کون سے دو مقامات تھے، جہاں ہڑپائی دور کی ایک غذائی فصل کے طور پر چاول کے پائے جانے کی شہادت ملتی ہے؟

4۔ 'رقص کرتی ہوئی دوشیزہ' کا کانسے کا مجسمہ کہاں دریافت ہوا تھا؟

5۔ ہڑپائی دور میں دو اہم دستکاریوں کے نام بتایئے؟

6۔ ہڑپائی لوگوں کے لیے کون سا مقام تانبے کے حصول کا ایک اہم ذریعہ تھا؟

3.5 سماجی تفریق

ہڑپائی سماج لگتا ہے کہ مادرسری (Matriachal) نوعیت کا تھا۔ یہ خیال ماں دیویوں کی مقبولیت کی بنیاد پر ظاہر کیا جاتا ہے، جیسا کہ پنجاب اور سندھ خطّے میں ٹیراکوٹا کے نسوانی چھوٹے مجسموں کی ایک بڑی تعداد کے پائے جانے سے پتہ چلتا ہے۔ چونکہ ہڑپائی رسم الخط ابھی تک سمجھے نہیں جاسکے ہیں تاہم اس معاملے میں اس محدود معلومات کی بنیاد پر ہی ہمیں خود کو مطمئن کرنا ہے۔

ہڑپائی سماج کئی طرح کے پیشے اپنائے جانے والے لوگوں پر مشتمل تھا۔ ان میں پجاری جنگجو، کسان، تاجر اور دست کاریا کاریگر (مستری راج، بنکر، مینار، کمار وغیرہ) شامل تھے۔ ہڑپا اور لوتھل جیسے مقامات پر ڈھانچہ جاتی باقیات سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف طبقات کے ذریعہ اختیار کی جانے والی رہائش کے طور پر مختلف قسم کی عمارتیں استعمال کی جاتی تھی۔ مزدور طبقے کی موجودگی کا ثبوت ہڑپا میں اناج کے گوداموں کے قریب بنے مزدوروں کے کوارٹروں سے ملتا ہے۔ اسی طرح، ٹھٹھیروں (Copper smiths) اور منکا سازوں کے لیے بنے ورکشاپ اور مکانات لوتھل میں دریافت ہوئے ہیں۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں وہ جو بڑے مکانوں میں رہا کرتے تھے ان کا تعلق امیر طبقے سے تھا، جبکہ وہ کوٹھریوں جیسے مزدوروں کے کوارٹر محنت کش طبقے سے متعلق تھے۔

ان کی پوشاک کے اندازے کے بارے میں ہماری محدود معلومات اسی دور کے ٹیراکوٹا کے

چھوٹے مجسمے اور پتھر کے مجسموں سے حاصل ہوتی ہے۔ مردوں کو اکثر ایسی پوشاک پہنے ہوئے دکھایا گیا ہے، جس کے ایک سرے کو وہ جسم کے نچلے نصف حصّے میں لپیٹے رہتے تھے۔ بائیں کندھے اور دائیں بازو کے نیچے دوسرے سے لپیٹ لیتے تھے۔ دوسری پوشاک اسکرٹ جیسا لباس تھا جو نچلے حصّے کو ڈھکنے کے لیے ہوتا تھا۔ وہ سوتی اور اونی کپڑوں کے ملبوسات پہنتے تھے۔ اونی کپڑے کا ایک ٹکڑا موہن جوداڑو میں پایا گیا ہے۔ بہت سے مقامات پر تکلے اور سوئیاں دریافت ہوئی تھیں، جس سے کتائی اور بُنائی کے عمل کی تصدیق ہوتی ہے۔

ہڑپائی لوگ خود کی آرائش کے دلدادہ تھے۔ مرد اور عورت اپنے بالوں کو سنوارتے تھے، جس کی شہادت مختلف مقامات پر پائے گئے چھوٹے مجسموں سے ملتی ہے۔ مرد اور عورتیں دونوں ہی اپنے بالوں کی مختلف آرائشی وضع رکھتے تھے، لوگ زیورات بھی پسند کرتے تھے۔ ان میں گلے کا ہار، بازو بند، بالیاں، منکے چوڑیاں وغیرہ شامل تھیں۔ یہ دونوں ہی صنف کے ذریعہ استعمال کیا جاتا تھا، جیسا کہ پتہ چلتا ہے کہ امیر لوگ سونے، چاندی اور نیم قیمتی پتھروں کے زیورات استعمال کرتے تھے جبکہ غریب ٹیراکوٹا سے ہی خود کی تسکین کرتے تھے۔



متن پر مبنی سوالات 3.4

1۔ ہڑپائی سماج کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ وہ _____ سماج تھا۔

2 کامگاروں (مزدور) کے کوارٹر کہاں پر دریافت ہوئے تھے۔

3۔ ہڑپائی جو لباس استعمال کرتے تھے وہ کس شے سے بنے ہوئے تھے؟

3.8 مذہبی عقائد اور رواج

ہڑپائیوں کے مذہبی عقائد اور رواج کے بارے میں ہماری معلومات دستیاب مہروں اور چھوٹے مجسموں پر مبنی ہے۔ ہڑپائی مذہب کو بالعموم مظاہر پرستی (Animism) یعنی پیڑوں، پتھروں وغیرہ کی پوجا پر مبنی مذہب مانا جاتا ہے (شکل 3.8) ان میں سے زیادہ تر چوڑی کمر پیٹی یا پٹکا، دھوتی اور گلے کے ہار سے سجی ہوئی خواتین کی نمائندگی کرتی ہیں۔ وہ ایک پنکھے کی شکل کا سر ڈھکنے کا پوشاک پہنتی تھیں۔ بعض جگہوں

پر عورتوں کو ایک چھوٹے بچے کے ساتھ دکھایا گیا ہے جبکہ ایک میں کسی عورت کے رحم سے ایک پودا اُگتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ مؤخر الذکر شاید دھرتی دیوی کی علامت ظاہر کرتی ہے۔ بہت سے دانشور ایسے بھی ہیں جو ہڑپائیوں کے ذریعہ لِنگ (مردانہ عضوتناسل) اور یونی (نسوانی جنسی) کی پوجا سے منسوب کرتے ہیں جبکہ بعض اس بارے میں مشکوک ہیں۔



شکل 3.8: موہن جوداڑو سے دریافت علامتی پیپل درخت

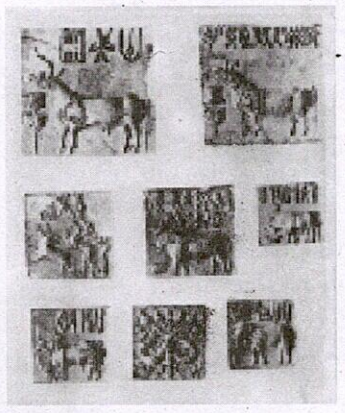

شکل 3.9: موہن جوداڑو سے دریافت دیوی ماں

دیوتا کے بارے میں ہڑپائی عقیدے کا پتہ مہر سے چلتا ہے، جس میں ایک دیوتا کو جانوروں سے گھرا ہوا اور یوگی کے انداز میں بیٹھا ہوا دکھایا گیا ہے، جس کے سر پر بھینس کی سینگ نما پگڑی دکھائی گئی ہے۔ بہت سے دانشور اس کی شناخت پشو پتی دیوتا (مالک حیوانات) یا ''قدیم شیو'' (Proto Shiva) کے طور پر کرتے ہیں۔ گو کہ کچھ اسے تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ ایک دوسری مثال میں ایک دیوتا کو سینگوں کے ساتھ دکھایا گیا ہے، جس کے بال اڑ رہے ہیں اور وہ ایک پیپل کے پیڑ کی شاخوں کے درمیان برہنہ کھڑا ہے اور پوجا کرنے والے لوگ اس کے سامنے گھٹنوں پر جھکے ہوئے ہیں۔ اسے پیڑ کی پوجا کے طور پر شاید پیش کیا گیا ہے۔ جانور کی پوجا شاید ہڑپائیوں میں مقبول تھی۔

کالی بنگن اور لوتھل جیسی کچھ جگہوں پر آگ کی پوجا کی بھی شہادت ملی ہے۔ کالی بنگن میں گڑھوں کے ساتھ اونچے اینٹ کے چبوتروں کا ایک سلسلہ ملا ہے، جو راکھ اور جانور کی ہڈیوں پر مشتمل تھا۔ ان کی شناخت متعدد دانشوروں کے ذریعہ یگیہ کے مقامات (اگنی کنڈ) کے طور پر کی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ

چلتا ہے مختلف علاقوں میں رہنے والے ہڑپائی لوگ مختلف مذہبی رواجوں کی پابندی کرتے تھے کیونکہ ہڑپا یا موہن جوداڑو میں اگنی کنڈ کی کوئی شہادت نہیں ملی ہے۔

تدفین وغیرہ کا رواج اور ان سے متعلق رسمیات کسی ثقافت میں نہایت اہم مذہبی پہلو ہوتا ہے۔ تاہم، اس سیاق وسباق میں یہ قابلِ ذکر ہے کہ ہڑپائی مقامات میں مصر کے اہراموں (Pyrmids) یا میسو پوٹامیہ کے ارمین شاہی قبرستان کی طرح کوئی یادگار نہیں ملتی ہے۔ نعش کو عام طور پر شمال، جنوب کی سمت میں لٹایا جاتا تھا۔ ان کے سر کو شمال کی جانب اور پیر کو جنوب کی طرف رکھا جاتا تھا۔ مردے کو مختلف تعداد میں مٹّی کے برتنوں کے ساتھ دفنایا جاتا تھا۔ کچھ قبروں میں مردے کو چوڑیوں، منکے، تانبہ، آئینہ جیسی اشیاء کے ساتھ دفنایا جاتا تھا۔ اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے ہڑپائی موت کے بعد کی زندگی میں یقین رکھتے تھے۔ لوتھل میں مرد اور عورتوں کی لاشوں کے تین مشترکہ یا دوہری تدفین ایک ساتھ دریافت کی گئی تھی۔ کالی بنگن میں ایک علامتی تدفین کی شہادت ملی ہے۔ یعنی ایسی تدفین جو برتنوں پر مشتمل تھی، لیکن ان میں ہڈیاں یا ڈھانچہ نہیں پایا گیا۔ ہڑپائی تمدن کے مختلف خطوں میں یہ مختلف رواج مذہبی عقائد میں تنوع کی عکاسی کرتے ہیں۔



شکل 3.10: موہن جوداڑو سے دریافت کوہانی بیل سے منقش مہریں

متن پر مبنی سوالات 3.5

1۔ مشہور ''پشوپتی'' مہر کہاں سے دریافت ہوئی ہے؟

2۔ ہڑپائی مہروں پر کون سے پیر کو اکثر پیش کیا گیا ہے؟

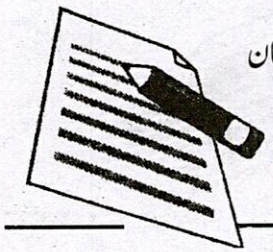

3۔ آگ کی پوجا کی کیا کوئی شہادت ہے؟ اگر ایسا ہے تو اسے کہاں دریافت کیا گیا ہے؟

4۔ کس مقام پر مشترکہ تدفین پائی گئی ہے؟

3.9 رسم الخط

ہڑپائی پڑھے لکھے لوگ تھے۔ ہڑپائی مہریں مختلف علامتوں یا حروف کے ساتھ کندہ تھیں۔ حالیہ مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ ہڑپائی رسم الخط تقریباً 400 علامتوں پر مشتمل تھا اور یہ دائیں سے بائیں لکھی جاتی تھی۔ تاہم اس رسم الخط کو ابھی تک نہیں سمجھا جاسکا ہے۔ یہ مانا جاتا ہے کہ یہ علامتی رسم الخط (Ideogran) سیدھے طور پر خیال منتقل کرتے تھے۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کون سی زبان بولتے تھے، لیکن دانشور مانتے ہیں کہ وہ ''بروہی'' بولتے تھے، یہ وہ بولی بھی ہے، جو آج کل پاکستان میں بلوچی لوگ بولتے ہیں۔ تاہم مزید تحقیق ہی اس راز باسرار کو افشا کرسکتی ہے اور ہمیں ہڑپائی رسم الخط کے بارے میں مزید جان سکتے ہیں۔

3.10 ہڑپائی تمدن کا زوال

ہڑپائی تمدن 1900 ق م تک پھلا پھولا، اس کے بعد آنے والے دور کو مابعد شہری مرحلے (یا مابعد ہڑپائی مرحلہ) کی شروعات کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اس مرحلے کی خصوصیت کا تعین شہری منصوبہ بندی، فن تحریر، اوزان اور پیمائشوں میں یکسانیت، برتنوں کی رنگا رنگ ڈیزائنوں وغیرہ جیسی اہم امتیازی خاصیتوں کے دھیرے دھیرے ختم ہونے کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ 1900 ق م سے 1400 ق م تک کا دور انحطاط کا زمانہ ہے۔ آبادی کے علاقے بھی سکڑنے لگے تھے۔ مثال کے لیے موہن جوداڑو کا رقبہ پہلے کے اصل 85 ہیکٹیئر سے کم ہوکر تین ہیکٹیئر کی ایک چھوٹی بستی تک محدود ہوگیا تھا۔ لگتا ہے آبادی دوسرے علاقوں میں منتقل ہوگئی تھی۔ ایسا اشارہ ملتا ہے کہ مابعد ہڑپائی دور میں گجرات، مشرقی پنجاب، ہریانہ، اوپری دوآبہ کے دور افتادہ علاقوں میں بڑی تعداد میں نئی آبادکاریاں ہوئیں۔

آپ کو حیرت ہورہی ہوگی کہ کس طرح ہڑپائی تمدن ختم ہوگیا۔ اس سلسلے میں دانشوروں نے بہت سے نظریات پیش کیے ہیں۔

(i) بعض دانشوروں کا کہنا ہے کہ سیلاب اور زلزلے جیسی قدرتی آفات اس تمدن کے زوال کی وجہ رہی ہوگی۔ یہ مانا جاتا ہے کہ زلزلوں نے سندھ ندی کے نشیبی سیلابی میدانوں کی سطح بڑھادی ہوگی۔ اس

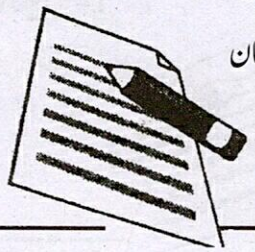

نوٹس

سے سمندر میں ندی کے پانی کے گزرنے کی راہ مسدود ہوگئی اور نتیجتاً سیلاب آیا اور موہن جوداڑو شہر غرق ہوگیا۔ بہر حال، یہ خیال صرف موہن جوداڑو کے زوال کے وضاحت کرتا ہے نہ کہ پورے تمدن کے زوال کی۔

(ii) گھگھر، ہرکاندی کے سوکھ جانے کے سبب ندی کے راستوں میں تبدیلیاں پیدا ہوئی اور بعض دانشوروں کے مطابق یہی زوال کا سبب رہا ہوگا۔ یہ نظریہ بیان کرتا ہے کہ تقریباً 2000 ق م تک خشکی کی حالت میں اضافہ ہوا تھا۔ اس سے زرعی پیداوار پر اثر پڑا اور زوال کا سبب بنا۔

(iii) آریوں کے حملے کا نظریہ بھی زوال کے سبب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق ہڑپائی تمدن آریوں کے ذریعہ تباہ کردیا گیا تھا۔ آریہ تقریباً 1500 ق م شمال مغرب سے ہندوستان آئے تھے۔ تاہم معلوم حقائق کے گہرے اور سنجیدہ تجزیہ کی بنیاد پر اس نظریہ کو پوری طرح رد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی اکیلی وجہ ایسی نہیں ہے جو کلی طور پر اس پر تمدن کے زوال کو واضح کرسکے۔ ان سے زیادہ سے زیادہ بعض مقامات یا علاقوں کی تنزلی کی صرف وضاحت ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ہر ایک نظریے پر تنقید کی گئی ہے۔ پھر بھی آثاری شہادت اسی بات کا اشارہ کرتی ہے کہ ہڑپائی تمدن بالکل اچانک ہی ساقط نہیں ہوگیا بلکہ زوال دھیرے دھیرے آیا اور آخر کار دیگر مقامی ثقافتوں کے ساتھ ضم ہوگیا۔

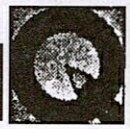

متن پر مبنی سوالات 3.6

1۔ ہڑپہ کی رسم الخط میں پائی گئی علامتوں کی لگ بھگ تعداد کتنی ہے؟

2۔ ہڑپائی تمدن کے زوال کے لیے کون سی قدرتی آفات کو ذمہ دار سمجھا جاتا ہے؟

3۔ ہڑپا کی رسم الخط کس طرح لکھا گیا تھا؟ (دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں)؟

3.11 غیر ہڑپائی ہندوستان کی تانبہ پتھر عہد کی بستیاں

اہم تانبہ پتھر عہد کی تہذیبیں اور ان کے خاص مقامات

اہم غیر ہڑپائی تانبی پتھر عہد کی ثقافتیں (تہذیبیں) خاص طور پر مغربی ہندوستان اور دکن میں واقع

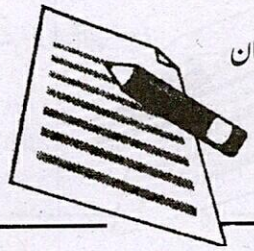

تھیں۔ ان میں جنوب مشرقی راجستھان میں بناس ثقافت اوے پور اور گیلند کے نزدیک اہر (Aher) اس کے کلیدی مقامات تھے۔ مدھیہ پردیش میں (2600 ق م تا 1900 ق م) کایتھ ثقافت (2100 ق م تا 2000 ق م) اس کے اہم مقام کے طور پر چمبل میں تھا۔ مالدہ ثقافت (1700 ق م تا 1400 ق م) اس کے ایک اہم مقام کے طور پر مغربی مدھیہ پردیش میں نو داتولی اور جوروے ثقافت (1400 ق م تا 700 ق م) اس کے اہم مراکز، مہاراشٹر میں پونے کے نزدیک انعام گاؤں اور چنڈولی تھے۔ تانبہ پتھر عہد کی ثقافتوں کی شہادت مشرقی اتر پردیش، بہار اور مغربی بنگال سے بھی ملتی ہے (نقشہ 3.2) یہ قابل ذکر ہے کہ غیر ہڑپائی تانبہ پتھر عہد کی ثقافتیں اگرچہ مختلف خطوں میں پھیلی ہوئی تھیں، لیکن ان کی شناخت مختلف پہلوؤں جیسے ان کے مٹّی کے مکانوں کی ساخت، کھیتی اور شکار کی سرگرمیوں، برتن بنانے کے لیے چاک کے استعمال وغیرہ کی بنیادی یکسانیت کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ ان تانبہ پتھر عہد کی ثقافتوں کے برتن میں گیروے رنگ کے برتن (OCP) سیاہ و سرخ رنگ کے برتن (BRW) شامل ہیں اور پیالے، کونڈے، گڑھے دار گرونوں والے ٹونٹی کے جار، اسٹینڈ پر طشتریاں وغیرہ کی مختلف شکلوں میں یہ برتن پائے گئے ہیں۔

3.12 اوزار، ساز و سامان اور دیگر اشیاء

تانبہ پتھر عہد کی ثقافتوں کی خصوصیات کا تعین تانبہ کے ساتھ ساتھ پتھر سے بنے اوزاروں کے استعمال کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ پتھر کے اوزاروں کو بنانے کے لیے سنگ سلیمانی، بلور وغیرہ کا استعمال کرتے تھے۔ لمبے متوازی رخوں کے دھار دار اوزار جیسے چاقو، ہلدی شکل کا اوزار، تکونا اوزار، چوکور اوزار استعمال کیے جانے والے اہم اوزار تھے۔ کچھ بلیڈ والے اوزار زراعت میں استعمال کیے جاتے تھے۔ اہم استعمال کی جانے والی تانبہ اشیاء میں چپٹی کلہاڑیاں، تیر، نیزہ، چھینی، مچھلی پکڑنے کے کانٹے، تلواریں، آری، چوڑیاں، انگوٹھیاں اور منکے شامل ہیں۔ منکے سنگ یمنی، یشم (سنگ مردار) عقیق، دھاری دار سنگ سلیمانی، جیسپر (Jasper) وغیرہ سے بنائے جاتے تھے۔ یہ زیادہ تر کھدائیوں میں ملے ہیں۔ اس ضمن میں دائما باد ہورڈ سے پائی گئی چیزیں قابل ذکر ہیں۔ کانسے کا گینڈا، ہاتھی، سواری کے ساتھ دو پہیے کا رتھ اور بھینسا، یہ بھاری ہیں اور وزن تقریباً 60 کلوگرام کا ہے۔ کایتھا (چمبل وادی) سے بھی تانبے کی اشیاء جس میں تیز دھار والے کنارے تھے، حاصل ہوئی ہیں۔ ان سے اس دور کی دستکاری کی مہارت کی عکاسی ہوتی ہے۔

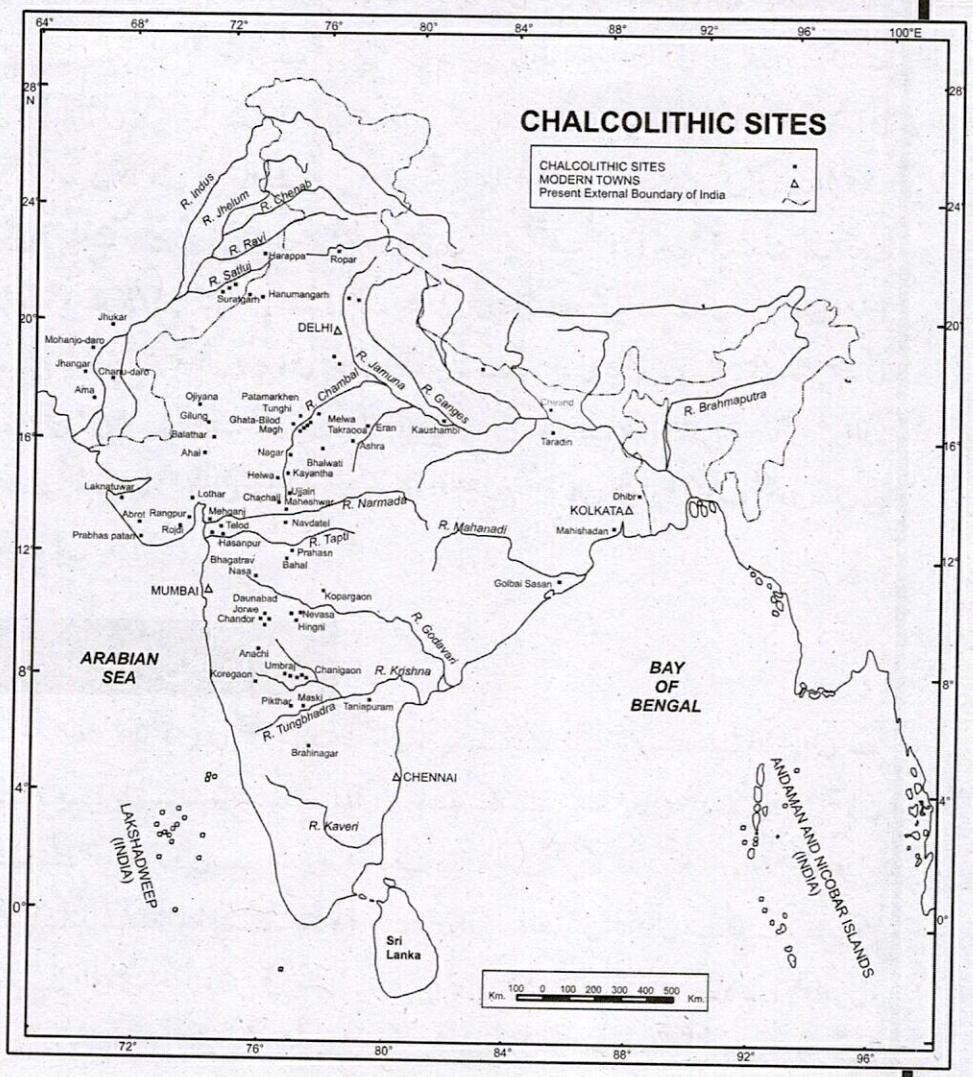

نقشہ 3.2: تانبہ پتھر عہد کے مقامات

3.13 گزر بسر کی معیشت

ان بستیوں کے لوگوں کا گزارہ زراعت اور مویشی پالن کے ذریعہ ہوتا تھا۔ تاہم وہ شکار اور مچھلی پکڑنے کا بھی کام کیا کرتے تھے۔ اس دور کی خاص فصلوں میں چاول، باجرہ، تل، گیہوں، جوار، موٹے اناج، مٹر، ہرا چنا وغیرہ تھا۔ یہاں بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ یہ ثقافت کافی حد تک کالی مٹی کے زور میں پنپی تھی۔ یہ مٹّی خاص طور پر کپاس کے لیے مفید ہے۔

ہڑپائی تمدن

اس مقام سے حاصل جسمانی ڈھانچے کے باقیات سے ان ثقافتوں میں گھریلو مویشی اور جنگلی جانوروں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ جنگلی جانوروں میں کالے ہرن، غزال، نیل گائے، بارہ سنگھا، سامبر، چیتا، جنگلی بھینسے اور ایک سینگ کے گینڈے شامل ہیں۔ مچھلی، آبی پرندے، کچھوا، چوہے کی ہڈیاں بھی دریافت ہوئی ہیں۔

3.14 مکانات اور مسکن

تانبہ پتھر عہد کی ثقافتوں کی امتیازی خصوصیات ان کی دیہی بستیاں تھیں۔ لوگ گارے کی دیواروں اور چھپر کی چھتوں کے ساتھ مستطیلی اور دائری شکل کے مکانوں میں رہتے تھے۔ زیادہ تر مکانات ایک کمرے کے اور کچھ دو یا تین کمروں کے ہوا کرتے تھے۔ فرش پکائی ہوئی مٹی یا ندی کے ریت کے ساتھ مٹی کی آمیزش کر کے بناتے تھے۔ جوروے ثقافت (مہاراشٹر) کے 200 سے زیادہ مقامات دریافت ہوتے ہیں۔ انعام گاؤں کی بستیاں (جوروے ثقافت) سے بستیوں کو بسانے میں بعض قسم کی منصوبہ بندی کا پتہ چلتا ہے۔

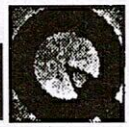

متن پر مبنی سوالات 3.7

1۔ مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر میں تانبہ پتھر عہد کے ایک ایک نام بتایئے؟

2۔ اوزاروں کو بنانے کے لیے تانبہ پتھر عہد میں کون سا سامان استعمال کیا جاتا تھا؟

3۔ تانبہ پتھر عہد کی ثقافت نوعیت کے اعتبار سے ..... تھیں (دیہی/شہری)؟

4۔ تانبہ پتھر عہد کے لوگ اپنے مکان کن چیزوں سے بناتے تھے؟

5۔ کوئی دو غیر ہڑپائی تانبہ پتھر عہد کی ثقافتوں کے نام بتایئے؟



نوٹس

آپ نے کیا سیکھا

ہڑپائی تمدن برصغیر ہند کا پہلا شہری تمدن تھا، آثاری دریافتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس ثقافت کا ارتقا ابتدائی دیہی کمیونٹیوں سے ہوا تھا۔ ہڑپا، موہن جوداڑو، چنہو داڑو، کالی بنگن، لوتھل، بناولی، راکھی گڑھی اور دھولا ویرہ ہڑپائی تمدن کے کچھ اہم مقامات تھے۔ بعض ہڑپائی مراکز پر عمدہ منصوبہ بند شہروں کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ان شہروں کی خصوصیت کو دو موٹی تقسیم ایک اونچے ٹیلے پر حصار قلعہ اور نشیبی شہر سے پہچانا جاتا ہے۔ مکانات بنانے کے لیے پکی اینٹوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ شہروں میں نالی یا نکاسی کا نظام بہت عمدہ تھا۔ ہڑپائی شہروں میں کچھ بڑی عمارتیں تھیں۔ موہن جوداڑو میں بڑا غسل خانہ، ہڑپا میں اناج کا گودام اور لوتھل گووی۔ ہڑپائی چراگاہی کے ساتھ زراعت کا کام بھی کرتے تھے۔ وہ ماہر دستکار بھی تھے جو تانبہ اور دیگر دھاتوں سے صناعی کرتے تھے۔ پتھر کے اوزار اب بھی عام طور پر استعمال کیے جاتے تھے وہ منگے، ٹیراکوٹا کے چھوٹے مجسمے، برتن اور مختلف قسم کی مہریں بناتے تھے۔ ہڑپائی داخلی اور بیرونی دونوں طرح کی تجارتیں کرتے تھے۔ خلیج فارس مع عمان اور بحرین کے ذریعہ میسو پوٹامیہ شہروں کے ساتھ ان کے تجارتی روابط تھے۔ تاجر درآمد اور برآمد کی مختلف اشیاء میں تجارت کرتے تھے۔ لوگ مختلف پیشے اپناتے تھے، جیسے پجاری، طبیب، جنگجو، کسان، تاجر اور دستکار، اگر چہ ہڑپائی سوت اور اون سے بنے سادے کپڑے پہنتے تھے، لیکن انھیں مختلف قسم کے زیورات سے خود کو سجانے کا شوق تھا۔ ہڑپائی ماں دیویوں، پشوپتی (قدیم شیو)، پیڑوں اور جانوروں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کے یہاں تجہیز و تدفین اور ان سے متعلق رسمیات کئی طرح سے رائج تھی۔ ہڑپائی پڑھے لکھے تھے اور ان کا رسم الخط علامتی شکل میں تھا۔ تاہم رسم الخط کو ابھی تک سمجھا نہیں جاسکا ہے۔ اگر ایک بار اسے سمجھ لیا جائے تو ہم ہڑپائی ثقافت کے بارے میں اور بھی زیادہ جان سکیں گے۔ دانشوروں کی رائے میں ان کی ثقافت کے زوال کے لیے کئی عوامل ذمہ دار تھے، جیسے قدرتی آفات، خشکی کا بڑھنا اور آریائی حملہ۔ آثاری شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تمدن اچانک ہی ختم نہیں ہوگیا بلکہ اس میں دھیرے دھیرے زوال آیا۔

آثاری ذرائع غیر ہڑپائی تانبہ پتھر عہد کی شناخت علاقائی تغیرات کے ذریعہ ان کی خصوصیات کا تعین کرکے کرتے ہیں۔ پتھر اور تانبے کے اوزار ان ثقافتوں کی امتیازی خصوصیت تھی۔ مقامات کے تقسیم کرنے کے انداز سے ان کی بستیوں کی درجہ بندی کا پتہ چلتا ہے۔ کچھ بستیاں بڑی ساختوں کے ساتھ سائز میں بڑی تھیں، جو اس بات کا اشارہ کرتی ہیں کہ یہ اہم مراکز تھیں۔ ہڑپائی دائرے کے باہر تانبہ پتھر عہد کی ثقافتیں شہریت اور خوشحالی کی ہڑپائی خوبیوں کی حامل نہیں تھیں۔ یہ غیر شہری ثقافتیں تھیں۔

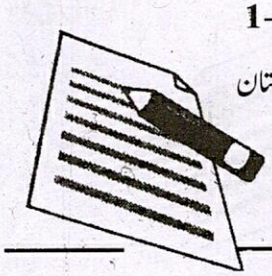

نوٹس

ہڑپائی تمدن

مکانات کی تعمیر کی وضع، برتنوں کی قسم، اوزاروں کی قسم، مذہبی رواج وغیرہ جیسے ان کے اپنے مخصوص عناصر تھے۔ وہ اب بھی زراعت اور شکار اور خوردنی اشیاء جمع کر کے گزارہ کرتے تھے۔ ان سب کے ساتھ ان کی معیشت میں چراگاہی بھی شامل تھی۔



اختتامی سوالات

1۔ ہڑپائی شہری منصوبہ بندی کی اہم خصوصیات بیان کیجیے؟
2۔ ہڑپائی دور میں صنعتوں اور دستکاریوں کے بارے میں بیان کیجیے؟
3۔ میسوپوٹامیہ کے ساتھ ہڑپائی تجارت کے بارے میں مختصراً بیان کیجیے؟
4۔ ہڑپائیوں کی مذہبی زندگی کی بعض اہم خصوصیات بیان کیجیے؟
5۔ ہڑپائی تمدن کے زوال کے بارے میں تحریر کیجیے؟
6۔ غیر ہڑپائی تانبہ پتھر عہد کے لوگوں کی زندگی کے بارے میں بتائیے؟



متن پر مبنی سوالات کے جوابات

3.1

1۔ وادی سندھ تمدن کو ہڑپائی تمدن کہا جاتا ہے کیونکہ ہڑپا وہ پہلا مقام تھا جہاں اس تمدن کے سراغ کا پتہ چلا تھا۔
2۔ (i) ابتدائی ہڑپائی مرحلہ (3500 ق م تا 2600 ق م)
(ii) پختہ ہڑپائی مرحلہ (2600 ق م تا 1900 ق م)
(iii) مابعد ہڑپائی مرحلہ (1900 ق م تا 1400 ق م)
3۔ ہریانہ میں بناولی اور راکھی گڑھی اور گجرات میں لوتھل اور ڈھولا ویرا
4۔ آر۔ ڈی۔ بنرجی
5۔ راوی
6۔ شہری ثقافت کی اہم خصوصیات عمدہ منصوبہ بند شہر، مخصوص فنون اور دستکاریاں، تجارت، ٹیکس کاری، رسم الخط وغیرہ۔



3.2

1- مغربی

2- پکی اینٹیں

3- موہن جوداڑو

4- گودی

3.3

1- چراگاہی (مویشی پالن)

2- گیہوں، جو، تل، سرسوں، مٹرJejubeوغیرہ

3- لوتھل اور رنگ معمور

4- موہن جوداڑو

5- منکا بنانا، برتن بنانا

6- راجستھان میں کھیتری کانیں

3.4

1- مادرسری

2- ہڑپہ

3- سوتی، اون

3.5

1- موہن جوداڑو

2- پیپل

3- کالی بنگن اور لوتھل

4- لوتھل

3.6

1- 400

2- سیلاب، زلزلے

3- دائیں سے بائیں

3.7

1- مدھیہ پردیش میں نو واقولی اور مہاراشٹر میں انعام گاؤں

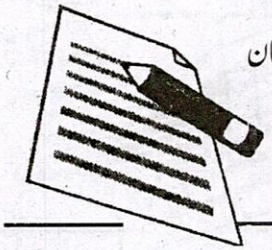

نوٹس

2۔ پتھر، تانبہ
3۔ گارا
4۔ دیہی
5۔ مدھیہ پردیش میں کائیتھ ثقافت اور مہاراشٹر میں جوروے ثقافت

اختتامی سوالوں کے لیے اشارے

1۔ سیکشن 3.2 سے رجوع کریں
2۔ سیکشن 3.4(ii) سے رجوع کریں
3۔ سیکشن 3.4(iii) سے رجوع کریں
4۔ سیکشن 3.8 سے رجوع کریں
5۔ سیکشن 3.10 سے رجوع کریں
6۔ سیکشن 3.13 اور 3.14 سے رجوع کریں

فرہنگ اصطلاحات

مظاہر پرستی — پودوں، پتھروں اور قدرتی مظاہر کی پوجا ساتھ ہی ساتھ یہ عقیدہ کہ ان میں زندگی ہے اور اس طرح ان کی روحانی اہمیت ہے۔

BRW: — بلیک اینڈ ریڈ ویر (سیاہ و سرخ برتن) ایک قسم کے برتن جو تانبہ پتھر عہد میں پائے گئے۔

حصار قلعہ — حصار قلعہ ہڑپائی شہروں کا سب سے اونچا حصہ تھا اور مغربی جانب واقع تھا۔

علامتی شکل (Ideo gram) — خیالات کو ظاہر کرنے والے حروف یا علامت

لاجورد (Lapis lazuli) — ہڑپائی دور میں اسے افغانستان کے خطے میں پایا گیا ہے۔

میسوپوٹامیہ: — عراق میں دو ندیوں دجلہ اور فرات Euphrates اور Tigris کے درمیان کا خطہ

OCP: — Ochre colonred poltery (گیروے رنگ کے برتن)

چراگاہی (Pastoralism) — گزارے کے لیے مویشی کے پالنے پر انحصار

قدیم شیو (Proto-siva) — شکلوں کو فروغ ہوا۔

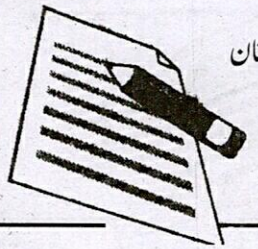

نوٹس

سیل کھڑی یا ناصاف شدہ ابرق — سیل گھڑی کی شکل میں واقع ایک معدن جس کا استعمال ہڑپائی دور میں مہریں بنانے کے لیے کیا جاتا تھا۔

زائد(Surplus) — ضرورت سے زیادہ پیداوار

یک سینگی (اکل سنگھا) — ایک جانور جس کی ایک سینگ تھی، ہڑپائی مہروں میں دریافت ہوا ہے۔

شہرکاری(Urbanizatia) — شہری زندگی جو زراعتی پیداوار کی افراط، مخصوص فنون اور دستکاری تجارت، تحریر، بڑی ساختوں اور طبقہ بند سماج کی کفالت کرتی ہے۔

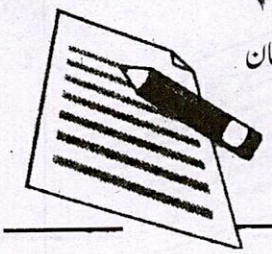

نوٹس

4

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)

پچھلے سبق میں آپ نے ہڑپائی تمدن کے بارے میں پڑھا۔ ہڑپائی شہروں میں رہا کرتے تھے اور ان کی ایک منظّم تجارت اور دستکاری سرگرمیاں تھیں۔ ان کا ایک رسم الخط بھی تھا جسے ابھی تک پڑھا نہیں جاسکا ہے۔ تاہم تقریباً 1900 ق م ان شہروں کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بعد متعدد دیہی بستیاں نظر آئیں۔ یہ دیہی بستیاں بعض ہڑپائی عناصر کے باقی رہنے کا پتہ دیتی ہیں۔ تقریباً اسی زمانے میں ہمیں ہڑپائی خطے کے قرب و جوار میں آریہ یا ہند آریائی کے طور پر معروف نئے لوگوں کی آمد کی آثاری شہادت ملتی ہے۔ اس سبق میں ہم ان حالات کا مطالعہ کریں گے، جس میں یہ نئے لوگ یہاں پہنچے اور ان کی ثقافت کی اہم خصوصیات کے بارے میں بھی پڑھیں گے جن کے ادبی کارنامے ویدوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- ویدک متنوں اور ان کے مواد کی نوعیت کے بارے میں پڑھ سکیں گے؛
- آریوں کے بارے مین جان سکیں گے اور اس خطّے کی شناخت کرسکیں گے، جہاں سے انھوں نے ہجرت کی تھی؛
- وہ خطّے شناخت کرسکیں گے جہاں ابتدائی ویدک (1500 ق م تا 1000 ق م) لوگوں نے سکونت اختیار کی تھی؛
- لوہے کے ساز و سامان کا استعمال جو مابعد ویدک دور میں شروع ہو چکا تھا۔ ان کی اہمیت اور اثر کی وضاحت کرسکیں گے؛ اور
- 1000 ق م تا 600 ق م کے دور میں ویدک لوگوں کے معاشی، سماجی، مذہبی اور سیاسی ڈھانچوں میں

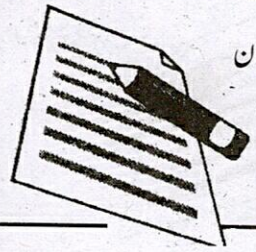

نوٹس

ظاہر ہونے والی تبدیلیوں کی شناخت کرسکیں گے۔

4.1 ویدک متون

وید کیا ہے؟ وید لفظ اصل ود (Vid) سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے ''جاننا'' لفظ وید کا مطلب وہ مقدس علم ہے، جو ویدک متن کے طور پر معروف متون پر مشتمل ہے۔ متون کے دو زمرے ویدک ادب کے ذخیرے میں شامل ہیں۔ یہ زمرے منتر اور برہمن ہیں۔ منتر زمرہ ویدک متون کے قلب کی تشکیل کرتا ہے، جس کے چار علاحدہ مجموعے ہیں۔ یہ ہیں رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید، برہمن سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس کا مطلب برہمن طبقہ ہے۔ اصل میں یہ نثری متون ہیں جن میں منتروں کی توضیح کے ساتھ ساتھ رسوم قربانی (یگیہ کی رسوم) کی وضاحت بھی شامل ہے۔ چاروں وید اپنے برہمنوں کے ساتھ مجموعی طور پر ''شروتی'' یا سماعت (Hearing) کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو سیدھے طور پر اہل فہم وفراست کے ذریعے سنے گئے تھے۔ ارنیک (لفظی معنی جنگلاتی مقالے) اور اپنشد (پہلو میں بیٹھنا) خاص طور پر برہمنوں کے تتمّہ یا ذیلی مواد ہیں۔ انھیں ویدانت (وید کا اختتام) کے طور پر بھی جانا جاتا ہے، جو فلسفیانہ مباحثوں پر مشتمل ہیں۔

رگ وید 1,028 حمد ومناجات کا مجموعہ ہے، جسے 10 منڈلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ اولین تالیف ہے اور اس لیے ہندوستان میں اولین ویدک لوگوں کی زندگی کی عکّاسی کرتی ہیں۔ سام وید زیادہ تر رگ وید سے لیے گئے مصرعوں کا ایک مجموعہ ہے، بلکہ انھیں منظوم شکل میں مرتب کیا گیا ہے تاکہ انھیں گا کر پڑھنے میں آسانی ہو۔ یجر وید میں دونظر ثانی شدہ متن، سیاہ سفید عوامی یا انفرادی طور پر انجام دیے جانے والے رسوم سے متعلق ہیں۔ اتھر وید پریت آتماؤں اور بیماریوں کو دور کرنے کے لیے منتروں کے بول کا ایک مجموعہ ہے۔

محتاط مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ ویدک متون، ادب کے ساتھ ساتھ سماجی اور ثقافتی ارتقا کے دو مراحل کی عکّاسی بھی کرتے ہیں۔ رگ وید قدیم ترین متن ہے، جو سماجی وثقافتی ارتقا کے ایک مرحلے کی عکاسی کرتا ہے جبکہ دیگر تین وید دوسرے مرحلے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ پہلے مرحلے کو رگ ویدک عہد یا ابتدائی ویدک دور اور بعد کے مرحلے کو مابعد ویدک دور کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ابتدائی ویدک عہد کا زمانہ رگ ویدک مناجات کی تالیف کے زمانے سے مربوط ہے۔ یہ زمانہ 1500 ق م اور 1000 ق م کے درمیان متعین کیا گیا ہے۔ مابعد ویدک دور کو 1000 ق م اور 650 ق م کے درمیان رکھا گیا ہے۔ حال ہی میں یونیکو نے رِگ وید کو ادبیات کی اس فہرست میں شامل کیا ہے، جو عالمی انسانی وراثت کی صراحت کرتے ہیں۔

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)



4.1 متنِ پر مبنی سوالات

1۔ اصطلاح سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

2۔ ویدک متون کے منتر زمرے میں کون سے متون شامل کیے گئے ہیں؟ ان کا ذکر کیجیے۔

3۔ شروتی کے طور پر معروف زمرے میں کس طرح کے متون شامل کیے گئے ہیں۔ ان کا ذکر کیجیے۔

4۔ متون کے برہمن زمرے کے مواد کی وضاحت کیجیے؟

5۔ ویدانت کی اصطلاح کی وضاحت کیجیے؟

4.2 آریوں کی ہجرت

ویدک مناجات کے مصنفین آریہ تھے، لیکن آریہ کون تھے؟ 19ویں صدی میں آریوں کو ایک نسل تصور کیا جاتا تھا۔ اب انھیں ان لوگوں کا ایک لسانی گروپ خیال کیا جاتا ہے، جو ہند یوروپی زبان بولتے تھے، جس سے سنسکرت، لاطینی اور یونانی زبانیں ظہور میں آئیں۔ ان زبانوں کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ آواز (صوت) اور معنی کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں۔ اس طرح سنسکرت الفاظ مامیتری اور پتری لاطینی میتر (Mater) اور پیٹر (Pater) سے مماثل ہیں۔ اسی طرح ترکی Hittite حتی زبان کا 'اِنز' ویدوں کے اندر جیسا ہے۔ کیسایٹ (Kassite) (میسو پوٹامیہ) کے کتبات کے سُریا کی اور ماروتش ویدک سوریہ اور ماروت کے مساوی ہیں۔

اصلاً ایسا لگتا ہے آریائی ابتدائی طور پر جنوبی روس سے مرکزی ایشیا تک پھیلے ہوئے گھاس کے میدانی علاقوں میں کہیں رہا کرتے تھے۔ یہاں سے ان میں سے ایک گروپ نے شمال مغربی ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور انھیں ہند آریائی یا صرف آریائی کہا جانے لگا۔ ہجرت کی آثاری شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنوبی سائبیر یا میں واقع اندرونوف ثقافت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہ ثقافت دوسرے عہد ہزار سالہ ق م میں پھلی پھولی تھی۔ یہاں سے لوگ شمالی ہندوکش (یہ علاقہ بیکٹر یا مار جیانا آثاریاتی کمپلکس کے طور پر جانا جاتا ہے) آگئے اور پھر وہاں سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ 1900 ق م سے

نوٹس

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)

1500 ق م تک کے دور میں ہم نے ان خطّوں میں گھوڑوں، آرا دار پہیوں، آتش پرستی اور شمشان کے ثبوت مل جاتے ہیں، جو ہندوستان میں آریائی زندگی کے اہم اجزاء کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ پائی گئی مصنوعات اور ظروف سے بھی مرکزی ایشیائی خطّے سے جنوبی ایشیا کے خطّے میں لوگوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم کچھ دانشوروں کی دلیل ہے کہ آریائی ہندوستان کے مقامی لوگ تھے اور وہ باہر سے نہیں آئے تھے۔

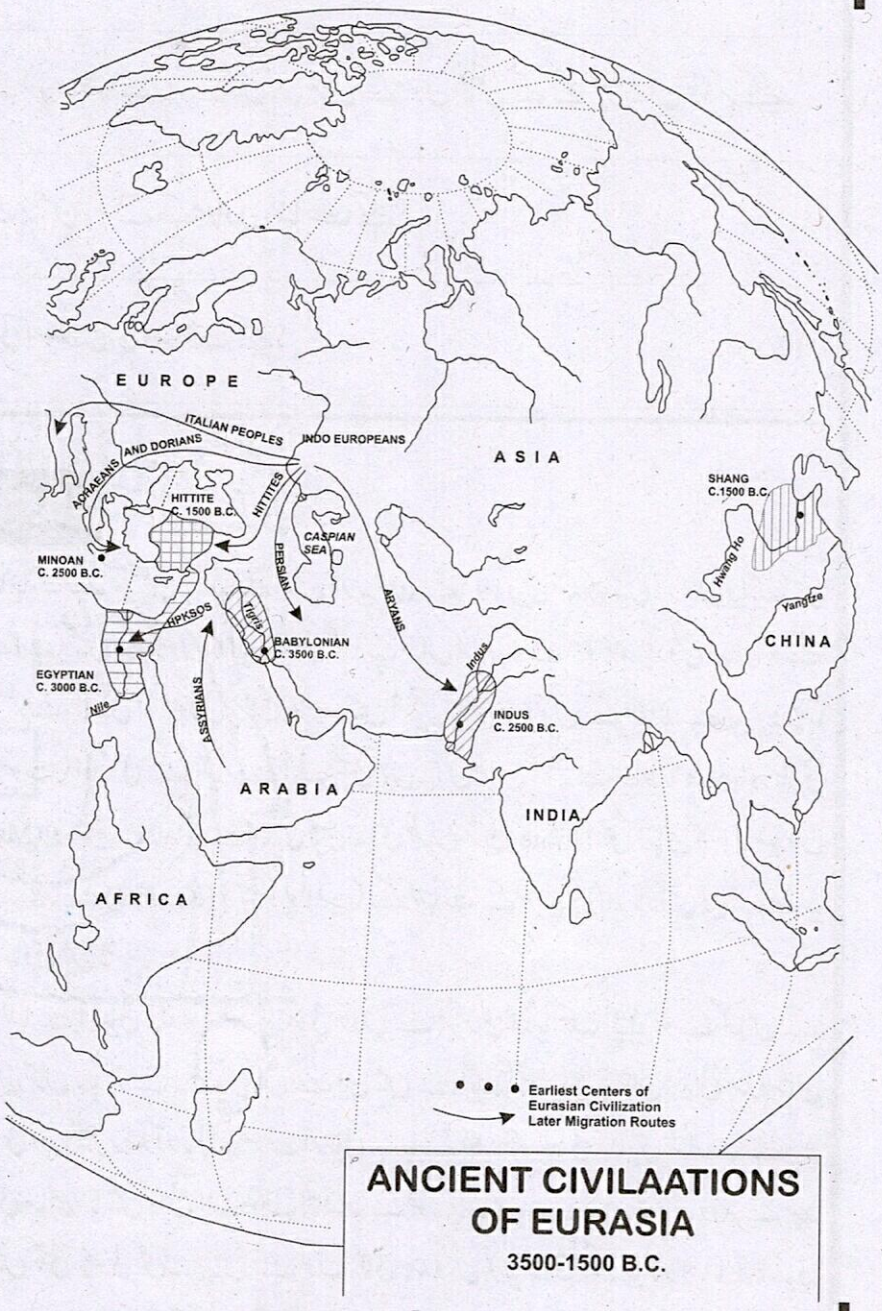

نقشہ 4.1: یوریشیا قدیم تمدن

نوٹس

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)

نئے لوگوں کی آمد کئی گروہوں میں ہوئی اور یہ مدت کئی سو برسوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس مدت کے دوران مقامی باشندوں اور نئے آنے والوں (نو وارد) کے درمیان عمل باہم جاری رہا۔ اس عمل باہم کا ایک اہم نتیجہ یہ رہا کہ آریائی زبان کی ویدک شکل پورے شمال مغربی ہندوستان میں حاوی ہوگئی۔ اس زبان میں مرتب متون عام طور پر ویدک متون کے طور پر جانے جاتے ہیں، جس کے بارے میں پہلے ہی ذکر کیا جاچکا ہے۔

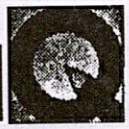

متن پر مبنی سوالات 4.2

1۔ ہم کیسے جانتے ہیں کہ سنسکرت، لاطینی، یونانی، حتی (Hittite) اور کیسائٹ (Kassite) زبانیں ایک گروپ سے متعلق ہیں؟

2۔ ہم آریوں کی ہجرت کی شہادت کہاں سے پاتے ہیں؟

3۔ وہ کون سے مقامات ہیں جن کی شناخت ہم آریائی ثقافتی اوصاف کے پائے جانے کے طور پر کرتے ہیں؟

4۔ آریائی ثقافت کی نمایاں علامتوں کا ذکر کیجیے۔

4.3 ویدک آریوں کا جغرافیائی پھیلاؤ

ابتدائی ویدک آریہ ''سپت سندھو'' (اس کا مطلب ہے سات ندیوں کا علاقہ) کے معروف علاقے میں رہا کرتے تھے۔ یہ علاقہ بڑی حد تک جنوبی ایشیا کے شمال مغربی حصّہ تک پھیلا ہوا تھا، جس میں دریائے جمنا بھی شامل تھا۔ اس میں شامل سات دریا تھے: سندھ، وتاستا (جھیلم) اشیکنی (چناب) پروشنی (راوی)، ویاش (بیاس)، شتودری (ستلج) اور سرسوتی۔ اس علاقے میں رگ ویدک لوگ رہتے تھے، جنھوں نے جنگیں لڑیں، مویشیوں اور دیگر پالتو جانوروں کے ریوڑ (غول) چرائے۔ دھیرے دھیرے مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے انھوں نے مشرق پر تسلط قائم کیا۔ یہاں وہ لوگ تھے جو ان سے مختلف زبانیں بولتے تھے اور اس علاقے میں طویل عرصے سے رہ رہے تھے۔

متن پر مبنی سوالات 4.3

1۔ ان ندیوں کی فہرست بنائیے، جو مجموعی طور پر اپنائی جانے والی اصطلاح ''سپت سندھو'' میں شامل تھیں۔

2۔ مابعد ویدک دور میں کن خطوں کے لوگوں کے ساتھ آریہ ربط میں آئے تھے۔

4.4 ابتدائی ویدک معیشت

ابتدائی ویدک آریہ گلہ بان تھے۔ مویشی پالن ان کا خاص پیشہ تھا۔ وہ دودھ، گوشت اور کھالوں کے لیے مویشی، بھیڑ، بکریاں پالتے تھے۔ رگ وید میں ادبی شہادتوں کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کافی تعداد میں الفاظ ''گئو'' (معنی گائے) لفظ سے اخذ کیے گئے تھے۔ ایک دولت مند شخص کو گومت، اور بیٹی 'کودوہتری' (یعنی وہ جو گائے کا دودھ دوہتی ہے) کہا جاتا تھا۔ لفظ ''گویشن'' کا لفظی مطلب گایوں کی تلاش ہے، لیکن اس کا مطلب جنگ سے بھی ہے۔ کیونکہ بہت سی جنگیں مویشیوں کے سبب لڑی گئی تھیں۔ گایوں کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ہر چیز فراہم کرتی ہیں۔ مویشیوں کی تعداد میں اضافے کے لیے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ درج بالا کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ رگ ویدک آریوں کی کافی اہم سرگرمی مویشیوں کی نسل بڑھانا تھی۔

تاہم، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابتدائی ویدک لوگوں کو زراعت کا علم نہیں تھا۔ ابتدائی حصوں میں چراگاہی سرگرمیوں کے مقابلے زراعت کے بارے میں شہادت ناکافی ہیں اور یہ بھی تاخیر سے دریافت ہوئی ہیں۔ کچھ حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو زراعت کا علم تھا اور اپنی غذائی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے زراعتی سرگرمی انجام دیتے تھے۔ وہ ''یاوا'' (جدید لفظ ''جو'') کی پیداوار کرتے تھے۔ یہ کسی حد تک اناج کے لیے ایک عمومی لفظ تھا۔

مویشی پالن اور چھوٹے پیمانے کی کاشت کے علاوہ لوگ بہت سی دوسری معاشی سرگرمیوں میں بھی لگے رہتے تھے۔ شکار، بڑھئی گیری، کھالوں کی صفائی، بُنائی، رتھ سازی، دھات پگھلانے کے کام اس طرح کی کچھ سرگرمیاں تھیں۔ ان سرگرمیوں سے حاصل اشیا کو مبادلہ کے نظام (یعنی چیز کے بدلے چیز کا لین دین) کے ذریعہ ادلا بدلی کی جاتی تھی۔ تاہم گائے مبادلے کے لیے کافی پسندیدہ ذریعہ تھی۔ پجاری یگیوں کو انجام دینے کے لیے گائے، گھوڑے اور سونے کے زیورات اپنے نذرانے کے طور پر حاصل

کرتے تھے۔

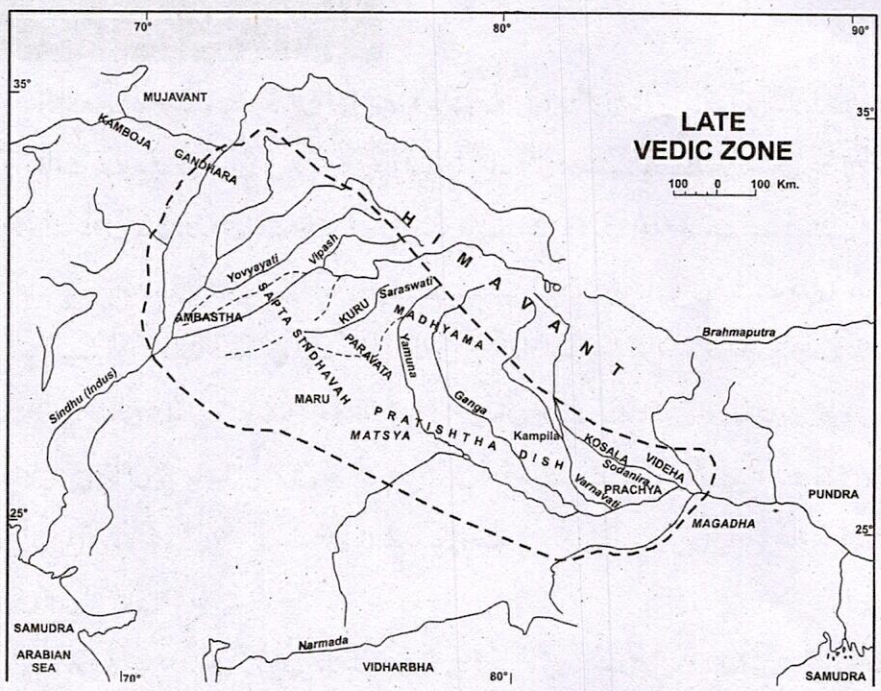

نقشہ 4.2: مابعد ویدک زون

متن پر مبنی سوالات 4.4

1۔ ابتدائی ویدک آریوں کا خاص پیشہ بیان کیجیے؟

2۔ کچھ مثالیں بتائیے جو مویشی کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہیں؟

3۔ ابتدائی ویدک آریوں کی زندگی میں زراعت کیسے اہم تھی؟ وضاحت کیجیے۔

4۔ کون سی معاشی سرگرمیاں تھیں، جن میں ابتدائی ویدک آریہ لگے رہتے تھے؟ ایک فہرست بنا ہے۔

5۔ ابتدائی ویدک دور میں مبادلے کے نظام کی وضاحت کیجیے۔

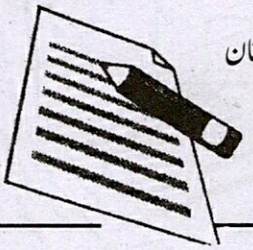

نوٹس

4.5 مابعد ویدک مرحلے میں تبدیلیاں

مابعد ویدک مرحلے کے دوران زراعت ویدک لوگوں کا خاص سہارا بن چکی تھی۔ زراعت کے عمل کی شروعات کے لیے کئی طرح کی رسوم کو متعارف کیا گیا۔ اس دور کے بارے میں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چھ اور آٹھ بیلوں کے جوڑوں کے ساتھ ہل چلائے جاتے تھے۔ زرعی مقاصد کے لیے بھینسوں کو بھی پالا جاتا تھا۔ یہ جانور دلدلی قسم کی زمین پر ہل چلانے کے لیے زیادہ مفید تھا۔ اس زمانے میں اندر دیو نے ایک نیا لقب ''ہل کا دیوتا'' حاصل کیا۔ غذائی پودوں کی تعداد اور تنوع میں اضافہ ہوا۔ جو کے علاوہ لوگ اب گیہوں، چاول، دالیں، مسور، باجرہ، گنا وغیرہ کی بھی کھیتی کرتے تھے۔ دان اور دکشنا کی چیزوں میں پکا ہوا چاول بھی شامل ہوگیا۔ اس طرح غذائی پیداوار کی شروعات کے ساتھ زرعی پیداوار کو مذہبی رسومات میں پیش کیا جانے لگا۔ تل، جس سے پہلی بار بڑے پیمانے پر خوردنی تیل حاصل کیا گیا تھا، مذہبی رسومات میں بھی کافی استعمال کیا جانے لگا تھا۔

مابعد ویدک دور میں آریائی ثقافت کے پھیلاؤ کا خاص سبب تقریباً 1000 ق م میں لوہے کے استعمال کا شروع ہونا تھا۔ رگ ویدک لوگ ایک ایسی دھات کے بارے میں جانتے تھے، جسے وہ ''ایاس'' کہتے تھے، جو یا تو تانبہ تھی یا کانسہ، مابعد ویدک ادب میں ایاس کی صفت شیام یا کرشن بتائی گئی ہے، جس کا مطلب ہے کالا اور یہ لوہے کا اظہار کرتی ہے۔ آثاریات سے پتہ چلا ہے کہ لوہے کا استعمال تقریباً 1000 ق م میں شروع ہو چکا تھا۔ اور یہی مابعد ویدک ادب کا بھی دور ہے۔ ہندوستان کے شمالی اور مشرقی حصّے، جہاں آریہ بعد میں ہجرت کر گئے تھے، وہاں ہندوستان کے شمال مغربی حصّے کی نسبت زیادہ بارش ہوا کرتی تھی۔ نتیجے کے طور پر یہ خطّہ گھنے بارانی جنگلوں سے گھرا ہوا تھا، جو رگ ویدک لوگوں کے ذریعہ استعمال کیے جانے والے تانبہ یا پتھر کے اوزاروں سے صاف نہیں ہوسکا ہوگا۔ لوہے کے اوزاروں کے استعمال نے اب گھنے بارانی جنگلوں کو صاف کرنے میں مدد کی۔ خاص طور پر جلانے کے بعد جو بڑے ڈھیر تھے، انھیں زیادہ مؤثر طور پر صاف کرنے میں یہ زیادہ کارگر تھے۔ جنگلاتی زمین کے بڑے بڑے قطعات نسبتاً کم وقت میں قابل کاشت قطعات میں تبدیل ہوگئے۔ لوہے کے ہل زمین کی گہرائی سے مٹّی نکالتے تھے، جس سے یہ زیادہ زرخیز بن گئیں۔ اس کی شروعات رگ ویدک دور کے آخری حصّے میں دکھائی دیتی ہے، لیکن لوہے کے اوزاروں اور ساز وسامان کا اثر صرف مابعد ویدک دور کے آخر میں دکھائی دیتا ہے۔

زراعت پر مبنی معیشت کے پھیلاؤ کے سبب مابعد ویدک دور میں آبادی میں مستقل اضافہ ہوا۔ دو آب کے علاقے میں پینٹ شدہ خاکستری رنگ کے برتنوں (PGW) کی ثقافت والی بستیوں کی بڑھتی

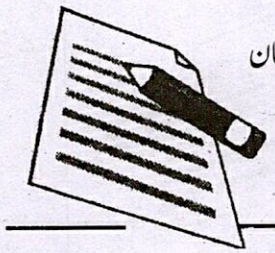

نوٹس

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)

تعداد اور سائز اس کا اظہار کرتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ویدک لوگوں نے موسموں، کھاد بنانے اور آبپاشی کے بارے میں کافی معلومات حاصل کیں۔ ان سبھی ترقیوں کا نتیجہ مابعد ویدک دور کے آخر تک بعض بستیوں جیسے ہستناپور اور کوشامبی کی کافی توسیع کی صورت میں برآمد ہوا۔ یہ بستیاں دھیرے دھیرے شہروں کی خصوصیات حاصل کرنے لگیں۔ ایسے ابتدائی شہروں میں بالخصوص سرداروں، راجکماروں، پجاریوں اور دستکاروں کی رہائش ہوا کرتی تھی۔ کسانوں کے ذریعہ انھیں مدد حاصل ہوتی تھی، جو اپنی پیداوار کا کچھ حصہ رضا کارانہ یا غیر رضا کارانہ طور پر ان کے لیے چھوڑتے تھے۔

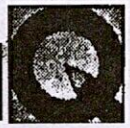

متن پر مبنی سوالات 4.5

1۔ مابعد ویدک دور میں اہم معاشی سرگرمی کیا تھی؟

2۔ زراعت کی اہمیت بڑھنے کے ساتھ آریوں کی زندگی میں ہم کون سی تبدیلیاں دیکھتے ہیں؟

3۔ کسے ''ہل کا دیوتا'' کہا جاتا تھا؟

4۔ تل کے رسوم کے لیے کیوں اہم سمجھا جاتا تھا؟

5۔ مابعد ویدک دور میں کس طرح لوہے کے ساز و سامان زراعت میں مددگار ہوئے؟

6۔ بعض پینٹ شدہ خاکستری رنگ کے برتنوں (PGW) کے مقامات کے رقبوں میں اضافے کے کیا اسباب تھے؟

4.6 ابتدائی ویدک سماج

رگ ویدک سماج میں فیملی ایک بنیادی اکائی تھی۔ نوعیت کے اعتبار سے یہ سرداری معاشرہ تھا، جس میں ایک زوجی شادی کا عام معیار تھا، لیکن سرداروں میں کہیں کہیں متعدد ازواج کا رواج بھی تھا۔ بلوغت حاصل کرنے کے بعد شادیاں ہوتی تھیں۔ شادی کے بعد بیوی اپنے شوہر کے گھر چلی جاتی تھی۔ خاندان

ایک بڑے گروہ کا حصّہ ہوا کرتا تھا، جس کو ''وس'' یا برادری کہا جاتا تھا۔ ایک یا ایک سے زیادہ چھوٹے قبیلوں (خیل) سے جن یا قبیلہ بنتا تھا۔ ''جن'' سب سے بڑی سماجی اکائی تھی۔ خیل کے سبھی ممبران کی خونی رشتے کے ذریعہ ایک دوسرے سے وابستگی تھی۔ قبیلے کی ممبرشپ پیدائش پر مبنی تھی نہ کہ مخصوص علاقے میں رہائش کی بنیاد پر۔ اس بھرت قبیلے کے ممبران کو بھارتوں (Bhartas) کے طور پر جانا جاتا تھا۔ یہ کسی علاقے کی دلالت نہیں کرتا تھا۔ رگ ویدک سماج ایک سادہ اور کافی حد تک ایک ہمہ گیر مساوات پر مبنی سماج تھا، جس میں کوئی ذات پات کی تقسیم نہیں تھی۔ پیشہ پیدائش کی بنیاد پر نہیں تھا۔ ایک فیملی کے ممبران مختلف پیشے اپنا سکتے تھے۔ تاہم اس زمانے میں کچھ تفریق بھی تھی۔ ویدک اور غیر ویدک لوگوں کے درمیان ابتدائی تفریق کی بنیاد ''ورن'' یا رنگ ہوتی تھی۔ ویدک لوگ سفید فام تھے جبکہ غیر ویدک ملکی لوگ رنگ میں سیاہ تھے اور ایک مختلف زبان بولتے تھے۔ اس طرح رگ وید میں آریہ ورن اور داس ورن کا ذکر ہے۔ یہاں داس کا استعمال رگ ویدک لوگوں سے مختلف گروپ کے مفہوم میں کیا گیا ہے۔ بعد میں داس کا مطلب غلام سے لیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ اس دور میں بعض رواج جیسے مال غنیمت (جنگ میں ہتھیایا ہوا مال) کا بہت بڑا حصّہ سرداروں اور پجاریوں کے حصّہ میں چلا جاتا تھا۔ اس کے نتیجے میں اس ویدک مرحلے کے بعد کے حصّے میں ایک قبیلے کے اندر بعض قسم کی نابرابری پیدا ہوئی۔

رگ ویدک قبیلے کے تین طبقے تھے جنگجو، پجاری اور عام لوگ، شودر کا زمرہ صرف رگ ویدک دور کے آخر میں وجود میں آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ ابتدائی ویدک دور میں سماج کی تقسیم بہت واضح نہیں تھی۔ اس کا اشارہ رگ وید کی درج ذیل عبارت سے ملتا ہے۔ ''میں ایک شاعر ہوں، میرے والد طبیب (فزیشین) اور میری ماں چکّی میں اناج پیستی ہے۔ ہم مختلف منصوبوں کے ساتھ دولت کے لیے جدو جہد کرتے ہیں۔ مویشی کی طرح ہم اپنی خواہشات کی تعمیل کرتے ہیں۔''

سماج میں عورتوں کو قابل احترام حیثیت حاصل تھی۔ ان کی شادی ایک مناسب عمر میں ہوتی تھی اور وہ اپنی پسند کا شوہر چن سکتی تھیں۔ وہ ''سبھا'' اور ''سمیتی'' کہی جانے والی قبائلی اسمبلی کی کارروائیوں میں حصّہ لے سکتی تھی۔



4.6 متن پر مبنی سوالات

1۔ ابتدائی ویدک دور میں شادیوں کا انداز بیان کیجیے؟

2۔ ابتدائی ویدک سماج نوعیت کے اعتبار سے ہمہ گیر مساوات پر مبنی تھا۔ اپنے جواب میں اسباب بھی

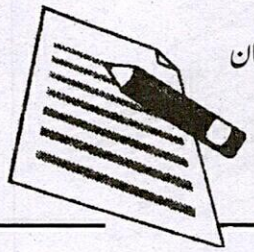

نوٹس

بتایئے۔

3۔ ابتدائی ویدک سماج کس بنیاد پر تقسیم ہوا تھا؟

4۔ ابتدائی ویدک سماج میں عدم مساوات کس طرح دکھائی دیتی ہے؟

4.7 مابعد ویدک مرحلے میں سماجی تبدیلیاں

فیملی اب بھی ویدک سماج کی بنیادی اکائی تھی۔ تاہم، اس کی وضع میں تبدیلی رونما ہورہی تھی۔ مابعد ویدک فیملی اب کافی بڑی ہوچکی تھی اور اسے تین یا چار نسلوں کے ایک ساتھ رہنے کے سبب ایک مشترکہ فیملی کہا جاسکتا ہے۔ اترنجی کھیڑا اور اہچھتر امیں (دونوں مغربی اتر پردیش) میں چولھوں اور بھٹیوں کی قطاریں دریافت ہوئی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ برادری کو کھلانے یا بڑی فیملیوں کے لیے کھانا پکانے کے مقصد سے یہ بنائی گئی تھی۔ اسی زمانے میں ''گوتر'' کے ادارے کو فروغ حاصل ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جن کا مشترک گوتر تھا وہ ایک مشترک آبا و اجداد کی اولاد تھے۔ اور ایک ہی گوتر کے ممبروں کے درمیان شادی نہیں ہوسکتی تھی۔ یک ازدواجی شادیوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ حالانکہ کثیر الازدواجی شادیاں بھی کافی رائج تھیں۔ اس دور میں عورتوں پر کچھ پابندیاں لگی دکھائی دیتی ہیں۔ ایک متن میں عورتوں کا شمار جوئے اور شراب کے ساتھ ایک برائی کے طور پر کیا گیا ہے۔ دوسری عبارت میں بیٹی کو بھی دکھوں کی جڑ کہا گیا ہے۔ عورتوں کی شادی کے بعد شوہر کے گھر پر اس کے ساتھ رہنا ہوتا تھا۔ عوامی جلسوں میں عورتوں کی شرکت پر بھی پابندی لگادی گئی تھی۔

تاہم کافی اہم تبدیلی ورن نظام کی شکل میں سماجی تفریق کے ابھرنے اور ان کے بڑھنے کی صورت میں رونما ہوئی۔ چار ورن جس میں سماج کو تقسیم کیا گیا تھا وہ تھے برہمن، کشتریہ، ویشیہ اور شودر۔ اس زمانے میں یگیوں اور دوسری مذہبی رسومات کی بڑھتی تعداد کے سبب برہمن زیادہ طاقتور بن گئے۔ وہ مختلف رسومات انجام دیتے تھے۔ بہت سی رسومات زراعتی کاموں کے مختلف مراحل سے بھی متعلق تھیں۔ اس کے سبب برہمنوں کے رتبہ اور ان کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ سماجی سلسلہ مراتب میں ان کے بعد چھتریوں کی حیثیت تھی۔ یہ حکمراں تھے۔ یہ برہمنوں کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں پر اپنا اختیار رکھتے تھے۔ زیادہ تعداد والا ورن ویشوں کا تھا جو زراعت کے کام کے علاوہ تجارت اور دستکاری سے متعلق سرگرمیوں میں شامل تھے۔ برہمن اور چھتری خراج (عطیات اور ٹیکس) پر منحصر تھے، جو انھیں ویشوں کے

ذریعہ ادا کیا جاتا تھا۔ چوتھا ورن شودروں کا تھا۔ سماجی سلسلہ مراتب میں یہ سب سے نچلی سطح پر تھے۔ ان کے مقدر میں تینوں اونچے ورنوں کی خدمت کرنا تھا۔ ان کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنا نیا سنسکار (تعلیم حاصل کے لیے ضروری مقدس دھاگے کے ساتھ اعزاز کی رسم) اختیار کریں۔ باقی تین ورن ایسی تقریب کے مستحق تھے اور اس لیے انھیں دوئج (Dvijas) کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس کی تعبیر شودروں کے لیے نااہلیت عائد کرنے کی شروعات اور رسمیائی ناپاکی کے تصور کی ابتداء کے طور پر کی جاسکتی ہے۔

ایک اور اہم ادارہ جو اس زمانے میں شکل اختیار کر رہا تھا وہ آشرم یعنی زندگی کے مختلف مراحل، برہم چریہ (طالب علم زندگی) گرہستھ (گھریلو زندگی) اور ون پرستھ (گوشہ نشینی) کے مراحل کا متون میں ذکر ہے۔ بعد میں ایک چوتھے مرحلے سنیاس کو بھی شامل کیا گیا۔ ورن کے ساتھ اسے ملا کر اسے ورن آشرم دھرم کے طور پر جانا جاسکتا ہے۔

4.7 متن پر مبنی سوالات

1۔ مؤخرہ ویدک فیملی کی نوعیت کیا تھی؟

2۔ اصطلاح ''گوتر'' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

3۔ شودروں کے لیے نااہلیت عائد کرنے کی شروعات کی صراحت کون سی اصطلاح کرتی ہے؟

4۔ مخلوط اصطلاح ورن آشرم دھرم کی وضاحت کیجیے؟

4.8 ابتدائی ویدک مذہب

جسمانی تحفظ اور مادی حصول کے لیے دیوتاؤں کو خوش اور راضی کرنے کی دعائیں رگ ویدک لوگوں میں زیادہ رائج تھیں۔ رگ ویدک دیوتا عام طور پر بارش، طوفان، سورج وغیرہ جیسی قدرتی قوتوں کے مختلف پہلوؤں کی مجسم شکل میں ہوتے تھے۔ ان دیوتاؤں کی صفات سماج کی قبائلی اور سرداری نوعیت کی عکاسی کرتی ہیں، کیونکہ ہم متن میں متعدد دیویوں کا ذکر نہیں پاتے۔ اندر، اگنی، ورون، متر، دیوس، پشان، یم، سوم وغیرہ سبھی دیوتا ہیں۔ ان کے مقابلے ہم کچھ ہی دیویوں کا ذکر کر پاتے ہیں جیسے اوشا،

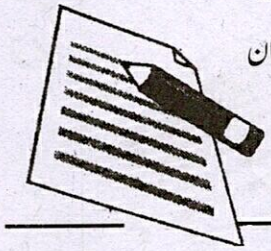

نوٹس

سرسوتی، پرتھوی وغیرہ، جو دیوی دیوتاؤں کے مجموعے (Pantheon) میں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

مختلف دیوتاؤں کے عمل سماج میں ان کی ضرورتوں کی عکّاسی کرتے ہیں۔ اسی طرح، رگ ویدک لوگ چونکہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگوں میں لگے رہتے تھے اس لیے وہ ایک دیوتا کی حیثیت سے اندر کی پوجا کرتے تھے۔ رگ وید میں اندر کا ذکر بار بار آیا ہے۔ وہ گرج چمک پیدا کرتے تھے اور ان کا احترام موسم کے دیوتا کے طور پر کیا جاتا تھا، جو بارش لے آتے تھے۔ ماروت طوفان کے دیوتا تھے، جو جنگوں میں اندر کی اسی طرح مدد کرتے تھے، جیسے قبائلی جنگوں میں قبیلے کا آدمی اپنے قائد کی مدد کرتا ہے۔ اگنی یعنی آگ کے دیوتا گھر کے دیوتا تھے اور انھیں دیوتاؤں اور انسانوں کے درمیان ایک ثالث کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ سوم کا تعلق پودوں اور جڑی بوٹیوں سے تھا۔ سوم ایک پودا بھی تھا، جس سے نشہ آور رس نکالا جاتا تھا۔ اس رس کو یگیوں میں پیا جاتا تھا۔ ورون ایک اور اہم دیوتا تھے، جو رِتا کے طور پر معروف کائناتی نظام کے رکھوالے تھے۔ یہ رِتا قبائلی تنظیم کا ایک پہلو تھا۔ پُشن، راستوں، گلہ بانوں اور مویشی کے دیوتا تھے۔ چراگاہی خانہ بدوشوں کی زندگی میں یہ دیوتا کافی اہمیت کا حامل تھا۔ دیگر دیوتا قدرت اور زندگی کے دیگر پہلوؤں سے اسی طرح متعلق تھے۔

ان سبھی دیوتاؤں سے یگیوں (Sacrifices) بلی چڑھانے کے موقع پر دعائیں مانگی جاتی تھیں اور انھیں رضا مند کیا جاتا تھا۔ یگیوں کا انتظام قبائل کے سرداروں کے ذریعہ کیا جاتا تھا اور پجاری ان سے متعلق رسوم نبھاتے تھے۔ دیوتاؤں سے اس طرح یگیوں میں دعائیں مانگی جاتی تھیں، جو جنگوں میں کامیابی اولاد اور مویشی میں اضافہ اور عمر درازی کے ساتھ یگیوں کے صلے سے متعلق ہوتی تھیں۔ دان اور دکشنا کی شکل میں بہت سے تحفے دیے جاتے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پورے ویدک مرحلے میں لوگوں نے مندر نہیں بنائے تھے، نہ ہی وہ کسی مورتی کی پوجا کرتے تھے۔ ہندوستان میں مذہب کی ان خصوصیات کو کافی بعد میں فروغ ملا۔

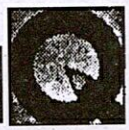

4.8 متن پر مبنی سوالات

1۔ ہم کس بنیاد پر کہہ سکتے ہیں کہ رگ ویدک دیوتاؤں کی صفات سماج کی قبائلی اور سردارانہ فطرت کی عکّاسی کرتی ہیں؟

2۔ رگ ویدک دیوتا اندر کی اہم خصوصیات بیان کیجیے؟

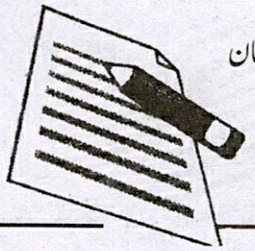

نوٹس

3۔ قبائلی سرداریگیوں کا اہتمام کیوں کرتے تھے؟

4۔ رگ ویدک لوگوں کے لیے پشن دیوتا کی کیوں اہمیت تھی؟

5۔ آگ کے دیوتا اگنی کا خاص کام کیا تھا؟

4.9 مابعد ویدک مرحلے میں تبدیلیاں

ہم پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ مابعد ویدک دور میں زراعت لوگوں کی ایک اہم سرگرمی بن چکی تھی۔ مادی زندگی میں تبدیلیوں کا قدرتی نتیجہ دیوتاؤں اور دیویوں دونوں کے تئیں، ان کے رویوں کی تبدیلی کی صورت میں برآمد ہوا۔ مقامی غیر آریائی آبادی کے ساتھ جاری رہنے والے عوامل بھی ان تبدیلیوں میں مددگار ثابت ہوئے۔ اس طرح رگ وید میں وشنو اور رودر جو رگ وید میں چھوٹے دیوتا تھے ان کی اہمیت کافی بڑھ گئی۔ تاہم ہمیں وشنو کے مختلف اوتاروں کا حوالہ نہیں ملتا، جن کے بارے میں کسی مابعد ویدک متون کے ذریعہ ہم واقف ہیں۔

دوسری اہم خصوصیات یگیوں کا کثرت سے اہتمام اور تعداد میں اضافہ ہونا تھا، جو عام طور پر جانوروں کی ایک خاصی تعداد میں قربانیوں کے ساتھ ختم ہوتا تھا۔ اس کی وجہ شاید برہمنوں کے ایک طبقے کی اہمیت کا بڑھنا اور بدلتے سماج میں اپنی برتری قائم رکھنے کی ان کی کوششیں تھیں۔ ان یگیوں میں دان اور دکشنا کی شکل میں دولت کی کافی بڑی مقدار پیش کی جاتی تھی۔ ان میں سے کچھ خاص یگیہ تھے۔ اشومیدھ، واجپیہ، راجسویہ وغیرہ، آپ نے مہابھارت اور رامائن کی کہانیوں میں ان یگیوں کے بارے میں ضرور سنا ہوگا۔ یہ یگیہ جو کئی دن تک جاری رہتے تھے تحفوں کا ایک بڑا حصہ برہمنوں کو جاتا تھا۔ ان یگیوں کا مقصد دوہرا تھا۔ پہلا، اس کے ذریعہ عام لوگوں پر سرداروں کا اقتدار قائم کرنا تھا اور دوسرے ان سے نظام ریاست کے علاقائی پہلو کو تقویت فراہم کرنا تھا کیونکہ ساری مملکت سے لوگوں کو ان قربانیوں (یگیوں) کے لیے مدعو کیا جاتا تھا۔

یہ جاننا آپ کے لیے دلچسپ ہوگا کہ مابعد ویدک دور میں خود ان قربانیوں کی لوگوں نے مخالفت کرنی شروع کردی تھی۔ مویشی اور دیگر جانوروں کی ایک بڑی تعداد ہر یگیہ کے آخر میں قربان کی جاتی تھی اس سے معیشت کے نمو میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ اس لیے اپنشد کہے جانے والے ویدوں کے آخری سیکشن میں اچھے چال چلن اور خود ایثاری کی ایک راہ کی سفارش کی گئی تاکہ خوشیاں اور فلاح و بہبود

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)

حاصل ہو۔ اپنشد ہندوستانی فلسفے یعنی کرم اور آتما کے آواگون (مرنے کے بعد روح کا قالب بدلنا) یعنی پچھلے کرموں کی بنیاد پر دوبارہ جنم کے دو بنیادی اصولوں پر مشتمل ہے۔ ان متون کے مطابق حقیقی خوشی موکش یعنی پیدائش کے بار بار کے چکر سے نجات ملنے پر حاصل ہوتی ہے۔



متن پر مبنی سوالات 4.9

1۔ مابعد ویدک دور میں انجام دیے جانے والے یگیوں کی تعداد میں کیوں اضافہ ہوگیا تھا؟

2۔ یگیوں کے مقاصد کیا تھے؟

3۔ یگیوں کی اہمیت واضح کیجیے؟

4۔ کیوں لوگوں نے یگیوں کو انجام دینے کی مخالفت شروع کردی تھی؟

4.10 ابتدائی ویدک نظام ریاست

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ آریوں کی خاص سماجی اکائی کو ''جن'' کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس اکائی کا سربراہ سیاسی قائد ہوتا تھا، جسے راجن کہا جاتا تھا۔ سربراہ کا خاص کام جن اور مویشی کو دشمنوں سے تحفظ فراہم کرنا تھا۔ اس کے منصبی کاموں میں قبائلی اسمبلیوں کے ذریعہ مدد کی جاتی تھی۔ انھیں سبھا، سمیتی، وداتھا، گن اور پریشد کہا جاتا تھا۔ ان میں سبھا اور سمیتی زیادہ اہم اسمبلیاں تھیں۔ ان اسمبلیوں میں زندگی کے سبھی شعبوں کے بارے میں بحث کی جاتی تھی۔ ان میں جنگ، جنگوں کے مال غنیمت (لوٹ مار کے سامان) کی تقسیم، عدالتی اور مذہبی سرگرمیاں وغیرہ کا موضوع ہوسکتا تھا۔ اس طرح یہ اسمبلیاں ایک طرح سے سرداروں کے اختیارات کو محدود کرتی تھیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ سبھا اور سمیتیوں کی بحث میں عورتوں کے شریک ہونے کی اجازت تھی۔

سردار کا عہدہ موروثی نہیں تھا۔ عام طور پر قبیلہ اسے منتخب کرتا تھا۔ اگر چہ ایک فیملی میں جانشینی معروف تھی، لیکن یہ خلف اکبر (یعنی سب سے بڑا بیٹا ہی وارث ہو) کے اصول پر مبنی نہیں تھا۔ پروہت مختلف امور میں سرداروں کی مدد اور صلاح دیتا تھا۔ پروہت کے علاوہ دیگر عہدیداروں کی ایک محدود تعداد

تھی، جو روزمرہ کے قبائلی امور میں سردار کی مدد کرتے تھے۔ سنیانی، کلاپ، گرامنی وغیرہ کچھ عہدیدار تھے، جن کا ذکر رگ وید میں ہے۔ سنیا یا فوج ایک مستقل لڑاکو گروپ نہیں تھی اور صحت مند و تندرست قبائلیوں پر مشتمل گروپ تھا، جو جنگوں کے زمانے میں کوچ کرتے تھے۔ بڑھئی اور رتھ ساز، رتھوں کو بنانے کے لیے ذمہ دار تھے۔ ٹیکسوں کو جمع کرنے والے کے طور پر کسی عہدیدار کا ذکر نہیں ہے۔ لوگ سردار کو جو پیش کرتے تھے اسے بلی (Bali) کہا جاتا تھا۔ یہ محض ایک رضا کارانہ اشتراک تھا، جسے عام قبائلی خاص مواقع پر پیش کرتے تھے۔ ان سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی ویدک نظام ریاست غیر پیچیدہ نظام تھا، جو سبھی قبائلیوں کے تعاون اور سرگرم شرکت پر مبنی تھا۔ یہ صورت حال بہر حال مابعد ویدک مرحلے کے دوران تبدیل ہوگئی۔



متن پر مبنی سوالات 4.10

1۔ سبھا اور سمیتی کے کاموں کی وضاحت کیجیے۔

2۔ راجن کا خاص کام کیا تھا؟

3۔ ابتدائی ویدک دور میں بلی کی نوعیت کیا تھی؟

4۔ اہم عہدیداروں کی ایک فہرست بنائیے، جو مختلف امور میں سرداروں کی مدد کرتے تھے۔

4.11 مابعد ویدک مرحلے میں ہونے والی تبدیلیاں

بعد کے ویدک دور میں مادی اور سماجی زندگی میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کے نتیجے میں سیاسی میدان میں بھی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اس دور میں سرداری، یا سربراہی کی نوعیت میں بھی تبدیلی ہوئی۔ علاقائی مملکت کا تصور بھی مستحکم ہوتا گیا۔ سردار پر عوام کا کنٹرول ڈھیلا ہونا شروع ہوگیا اور عوامی اسمبلیاں بھی دھیرے دھیرے ختم ہوتی گئیں۔

سربراہی موروثی ہوگئی تھی۔ منصب شاہی کی دیوتائی فطرت کے تصور کا ذکر اس دور کے ادب میں ہونے لگا تھا۔ اس عمل میں برہمنوں نے سرداروں کی مدد کی، پیچیدہ تاج پوشی رسوم جیسے واجپیا اور راجسویہ

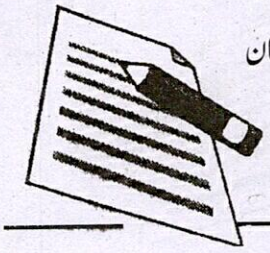

نوٹس

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)

کے ذریعہ اقتدار کو مستحکم کیا۔ چونکہ سربراہ زیادہ طاقتور بن چکے تھے۔ اس لیے عوامی اسمبلیوں کے اختیارات کمزور پڑنا شروع ہوگئے۔ انتظامیہ میں سربراہ کی مدد کے لیے عہدیداروں کی تقرری کی جانے لگی اور انھوں نے خاص صلاح کار کے طور پر عوامی اسمبلیوں کے کام کاج اختیار کر لیے۔

اس زمانے میں سیاسی طاقت کے ایک اہم عنصر کے طور پر ایک مستقل ابتدائی فوج بھی ظہور میں آئی۔ ان کی کفالت ٹیکسوں پر مبنی تھی، جنھیں بلی، شاک اور بھاگ کہا جاتا تھا اور انھیں عوام کے ذریعہ پیش کیا جاتا تھا۔

اس عہد کے سردار چھتری ورن کے ہوتے تھے اور دھرم کے نام پر لوگوں کے اوپر مکمل اقتدار قائم کرنے کی کوشش میں برہمنوں کے ساتھ پوری طرح شریک تھے۔ تاہم ان سب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ جن پد یا علاقائی ریاست اپنی تمام صفات جیسے ایک مستقل فوج اور بیوروکریسی مابعد ویدک دور میں وجود میں آچکی تھی، لیکن یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس کے عمل کی شروعات ہوچکی تھی اور جلد ہی چھٹی صدی ق م میں ویدک دور کے بعد شمالی ہندوستان میں سولہ مہاجن پد قائم ہوگئے تھے۔



متن پر مبنی سوالات 4.11

1۔ مابعد ویدک دور میں سرداری یا سربراہی کی نوعیت بیان کیجیے؟

2۔ مابعد ویدک دور میں عوامی اسمبلیوں کے اختیارات میں زوال کیوں آیا تھا؟

3۔ تاج پوشی کے رسوم میں کیا عمل انجام دیے جاتے تھے؟



آپ نے کیا سیکھا

ہڑپائی شہری معیشت کے زوال کے بعد ہمیں ہندوستان کے شمال مغربی افق پر ایک نئے طرح کے لوگوں کے آنے کی شہادت ملتی ہے۔ یہ لوگ گلہ بان تھے اور جنوبی روس سے دنیا کے مختلف حصّوں میں گروپوں میں پھیل چکے تھے۔ مختلف زمانوں میں افغانستان کے راستہ بہت سے ایسے گروپ ہندوستان پہنچے۔ ان کی زبان کو ہند آریائی یا سنسکرت کے طور پر جانا جاتا تھا، جو مقامی زبانوں کو اپنانے کے ساتھ

سب پر فائق ہو چکی تھی۔ ان کی ابتدائی تالیف کو رگ وید کے طور پر جانا جاتا ہے اور اس کے بعد بہت سی مزید تخلیق عمل میں آئی۔ ہم ویدوں کے نام سے معروف ان مجموعوں سے ان لوگوں کی ثقافت کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔

آریہ ابتدائی طور پر سات ندیوں ''سپت سندھ'' کے خطّے میں رہتے تھے۔ یہ ندیاں موٹے طور پر پنجاب اور ہریانہ کی جدید ریاستوں کا احاطہ کرتی تھیں۔ بعد میں انھوں نے اس خطّے پر بھی تسلط اختیار کیا، جس میں گنگا، جمنا، سریو، گھاگھرہ اور گنڈک بہتی تھیں۔ موٹے طور پر یہ ندیاں مشرقی اتر پردیش اور مغربی بہار کا احاطہ کرتی تھیں۔

آریہ جو خاص طور پر مویشی پالنے والے گلّہ بان تھے، بعد میں انھوں نے زراعت کا پیشہ اختیار کر لیا اور انھیں لوہے کی ٹکنالوجی سے مدد ملی اور وہ گنگا، جمنا کے میدان میں بڑی بستیاں قائم کرنے میں کامیاب رہے۔

اس تبدیلی کے سبب زندگی کے دیگر میدانوں میں بھی تبدیلیوں کا ایک سلسلہ قائم ہونے میں آسانی پیدا ہوئی۔ ابتدائی ویدک دور میں ایک ہمہ گیر مساوات، قبائلی سماجی و سیاسی ڈھانچے سے شروع ہو کر ویدک دور کے آخر تک ورن علاقائی طور پر تقسیم پر مبنی ڈھانچے میں منتقل ہو گئی۔ قبائلی سرداروں کی حیثیت موروثی ہو گئی اور نئے نئے عہدیدار عوامی اسمبلیوں کے اختیارات غصب کرنے لگے۔ یگیوں کی بڑھتی تعداد سے راجہ ساتھ ساتھ برہمنوں کی اہمیت کا بھی اظہار کرتی تھی۔ اسی طرح وہ دیوتا جو پہلے اہم ہوا کرتے تھے وہ اپنی اہمیت کھو بیٹھے اور نئے دیوتاؤں کے لیے راہ ہموار کی۔ چھٹی صدی ق م میں ان ساری تبدیلیوں کا آخری نتیجہ جن پدوں اور مہاجن پدوں یعنی بڑی بڑی علاقائی ریاستوں کے ابھرنے کی صورت میں برآمد ہوا۔

اختتامی سوالات

1۔ آریہ کون تھے؟ وہ کہاں سے آ کر ہندوستان میں پھیلے۔
2۔ ابتدائی ویدک لوگوں کے جغرافیائی وقوع کی نشاندہی کیجیے؟
3۔ آریوں کے اہم ثقافتی اوصاف بیان کیجیے؟
4۔ مابعد ویدک دور میں آریوں کے معاشی انداز میں تبدیلیوں کی وضاحت کیجیے؟
5۔ زراعت کی توسیع میں لوہا ٹکنالوجی کے علم نے کسی طرح مدد کی تھی؟
6۔ مابعد ویدک دور میں عورتوں میں کس طرح کی نا اہلیت عائد کی گئی تھی؟

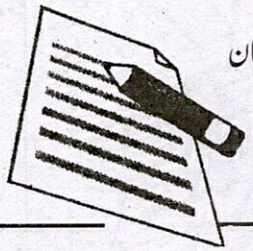

نوٹس

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)

7۔ مابعد ویدک دور میں برہمن کس طرح اہم بن چکے تھے؟

8۔ ابتدائی ویدک دور میں عوامی اسمبلیوں کے کام کاج بیان کیجیے؟

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

4.1

1۔ مقدس علم

2۔ رگ وید، سام وید، یجروید، اتھرووید

3۔ ارنیک اور اپنشد

4۔ منتروں اور قربانی یا یگیہ سے متعلق رسوم کی وضاحت پر مشتمل نثری متون۔

5۔ فلسفیانہ بحث

4.2

1۔ آواز اور معنی میں ان زبانوں کے الفاظ ایک جیسے ہیں۔

2۔ جنوبی سائبیر یا میں واقع اندووَنوف ثقافت

3۔ بیکٹر یا، مارجیانا

4۔ گھوڑے، آرے دار پہیے، آگ کی بھٹی، شمشان

4.3

1۔ سندھ، جھیلم، چناب، راوی، بیاس، ستلج، سرسوتی

2۔ اتر پردیش (کوشل) اور شمالی بہار (ودیہا)

4.4

1۔ گلّہ بان

2۔ حوالہ 4.4 پیرا 1

3۔ حوالہ 4.4 پیرا 2

4۔ شکار، بڑھئی گیری، بُنائی، قمار بازی، رتھ سازی، دھات کو پگھلانا

5۔ گائے کے ذریعہ مبادلے کا نظام

4.5

1۔ زراعت

2۔ حوالہ 4.5 پیرا 2

3۔ اندر دیو

4۔ پہلی بار بڑے پیمانے پر خوردنی تیل کا استعمال کیا گیا تھا۔

5۔ گھنے جنگلات کو صاف کرنا، لوہے کے ہل مٹی کو زرخیز بنانے میں کارگر۔

6۔ زراعت پر مبنی معیشت کے پھیلاؤ اور آبادی میں مستقل اضافہ۔

4.6

1۔ یک زوجی، کثیر ازدواجی

2۔ ہاں، کوئی جاتی تقسیم نہیں، پیدائش پر مبنی پیشہ، کوئی ممنوعہ پیشہ نہیں۔

3۔ ورن یا رنگ کی بنیاد پر

4۔ مال غنیمت کا زیادہ بڑا حصّہ سرداروں اور پجاریوں کے ہاتھوں میں

4.7

1۔ مشترکہ فیملی

2۔ ایک مشترک آبا و اجداد کی اولاد، ایک گوتر کے ممبروں کے درمیان شادی نہیں۔

3۔ اُپ نین سنسکار کی رسمیات کے مستحق نہیں۔

4۔ آخری پیرا 4.7

4.8

1۔ حوالہ 4.8 پیرا 1

2۔ موسمی دیوتا جو گرج و چمک پیدا کرتے تھے

3۔ دیوتاؤں سے پرارتھنا اور انھیں خوش کرنا

4۔ کیونکہ وہ راستوں، گلّہ بانوں اور مویشیوں کا دیوتا تھا۔

4.9

1۔ برہمنوں کے طبقے کی بڑھتی اہمیت اور برتری قائم رکھنے کی ان کی کوشش کے سبب۔

2۔ لوگوں پر سرداروں کا اقتدار قائم کرنا اور نظام ریاست کے علاقائی پہلو کو تقویت دینا۔

3۔ ورن اور دکشنا کی شکل میں دولت کی ایک بڑی مقدار برہمنوں کو جاتی تھی۔

4۔ یہ ان کی معاشی زندگی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

4.10

1۔ زندگی کے سبھی پہلوؤں جیسے جنگوں کی مال غنیمت کی تقسیم، عدالتی و مذہبی سرگرمیاں جیسے موضوع پر

بحث کی جاتی تھی۔

2۔ دشمنوں سے جن اور مویشی کو تحفظ فراہم کرنا۔

3۔ خاص مواقع پر عام قبائلیوں کے ذریعہ کیا جانے والا رضا کارانہ مالی اشتراک۔

4۔ پرویت، سینائی، کلپ، گرامنی

4.11

1۔ یہ موروثی ہو چکا تھا۔

2۔ سردار اب زیادہ طاقتور بن چکے تھے۔ انتظامیہ میں سردار کی مدد کے لیے عہدیدار جو عوامی اسمبلیوں کے منصبی کام اختیار کر رہے تھے۔

3۔ اعلیٰ مقتورہ قائم کرنا

اختتامی سوالوں کے لیے اشارے

1۔ حوالہ 4.2 پیرا 1 اور 2

2۔ حوالہ 4.3

3۔ حوالہ 4.2 پیرا 2

4۔ حوالہ 4.5

5۔ حوالہ 4.5 پیرا 2

6۔ حوالہ 4.7 پیرا 1

7۔ حوالہ 4.11

8۔ حوالہ 4.10

فرہنگ

گلّہ بانی (Pastoralism) — محدود زرعی سرگرمی کے ساتھ بنیادی طور پر مویشی پالن پر مبنی طرز زندگی۔

پدرسری (Patriarchal) — فیملی / سماج کے مرد ممبروں کی برتری پر مبنی ایک سماجی نظام

یک زوجیت (Monogamy) — کسی مخصوص وقت میں صرف ایک بیوی رکھنے کا ایک سماجی رواج۔



نوٹس

ویدک دور (1500 ق م تا 600 ق م)

کثیر زوجیت (Polygamy) — ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کا ایک سماجی رواج۔

چھوٹا قبیلہ یا خیل (خاندوادہ) (Clan) — فیملیوں کا ایک گروپ جس میں ایک مشترک آباء و اجداد کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرنے والی فیملیوں کا ایک گروپ، جن کے ممبروں میں ایک دوسرے کے لیے مخصوص فرائض و ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔

قبیلہ (Tribe) — اس سے مراد وہ گروپ ہیں جن کا اتحاد توسیعی قرابت داری کے بندھنوں پر مبنی ہوتا ہے۔ یعنی علاقائی تنظیم کے بجائے فیملی رشتوں پر مبنی ہوتا ہے۔

ہمہ گیر مساوات (Egalitarian) — ایک سماج جس میں سبھی لوگوں کو مساوی سمجھا جاتا ہے۔

PGW — پینڈگرے ویر؛ یہ مابعد ویدک عہد کے لوہا استعمال کرنے والے لوگوں سے متعلق ہے اور سماج کے بااثر طبقے کے ذریعہ استعمال کیا جاتا تھا۔

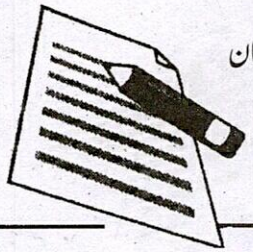

نوٹس

5

جن پدوں سے سلطنت تک

From Janapadas to Empire

پچھلے باب میں ہم نے مطالعہ کیا تھا کہ کس طرح مابعد ویدک لوگوں نے گنگا کے طاس (بیسن) میں زراعت شروع کی تھی اور مستقل دیہاتوں میں بس گئے تھے۔ اس باب میں ہم بحث کریں گے کہ کس طرح سولھویں صدی ق م میں شمالی ہندوستان میں زراعتی سرگرمی بڑھی اور سولہ مہاجن پدوں (بڑی علاقائی کی ریاستیں) میں مستقل آبادی یا منظّم زندگی کی شروعات ہوئی۔ ہم ان عوامل کا بھی جائزہ لیں گے جن سے ان ریاستوں میں سے ایک مگدھ باقی دیگر ریاستوں کو شکست دینے میں کامیاب رہی اور بعد میں موریوں کی زیر حکمرانی سلطنت کی حیثیت سے عروج حاصل کیا۔ موریوں کا دور عظیم معاشی اور ثقافتی ترقیوں کا دور تھا۔ تاہم موریوں کی سلطنت اشوک کی موت کے بعد پچاس سال کے اندر ہی زوال پذیر ہوگئی۔ ہم اس زوال کے لیے ذمہ دار عوامل کا تجزیہ کریں گے۔ یہ دور (چھٹی صدی ق م) کو بودھ اور جین جیسے نئے مذاہب کے ظہور کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ مذاہب کس طرح ظہور میں آئے ان کے لیے ذمہ دار عوامل پر نظر ڈالنے کے ساتھ ساتھ آپ کو ان کے خاص نظریات کے بارے میں بھی بتائیں گے۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- ان مادی اور سماجی عوامل (جیسے زراعت اور نئے سماجی طبقات کے نمو) کی وضاحت کرسکیں گے، جو چھٹی صدی ق م میں مہاجن پدوں اور نئے مذاہب کے عروج کی بنیاد بنے۔
- بودھ اور جین مذاہب کے نظریات، سرپرستی، پھیلاؤ اور اثرات کا تجزیہ کرسکیں گے؛
- چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے سلطنتوں تک ہندوستانی نظام ریاست کی نمو پذیری کے بارے میں پتہ کرسکیں گے اور سولہ مہاجن پدوں کو درج فہرست کرسکیں گے؛

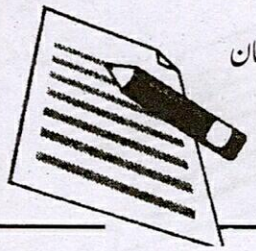

نوٹس

- اشوک نے اپنی پالیسی دھما (Dhumma) کے ذریعہ سلطنت کو مستحکم بنانے میں کیا رول نبھایا، اس کا جائزہ لے سکیں گے؛
- موریوں کے زیر حکمرانی انتظامیہ، معیشت، سماج اور فن سے متعلق اہم خصوصیات کی شناخت کر سکیں گے؛ اور
- موریہ سلطنت کے زوال کے اسباب کی شناخت کر سکیں گے۔

5.1 نئے مذاہب کا ظہور

اس دور میں معاشی اور سیاسی سرگرمی کا مرکز ہریانہ اور مغربی اتر پردیش سے مشرقی اتر پردیش اور بہار منتقل ہوگیا۔ یہ وہ مقامات تھے، جہاں زیادہ بارش ہوتی تھی اور زمین کی زرخیزی بھی کافی عمدہ تھی۔ اسی کی بنیاد پر اب بہار اور ملحقہ خطوں کے خام لوہے کے وسائل کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا اب آسان ہوگیا۔ لوگوں نے اس علاقے کے گھنے جنگلوں کو صاف کرنے اور سخت مٹّی پر کاشت کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ لوہے کے اوزاروں اور ہلوں کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ زراعت کی ترقی کی شہادت ہمیں آثاریاتی اور اس دور کے ادبی ذرائع سے ملتی ہے۔ درحقیقت ایک ہل کا پھالا تقریباً 500 ق م مغربی اتر پردیش میں ایٹہ ضلع میں جکمیڑا مقام سے پایا گیا تھا۔ اس دور میں لوہے کے استعمال کے بارے میں بہت سے دیگر اہم ثبوت راج گھاٹ، کوشامبی، ویشالی اور سون پور سے ملتے ہیں۔ بودھ عمارتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ کس طرح دھان، گنّے اور سرسوں کی کاشت میں کئی دور میں ہل چلانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ زراعت میں وسعت کا نتیجہ یہ ہوا غذائی فراہمی کافی بڑھی اور اس سے دستکاری کی مصنوعات، تجارت اور شہری مراکز کے بڑھنے میں مدد ملی۔

چھٹی صدی ق م کو برصغیر ہند میں ''دوسری شہری معیشت کاری'' کے دور کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ ہڑپائی شہروں کے زوال کے ایک ہزار سال سے زیادہ کے بعد ایک بار پھر شہری مراکز ابھرے۔ تاہم، اس عہد میں شہروں کا عروج سندھ کے میدانوں کی بجائے وسطی گنگا کے میدانوں میں ہوا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پاٹلی پتر، راج گرہ، سروستی، وارانسی، ویشالی، چمپا، کوشامبی، اجینی جیسے 60 سے زیادہ شہر 600 تا 300 ق م میں وجود میں آئے۔ یہ شہر دستکاری اور تجارت کے مراکز بن گئے تھے اور یہاں بڑی تعداد میں دستکار اور تاجر بس گئے۔ دستکاروں کے ذریعہ کپڑا، ریشم، زیورات، برتن (ظروف) وغیرہ جیسی اشیاء تیار کی جاتی تھیں اور انھیں تاجر دوسرے شہروں میں لے جایا کرتے تھے۔ وارانسی تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہ سروستی اور کوشامبی سے ملحق تھا۔ کپل وستو اور کشی نارا کے ذریعہ سروستی ویشالی سے جڑا ہوا تھا۔ جاتک کہانیوں سے پتہ چلتا ہے تاجر مگدھ اور کوشل سے متھرا ہو کر تکشلا جایا کرتے تھے۔ اجین اور گجرات

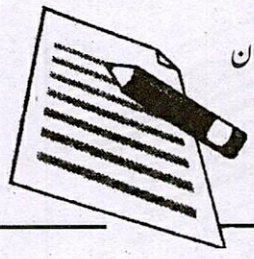

کے ساحلی علاقوں کے لیے بھی سفر کے مقصد سے متھرا عبوری مقام تھا۔

تجارت کے فروغ کی عکّاسی ہزاروں سکّوں کی دریافت سے ہوئی ہے۔ انھیں گودے ہوئے علامتی سکّے (پنچ مارکہ) PMC کے طور پر جانا جاتا ہے۔ چاند، مچھلی، پیڑ، پہاڑ وغیرہ جیسی علامتوں کو ان سکّوں پر گودا جاتا تھا اس لیے انھیں پنچ مارکہ کوائنس کہا جاتا ہے۔ ماہرین علم سکّہ نے ایسے تقریباً 550 قسم کے سکّوں کی شناخت کی ہے، جو بطور خاص چاندی اور کچھ تانبے کے بنے ہوئے تھے۔

زراعت میں بہتری، تجارت اور شہروں کے فروغ نے سماج پر بھی اثر ڈالا۔ دراصل ان تبدیلیوں کے سبب مساوات اور بھائی چارہ (اخوت) کی جگہ عدم مساوات اور سماجی تصادم نے لے لی۔ تشدد، ظلم، چوری، نفرت اور جھوٹ جیسے نئے سماجی مسائل سے لوگ کسی حد تک چھٹکارہ چاہتے تھے۔ اس لیے جب نئے مذاہب جیسے جین اور بودھ مذاہب نے امن اور سماجی مساوات کے تصور کی تبلیغ کی تو لوگوں نے اس کی پذیرائی کی۔ یہ مذاہب اس بات پر زور دیتے تھے کہ سچی خوشی مادّی خوشحالی یا رسومات کی ادائیگی میں نہیں ہے بلکہ خیرات، کفایت شعاری، عدم تشدد اور اچھے سماجی اطوار (چال چلن) میں ہے۔ اس کے علاوہ عام معاشی پیش رفت کے سبب ویشوں اور دیگر تاجر گروپوں کو عروج حاصل ہوا جو برہمنوں کے ذریعہ عطا کی گئی حیثیت سے زیادہ بہتر سماجی مقام حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے بڑی حد تک عطیات (دان) کے ذریعہ بودھ اور جین جیسے غیر ویدک مذاہب کی سرپرستی (کفالت) کو ترجیح دی۔

بودھ ازم اور جین ازم ہی ایسے مذاہب نہیں تھے جو برہمنی غلبے کو چیلنج پیش کر رہے تھے۔ بودھ ذرائع کے مطابق 62 سے زیادہ مَسلک یا فرقے اور فلسفے اس دور میں پھلے پھولے۔ ان میں سے ایک فرقہ ''اجیوکا'' کے نام سے جانا جاتا تھا اس کے بانی مکھالی گوشل تھے۔ تیسری صدی ق م مگدھ میں اجیوکا بہت مقبول تھے اور موریہ راجاؤں نے اجیوکا راہبوں کے اعزاز میں کئی غاریں عطیات کے طور پر پیش کی تھیں۔

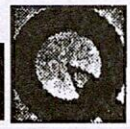

متن پر مبنی سوالات 5.1

1۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں لوہے کے اوزاروں کی شہادت کہاں سے ملی ہے؟ ان مقامات کی نام بتایئے۔

2۔ اس دور کے کچھ اہم تجارتی راستوں اور تجارتی مراکز کے بارے میں بیان کیجیے۔

3۔ پنچ مارکہ ڈسکوں کو کیوں ابتدائی سکّے کہا جاتا ہے؟

4۔ اجیویکا فرقے کا بانی کون تھا؟

5.2 جین اور بدھ مذاہب کے اصول ونظریات

جین ازم

وردھمان مہاویر کو جین مذہب کا بانی مانا جاتا ہے۔ وہ بہار میں ویشالی کے نزدیک 599 ق م پیدا ہوئے تھے۔ وہ جین ازم کے چوبیسویں اور آخری تیرتھنکر تھے۔ جین مذہب میں یہ مانا جاتا ہے کہ انسانی زندگی کا خاص مقصد آتما (روح) کی پاکیزگی اور نروان کا حصول ہے۔ نروان کا مطلب پیدائش اور موت کے چکر سے نجات حاصل کرنا ہے۔ یہ رسومات اور یگیوں کے ذریعہ نہیں حاصل کی جاسکتی بلکہ تری رتن اور پنچ مہاورت کی تعمیل کے ذریعہ ممکن ہوسکتی ہے۔ تری رتن یا تین جواہر صحیح عقیدہ، صحیح علم اور صحیح طرز عمل (کردار) ہیں۔ جن کے ذریعہ نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ صحیح طرز عمل (کردار) کا مطلب پانچ عظیم عہد و پیمان کی تعمیل ہے۔ اہنسا (تشدد کا ارتکاب نہ کرنا) ستیہ وچن (جھوٹ نہ بولنا)، استیہ (چوری نہ کرنا) برہم چریہ (جنسی عمل میں ملوث نہ ہونا) اور اپریگرہ (جائیداد نہ حاصل کرنا)۔ گھر گرہست لوگوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ راہبوں کی نسبت ان نیکیوں پر عمل معتدل شکل میں کریں۔ انھیں انوورت (چھوٹے عہد و پیمان) کہا جاتا ہے۔ لہٰذا، کوئی بھی غور کرسکتا ہے کہ جہاں برہمن ازم رسومات پر مرکوز مذہب تھا۔ وہیں یہ نیا عقیدہ عمل یا اطوار پر مرکوز تھا۔

جین ازم انتہائی امتیازی خصوصیت انیکانت واد یا ستیہ واد کا تصور تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سچائی پر انیک یا مختلف زاویوں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ جین ازم کی ایک اور اہم خاصیت ریاضت، (نفس کشی)، زہد (تقویٰ) اور سخت عدم تشدد کی انتہائی شکل پر زور دینا ہے۔ سخت ترین ڈسپلن ہی شاید وہ وجہ تھی جس کے باعث عوام اس کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوئے۔ مہاویر نے اپنے پیغام کی اشاعت کے لیے پر کرتی زبان کا استعمال کیا، تاہم دیگر مذاہب کی طرح ہی جین ازم بھی کافی عرصے تک متحد نہیں رہ سکا اور بعد میں دو فرقوں میں تقسیم ہوگیا، جنھیں وگامبر (جو برہنہ رہتے تھے) اور شویتامبر (جو سفید لباس پہنتے تھے) کہا جاتا ہے۔

بودھ مذہب

بودھ مذہب کے بانی گوتم بدھ تھے۔ وہ لمبنی میں 566 ق م میں پیدا ہوئے تھے۔ لمبنی نیپال کی نچلی

ماڈیول-1

قدیم ہندوستان



نوٹس

پہاڑیوں میں واقع ہے۔ ایک رات وہ سچائی کی تلاش میں اپنے محل سے نکل پڑے اور آخر کار بودھ گیا میں سچا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد انھیں بودھ کہا جانے لگا (جس کا مطلب آگاہی حاصل کرنا ہوتا ہے) انھوں نے اپنا پہلا وعظ وارانسی کے قریب سارناتھ میں دیا۔ اس واقعہ کو ''دھرم چکر پرورتن'' (دھرم کے چکر کو موڑنا)۔ انھوں نے یہاں سنگھ بھی قائم کیا۔ مشرقی اتر پردیش میں گورکھپور کے نزدیک کشی نارایا خوشی نگر میں 486 ق م میں 80 سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی بودھ نے اپنے پیروکاروں سے دنیاوی لذت اور شدید پرہیزگاری اور رہبانیت کے عمل میں ملوث ہونے کی دو انتہاؤں سے بچنے کی تلقین کی ''مدھیہ مارگ'' یا معتدل راہ کے فلسفے کی عکاسی بودھ مذہب سے متعلق سبھی امور میں ہوتی ہے۔ بودھ مذہب کی خاص تعلیمات کو چار اعلیٰ سچائیوں یا آریہ ستیہ اور آٹھ اجزاء پر مشتمل راہ یا ''اشٹ انگلیکا'' کے بنیادی تصور میں کیسہ بند کیا گیا ہے۔ بودھ نے بتایا کہ پہلی اعلیٰ سچائی دکھ (مصیبت) دنیا کا اصل ہے اور یہ مصیبتوں کے سمندر کی طرح ہے۔ دوسری اعلیٰ سچائی ''دکھ سمودیہ'' ہے یعنی ہر دکھ کی ایک وجہ ہوتی ہے۔ تیسری اعلیٰ سچائی ''دکھ نرودھ'' یعنی دکھ کو ختم اور چوتھی اعلیٰ سچائی ''دکھ نرودھ گامنی پرتیپاد'' ہے۔ یعنی ایک ایسی راہ ہے، جو دکھ کو مٹانے کی طرف جاتی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس دنیا میں ہر چیز جیسے پیدائش، ضعیفی اور موت مصیبت کا سبب ہوتی ہے۔ اگر کوئی دکھوں سے چھٹکارہ چاہتا ہے تو اس کو خواہش پر قابو پانا ہوگا۔ اس خواہش کا خاتمہ آٹھ اجزاء پر مشتمل راہ کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ آٹھ اجزاء یہ ہیں صحیح عقیدہ، صحیح عزم، صحیح کلام، صحیح عمل، صحیح رہن سہن، صحیح کوشش، صحیح فکر، صحیح خود ارتکاز۔

گوتم بدھ اپنی تعلیم کی اشاعت کے لیے عوام کی زبان پالی کا استعمال کرتے تھے۔ بودھ نے نچلی ذاتوں اور عورتوں کو ''سنگھ'' میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ مختلف ادوار میں منظّم کی گئی چار بودھ کو نسلوں نے بودھ مذہب کی اشاعت میں اہم رول نبھایا۔ کنشک کے عہد کی چوتھی کونسل میں بدھ مذہب دو فرقوں میں بٹ گیا، جنھیں ہین یان اور مہایان کہا جاتا تھا۔ مہایان نے اپنی زبان سنسکرت اختیار کی اور مورتی کی شکل میں بودھ کی پوجا کی شروعات کی، جبکہ ہین یان پالی زبان استعمال کرتے رہے اور بودھ کو اپنا رہبر و رہنما تسلیم کیا۔

بودھ مذہب ساتویں صدی عیسوی تک کمزور ہو گیا، لیکن ہندوستانی تاریخ میں زندگی کے سبھی شعبوں میں بودھ مذہب کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ بودھ دانشوروں نے متعدد ادبی متون جیسے ''تری پتکا'' ملند پانھو، بدھ چرت وغیرہ کی تخلیق کی بودھ ازم استوپوں، چٹان کو تراشی گئی غاروں اور مصوری کی شکل میں فن اور فن تعمیر کے فروغ میں ایک تخلیقی تحریک بن گیا۔ انھیں سانچی، بھرہت، امراوتی، اجنتا وغیرہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بودھ ازم نے فن کے گندھرو اور متھرا مکاتب کو تحریک عطا کی۔ سبھی طبقات کے لیے اپنے دروازے کھولنے کے ذریعہ بودھ ازم نے برہمن ازم کی برتری کو چیلنج کیا اور نچلی جاتیوں کو بہتر سماجی

مقام عطا کیا۔



متن پر مبنی سوالات 5.2

1۔ ''تری رتن'' کے جینی اصول کے تین عناصر کیا ہیں؟

2۔ جین ازم کے دو فرقے کیا کہلاتے ہیں؟

3۔ گوتم بدھ نے اپنا پہلا وعظ کہاں دیا؟

4۔ بدھ ازم میں چار اعلیٰ سچائیاں اور آٹھ اجزاء پر مشتمل راہ کیا ہیں؟

5۔ دکھ کے بارے میں بدھ نے کیا کہا تھا؟

6۔ گوتم بدھ اپنی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے کون سی زبان استعمال کرتے تھے؟

7۔ مہایان اور ہین یان کسی طرح مختلف ہیں؟

8۔ ادب اور فن کے میدان میں بدھ ازم کا کیا اشتراک ہے؟

5.3 سولہ مہاجن پد

چھٹی صدی ق م نہ صرف سماجی و معاشی اور مذہبی ارتقا کا دور تھا بلکہ یہ نئی سیاسی پیش رفت کی بھی شہادت پیش کرتا ہے۔ مابعد ویدک دور میں جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا کہ لوگوں نے زراعت کی شروعات کردی تھی۔ اس سے وہ ایک مخصوص مقام پر مستقل طور پر بس گئے۔ ان مستقل بستیوں کے نتیجے میں راجہ کے زیر حکمرانی جن پدوں اور علاقائی ریاستوں کی بنیاد پڑی۔ چھٹی صدی ق م میں سیاسی سرگرمی کا خاص میدان دھیرے دھیرے مغربی اتر پردیش سے مشرقی اتر پردیش اور بہار منتقل ہوگیا۔ بہتر بارش اور دریائی

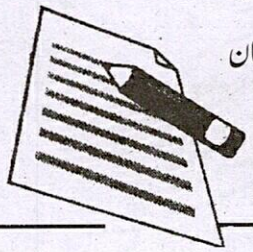

نوٹس

نظاموں کے سبب یہ خطہ نہ صرف یہ کہ زرخیز تھا بلکہ لوہے کے پیداواری مراکز سے قریب تر بھی تھا۔ عمدہ لوہے کے اوزار اور ہتھیاروں کے استعمال سے کچھ علاقائی ریاستیں بڑی ریاستوں میں تبدیل ہوگئیں اور انھیں ''مہاجن پد'' کہا جانے لگا۔ ان میں سے اکثر مشرق میں بہار سے برصغیر ہند کے شمال مغربی سرحد تک، وندھیاچل کے شمال میں واقع تھیں۔ ان سولہ مہاجن پدوں کی فہرست نیچے دی گئی ہے۔

جدول 5.1

مہاجن پد

نمبر شمار	مہاجن پد	راجدھانی	جدید وقوع
1۔	انگا	چمپا	منگیر اور بھاگلپور
2۔	مگدھ	گری ورج / راج گیر	گیا اور پٹنہ
3۔	کاشی	کاشی	بنارس
4۔	وتس	کوشامبی	الہ آباد
5۔	کوشل	سروستی	مشرقی اتر پردیش
6۔	شورسین	متھرا	متھرا
7۔	پنچالا	اہی چھتر اور کمپلیا	مغربی اتر پردیش
8۔	کورو	اندر پرستھ	میرٹھ اور جنوب مشرقی ہریانہ
9۔	متسیہ	وراٹ نگر	جے پور
10۔	چھیدی	سوتھی وتی / باندہ	بندیل کھنڈ
11۔	اونتی	اجین/ ماہی سمتی	مدھیہ پردیش اور مالوہ
12۔	گندھار	ٹکسلا	راولپنڈی
13۔	کمبوج	پونچھ	راجوری اور ہاجرا (کشمیر)
14۔	اسمکا	پرتشٹھان/ پیٹھان	گوداوری ندی کے کنارے
15۔	وجّی	ویشالی	ویشالی
16۔	ملّا	کشی نار	دیوریا اور اتر پردیش

یہ ریاستیں زیادہ تر شاہی نوعیت کی تھیں، لیکن ان میں سے بعض کو ''گن سنگھ'' کہا جاتا تھا اور یہاں حکمرانی کا سرداری نظام یعنی چند سری حکومتیں تھیں۔ اس نظام میں بادشاہت جس میں موروثی راجہ حکمرانی کرتے تھے کے برخلاف یہاں سبھی اہم قبیلے (برادریاں) اور خاندانوں کے سربراہوں پر مشتمل ایک بڑی

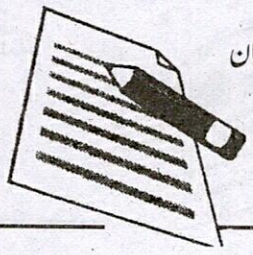

نوٹس

کونسل یا اسمبلیوں کی مدد سے ایک منتخب راجہ کے ذریعہ انتظامیہ کا کام دیکھا جاتا تھا۔ یہ نظام یقیناً بادشاہت (شاہی حکومت) کے مقابلے زیادہ جمہوری تھا۔ حالانکہ اس میں بھی انتظامیہ میں عام لوگوں کی کوئی شرکت نہیں تھی۔ ان ریاستوں میں زیادہ اہم وجّی تھی، جس کی راجدھانی ویشالی تھا۔ اس لچھویوں کی ذریعہ حکمرانی تھی۔ یہ چند سری حکومتیں خاص طور پر ہمالیائی سلسلے کی نچلی پہاڑیوں میں واقع تھیں۔ انھیں بتدریج ہار کا منہ دیکھنا پڑا اور مگدھ کی سلطنت نے ان پر فتح حاصل کرلی۔

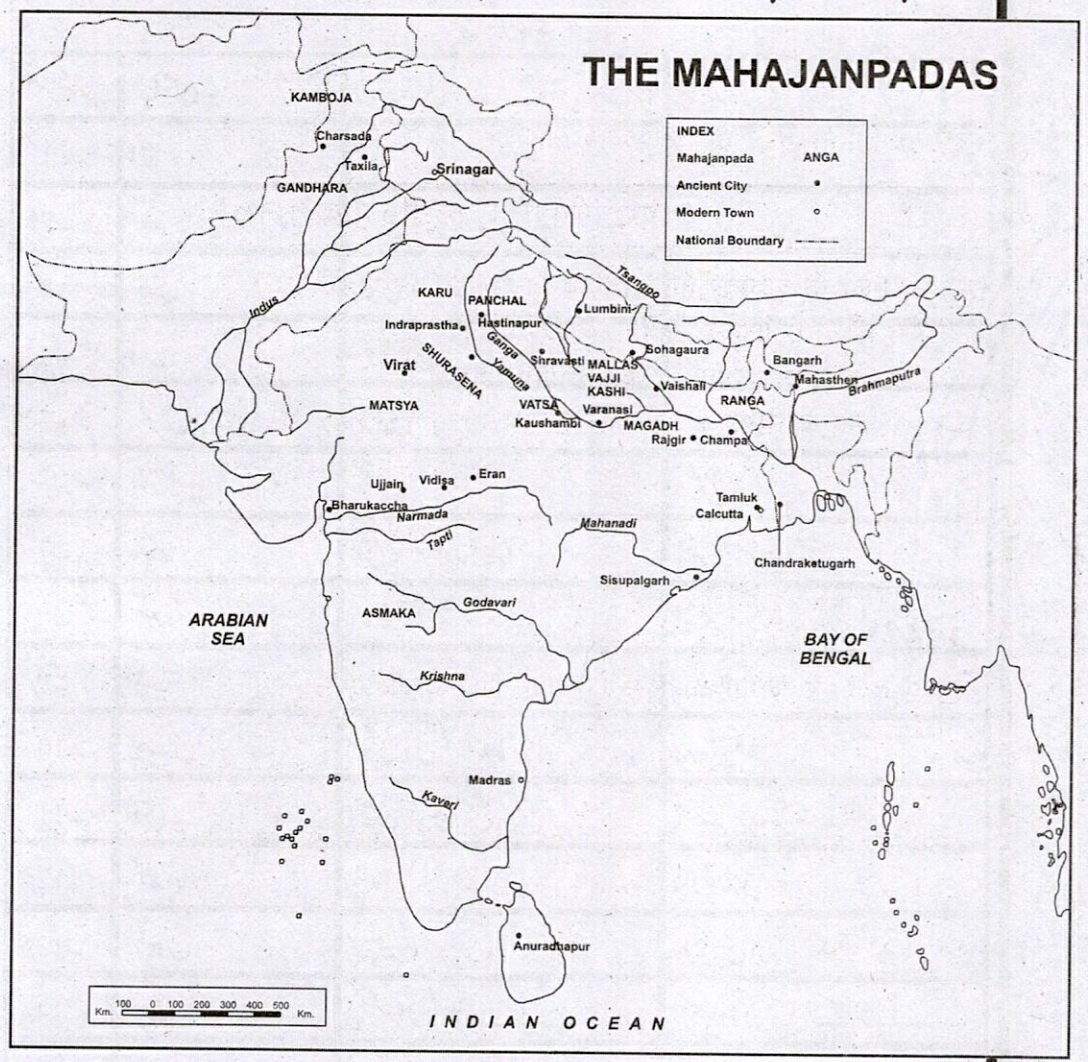

نقشہ 5.1: مہاجن پد

متن پر مبنی سوالات 5.3

1۔ چھٹی صدی ق م کے چار مہاجن پدوں کے نام بتائیے۔

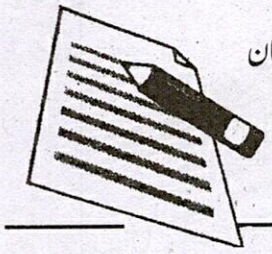

نوٹس

2۔ ''گن سنگھ'' کی حکومتیں بادشاہی حکومتوں سے کس طرح مختلف تھے؟

3۔ چھٹی صدی ق م میں نہایت اہم گن سنگھ ریاست کون سی تھی؟

5.4 مگدھ کا ظہور

ان مہاجن پدوں کے درمیان ہونے والی سیاسی لڑائیوں کا آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے مگدھ نام کی ایک ریاست زیادہ طاقتور بن کر ابھری اور ایک بڑی سلطنت کا مرکز بن گئی۔ مگدھ کا اولین ممتاز حکمران راجہ بمبسار تھا، جس نے 544 ق م تا 492 ق م 52 سال تک حکومت کی۔ اس نے اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے لیے سہ رخی پالیسی اختیار کی یعنی ازدواجی اتحاد، مضبوط حکمرانوں کے ساتھ دوستی اور کمزور پڑوسیوں پر فتح حاصل کرنے کی پالیسی۔ ازدواجی اتحاد کی پالیسی کے تحت اس نے کوشل کے درجہ پرسین جیت کی بہن سے شادی کی۔ اسے جہیز میں کاشی کا علاقہ ملا، جس سے اسے 1,00,000 سکوں کی آمدنی حاصل ہوئی۔ کاشی پر کنٹرول اور پرسین جیت کے ساتھ دوستی کے سبب اسے دیگر علاقوں پر اپنی توجہ مبذول کرنے کا موقع ملا۔ علی الترتیب لچھوی اور مدرا (وسطی پنجاب) کے سرداروں کی بیٹیاں اس کی دوسری بیویاں تھیں۔ اس نے انگا پر اس کے حکمراں برہم دت کو ہرا کر فتح حاصل کی۔ انگا اور خاص طور پر اس کی راجدھانی چمپا داخلی اور بحری تجارت کے لیے اہمیت کی حامل تھی۔ اس طرح کاشی اور انگا کی فتح مگدھ کی وسعت کے لیے افتتاحی مقام بن گئیں۔ وہ بدھ اور مہاویر دونوں کا ہم عصر تھا اور دونوں کا مساوی احترام کرتا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ یا تو مارا گیا تھا یا اپنے بیٹے اجات شترو کے ذریعہ خودکشی پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اجات شترو خود تاج حاصل کرنے کا زبردست خواہش مند تھا۔

اجات شترو ایک جارح شخص تھا اور سب سے پہلے اپنے ماموں کے ساتھ اس کا تنازع ہوا، جو بمبسار کے ساتھ کیے جانے والے اس کے برتاؤ سے دکھی تھا۔ اس نے اجات شترو سے کہا کہ وہ اس کا علاقہ کاشی واپس کر دے جو اس کی ماں کو جہیز میں دیا گیا تھا۔ اجات شترو نے انکار کر دیا اور اس کے بعد ہی پرسن جیت سخت لڑائی کے بعد مگدھ سے کاشی چھوڑنے پر متفق ہوا۔ اسی طرح اس کی لڑائی اپنے نانا چیتک سے ہوئی جو ویشالی کا سردار تھا اور 17 سال کی طویل جنگ کے بعد اجات شترو ویشالی کی طاقت ختم کرنے میں کامیاب رہا۔ اس طرح نہ وہ صرف کاشی کو قبضے میں رکھ سکا بلکہ ویشالی تک کا علاقہ مگدھ میں شامل کر لیا۔

اجات شترو کا وارث اُدّین ہوا اور اس کا ایک خاص کارنامہ پاٹلی پتر یا پٹنہ میں دریائے گنگا اور سون

کے ملنے کے مقام پر ایک قلعہ کی تعمیر کا تھا۔ دفاعی لحاظ سے اس مقام پر یہ اس کا نہایت اہم قدم تھا کیونکہ یہ مقام نہ صرف مرکزی طور پر واقع تھا بلکہ اس سے تاجر اور فوجیوں کی نقل وحرکت میں بھی سہولت پیدا ہوئی۔

اُدّین کے بعد ششوناگ خاندان کی حکومت آئی۔ ششوناگ کی انتہائی اہم حصولیابی اونتی (مالوہ) کو شکست دینا اور اسے مگدھ کا ایک حصہ بنانا تھا۔ ششوناگ کا جانشیں اس کا بیٹا کلاشوک تھا۔ اسی کی حکمرانی میں دوسری بودھ کونسل منعقد ہوئی تھی۔ ششوناگ خاندان کے بعد نند خاندان کے راجہ آئے۔ مہاپدم نند اس کا نہایت اہم حکمراں تھا۔ برہمنی متون کے مطابق اس کا تعلق ایک نچلی ذات سے تھا یا کم سے کم وہ ایک غیر چھتری ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ایک بڑی فوج رکھی اور کلنگ کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ آخری نندراجادھن آنند تھا۔ اس کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ وہ ایک خود پسند، مغرور اور ظالم راجہ تھا، جس نے عام لوگوں پر بھاری ٹیکس لگائے۔ جس کی وجہ سے وہ عوام میں کافی غیر مقبول ہوگیا تھا اور آخر کار اس عوامی ناراضگی کا فائدہ چندر گپت نے اٹھایا اور نند حکمرانی جڑ سے اکھاڑ کر موریہ سلطنت قائم کی۔

سوال یہ ہے کہ کس طرح دھیرے دھیرے مگدھ اپنا تسلط اس دور کی سبھی دیگر ریاستوں پر قائم کرسکا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں مگدھ کو متعدد اہل اور پرعزم حکمرانوں کا فائدہ ملا، لیکن اس کی طاقت بنیادی طور پر بعض جغرافیائی عوامل پر مبنی تھی۔ اس کی ابتدائی راجدھانی گری وراج یا راج گیر پانچ پہاڑیوں سے گھری ہوئی تھی، جس سے اسے قدرتی قلعہ بندی فراہم ہوئی۔ دوسرے، اس کے زرخیز دریائی میدانوں کے سبب زراعتی فاضل پیداوار کی ایک بڑی مقدار حاصل ہوئی جو ایک بڑی مستقل فوج رکھنے کے لیے ضروری تھا۔ جنوبی علاقوں میں جنگات سے اسے عمارتی لکڑیاں اور ہاتھی ملے۔ جنوبی بہار کے کافی قریب لوہے کے ذخائر ملے تھے اور ان پر اس کے کنٹرول کا ایک اور فائدہ مگدھ کو ملا۔ اس طرح آسانی سے تیار ہونے والے لوہے سے بنے مگدھی ہتھیار کافی اعلیٰ و برتر تھے اور زراعتی اوزار بھی زیادہ پیداواری استعداد کے حامل تھے۔ یہ اس کا مادی پس منظر تھا جس سے مگدھ کو دیگر مہاجن پدوں کی نسبت زیادہ طاقتور بننے میں مدد ملی۔

متن پر مبنی سوالات 5.4

1۔ اپنی مملکت کی توسیع کے لیے بمبسار نے کیا پالیسیاں اختیار کی تھیں؟

2۔ مگدھ کے عروج میں جغرافیائی عوامل نے کس طرح اہم رول نبھایا تھا؟

3۔ مگدھ کی پرانی راجدھانی کا کیا نام تھا؟

4۔ ان دو حکمرانوں کے نام بتایئے، جن سے اجات شترو نے جنگیں لڑی تھیں؟

5۔ نند خاندان کا انتہائی اہم حکمراں کون تھا؟

6۔ کس کے دور حکومت میں دوسری بدھ کونسل منعقد ہوئی تھی؟

5.4 موریہ سلطنت کا ظہور

موریائی ذرائع

321 ق م چندر گپت موریہ کے ذریعہ موریہ خاندان کی حکومت کا قیام قدیم ہندوستان کی تاریخ کے ایک فیصلہ کن موڑ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اب پہلی بار، ہمارے پاس متعدد ذرائع دستیاب ہیں، جو اُس عہد کی تاریخ پر زیادہ بہتر روشنی ڈالتے ہیں۔ اشوک کے ذریعہ جاری کیے گئے فرمان معلومات کے نہایت اہم ذرائع ہیں اور ایسے کم سے کم 44 فرامین ہیں، جو چٹانوں اور ستونوں پر کندہ کیے ہوئے دریافت ہوئے ہیں۔ یہ زیادہ تر پراکرت زبان میں تحریر ہیں اور اکثر علاقوں میں برہمی رسم الخط میں لکھے گئے ہیں۔ یہ کتبات قدیم ہندوستان میں تحریر کے پہلے گواہ بھی ہیں۔ جہاں تک آثاریاتی ذرائع کا تعلق ہے اُن میں پنچ مارکہ سکّے۔ کمھارا میں اشوک کے محل کے باقیات اور مجسموں کے متعدد ٹکڑے اہمیت کے حامل ہیں۔

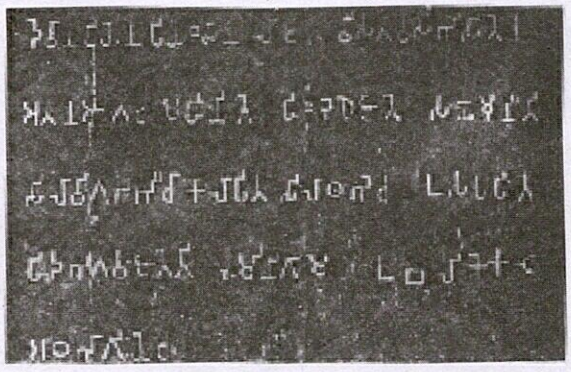

شکل 5.1: Rummandai کتبہ



کوٹلیہ کا ارتھ شاستر اور میگستھینز کی انڈیکا "Indica of Megasthenes" کافی اہم ادبی ذرائع ہیں۔ ارتھ شاستر نظام حکومت یا حکومت چلانے کے فن پر لکھا گیا ہے، جس میں راجاؤں کو صلاح دی گئی ہے کسی طرح اپنے ملک پر حکمرانی کریں اور اپنے منصبی فرائض انجام دیں۔ 'انڈیکا' چندر گپت موریہ کے دربار میں سیلوکس کے ذریعہ بھیجے گئے یونانی سفیر میگستھینز کے ذریعہ لکھی گئی روداد ہے۔ شری لنکا میں تصنیف بودھ متون جنھیں دیپ وَمس اور مہاوَمس کہا جاتا ہے اور وشاکھدت کے ذریعہ تحریر ایک ڈرامہ مدراکشش دیگر بیش بہا مآخذ کتابیں ہیں۔

موریہ خاندان

موریہ شاہی خاندان کے بانی چندر گپت موریہ (321 ق م تا 297 ق م) نے نندوں کی ایک بڑی فوج وراثت میں پائی تھی، جس کا استعمال اس نے پورے شمال، شمال مغرب اور جزیرہ نما ہندوستان کے ایک بڑے حصّے پر فتح حاصل کرنے کے لیے کیا۔ اس کا بیٹا بندوسار (297 تا 269 ق م) جانشین ہوا۔ اس نے یونانیوں کے ساتھ باہمی تجارت اور ثقافتی عمل باہم کو فروغ دیا، لیکن اس کے بارے میں بہت زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ اشوک (269 تا 232 ق م) اپنے والد بندوسار کا جانشین ہوا۔ بودھ روایتوں کے مطابق اس نے اپنے 99 بھائیوں کو مار کر شاہی تخت حاصل کیا تھا، لیکن ایسی کہانیوں پر دیگر ذرائع کی توثیق کے بغیر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تقریباً 261 قبل مسیح اشوک نے کلنگ کے ساتھ ایک بڑی جنگ لڑی جس میں بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے یا قید کر لیے گئے۔ شاید اتنی زبردست خونریزی کے بعد اس کے دل نے ملامت کی اور فوجی توسیعی کی پالیسی ترک کرنے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ وہ مستقبل میں بھیری گھوش (جنگ کے نقارے) کے بجائے دھم گھوم (دھرم کا نقارا) بجائے گا۔ اس نے اپنی باقی زندگی دھم 'دھرم' کی پالیسی کو فروغ دینے اور انھیں پھیلانے میں گزاری۔ تاہم اس کے جانشین سلطنت کو متحد نہیں رکھ سکے اور آخری رجہ برہ درتھ کے بعد سلطنت پوری طرح ختم ہوگئی۔ برہ درتھ کو اس کے فوجی سربراہ پشیہ مترسنگا نے تقریباً 187 ق م میں قتل کر دیا تھا۔

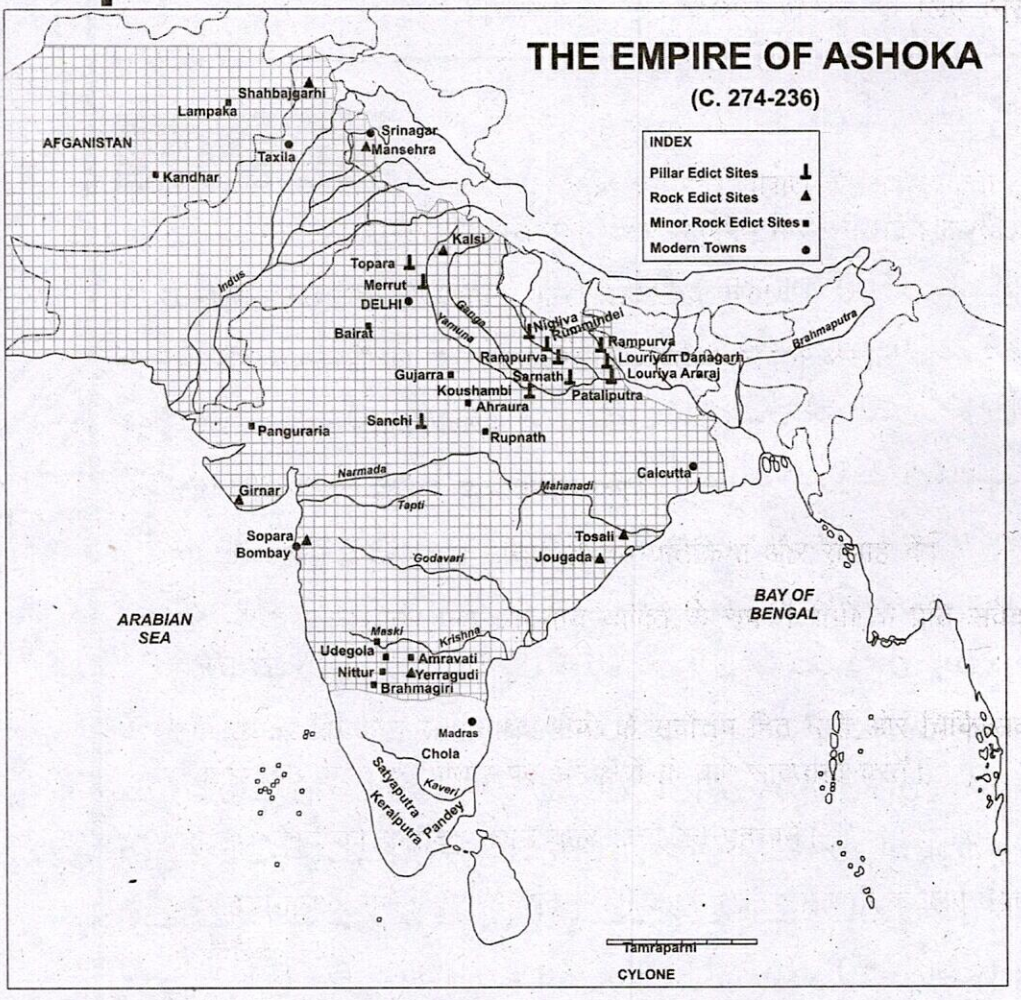

نقشہ 5.2:اشوک کی سلطنت

متن پر مبنی سوالات 5.5

1۔ موریوں کی تاریخ لکھنے کے اہم ذرائع کیا ہیں؟

2۔ اشوک کے زیادہ تر فرامین کس زبان اور رسم الخط میں لکھے گئے ہیں؟



3۔ ''انڈیکا'' کا مصنف کون ہے؟

4۔ آخری موریہ راجہ کون تھا؟

5.5 اشوک اور اس کا دھم

اشوک کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک عظیم ترین سمراٹ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی تعریف اس کی فوجی سرگرمی کے لیے اتنی زیادہ نہیں کی جاتی جتنی کہ اس کی دھم (Dhamma) کی پالیسی کے لیے کی جاتی ہے۔ کچھ دانشوروں کے مطابق اشوک بودھ مذہب کا پیروکار تھا اور دھم کے ذریعہ اس نے بودھ مذہب کے اصولوں کی اشاعت کی تھی، لیکن یہ سچ نہیں لگتا کیونکہ بودھ مذہب کی اشاعت میں دھم کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ یہ ایک ضابطۂ اخلاق یا ایک مثالی سماجی برتاؤ کا ضابطہ ہے، جو دنیا کے تمام مذاہب کے لیے مشترک ہے اور جن کی پابندی کے لیے اس نے اپنی رعایا سے اپیل کی تھی۔ اگر چہ اشوک خود بودھ مذہب میں یقین رکھتا تھا، لیکن اس نے کبھی دوسرے عقائد یا مذاہب کے خلاف کوئی امتیاز نہیں کیا۔

اشوک کے فرامین پر اگر ہم ایک گہری نگاہ ڈالیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ دھم کی بنیادی خوبیوں میں رحم دِلی (دیا)، خیرات (دان)، سچائی، تقدس اور نرمی شامل ہے۔ ستونی فرمان III میں رعایا سے کہا گیا ہے وہ تشدد، بے رحمی، غصہ اور حسد پر قابو رکھیں۔ چٹانی فرمان I میں جانوروں کی قربانی پر پابندی اور سماجی اجتماع کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ چٹانی فرمان II میں اسپتالوں، سڑکوں، سرائے، کنوؤں اور سایہ دار پیڑوں کے لگانے کے اقدامات کیے جانے کا اعلان کیا گیا ہے۔ تیسرے، چوتھے اور بارھویں چٹانی فرامین میں لوگوں سے کہا گیا ہے کہ وہ والدین، رشتہ داروں، برہمنوں اور شرامانوں (بھکشو، راہب) کا احترام کریں۔ اس نے خاص طرح کے عہدیداروں کی تقرری کی، جنھیں دھم مہاماتر کہا جاتا تھا۔ ان کا خاص کام دھم کے اصولوں کے پرامن عمل کی نگراں کاری کرنا تھا۔ بارھویں چٹانی فرمان کو خاص طور پر اہم اس لیے سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس میں کہا گیا ہے۔ ''راجہ پیادسی'' دیوتاؤں کا محبوب، سبھی فرقوں کے لیے خواہ وہ درویش یا اہل خانہ ہوں احترام کرتا ہے اور وہ مختلف قسم کے عطیات اور اعزاز کے ساتھ ان کی تعظیم کرتا ہے۔ دوسرے مذہب کا بھی ہمیشہ احترام کیا جانا چاہیے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نہ تو دھم بودھ مذہب تھا اور نہ ہی اشوک بودھ مذہب میں لوگوں کو لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تاہم سوال یہ ہے کہ اس نے اس پالیسی پر اتنی توجہ کیوں مبذول کی۔؟

ماڈیول-1

قدیم ہندوستان

نوٹس

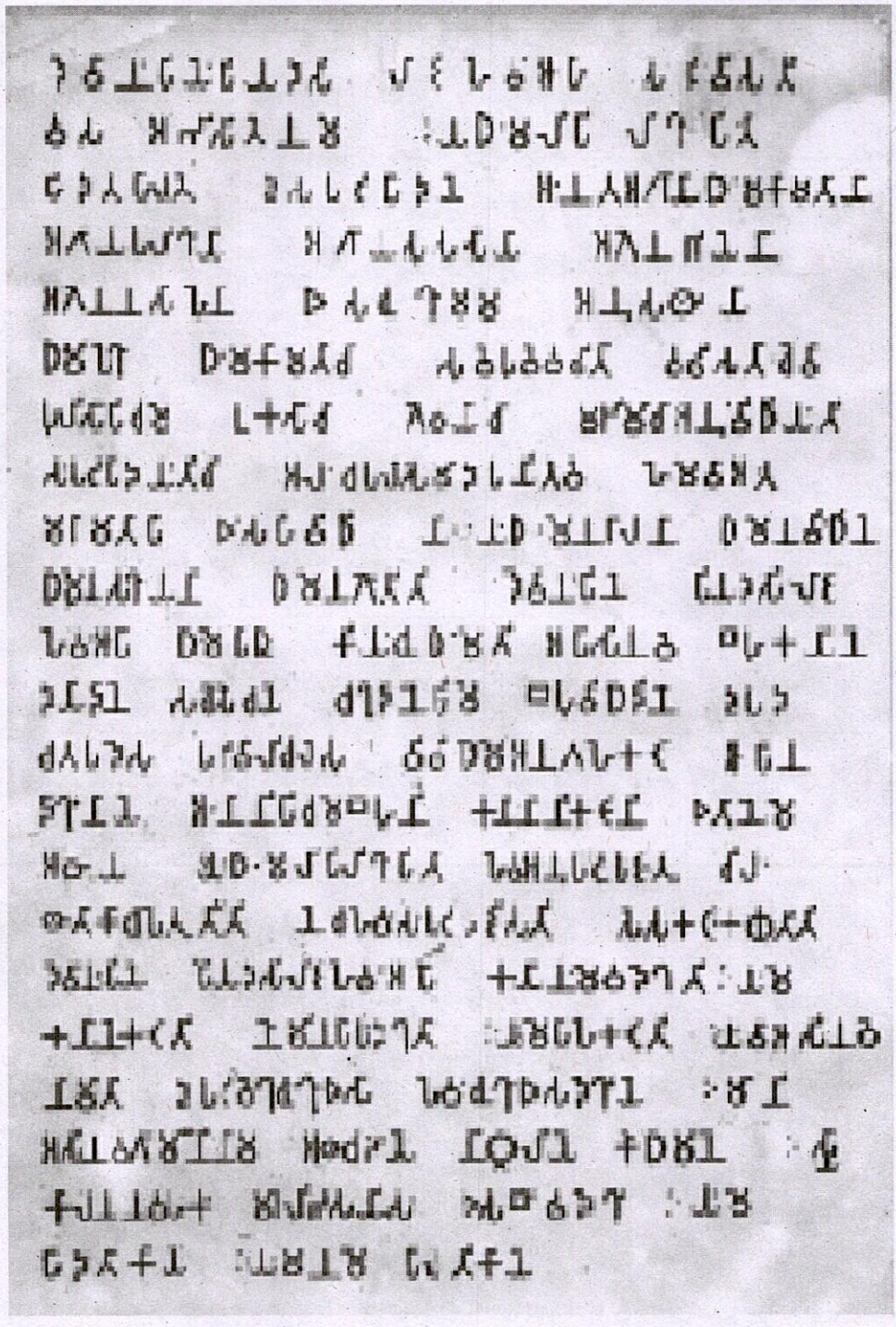

شکل 5.2: اشوک کا ستونی فرمان

مؤرخین مانتے ہیں کہ اشوک کے دور حکومت کے آخری نصف میں سلطنت کی توسیع تقریباً پوری ہوچکی تھی۔ یہ وہ سلطنت تھی جس میں کئی طرح کے ثقافتی، سماجی اور مذہبی گروپ تھے سلطنت کے پاس ان اختلافات کے ابھرنے سے پیدا ہونے والے سیاسی تناؤ سے بچنے کے لیے دو راستے تھے۔ یا تو وہ مسلح

افواج کی تعداد بڑھاتا تا کہ ان کشاکش کا کوئی فوجی حل تلاش کیا جاسکے۔ اس کے لیے ٹیکس بڑھائے جانے کی ضرورت پڑتی اور نتیجتاً اور بھی مزاحمت پیدا ہوتی۔ دوسرا طریقہ مختلف گروپوں کو باہم جوڑنے اور ان میں اتحاد پیدا کرنے کے ذریعہ مختلف تنازعات کا حل پرامن طریقے سے نکالنا تھا، اشوک نے یہ دوسرا طریقہ اختیار کیا تا کہ اس کی مملکت میں ہم آہنگی اور امن کو فروغ دیا جاسکے۔ اس طرح اشوک کو ہندوستانی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے کیونکہ وہ پہلا راجہ تھا جس نے جنگ اور جارحیت کے بجائے امن کی پالیسیوں کی شروعات کی۔

متن پر مبنی سوالات 5.6

1۔ دھم کے بارے میں اشوک کے کتبات میں ہمیں کیا بتاتے ہیں؟

2۔ دیگر مذاہب کے تئیں اشوک کا کیا رویہ تھا؟

3۔ دھم مہاماتروں کے کیا فرائض منصبی تھے؟

5.7 موریوں کا زوال

موریہ ایک بہت بڑی فوج رکھتے تھے۔ ایک بہت بڑی بیوروکریسی (دفتر شاہی) تھی اور برصغیر ہندوستان کے ایک بڑے حصّے پر حکومت کرتے تھے، لیکن جلد ہی اشوک کی موت کے بعد سلطنت دو حصّوں میں تقسیم ہوگئی، جہاں راجہ دشرتھ کا سلطنت کے مشرقی حصّے پر تسلط تھا وہیں مغربی حصہ سمپرتی کی زیر نگرانی تھا۔ سوال یہ ہے کہ اتنی بڑی سلطنت کا زوال اتنی جلدی کیوں ہوگیا؟

کچھ مؤرخین مانتے ہیں کہ بودھ مذہب کے زیر اثر اشوک امن پسند ہوگیا تھا اور اس بنا پر اس کی فوج کمزور ہوگئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اشوک کی مذہبی پالیسی نے برہمنوں کو دشمن بنا لیا تھا، کیونکہ اس نے جانوروں کی قربانی پر پابندی لگا دی تھی، جس سے برہمنوں کی معاشی اور مذہبی سرگرمیوں پر اثر پڑا تھا۔ لہٰذا فوج کے برہمن سربراہ نے آخری موریہ راجہ کو مار دیا تھا، لیکن اشوک کے کتبات کے مطابق سے یہ بات درست نہیں دکھائی دیتی۔ کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ اشوک برہمنوں کا پورا احترام کرتا تھا۔ مزید برآں یہ صحیح ہے کہ اشوک نے امن وہم آہنگی کی پالیسی اپنائی لیکن اس نے اپنی فوج کو سبکدوش نہیں کیا تھا اور وہ

نوٹس

کسی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے ہمہ وقت لیے تیار رہتی تھی۔

زوال کی ایک خاص وجہ کمزور حکمرانوں کی جانشینی ہوسکتی ہے، جو ان وسیع خطّوں میں تعینات وزرا اور عہدیداروں کو اپنی نگرانی میں نہیں رکھ سکے۔ وہ عہدیدار جارحانہ انداز اختیار کر چکے تھے اور مرکز کے مفاد کے خلاف کام کر رہے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ موریوں کی حکومت بعض قسم کے معاشی بحران کا شکار ہوگئی ہو۔ اس عہد کے بعض سکّوں میں کھوٹ ملنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بحران بہت زیادہ خیرات وسخاوت یا شاہی انتظامی نظام پر بہت زیادہ خرچ کے سبب بڑھ گیا ہوگا۔ درحقیقت، زوال کی وجہ وسیع مرکزی سلطنت کی اپنی ساخت میں ہی پنہاں ہے۔ اشوک کے جانشین مرکز اور سلطنت کے مختلف صوبائی گورنروں کے درمیان توازن برقرار نہیں رکھ سکے اور جلد ہی موقع ملتے ہی انھوں نے مرکز سے خود کو الگ کرنے کی کوشش کی، تاہم، موریائی سلطنت اگرچہ زوال کا شکار ہوگئی تھی، لیکن برصغیر ہند کے مختلف حصوں میں زراعت اور لوہا ٹکنالوجی کے بڑھنے کا ایک مثبت اثر پڑا تھا۔ اس سے مابعد موریائی دور میں متعدد علاقائی مملکتوں کے ابھرنے کی راہ ہموار ہوئی۔

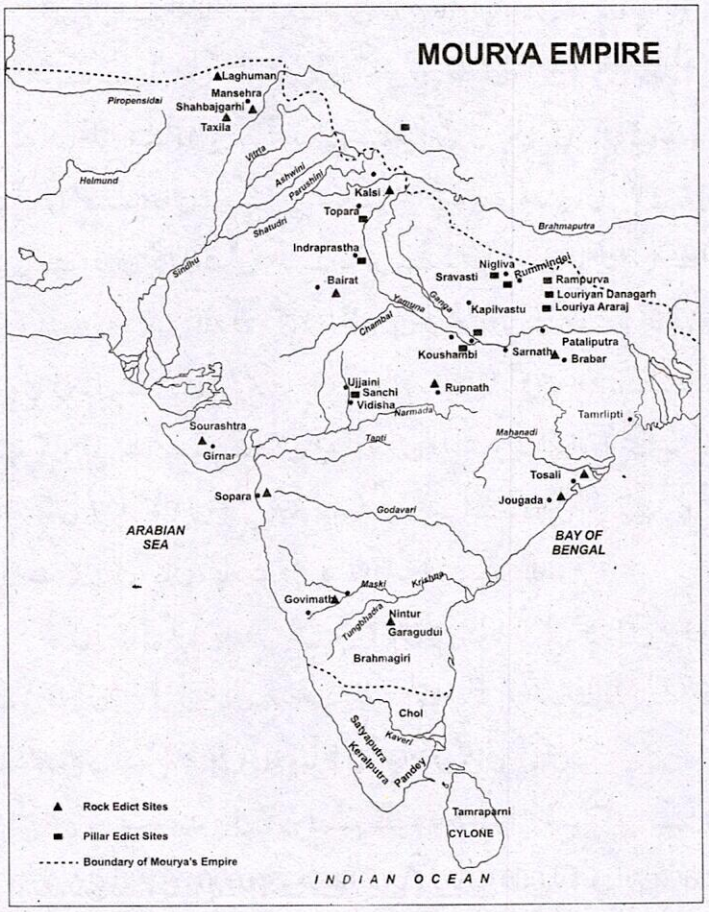

نقشہ 5.3: موریہ سلطنت





متن پر مبنی سوالات 5.7

1۔ موریوں کی سلطنت کے زوال کے اہم اسباب پر روشنی ڈالیے۔

2۔ اشوک کی موت کے بعد کون سلطنت کے دو حصوں کے حکمراں ہوئے۔

3۔ ہندوستان کی آئندہ تاریخ پر موریوں کی حکومت کا کیا اثر پڑا؟

5.8 موریہ خاندان کے زیر حکومت ہندوستان

انتظامیہ

موریوں نے انتظامیہ کا ایک جامع نظام قائم کیا، جس میں راجا اہم رول نبھاتے تھے۔ اس کی معاونت کے لیے وزرا کی کونسل ہوتی تھی، لیکن راجہ محاصل، امن و امان، جنگ یا انتظامیہ اور دیگر امور کے بارے میں تمام فیصلے خود لیا کرتا تھا۔ اس سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ ہمیشہ اپنے عہدیداروں کی مستعدی سے نگرانی کرے اور ان کو اپنے قریب رکھے۔ اشوک کے ایک چٹانی فرمان میں اس نے اعلان کیا کہ عام لوگوں سے وہ کسی بھی وقت مل سکتا ہے۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ اس کے تمام رعایا اس کے بچوں کی طرح ہے اور وہ یہاں اور دوسری دنیا میں ان کی خوشیوں کی تمنا کرتا تھا۔ راجہ نے ایک وزرا کونسل کی تقرری کی۔ اسے منتری پریشد کہا جاتا تھا۔ دیگر عہدیدار بھی ہوا کرتے تھے، جو اس کے فرائض کو انجام دینے میں معاونت کرتے تھے۔ ان عہدیداروں کو اماتیہ، مہاماتر اور ادھیکشیہ کے طور پر جانا جاتا تھا۔ ارتھ شاستر میں 27 ادھیکشوں (سپرنٹنڈنٹ) کی ایک فہرست دی گئی ہے، جو مختلف معاشی شعبوں جیسے زراعت، کان کنی، بنائی، تجارت وغیرہ کے ذمہ دار ہوتے تھے۔

سبھی انتظامی عہدیداروں میں سماہرتا کافی اہمیت کا حاصل تھا۔ اس کی ذمہ داری ہر طرح کے ذرائع سے ٹیکسوں کی وصولی کی نگرانی کرنا تھا۔ متذکرہ زیادہ تر سپرنٹنڈنٹ اس کے احکامات کی بنیاد پر کام کرتے تھے۔ موریوں نے جاسوسوں کی ایک بڑی تعداد بھی بھرتی کی تھی۔

موریہ ایک بہت بڑی فوج رکھتے تھے اور یونانی مصنف جسٹن کے مطابق چندر گپت کے پاس 6,00,000 پیدل فوج، 30,000 گھڑ سواروں کا رسالہ، 9,000 ہاتھی اور 8,000 رتھ تھے۔ اگر چہ یہ تعداد مبالغہ آمیزی پر مبنی لگتی ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان کے پاس ایک بہت بڑی فوج



نوٹس

تھی۔ میگستھنیز کا کہنا ہے کہ فوج کی انتظامیہ کی مختلف شاخوں کا ہر ایک شاخ کے لیے پانچ ممبروں پر مشتمل چھ کمیٹیوں کے ذریعہ انجام دی جاتی تھی۔ ایک افسر جیسے انتاہ پال کہا جاتا تھا، سرحدی قلعوں کی حفاظت کے لیے ذمہ دار ہوا کرتا تھا۔

جہاں تک عدالتی انتظامیہ کا تعلق ہے راجہ اعلیٰ ترین اتھارٹی ہوا کرتا تھا، لیکن گاؤں سے صوبے تک کی مقامی سطح پر مختلف سول (دیوانی) اور فوجداری عدالتیں ہوا کرتی تھیں۔ ایسا لگتا ہے کہ زیادی تر معاملات گاؤں کے بزرگوں کے ذریعہ دیہی سطح پر نمٹائے جاتے تھے۔

مگدھ اور اس کی راجدھانی پاٹلی پتر کے علاوہ موریہ سلطنت چار دیگر صوبوں میں تقسیم تھی، جن کی راجدھانیاں ٹکسلا (شمال مغربی ہندوستان) سورن نگری (جنوبی ہندوستان)، توسالی (مشرقی ہندوستان) اور اجین (مغربی ہندوستان) تھی، انھیں راجکماروں کے زیر کنٹرول رکھا جاتا تھا۔ جنھیں ''کمار'' کہا جاتا تھا۔

میگستھنیز کے مطابق شہر پاٹلی پتر کی انتظامیہ ہر کمیٹی کے لیے پانچ پانچ ممبروں کے ساتھ چھ کمیٹیوں کے ذریعہ چلائی جاتی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ جہاں مگدھ کا مرکزی صوبہ راجہ کی سخت نگرانی میں تھا وہیں دیگر دور دراز کے علاقوں میں مختلف درجے کے انتظامی کنٹرول کی شہادت ملتی ہے۔

معیشت، سماج اور فن

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ موریوں کے پاس ایک بڑی مستقل فوج تھی اور اس میں ریاستی عہدیداروں کی ایک بڑی تعداد بھی بھرتی کی گئی تھی۔ ان کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ ان فوجیوں اور عہدیداروں کو نقد ادائیگی کی جاتی تھی۔ عام ٹیکسوں کو ریاست کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں سمجھا جاتا تھا اور اس لیے ریاست نے زیادہ سے زیادہ وسائل پیدا کرنے کے لیے متعدد معاشی سرگرمیوں کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں منضبط کیا۔

اس عہد میں معیشت کا بنیادی وسیلہ زراعت پر تھا۔ موریہ ریاست نے بیکار پڑی زمینوں کو زیر کاشت لانے کے لیے زراعتی بستیاں قائم کیں، زیادہ آبادی والے علاقوں سے لوگوں، جنگی قیدیوں وغیرہ کو ان بستیوں میں لاکر بسایا گیا تاکہ وہ کھیتوں میں کام کرسکیں۔ یہ گاؤں راجہ کی زیر نگرانی تھے اور حکومتی عہدیداروں کے ذریعہ ان کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ انھیں سیت ادھیکش یا زراعت کا سپرنٹنڈنٹ کہا جاتا تھا۔ ریاستی کھیتوں کے علاوہ وہ انفرادی زمیندار بھی ہوا کرتے تھے، جو ریاست کو کئی طرح کے ٹیکس ادا کرتے تھے۔ آبپاشی کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کیا گیا اور کسانوں کو آبپاشی والی زمین پر زیادہ ٹیکس ادا کرنا ہوتا تھا۔ بالی یا زمینی ٹیکس (لگان) آمدنی کا خاص ذریعہ تھا جو پیداوار 1/6 کی شرح پر عائد کیا جاتا

تھا۔ کاشتکاروں کو پنڈ کارا، ہیرانیا، بھاگ، بھوگ وغیرہ جیسے بہت سے دوسرے ٹیکس بھی ادا کرنے ہوتے تھے۔ ان کی اصل نوعیت واضح نہیں ہے۔ چاول، جو، باجرہ، گیہوں، گنا اور زیادہ تر دالیں، تلہن وغیرہ جنھیں آج ہم جانتے ہیں کی متنوع قسم کی اہم فصلیں تھیں۔

تجارت اور شہری معیشت سے موریوں کو زبردست تحریکی قوت ملی اور سلطنت کے تقریباً سبھی حصوں پر اس کا اثر تھا۔ کپڑا صنعت کے اہم مراکز وارانسی، متھرا، بنگال، گندھار اور اجین تھے۔ کان کنی اور دھات سازی دیگر اہم معاشی سرگرمیاں تھیں۔ تجارت زمینی اور دریائی راستوں سے انجام پاتی تھی۔ پاٹلی پتر مختلف تجارتی راہوں کے ساتھ برصغیر ہند کے تمام حصوں کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ شمال مغرب میں تجارت کا خاص مرکز ٹکسلا تھا، جو مزید مرکزی ایشیائی بازاروں سے جڑا ہوا تھا۔ مشرق میں تامرا پیستی (مغربی بنگال میں تام لک) اور مغرب میں بڑوچ اہم بندرگاہ تھے۔

دستکاری سرگرمیاں بھی ریاست کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھیں۔ شہروں میں رہنے والے دستکار نقد یا اجناس کی شکل میں یا راجہ کے لیے بغیر اجرت کا کام کرکے ٹیکس کی ادائیگی کیا کرتے تھے۔ تاجر اور دستکار شرینی یا گلڈ کہی جانے والی ایسوسی ایشنوں (انجمن) میں منظّم تھے۔ موریہ برصغیر ہند کے مختلف حصوں میں بڑے پیمانے پر لوہے کو متعارف کرانے کے ذمہ دار تھے۔ لوہے کی پیداوار پر ان ہی کی اجارہ داری تھی۔ فوج، صنعت اور زراعت کے میدان میں لوہے کی زبردست مانگ تھی۔ اس کی فراہمی لوہا ادھیکش کہے جانے والے عہدیدار کے ذمہ تھی۔

جہاں تک سماج کا تعلق ہے بودھ مذہب اور جین مذہب کے ذریعہ پیش چیلنج کے باوجود ورن نظام کا وجود قائم تھا اور سماجی مراتب میں برہمن اور چھتری ہی غالب تھے۔ تاہم بڑے پیمانے کی تجارت اور کامرس کے نتیجے میں ویشوں یا تاجر پیشہ کمیونٹیوں اور شودر کی سماجی حیثیت میں بہتری پیدا ہوئی تھی، اب شودر زرعی اور دستکاری سے متعلق سرگرمیوں میں شریک ہو سکتے تھے۔ اس دور میں اچھوتوں کی تعداد میں اضافے کی بھی شہادت ملتی ہے۔

موریائی دور قدیم ہندوستانی فن اور فن تعمیر کی اولین مثالیں پیش کرتا ہے۔ میگستھینز پاٹلی پتر میں موریوں کے محل کی شان وشوکت بیان کرتا ہے۔ اس محل کے کچھ باقیات پٹنہ کے قریب کمرہار میں پائے گئے ہیں۔ رام پوروا، لوریا، نندن گڑھ اور سارناتھ سے ملی اشوک کی لاٹیں سنگ تراشی کی شاندار مثالیں پیش کرتی ہیں۔ سنگ تراشی کے فن کو یہیں فروغ حاصل ہوا تھا۔ ہمارا قومی نشان بنارس کے قریب سارناتھ میں اشوکائی ستون سے لیا گیا ہے۔ یہ سارے ستون دائری اور یک سنگی ہیں اور اتر پردیش کے مرزا پور کے نزدیک چنار میں پائے گئے بلوا پتھر سے بنے ہیں۔ ہمیں بعض چٹانوں کو تراشی ہوئی فن معماری کی مثالیں بھی ملتیں ہیں، جیسے گیا کے نزدیک باربرا پہاڑیوں میں لوسارشی غار۔ ان کا تعلق

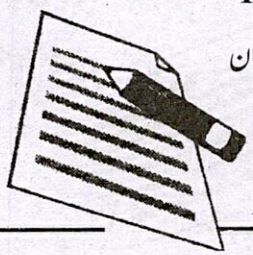

نوٹس

موریائی دور سے ہے۔ اس دور کے متعدد پتھر اور ٹیرا کوٹا کے مجسموں میں دیدار گنج یکشنی کے طور پر معروف بال دار پنکھے کے ساتھ ایک عورت کا چمکدار سنگی مجسمہ زیادہ مشہور ہے۔

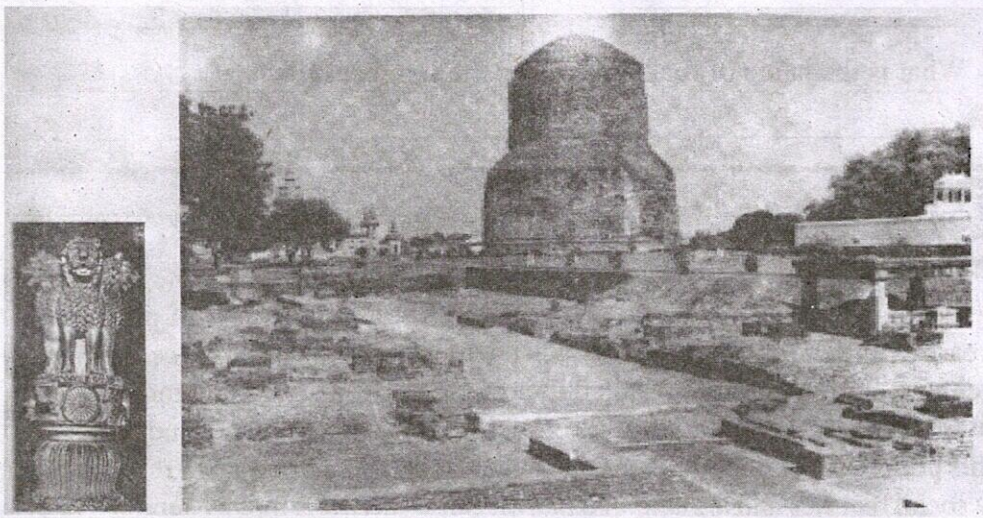

شکل 5.3 سارناتھ ستون

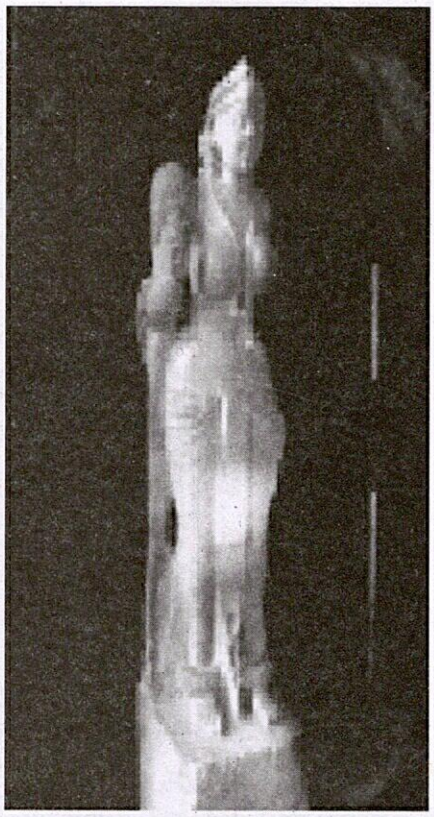

شکل 5.5: دیدار گنج یکشنی

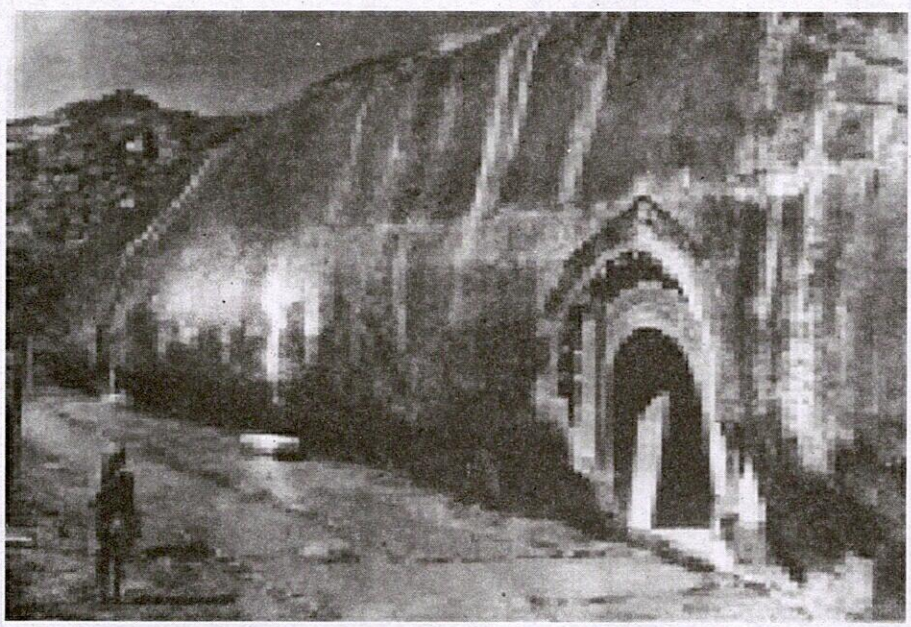

شکل 5.4: بار برا پہاڑیوں میں غار

متن پر مبنی سوالات 5.8

1۔ ٹیکسوں کے تخمینہ اور جمع کرنے کے لیے کون سا موریائی افسر ذمہ دار ہوا کرتا تھا؟

_____

2۔ راجہ کی ملکیت کی زمین پر کاشت کی دیکھ بھال کون سا عہدیدار کرتا تھا؟

_____

3۔ گیا کے قریب بارابرا پہاڑیوں پر چٹان تراشیدہ غار کا نام کیا ہے؟

_____

آپ نے کیا سیکھا

چھٹی صدی ق م میں زرخیز وسطی گنگائی میدان میں لوہے کے اوزاروں اور مویشیوں کے استعمال سے زراعتی پیداواریت اور غذائی فراہمی میں اضافہ ہوا۔ زراعت میں ہوئی اس ترقی کے سبب شہروں، تجارت اور زرمعیشت کی افزائش ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ چھٹی صدی ق م کو ''دوسری شہری ثقافت'' کے دور کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ اس عہد میں بدھ ازم اور جین ازم جیسے کچھ غیر ویدک مذاہب نے نئی سماجی حقیقتوں کے پیش نظر مویشی قربانی، زر کے ادھار دینے لینے اور شہری طرز زندگی پر پابندی لگانے پر زور دیا۔ انھوں نے تجارتی کمیونٹیوں کے لیے بہتر سماجی حیثیت کی وکالت کی اور بدلے میں انھوں نے نئے مذاہب کی کفالت کی۔ جین ازم کی خاص تعلیمات تری رتن اور پنچ مہاورت ہیں جبکہ گوتم بدھ نے لوگوں سے چار اعلیٰ سچائیوں اور آٹھ اجزاء پر مشتمل راہ کی تعمیل کرنے کی نصیحت دی۔ قدیم زمانوں کے جن پد اس عہد میں مستحکم ہوئے اور نتیجتاً سولہ مہاجن پدوں کی تشکیل ہوئی۔ کچھ جن پدوں نے حکمرانی کے غیر شاہی نظام کو اپنایا۔ آخر کار موافق جغرافیائی صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مگدھ کے اولو العزم حکمرانوں نے ایک بڑی سلطنت قائم کی۔ بعد میں موریوں نے نند خاندان کو ہرایا اور اپنی حکومت قائم کی۔ انھوں نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ انتہائی مرکزیت پر مبنی بیوروکریسی دفتر شاہی کا اہتمام کیا اور برصغیر ہند کے ایک بڑے حصّے کا انتظام سنبھالا، ایک عظیم حکمراں اشوک تھا، جس نے دھم کی پالیسی اپنائی، جس کا مقصد سلطنت کا استحکام اور پر امن طریقوں سے داخلی کشاکش کو حل کرتا تھا۔ اشوک کی موت کے بعد موریہ سلطنت کا زوال ہوا، جس کے سبب بعد کے حکمرانوں کی نا اہلی اور سلطنت کے مرکز اور اس کے باہری حدود کے علاقوں میں غیر مستحکم رشتے کا ہونا تھا۔

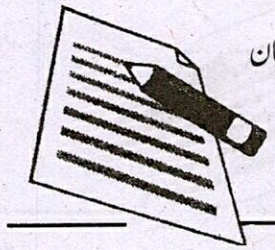

نوٹس

اختتامی سوالات

1۔ بودھ اور جین مذاہب کی کفالت ویشوں نے کیوں کی تھی؟
2۔ جین اور بودھ مذاہب کی خاص تعلیمات کیا ہیں؟
3۔ اشوک کی دھم پالیسیوں کی خاص خوبیاں کیا ہیں؟
4۔ اشوک نے دھم کی پالیسی کیوں اپنائی تھی؟
5۔ زیادہ ٹیکس وصول کرنے کے لیے موریوں نے کیا کوششیں کی تھیں؟
6۔ فن کے میدان میں موریائی حکمرانی کا اشتراک بیان کیجیے؟

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

5.1

1۔ جگھیرا، راج گھاٹ، کوشامبی، ویشالی اور سون پور
2۔ دیکھیں 5.1 پیرا 3
3۔ دیکھیں 5.1 پیرا 4
4۔ مکھالی گوشل

5.2

1۔ صحیح عقیدہ، صحیح علم اور صحیح طرز عمل یا کردار
2۔ دگامبر اور شویتامبر
3۔ سارناتھ
4۔ دیکھیں 5.2 پیرا 4
5۔ دیکھیں 5.2 پیرا 4
6۔ پالی
7۔ دیکھیں 5.2 پیرا 7
8۔ دیکھیں 5.2 پیرا 6

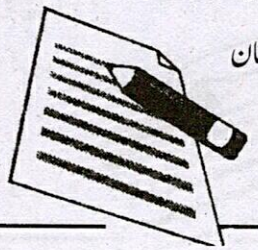

نوٹس

5.3

1۔ دیکھیں چارٹ 5.3

2۔ دیکھیں 5.3 پیرا2

3۔ ویشالی

5.4

1۔ دیکھیں 5.4 پیرا1

2۔ دیکھیں 5.4 پیرا6

3۔ گری ورج یا راج گیر

4۔ پرسن جیت اور چیتک

5۔ مہاپدم آنند

6۔ کلا اشوک

5.5

1۔ دیکھیں 5.5 پیرا1

2۔ پراکرت اور برہمی

3۔ میگستھینز

4۔ برہدرتھ

5.4

1۔ دیکھیں پیرا1

2۔ دیکھیں پیرا2

3۔ برہمنوں اور سبھی دوسرے راہب یا بھکشو

5.7

1۔ دیکھیں 5.7

2۔ دشرتھ اور سمپرتی

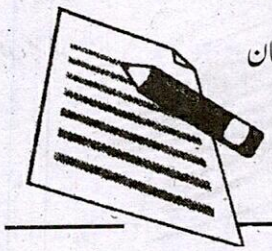

3۔ اس کے نتیجے میں لوہے کی ٹکنالوجی اور زراعت بڑھی اور اس سے ہندوستان میں متعدد علاقائی مملکتوں کے ابھرنے میں آسانی پیدا ہوئی۔

5.8

1۔ سماہرتا

2۔ ستیا ادھیکشیہ

3۔ لومسارشی غار نزد گیا

اختتامی سوالات کے اشارے

1۔ دیکھیں 5.1 پیرا5

2۔ دیکھیں 5.2 پیرا1 اور پیرا4

3۔ دیکھیں 5.6 پیرا1

4۔ چٹانی فرمان 1 دیکھیں 5.6 پیرا2

5۔ دیکھیں 5.8 پیرا2 اور 3 (معیشت، سماج اور فن کے تحت)

6۔ دیکھیں 5.8 آخری پیرا

فرہنگ اصطلاحات

جاتک (Jataka) : گوتم بدھ کے پچھلے جنھوں کے بارے میں بدھ کہانیوں کا مجموعہ

تیرتھنکر : جین ازم میں پیغامبروں کی ایک روایت

نروان : انسانی خواہش کا ختم ہوجانا

دگامبر : جین مذہب کا ایک فرقہ جس کے ممبران سفید کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں۔

شویتا : برہنہ، جین مذہب کا ایک فرقہ جو برہنہ رہتا ہے۔

مہایان : بودھ مذہب کا ایک فرقہ جو بودھ کی مورتی پوجا میں یقین رکھتا ہے۔

ہین یان : بودھ مذہب کا ایک فرقہ جو بودھ کی اصل تعلیمات سے وابستگی کی وکالت کرتا ہے۔

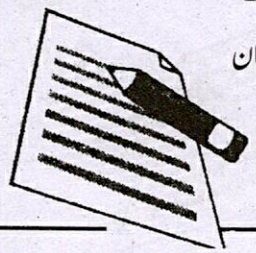

نوٹس

سماج : عام لوگوں کا مذہبی اور جشن منانے کے لیے جمع ہونا

دھم مہاماتیہ : سماج میں اشوک کے دھم کے اصولوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے اس کے ذریعہ مقرر کیا گیا عہدیدار۔

چوری(Chauri) : راجہ یا کسی مذہبی شخص کے اردگرد ایک بال دار پنکھا جھلنا۔

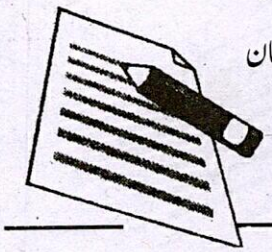

نوٹس

6

موریہ عہد کے بعد کا زمانہ

(Post Mauryan Developments)

پچھلے باب میں آپ نے موریہ سلطنت کے بارے میں پڑھا جو برصغیر ہند کے ایک بڑے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور جدید افغانستان کا قندھار علاقہ بھی اُس میں شامل تھا۔ تقریباً 187 ق م میں موریہ سلطنت ختم ہوگئی۔ اس سیکشن میں ہم موریوں کے خاتمے سے گپتا عہد کے ظہور تک یعنی 200 ق م تا 300 عیسوی برصغیر ہند میں ہوئی سیاسی اور ثقافتی حالات کا مطالعہ کریں گے۔ ان پانچ سو سالوں میں ہم برصغیر ہند کے مختلف علاقوں میں متعدد سیاسی طاقتوں کو نہ صرف ابھرتے دیکھتے ہیں بلکہ آرٹ، فن تعمیر اور مذہب میں نئی خصوصیات کی ابتدا بھی دیکھتے ہیں۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- ان مختلف سیاسی خطوں کے بارے میں جان سکیں گے، جو موریہ سلطنت کے زوال کے بعد سامنے آئے تھے۔
- ان غیر ملکیوں کے گروہوں کے بارے میں جان سکیں گے، جو مرکزی ایشیا سے آئے تھے اور یہیں بس گئے تھے۔
- روم اور ہندوستان کے درمیان تجارت کے بڑھنے اور اس کے اثرات کے بارے میں جان سکیں گے؛
- 200 ق م تا 300 عیسوی کے دوران وجود میں آئے مختلف مکاتب فن اور مجسمہ سازی کی اہم خصوصیات کے بارے میں جان سکیں گے؛ اور
- جنوبی ہندوستان کی ابتدائی تاریخ اور سنگم ادب کی اہمیت کے بارے میں واقف ہوسکیں گے۔

6.1 شمالی ہند کی سیاسی تاریخ

موریہ سلطنت کے بکھرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے مختلف حصّوں میں بہت سی علاقائی مملکتیں ظہور میں آئیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں مرکزی ایشیاء اور مغربی چین کے لوگوں کے مختلف گروہوں کے حملوں کے شہادت ملتی ہے۔ یہ ہند یونانی، قدیم سیتھیا (توران) یا شاکیہ، پارتھین یا پلّو اور کشان تھے۔ ہندوستان کا مرکزی ایشیائی سیاست اور ثقافت کے ساتھ اس سیاسی عمل کے ذریعہ گہرا رابطہ قائم ہوا۔

(i) شنگ (The Shungas)

آخری موریہ راجہ اپنے کمانڈران چیف (سپہ سالار) و پیشہ مترشنگا کے ذریعہ مار دیا گیا تھا اور بعد میں اس نے شمالی ہندوستان میں اپنا شاہی خانوادہ قائم کیا۔ اسے شنگ خاندان یا خانوادے کے طور پر جانا جانے لگا۔ جب شمالی ہندوستان میں شنگ حکمرانی کر رہے تھے۔ ہند، یونانی جنھیں یون (Yavanas) کے طور پر بھی جانا جاتا ہے اور جن کے بارے میں ہم بعد میں تفصیل کے ساتھ پڑھیں گے، ایک آزاد قوت کے طور پر باکٹریا (باختریا بلخ) میں ابھرے اور جلد ہی ہندوستان کے شمال مغربی اور شمالی حصوں میں اپنی حکومت کا دائرہ بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ ایسے اشارے ملے ہیں کہ پیشہ مترشنگ کی جنگ ایک باختری یونانی حکمراں ڈیمٹریس کے ساتھ ہوئی، جس میں بہت زیادہ سیاسی نقصان نہیں ہوا۔ بیس نگر (موجودہ ودیشا) میں ایک ستون پر کندہ کتبے میں پاکستان کے راول پنڈی کے نزدیک ٹکسلا کے باشندہ ہیلی اوڈورس کا حوالہ ملتا ہے، جو بھاگ بھدر کے دربار میں ایک ہند یونانی حکمراں انیتا سکی داس کا ایلچی تھا۔ اس کی شناخت بعد کے ایک شنگ حکمراں کے طور پر ہوئی ہے۔ کتبے کے مطابق وہ بھگوان شری کرشن کا بھگت تھا۔

پہلی صدی ق م کے تقریبا دوسری چوتھائی میں آخری شنگ حکمراں کو اس کے وزیر واسودیو کے ذریعہ دھوکے سے مار دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے کنو شاہی خانوادے کی بنیاد رکھی۔ ہم کنوّوں کے بارے میں تقریباً کچھ نہیں جانتے سوائے اس کے کہ بعد کے متون میں ان کے بارے میں سرسری حوالے ملتے ہیں۔

(ii) باکٹرین (باختری) یا ہند یونانی

323 ق م میں سِکندر کی موت کے بعد، بہت سے یونانی باکٹریا (موجودہ شمالی افغانستانی میں ہندوکش پہاڑیوں کے شمال مغرب کا علاقہ) کے ساتھ شمال مغربی سرحدوں پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ

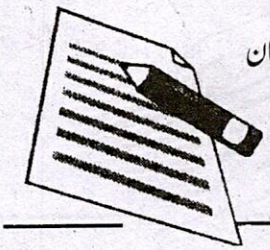

نوٹس

ایک اہم مرکز تھا۔ باکٹریا کے حکمرانوں کو باکٹریائی یونانی ان کے یونانی نسلی سلسلے کے سبب کہا جاتا تھا۔ اس سلسلے کا ایک حکمراں کا نام ڈیمیٹریس تھا، جس کا ذکر پیشہ متر کے ساتھ جنگ کے سلسلے میں اوپر ہوا ہے۔

تاہم، سب سے زیادہ مشہور و معروف حکمراں مینندر تھا۔ اس کی سلطنت میں جنوبی افغانستان اور گندھار (سندھ کا مغربی خطہ) غالباً شامل تھا۔ اس کی شناخت راجہ ملند کے طور پر ہوئی ہے، جس کا ذکر مشہور بودھ تصنیف ملند پانہو (Milindapanho) میں کیا گیا ہے۔ یہ ملند کے ذریعہ ناگ سین (بودھ مصنف) سے پوچھے گئے فلسفیانہ سوالوں پر مشتمل ہے اور ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ راجہ اس کے جوابوں سے بہت متاثر تھا۔ راجہ نے بودھ مذہب کو اپنا مذہب تسلیم کرلیا تھا۔ مینندر کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ اس نے تقریباً 130 ق م سے 155 ق م تک حکومت کی۔

(iii) شاکیہ

شاکیہ (Shakas) ہندوستانی اصطلاح ہے جو قدیم سیتھیا (توران) کے لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی تھی، جو اصلاً وسطی ایشیاء سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے پڑوسیوں سے شکست کے بعد وہ پہلی صدی ق م میں ٹکسلا کے قریب شمال مغربی ہندوستان میں دھیرے دھیرے بس گئے۔ بعد دیگرے آنے والے شاکیہ حکمرانوں کے تحت ان کے علاقوں میں متھرا اور گجرات تک توسیع ہوئی۔

شاکیہ حکمرانوں میں ایک کافی مشہور حکمراں رودرمن تھا، جس نے دوسری صدی عیسوی کے وسط میں حکمرانی کی تھی۔ اس کی سلطنت تقریباً پورے مغربی ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی حصولیابیوں کے بارے میں صرف اس کتبے سے جانا جاتا جو اس نے جونا گڑھ کے ایک پتھر پر کندہ کروایا تھا۔ شستہ سنسکرت میں مرتب قدیم ہندوستان کا یہ پہلا شاہی کتبہ تھا۔

(iv) پارتھین (The Parthians)

پارتھین ایرانی نژاد تھے اور شاکیوں کے ساتھ مضبوط ثقافتی رشتے کے سبب ان گروپوں کا حوالہ شاکیہ پہلو کے طور پر کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے شمال مغربی علاقے میں پارتھین حکومت کے بارے میں ایک اہم کتبے سے پتہ چلتا ہے۔ یہ مشہور تخت شاہی کتبہ پشاور کے نزدیک مردان سے دریافت ہوا ہے۔ 45 عیسوی کے اس کتبے میں پارتھین حکمراں کے گونڈوفیرین یا گونڈوفیرس کا حوالہ ملتا ہے۔ کچھ ادبی ذرائع اسے سینٹ تھامس سے وابستہ کرتے ہیں، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ راجہ اور اس کے بھائی دونوں کا مذہب عیسائیت میں تبدیل ہوا تھا۔



متن پر مبنی سوالات 6.1

1۔ آخری موریہ راجہ کون تھا؟

2۔ ہیلوڈورس کون تھا؟

3۔ کون سے ہند یونانی راجہ کی شناخت مشہور بدھ تصنیف ملند پانہو کے راجہ ملند کے طور پر ہوتی ہے؟

4۔ شستہ سنسکرت میں مرتب قدیم ہندوستان کا پہلا شاہی کتبہ کون سا تھا؟

5۔ شاکیہ کون سے خطے کے باشندے تھے؟

6.2 کشان

کشان اصلاً مغربی چین کے تھے۔ انھیں یوہ شش (Yueh chis) کہا جاتا تھا۔ شاکیوں اور پہیلاؤں کو ہرانے کے بعد انھوں نے پاکستان میں ایک بڑی سلطنت کی تخلیق کی، کشان خاندان کا پہلا ممتاز حکمراں کھجولا کڈفائزز (Kujula Kadpheses) تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ویما کڈفیزر جانشین ہوا۔ اگلا حکمراں کنشک تھا، جو کشانوں میں سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ اس نے شاید 78 ویں عیسوی میں شاہی اقتدار حاصل کیا اور ایک نئے کیلنڈر کی شروعات کی جسے اب سمّت کہا جانے لگا۔ یہ کنشک کا دور تھا جب کشان سلطنت کی علاقائی حدیں اپنے کمال پر پہنچ چکی تھیں۔ اس کی سلطنت وسطی ایشیا سے شمالی ہندوستان تک وسیع تھی اور اس میں وارانسی اتر پردیش کے، کوشامی اور سراوستی شامل تھے۔ کنشک کی حکمرانی اس حقیقت میں پنہاں تھی کہ اس نے وسط ایشیا کے علاقے کو شمالی ہندوستان کے ساتھ ایک واحد سلطنت میں شامل کر دیا۔ نتیجتاً مختلف ثقافتوں کا امتزاج ہوا اور بین علاقائی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا۔ کنشک بودھ مذہب کے ایک عظیم سرپرست کے طور پر مشہور ہے۔ اس نے کنڈل ون (موجودہ ہروان نزد سری نگر، جموں وکشمیر) میں چوتھی بودھ کونسل بلائی، جس میں بڑی تعداد میں بودھ دانشور شریک ہوئے۔ یہی کونسل تھی، جس میں بودھ مذہب و مکاتب ہین یان اور مہایان میں تقسیم ہوگیا۔ کنشک نے فن مجسمہ سازی کے گندھار اور متھرا مکاتب کی بھی سرپرستی کی جس کے بارے میں آپ اس باب کے آخر

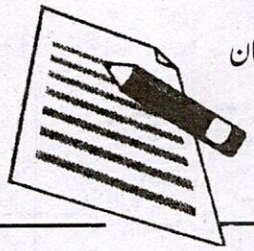

نوٹس

میں پڑھیں گے۔ اس نے اپنی راجدھانی، پروش پورہ نام کے ایک شہر (موجودہ پشاور) میں ایک بہت بڑا استوپ بنوایا جس میں گوتم بدھ کے آثار مقدس رکھے گئے۔ یہ عمارت اپنی تمام شان وشوکت کے ساتھ اس وقت بھی محفوظ تھی جب چینی سیاح فائیہان نے پانچویں صدی عیسوی میں اس علاقے کا دورہ کیا تھا۔ کشانوں کی طاقت میں ابتدائی تیسری صدی عیسوی سے دھیرے دھیرے زوال آنے لگا۔

(i) کشان نظام ریاست اور انتظامیہ

کشانوں کی انتظامی مشینری کے بارے میں بہت کچھ جانا نہیں جاتا۔ غالباً پوری سلطنت کئی صوبوں میں تقسیم تھی ہر ایک مہا کشترپ (ایک فوجی گورنر) کی زیر حکمرانی تھا۔ اس کی مدد کشترپ کیا کرتا تھا، لیکن سلطنت میں کتنے صوبے تھے، یہ نہیں معلوم۔ ذرائع بتاتے ہیں کہ کشان کے گھڑسوار سواری کے وقت پتلون (Trousers) پہنا کرتے تھے۔ متھرا میں پائی گئی کنشک کی بغیر سر کی مورتی اس بات کی عکاسی کرتی ہے۔ کشان نظام ریاست کی ایک نمایاں خصوصیت اس کا خطاب، دیوپتر، (یعنی دیوتا کا بیٹا) تھا، جس کا استعمال کشان راجاؤں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ اس سے کشان راجاؤں کے ذریعہ دیوتائی ہونے کے دعوے کا اشارہ ملتا ہے۔

(ii) کشانوں کا اشتراک

قدیم ہندوستانی تاریخ میں کشانوں کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کی وجہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کے ذریعہ کیے جانے والے کام ہیں ان کی وسیع سلطنت داخلی اور بیرونی تجارت کو بڑھانے میں معاون رہی۔ اس کے نتیجے میں نئے نئے شہری مراکز ابھرے، کشانوں کی معیشت کی بہتر حالت پائے گئے سونے اور تانبے کی سکّوں کی بڑی تعداد سے بھی ظاہر ہوتی ہیں۔

ادب اور ادویہ میں بھی ہندوستان نے ترقی کی۔ آیورویدک کے بانی کہے جانے والے چرک نے ادویہ پر ایک کتاب لکھی جسے ''چرک سنہتا'' کہا جاتا ہے جبکہ ایک بودھ دانشور اشوگھوش نے۔ ''بودھ چرتر'' نام کی ایک کتاب لکھی جو گوتم بدھ کی پوری سوانح عمری پر مبنی تھی۔ یہ دونوں دانشور راجہ کنشک کے ہم عصر مانے جاتے تھے۔ کشانوں نے فن مجسمہ سازی کے گندھار اور متھرا مکاتب کی سرپرستی کی۔ ان مکاتب کو بودھ اور بودھی ستووں کی بالکل ابتدائی مورتیاں بنانے کے لیے جانا جاتا ہے۔



متن پر مبنی سوالات 6.2

1۔ سب سے ممتاز کشان حکمراں کون تھا؟

2۔ شک سمّت کب شروع ہوا تھا اور کہاں؟

3۔ چوتھی بدھ کونسل کہاں اور کس کی سرپرستی میں ہوئی تھی؟

4۔ چرک کون تھا؟

6.3 وسطی ایشیاء سے روابط

باکٹرین (باختری) یونانی اور شاک پہلوؤں کا ہندوستان پر حملہ اور اس کے بعد کشانوں کے تحت وسطی ایشیا کے ساتھ سیاسی رابطے کا نتیجہ ان دو خطوں کے درمیان گہرے ثقافتی امتزاج کی صورت میں بر آمد ہوا۔ یہ غیر ملکی گروہ دھیرے دھیرے اپنی غیر ملکی شناخت کھونے لگے اور چھتریوں کی نچلی حیثیت میں برہمنی سماج میں سمو گئے تھے۔ ان میں سے بہتوں نے بودھ مذہب اختیار کرلیا۔ ہم ہند باختری حکمراں مندر کا حوالہ پہلے ہی دے چکے ہیں جس نے ناگ سین نام کے بھکشو کے ہاتھوں بودھ مذہب قبول کرلیا تھا۔

وسطی ایشیاء کے روابط سے ہندوستان میں سکّوں کے بنانے کے نئے طریقے ایجاد ہوئے۔ خام پنچ مارکہ سکّے جو شروع میں استعمال کیے گئے تھے، ان کی جگہ دھیرے دھیرے نفیس یونانی طرز کے سکّوں نے لے لی، جو حکمراں سے منسوب باتوں اور اس کی شبیہ پر مشتمل تھے۔ یہ نئی وضع ہندوستان میں بعد میں ہونے والی سکّہ سازی کے لیے نمونہ بن گئی، اس کے علاوہ ہندوستانیوں نے وسطی ایشیا کے لوگوں سے خاص طور پر یونانیوں سے فلکیات کا علم حاصل کیا۔ ابتدائی ہندوستانی فلکیاتی ادبی تخلیقات میں یونانی ماہرین فلکیات کے اقتباس بار بار پیش کیے گئے ہیں۔ ان کا حوالہ اکثر یوون آچاریہ کے طور پر دیا گیا ہے۔ ہندوستانیوں نے یونانیوں سے زائچے بنانے کا فن بھی سیکھا۔ وسطی ایشیا کے روابط سے مجسمہ سازی کے فن میں ایک نئی لہر پیدا ہوئی۔ مکتب گندھار کے بودھ مجسموں کی یہاں توضیح کی گئی ہے، جن کا ارتقا ہندوستانی اور یونانی طرز کی آمیزش کے نتیجہ میں واقع ہوا۔

نوٹس

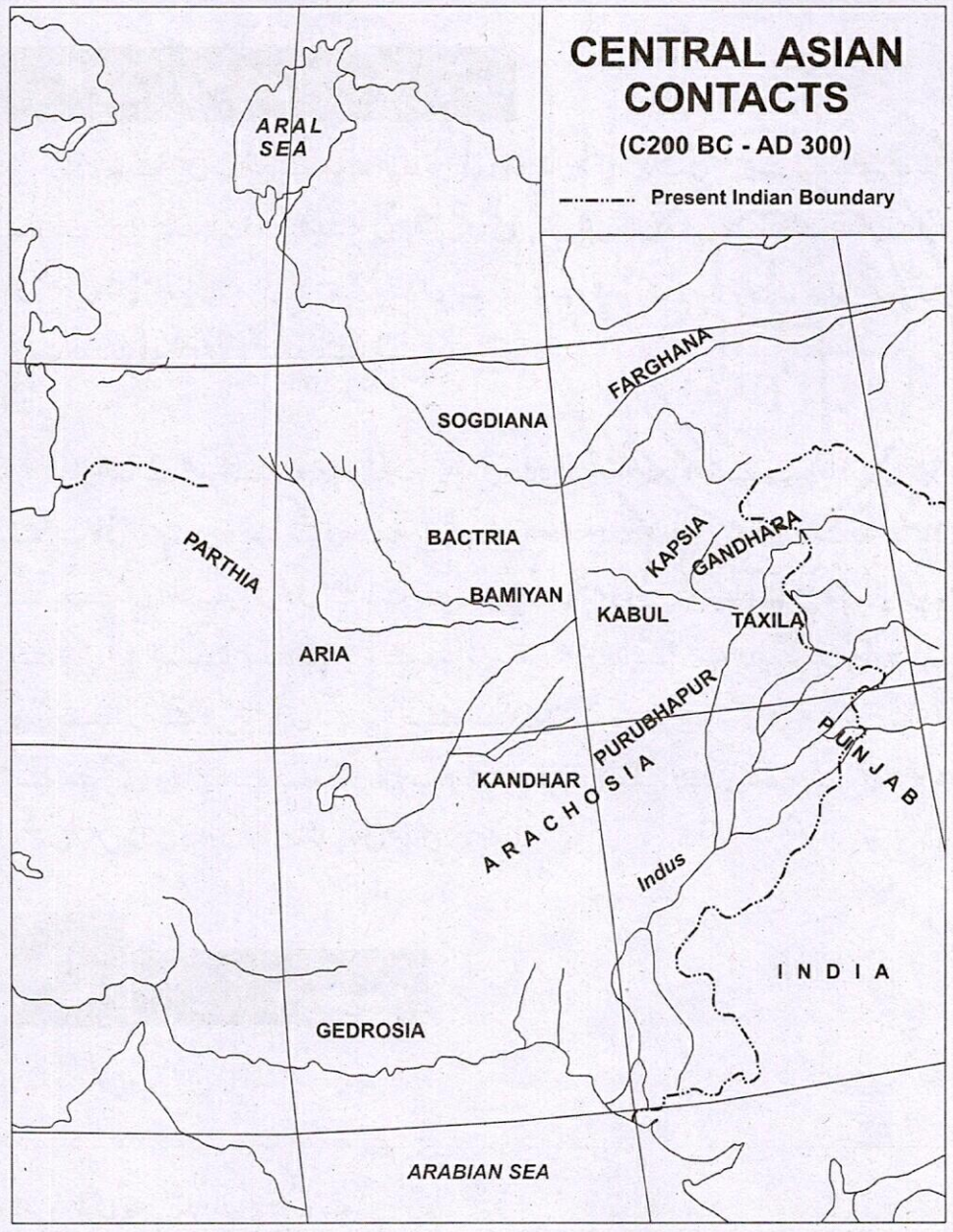

نقشہ 6.1: وسطی ایشیاء کی روابط

متن پر مبنی سوالات 6.3

1۔ سکّوں کے یونانی طرز کی اہم خصوصیات کیا تھیں؟

2۔ ابتدائی ہندوستانی ادب میں یونانی ماہرین فلکیات کا حوالہ کس اصطلاح سے دیا جاتا تھا؟

6.4 اڑیسہ اور دکن میں ابتدائی ریاستوں کا ظہور

ہم جانتے ہیں کہ دکن کے ساتھ ساتھ مشرقی ہندوستان بھی اشوک کی سلطنت کے حصے تھے۔ اس نے ایک خونریز جنگ کے ذریعہ کلنگ پر فتح حاصل کی تھی، جس میں جان و مال کا زبردست نقصان ہوا تھا۔ ان خطوں میں موریائی حکمرانی کا نتیجہ تھا کہ اس کے زوال کے بعد ہمیں ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار کلنگ اور دکن کی مملکتوں کا ظہور دیکھنے کو ملتا ہے۔

کلنگ

اشوک کے بعد کلنگ (موجودہ اڑیسہ) چھیدی (Chedi) شاہی خانوادے کے راجاؤں کی حکمرانی کے تحت کافی اہم بن چکا تھا۔ بدقسمتی سے کھراویل (Kharavel) کے علاوہ اس خاندان کے دیگر راجاؤں کے بارے میں ہمارے پاس کوئی معلومات نہیں ہے۔ اس کی حصولیابیوں کو ایک کتبے پر درج کیا گیا ہے اسے ہاتھی گھپا کتبہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ اڑیسہ میں بھونیشور کے قریب اودے گری پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اس کتبے کا یہ نام اس لیے پڑا کہ کتبے کے قریب کے پتھر پر ایک ہاتھی کی شبیہ کندہ ہے۔ اس کتبے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ جین مذہب کا پیروکار تھا اور اپنے پڑوسیوں کے خلاف اس نے کافی جنگیں لڑیں۔ اس کا دور حکومت شاید پہلی صدی ق م تھا۔

متن پر مبنی سوالات 6.4

1۔ کھراویل کون تھا؟

_____

2۔ ہاتھی گپھا کتبہ کہاں پر واقع ہے؟

_____

6.5 ست واہن

پہلی صدی ق م کے وسط میں کسی وقت، ہندوستانی سیاسی منظر میں ست واہنوں نے کافی اہمیت اختیار کر لی تھی۔ گوتھی پتر ستا کرنی (پہلی صدی عیسوی) کو ست واہن حکمرانوں میں سب سے عظیم سمجھا جاتا ہے۔ مغربی ہندوستان کے شاکیہ حکمراں نہاپان (Nahapana) کو ہرا کر ست واہن عملداری کو وسعت دینے کا سہرا اسے جاتا ہے۔ اس کی مملکت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جنوب میں کرشنا ندی

سے لے کر شمال میں گوداوری ندی تک پھیلی ہوئی تھی۔ ست واہنوں کی راجدھانی مہاراشٹر میں اورنگ آباد کے نزدیک پرتسٹھان (جدید پیٹھان) میں واقع تھی۔

تیسری صدی عیسوی کی پہلی چوتھائی میں ست واہن مملکت کا نام و نشان مٹ گیا۔ ست واہن راجاؤں کے بعد اکشوا کو خاندان کے راجاؤں کا دور شروع ہوا۔

ست واہن نظام حکومت اور انتظامیہ

ست واہن مملکت اہار یا راشٹر کے نام سے سب ڈویزنوں میں تقسیم تھی۔ انتظامیہ کی سب سے نچلی سطح گرام تھی، جو گرامیکا کی زیر نگرانی ہوا کرتا تھا۔ اور بھی عہدیدار تھے، جنھیں اماتیہ کہا جاتا تھا، جو شاید وزیر یا راجہ کے صلاح کار ہوا کرتے تھے۔ نقد اور جنس دونوں میں ہی آمدنی وصول کی جاتی تھی۔ ست واہن راجہ ہندوستان کی تاریخ کے پہلے راجہ تھے، جنھوں نے مذہبی وصف حاصل کرنے کے لیے بودھوں اور برہمنوں کو ٹیکس سے مبرّیٰ زمینی عطیات دیے۔ بعد کے زمانوں میں یہ رواج کافی اہم ہوگیا۔ ست واہن راجاؤں کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ برہمن تھے اور یہ ان کا بنیادی فرض تھا کہ وہ ورن کے نظام یعنی سماجی ساخت کی چار سطحی تقسیم کو برقرار رکھیں۔

نوٹس

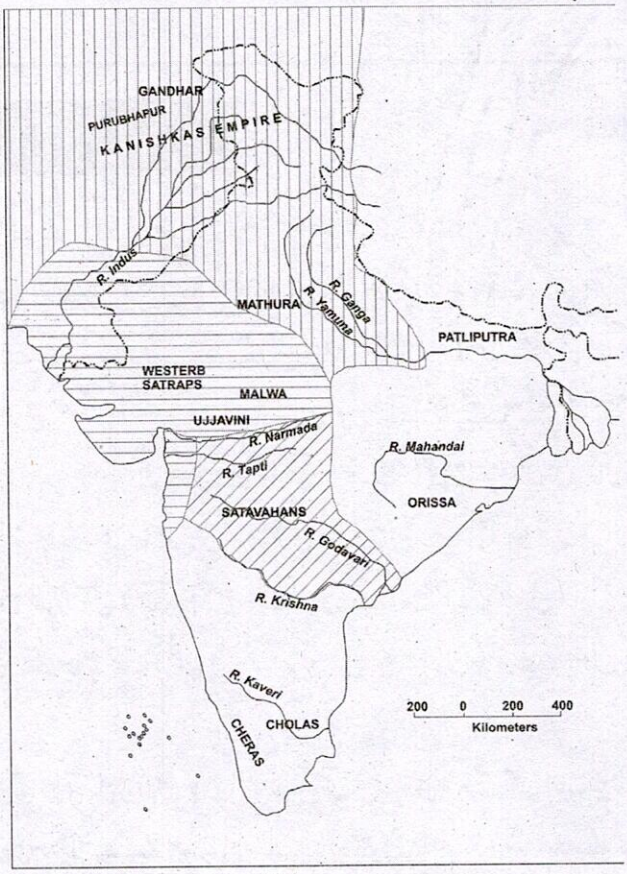

نقشہ 6.2: ست واہن اور کشان سلطنتیں

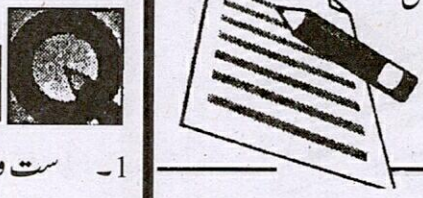

متن پر مبنی سوالات 6.5

1۔ ست واہن حکمرانوں میں سب سے عظیم کسے سمجھا جاتا ہے؟

2۔ ست واہنوں کی راجدھانی کا نام بتایئے؟

3۔ ست واہن حکمرانوں کے ماتحت سب سے نچلی انتظامی اکائی کیا تھی؟

4۔ وہ کس خانوادے کے حکمراں تھے، جنھوں نے ہندوستان میں ٹیکس سے مبرّیٰ مذہبی عطیات دینے کا رواج شروع کیا؟

5۔ ست واہنوں کے ذریعہ کون سے ورن ہونے کا دعویٰ کیا گیا تھا؟

6.6 تجارتی اور کمرشیل سرگرمیاں

(i) مابعد موریائی دور کی نہایت اہم خصوصیات

تجارت اور کامرس دونوں کا داخلی اور بیرونی طور پر بڑھنا تھا۔ قدیم ہندوستان میں دو بڑے داخلی خشکی کے راستے تھے۔ پہلے کو اتر پتھ کے طور پر جانا جاتا تھا، جو شمال مغربی کناروں کے ساتھ ہندوستان کے شمالی اور مشرقی حصوں (یعنی موجودہ پاکستان اور اس سے آگے) سے جڑا ہوا تھا۔ دوسرے کو دکشن پتھ کہا جاتا تھا، جو ہندوستان کے مغربی اور شمالی حصّوں کے ساتھ جزیرہ نما ہندوستان سے جڑا ہوا تھا۔

دکشن پتھ بڑا راستہ تھا جو شمالی اور جنوبی ہندوستان سے جڑا ہوا تھا۔ یہ الہ آباد کے قریب کوشامبی سے شروع ہوتا تھا، اجینی (جدید اجین) سے ہوتے ہوئے آگے مغربی ساحل پر ایک اہم بندرگاہ بھریگو کچھایا بھروچ تک جاتا تھا۔ دکشن پتھ پرسٹھان (جدید پیٹھان) ست واہنوں کی راجدھانی سے جڑا ہوا تھا۔

بیرونی تجارتی شاہراہوں کا جہاں تک تعلق ہے 45 عیسوی میں ایک یونانی جہاز راں ہپالس کے ذریعہ مانسون کی دریافت کے بعد زیادہ سے زیادہ بحری سفر تجارتی مقاصد کے لیے کیے جانے لگے تھے۔ مغربی ساحل پہ ہندوستان کی اہم بندرگاہیں (شمال سے جنوب کی سمت) تھیں۔ کچھ، سوپار، کلیاں،

موزیریس وغیرہ۔ ان بندرگاہوں سے جہاز بحر احمر کے ذریعہ رومی سلطنت تک بحری سفر کرتے تھے۔

جنوب مشرق کے ساتھ تجارت سمندر کے ذریعہ انجام دی جاتی تھی۔ ہندوستان کے مشرقی ساحلی پرتامرالپستی (مغربی بنگال)، اری کامیڈو (تمل ناڈ ساحل) وغیرہ اہم بندرگاہ تھے۔ بحری تجارت بھروچ، کچھ اور جنوب مشرق ایشیا کی بندرگاہوں کے درمیان بھی انجام دی جاتی تھی۔

(ii) مغربی اور وسطی ایشیا کے ساتھ تجارت

مابعد موریائی دور میں کمرشیل سرگرمیوں کی ایک اہم خصوصیت ہندوستان اور مغرب کے درمیان تجارت کا پھلنا پھولنا تھا، جہاں رومی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ ابتدائی طور پر یہ تجارت خشکی کے ذریعہ انجام دی جاتی تھی، لیکن فارس کے لوگ (جوان علاقوں پر حکومت کرتے تھے، جہاں سے یہ تجارتی راستے گزرتے تھے) کے ذریعہ پیدا کی جانے والی بار بار کی رکاوٹوں کے سبب اب بحری راستوں پر توجہ مبذول ہوگئی تھی۔ اب ہندوستانی بندرگاہوں سے بحر احمر اور خلیج فارس کے بندرگاہوں تک جہاز سیدھے طور پر آجا سکتے تھے۔

ہند رومی تجارت کی ایک عمدہ روداد (Perilus fo the Erytrean see) نام کی ایک کتاب میں بیان کی گئی ہے۔ اسے پہلی صدی عیسوی میں ایک گمنام مصنف کے ذریعہ لکھا گیا تھا۔ ہندوستانی اشیاء جیسے مسالہ جات، عطریات، جواہرات، ہاتھی دانت، باریک کپڑے (ململ) رومیوں کی خاص ضرورتیں تھیں۔ ہندوستان سے جو مسالے رومی سلطنت کو بھیجے جاتے تھے ان میں کالی مرچ شامل تھی، جسے یون پریا بھی کہا جاتا تھا (شاید رومیوں کے درمیان اس کی مقبولیت کی وجہ سے ایسا کیا جاتا تھا) رومی سلطنت کے ساتھ مسالے کی تجارت کافی حد تک جنوبی ہندوستان پر مبنی تھی۔ رومی متعدد قیمتی اور نیم قیمتی پتھر جیسے ہیرے، عقیق سرخ وزہ، عقیق، نیلم وغیرہ کے علاوہ موتی، نیل، صندل کی لکڑی اور فولاد وغیرہ بھی درآمد کرتے تھے۔

اس درآمد کے بدلے رومی ہندوستان کو سونا اور چاندی برآمد کرتے تھے۔ برصغیر ہند میں پہلی صدی عیسوی میں پائے گئے رومی سکّوں کی بڑی تعداد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ اس سے رومی سلطنت سے ہندوستان کو سونے کی زبردست برآمد بھی ظاہر ہوتی ہے۔ رومی سلطنت سے برآمد کی جانے والی دیگر اشیاء میں شراب بھی شامل تھی، جس کا اشارہ جنوبی ہندوستان کے اریکامیڈو میں کافی تعداد میں پائے گئے رومی برتنوں کی صراحیوں اور ٹکڑوں سے ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی تاجر ٹین، سیسہ، مونگا اور باندیاں (غلام لڑکیاں) بھی لاتے تھے۔

(iii) دستکاریاں اور صنعتیں

دستکاری اشیاء کی پیداوار میں اضافے کو اس دور میں زبردست بڑھاوا مل رہا تھا۔ اس کی وجہ داخلی

اور خارجی دونوں طرح کی تجارت کا کافی حد تک دستکاری سرگرمیوں پر منحصر ہونا تھا۔ ملند پانہو نام کی تصنیف میں 75 پیشوں کا ذکر ملتا ہے، جن میں 60 کا تعلق دستکاری سے تھا۔ ان کی مہارت و ہنرمندی کی سطح کمال پر تھی اور سونے، چاندی، قیمتی پتھروں وغیرہ میں کام کرنے والے الگ الگ دستکار تھے۔ اجین منکا بنانے کا ایک اہم مرکز تھا۔ ٹکسٹائل صنعت ایک اور اہم صنعت تھی۔ مختلف قسم کے سوتی اور ریشمی کپڑوں کے لیے متھرا اور بنگا (مشرقی بنگال) مشہور تھے۔ جنوبی ہندوستان کے بعض مقامات پر رنگ رنگنے کے کڑھاؤ دریافت ہوئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ رنگ ریزی اس زمانے میں ایک پھلتی پھولتی دستکاری تھی۔ اس دور کے دستکاروں نے خوشحالی کی نئی اونچائیاں چھولیں تھیں اور ایسے بہت سے کتبات ہیں، جن میں دستکاروں کے ذریعہ خانقاہوں کو خیرات دیے جانے کا حوالہ ملتا ہے۔

(iv) انجمن پیشہ وراں (گلڈ)

تاجروں کی کمیونٹیاں گروپوں میں منظّم تھیں جنھیں شرینی (گلڈ، انجمن پیشہ وراں) کہا جاتا تھا، جو شرسیٹھی کے ماتحت ہوتی تھی۔ تاجر گروپ کی ایک اور قسم کو سارتھ کہا جاتا تھا، جو علاقائی تاجروں کے قافلوں پر مبنی تجارتی کارپوریشن جیسے تھے۔ اس طرح کی انجمنوں کو سارتھا واہ کہا جاتا تھا۔ تاجروں کی طرح تقریباً دستکاری پیشے بھی ایک سربراہ کے ماتحت گلڈوں میں منظّم ہوتے تھے۔ اس سربراہ یا سیکھا کو جیسٹھ کہا جاتا تھا۔ ان میں بنکر، غلّہ تاجر، بانس کا کام کرنے والے، تیل کا کام کرنے والے، برتن بنانے والے تاجر وغیرہ شامل تھے۔ گلڈ بنیادی طور پر تاجروں اور دستکاروں کی انجمنیں تھیں، جو ایک جیسے پیشے یا ایک جیسی شے میں کاروبار کرتے تھے۔ وہ اپنا سربراہ یا سردار چُنتے تھے اور قیمتوں اور کوالٹی وغیرہ سے متعلق اپنے خود کے اصول وضع کرتے تھے تاکہ وہ باہمی خیر سگالی کی بنیاد پر اپنے کاروبار کو منضبط کرسکیں۔ وہ بینکوں کے طور پر بھی کام کرتے تھے اور سود کی ایک مقرر شرح پر عوام سے جمع (ڈپازٹ) وصول کرتے تھے۔



متن پر مبنی سوالات 6.6

1۔ اتر پتھ کیا تھا؟

2۔ دکشن پتھ کیا تھا؟

3۔ ہندوستانی تاریخ پر مانسون کی دریافت کا کیا اثر پڑا تھا۔

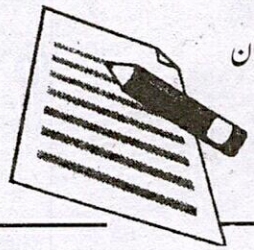

نوٹس

4۔ ہندرومی تجارت کی عمدہ روداد کون سی کتاب میں بیان کی گئی ہے؟

5۔ گلڈ (انجمن پیشہ وراں) کیا تھے؟

6.7 فن اور فن تعمیر

مابعد موریا کی دور میں فن غالب طور پر مذہبی نوعیت کا تھا۔ اس دور کے آرٹ اور فن تعمیر سے متعلق اہم خصوصیات استوپوں کی تعمیر اور سنگ تراشی کے علاقائی مکاتب کا فروغ ہے۔ بودھ کی مورتیاں اس زمانے میں پہلی بار کندہ ہوئی تھیں۔ شمال مغرب سے غیر ملکیوں کے رابطے کے نتیجے میں ایک مخصوص مکتب فن جسے گندھار مکتب کہا جاتا تھا، کو اس دور میں فروغ حاصل ہوا۔ اس پر کافی حد تک یونانی طرز یا فنی وضع کا اثر پڑا۔

(i) استوپ

استوپ ایک مرکزی کمرے کے ساتھ ایک بڑا نصف دائری گنبد تھا، جس میں گوتم بدھ یا بعض بودھ راہبوں کے آثار مقدس ایک چھوٹے سے صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ استوپ کی نچلی سطح کے چاروں طرف راہداریاں بنی ہوئی تھیں، انھیں ''پردکشن'' کہتے تھے۔ یہ راہداریاں گھڑی کے رُخ پر گھومتی ہوئی بڑھتی تھیں۔ اسے لکڑی کے جنگلوں کے ذریعہ گھیرا گیا تھا، یہ جنگلے بعد میں پتھر کے بنائے جانے لگے تھے۔ اس دور کے اہم استوپ بھرہٹ اور سانچی (دونوں مدھیہ پردیش میں ہیں)، انھیں ابتدائی طور پر اشوک نے بنایا تھا، لیکن بعد میں اس میں توسیع کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ امراوتی اور ناگارجن کونڈا (دونوں آندھرا پردیش میں) کے استوپ ہیں۔

موجودہ شکل میں بھرہٹ استوپ کا زمانہ دوسری صدی قبل مسیح متعین ہوتا۔ یہ اپنی فن سنگ تراشی کے لحاظ سے اہم ہے۔ اس کے جنگلے (Railings) سرخ پتھر سے بنے ہیں۔ اس دور میں تین بڑے استوپ سانچی میں تعمیر کیے گئے تھے۔ ان تینوں میں سب سے بڑا استوپ جو ابتدائی طور پر سمراٹ اشوک کے ذریعہ بنوایا گیا تھا اسے دوسری صدی ق م میں کسی وقت اس کے سائز میں دوگنی توسیع کی گئی تھی۔ اسی عہد میں متعدد استوپ جنوبی ہندوستان میں تعمیر کرائے گئے تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی پوری طرح باقی نہیں رہا۔ آندھرا پردیش کے امراوتی میں واقع امراوتی استوپ کو دوسری صدی عیسوی میں کسی وقت

حتمی شکل دی گئی تھی۔ استوپوں کی سنگ تراشی جاتک اور دیگر بودھ کہانیوں پر مبنی مرکزی خیال پر کی گئی ہے۔

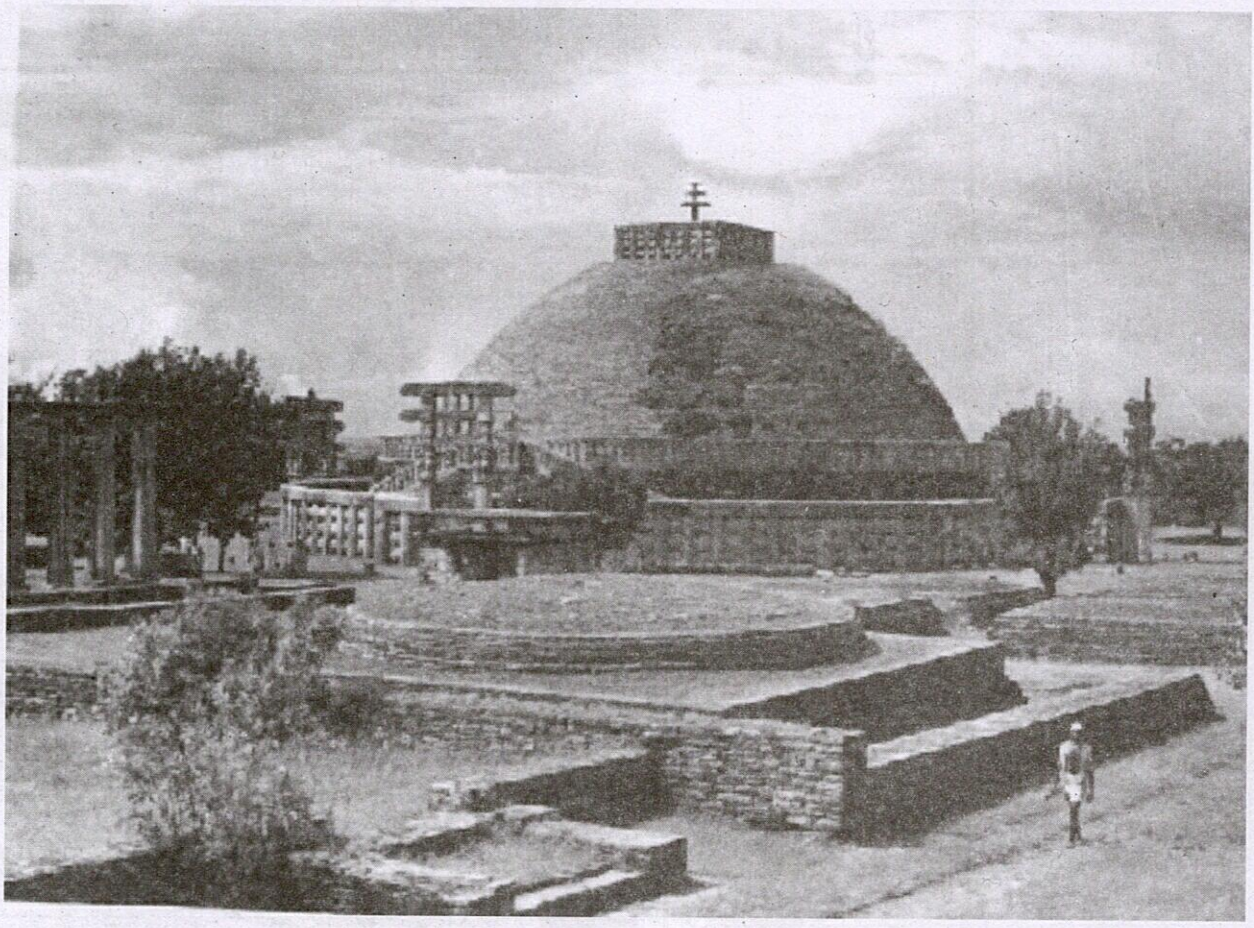

شکل 6.1: سانچی استوپ

(ii) چٹان کو تراش کر کی گئی تعمیر

استوپوں کے علاوہ اس زمانے میں چٹانوں کو تراش کر کی گئی تعمیر میں بھی پیش رفت دکھائی دیتی ہے۔ ست واہنوں کے دور حکومت میں مہاراشٹر کے پونے اور ناسک کے نزدیک بڑی تعداد میں مندر، ہال اور راہبوں کے لیے رہائشی مقامات ٹھوس چٹانوں کو تراش کر تیار کیے گئے تھے عام طور پر پوجا کا مقام

مرکز میں قائم چڑھاوے کے استوپ کے ساتھ ایک پوجا کوٹھری ہوتا تھا۔ اس مقام کو چیتہ کے طور پر جانا جاتا تھا اور تراشیدہ چٹانی ساخت کو راہبوں کی رہائش کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اسے وِہار کہتے تھے۔

(iii) فن سنگ تراشی کے مکاتب

پہلی صدی میں بودھ مذہب ہین یان اور مہایان کے دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ مہایان بودھ فرقہ انسانی شکل میں بھگوان کے طور پر بودھ کی پوجا کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ نتیجتاً گوتم بدھ کی مورتیوں کی ایک بڑی تعداد مختلف خطوں میں تعمیر کرائی گئی تھی۔ اس دور میں سنگ تراشی کے فن کے تین بڑے مکاتب (Schools) تھے۔ یہ تھے، فن کا متھرا مکتب، فن کا گندھار مکتب اور فن کا امراوتی مکتب۔

متھرا مکتب: عصری فن کے تین مکتب میں متھرا کا نہایت اہم اشتراک بدھ کی وہ مورتیاں تھیں جو اس فنی وضع میں شاید پہلی بار کندہ ہوئی تھیں۔ متھرا طرز کے فنکار مورتیاں بنانے کے لیے کالے دھبوں والے مقامی سرخ پتھر کا استعمال کرتے تھے مکتب متھرا نے پوجا کی اشیاء رکھنے کے لیے ایاگویٹا یا پتھر کی سل کے علاوہ جین دیوتاؤں کے متعدد مجسمے بھی بنائے۔ مکتب متھرا کے فن پر برہمنی اثر بھی دکھائی دیتا ہے۔ کشان دور میں برہمنی دیوتاؤں کے متعدد مجسموں کو کندہ کیا گیا تھا۔ ان دیوتاؤں میں کارتکیہ، وشنو اور کوبیر بھی شامل تھے۔

گندھار کا مکتب: گندھار کا خطہ برصغیر ہند کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ اس خطے پر یونانیوں، موریہ، شنگ، شاکیہ اور کشانوں نے کئی صدیوں تک کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔ گندھار مکتب جسے یہاں تقریباً عیسائی سنہ کی شروعات میں فروغ حاصل ہوا تھا اسے یونانی رومی، ہندیونانی یا یونانی بودھ کے طور پر طرح طرح سے جانا جاتا ہے۔ سنگ تراشی کے مرکزی خیال پر بودھ کا اثر غالب تھا لیکن ان کا طرز یونانی تھا۔ مکتب گندھار کے خاص سرپرست شاکیہ اور کشان تھے۔



شکل 6.2: فن گندھار، بدھی ستو

بودھ اور بدھ ستو کی مورتیاں بنانے کے لیے جو پتھر استعمال کیے جاتے تھے وہ زیادہ تر نیلے وخاکستری ہوتے تھے۔فن کے گندھار مکتب کی اہم خصوصیات جسم کے نمایاں عضلات کے ساتھ انسانی شکلوں کی خوبصورت چہرہ کشی میں واقع ہے۔ یونانی رومی طرز میں آرائشی پوشاک اور گھنگریالے بالوں کے ساتھ بودھ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ بودھ کی ان خوبصورت مورتیوں کو فن سنگ تراشی کے عمدہ نمونوں میں درجہ بند کیا جاتا ہے۔

امراوتی کا مکتب : امراوتی مکتب کرشنا اور گوداوری ندیوں کی نشیبی وادیوں کے درمیان آندھراپردیش کے خطے میں خوب پھلا پھولا، اس فنی طرز کے خاص سرپرست ست واہن تھے بلکہ بعد میں بھی ان کے جانشینوں اکشو کو حکمرانوں کے ذریعہ اس کی سرپرستی کی گئی تھی۔اس فن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ 150 ق م سے لے کر 350 عیسوی تک پھلا پھولا۔اس مکتب کی سنگ تراشی یا مجسمہ سازی استوپ کے جنگلوں، چوکور پایوں اور دیگر حصوں میں خاص طور پر پائی گئی ہیں۔موضوعی اعتبار سے بودھ کی زندگی سے متعلق کہانیاں شامل ہیں۔

امراوتی مکتب کی ایک اہم خصوصیت اس کا ''بیانیہ اسلوب'' ہے۔آرائشی چوکھٹے اس طرح تراشے گئے کہ وہ قدرتی انداز میں کسی واقعہ کو بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔مثال کے لیے ایک آرائشی چوکھٹا بدھ کے ذریعہ ایک ہاتھی کو سدھانے کی پوری کہانی بیان کرتا۔فن امراوتی کی ایک اور اہم خوبی شکلوں کو تراشنے کے لیے پتھروں میں سفید سنگ مرمر کا استعمال کرنا تھی۔اس میں قدرتی مناظر کی نسبت انسانی شکلوں کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔

متن پر مبنی سوالات 6.7

1۔ مابعد موریا کی فن تعمیر کی دو نہایت اہم خصوصیات کیا ہیں۔؟

2۔ استوپ کیا تھے۔؟

3۔ مابعد موریا کی دور کے ممتاز استوپ کون سے تھے۔؟

4۔ چیتیہ اور وہار کے درمیان فرق کیجئے۔

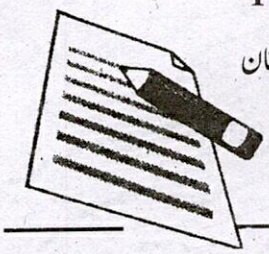

نوٹس

موریہ عہد کے بعد کا زمانہ

5۔ مابعد موریائی دور میں فروغ پانے والے فن سنگ تراشی کے مکاتب کا نام بتایئے۔

6۔ مکتب متھرا میں کس قسم کے پتھر استعمال کیے جاتے تھے۔؟

7۔ فن کے مکتب گندھار کے اہم سرپرست کون تھے۔؟

6.8 جنوبی ہندوستان کی ابتدائی تاریخ

(i) جنوبی ہندوستان کی سنگ کلاں ثقافتیں

جنوبی ہندوستان کے نوحجری مرحلہ میں پالش شدہ پتھر کلہاڑی اور دھار دار اوزاروں کا استعمال اس کی نمایاں خصوصیت تھی، مگر اُس کے بعد وہاں سنگ کلاں ثقافتیں (1200 ق م تا 300 ق م) ظہور میں آئیں۔ سنگ کلاں قبر کی شکل کی یادگاریں تھیں جو تدفین پر مشتمل تھیں یا وہ قبریں جو بڑے بڑے پتھروں سے گھری ہوئی تھیں۔ اکثر معاملوں میں یہ آبادی کے علاقے کے باہر واقع ہوتی تھیں۔ جنوبی ہندوستانی کی ان سنگ کلاں قبر کے آثاریات سے پہلی بار لوہے کی اشیاء حاصل ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ سیاہ وسفید ظروف کا استعمال بھی سنگ کلاں کی ثقافت کے لوگوں کی امتیازی خاصیت تھی۔ شمال میں مہاراشٹر کے ناگپور علاقے اور جزیرہ نما ہندوستان کے جنوبی علاقے سے کافی تعداد میں سنگ کلاں یا سیدھے نصب کیے ہوئے پتھر پائے گئے۔ وہ اہم مقامات جہاں بڑے پتھروں کے قبرستان پائے گئے ہیں ان میں برہم گری، ماسکی (کرناٹک)، آدی چلانور (تملناڈ) اور ناگپور کے قریب جوناپتی (مہاراشٹر) شامل ہیں۔

لوہے کے اوزار ہمہ گیر طور پر پائے گئے ہیں۔ یہ اوزار ان کی دستکاری سرگرمیوں کا اشارہ کرتے ہیں اور ان میں تیر، دھار دار اور نوکیلے خنجر، تلواریں، بیلچہ نما کھرپا، بلم کی نوک، تین نوکوں والا بلم (ترشول)، درانتی، ہل کے پھل، بھاری تیر وغیرہ شامل ہیں۔ یہ چیزیں گیہوں، چاول وغیرہ جیسے موٹے اناجوں کے ساتھ مختلف سنگ کلاں ثقافت کے مقامات پر پائی گئی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے سنگ کلاں ثقافت کے لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت، گلہ بانی اور شکار سے متعلق سرگرمیوں پر مشتمل تھا۔ جنوبی ہندوستان میں سنگ کلاں دور کے بعد سنگم دور آیا۔

(ii) سنگم دور

سنگم دور سے مراد جنوبی ہندوستان کی ابتدائی تاریخ کا وہ زمانہ ہے جب تمل میں کافی تعداد میں نظم وشعروشاعری متعدد مصنفین کے ذریعہ مرتب کی گئی تھی۔ اصطلاح سنگم کا مطلب تمل شاعروں کا ایک

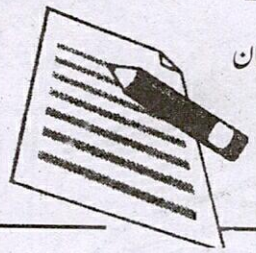

نوٹس

اجتماع یا ان کا ایک جگہ آپس میں ملنا تھا۔ روایتی طور پر، تین سنگم یا اجتماع کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ یہ یکے بعد دیگرے منعقد کیے گئے تھے۔ مدورائی کے پانڈیہ راجاؤں کی سرپرستی میں مختلف مقامات پر سنگھوں کا انعقاد ہوا تھا۔ سنگم ادب میں جو نظم مرتب کی گئی تھی وہ موٹے طور پر دو نفس موضوعات پیار اور جنگ پر مبنی تھیں۔ اس ادب کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ یہ 300 ق م اور 300 عیسوی کے درمیان آٹھ جلدوں میں مرتب کیے گئے تھے۔ سنگم ادب کی ایک نمایاں خوبی تملا ہم یا تمل خطے کے عصری سماج اور ثقافت اور شمالی (آریائی) ثقافت کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے عمل کی بھرپور عکاسی ہے۔

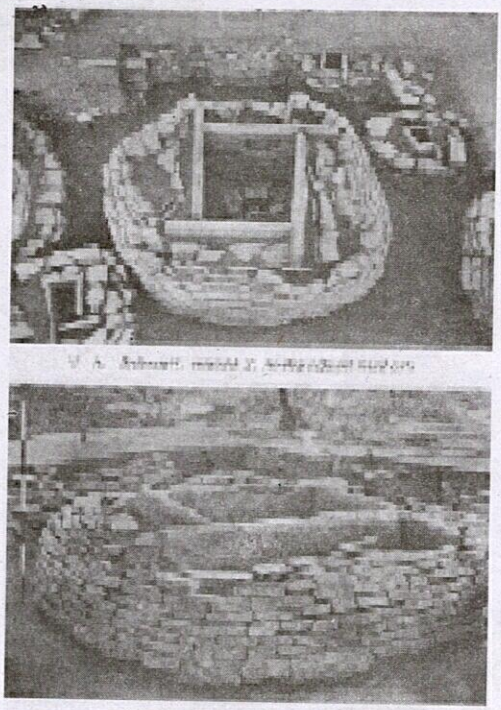

شکل 6.3: بڑے پتھروں کی قبریں

تملا ہم تروپتی کی پہاڑیوں اور کنیا کماری کے سرے تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ متعدد سرداروں کی عملداری میں تقسیم تھا اور سرداری موروثی ہوا کرتی تھی۔ سنگم عہد میں تمل خطوں پر جن اہم سرداروں کی عملداری تھی ان میں چول (اریور راجدھانی)، چیر (جن کی کرور کے نزدیک ون جی میں راجدھانی تھی) اور پانڈیہ (راجدھانی مدورائی) شامل تھے۔ چول، پانڈیہ اور چیراؤں کے متعدد ماتحت سردار بھی ہوا کرتے تھے۔ مال غنیمت کے ساتھ ساتھ ماتحت سرداروں سے خراج بھی وصول کرتے تھے جو ان کے آمدنی کے خاص ذرائع تھے۔ چیروں، چولوں اور پانڈیوں کے درمیان اکثر لڑائیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔ اس سے سنگم شاعروں کے لیے جنگ کے موضوع پر شاعری تخلیق کرنے کی کافی گنجائش پیدا ہوئی تھی۔

ماڈیول-1

قدیم ہندوستان

نوٹس

اس دور کے پورے تملا ہم کو پانچ تینائی یا معاشی زونوں یعنی ان کے معاشی وسائل پر مبنی منطقے میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ منطقے (زون) تھے، کرین جی (پہاڑی خطہ)، پلائی (خشکی خطہ) ملار (چراگاہی خطے)، مارودم (مرطوب زمینیں)، اور نیتال (سمندری ساحل)، ان منطقوں کی کوئی صاف حد بندی نہیں تھی اور پورے خطے کے میں بکھرے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے مختلف جغرافیائی سیاق وسباق اور مختلف تینیوں میں لوگوں کے ماحولیاتی خواص کے سبب ان کے خود کی گزر بسر کے طریقے بھی مختلف تھے۔ مثال کے لیے کرین جی میں، شکار کرنے اور غذا جمع کرنے کا ذریعہ معاش تھا۔ پلائی میں جہاں لوگ کچھ پیدا نہیں کر سکتے تھے وہاں کے لوگوں نے اچانک دھاوا بولنے اور لوٹ پاٹ کرنے کا کام اختیار کر رکھا تھا، ملائی میں لوگ مویشی بانی کا کام، مارودم میں زراعت اور نیتال میں لوگ مچھلی پکڑنے اور نمک بنانے کا کام کرتے تھے۔

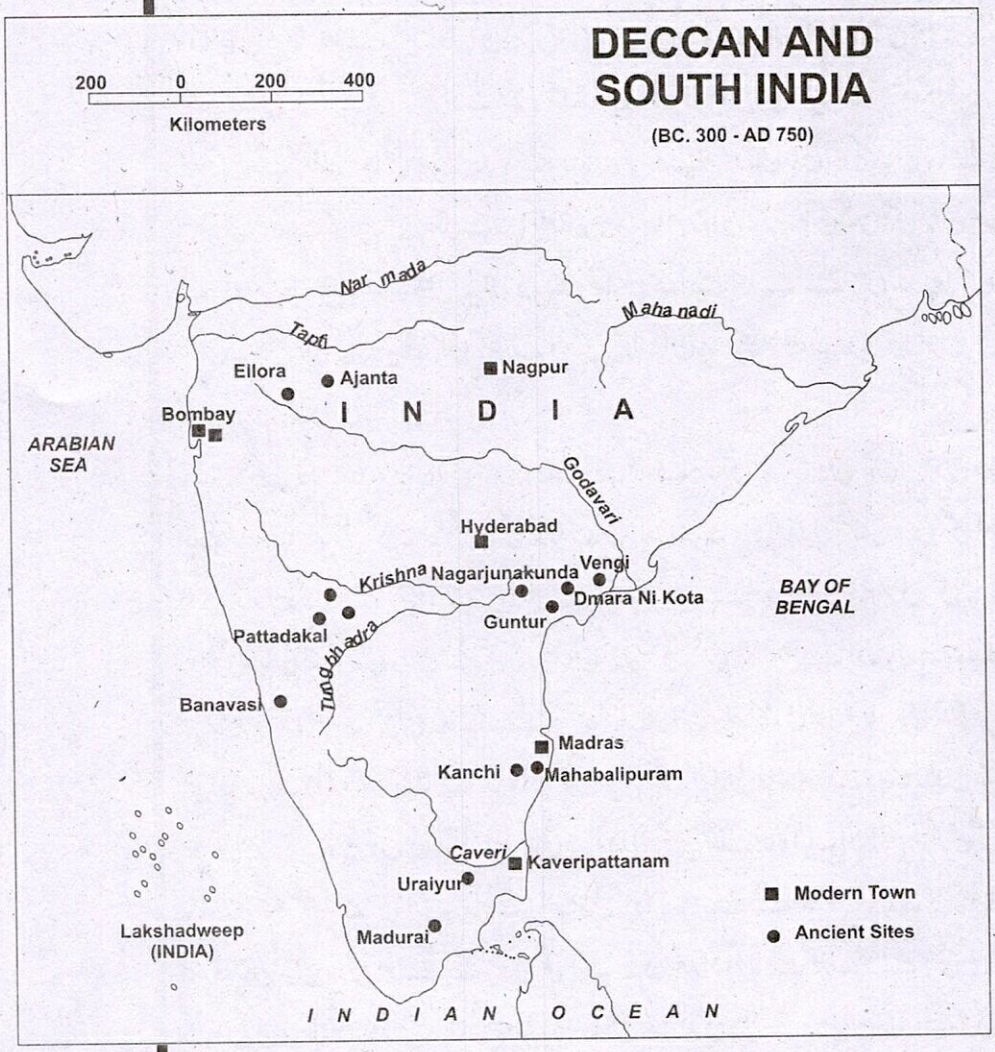

نقشہ 6.3: ہندوستان، تملناڈ اور شمالی ثقافت



ورن کا تصور اگر چہ معروف تھا لیکن سنگم دور میں اونچی یا نچلی درجہ بندی کے ذریعہ سماجی طبقات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا جیسا کہ شمالی ہندوستان میں تھا۔ مثال کے لیے برہمن حالانکہ سماج میں تھے ویدک تقریبات اور یگیوں کو انجام دیتے تھے اور سرداروں کے لیے صلاح کار کے طور پر بھی کام کرتے تھے لیکن انہیں کوئی خصوصی مراعات نہیں حاصل تھیں۔ لوگ ان کے ذریعہ اپنائے گئے پیشے کی بنیاد پر اسی طرح انہیں جانتے تھے جیسے وہ دستکاروں، نمک کے تاجروں، کپڑوں کے تاجروں وغیرہ کے بارے میں جانتے تھے۔ امیر اچھی طرح سجائے گئے اینٹ کے مکانوں میں رہتے تھے اور مہنگے کپڑے پہنتے تھے جبکہ غریب گارے مٹی سے بنی جھوپڑیوں میں رہتے تھے اور ان کے پاس پہننے کے لیے ناکافی کپڑے ہوتے تھے۔

جنگ کے سورماؤں کو سماج میں ایک خاص مقام حاصل تھا اور ان لوگوں کے اعزاز میں جو جنگ میں مارے جاتے تھے ان کے لیے نادوکل یا وبروکل کہے جانے والے یادگار پتھر نصب کیے جاتے تھے اور ان کی پوجا چھوٹے دیوتاؤں کی طرح کی جاتی تھی۔ لگتا ہے کہ سنگم عہد میں عورتیں تعلیم یافتہ ہوا کرتی تھیں۔ اس کی تصدیق سنگم ادب میں شاعراتِ کے ذریعہ تخلیق کیے گئے متعدد اشعار سے ہوتی ہے۔ عورتوں کے مختلف معاشی سرگرمیوں جیسے دھان کو روپنے، مویشی بانی، ٹوکریاں بنانے، کتائی وغیرہ میں مصروف ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ تاہم ستی جیسا ظالم رواج تمل سماج میں بھی رائج تھا اور اسے تیپادل کے طور پر جانا جاتا تھا۔ لیکن یہ لازمی نہیں تھا کیونکہ ایسے حوالے ملتے ہیں کہ بیوائیں سماج میں موجود تھیں۔ تاہم ان کی حیثیت کافی تکلیف دہ تھی کیونکہ ان پر سجنے سنورنے یا کسی طرح کی تفریح میں شامل ہونے پر پابندی تھی۔

لوگ زراعت، دستکاری اور تجارت جیسی مختلف معاشی سرگرمیوں میں مشغول رہتے تھے۔ دھان ایک نہایت اہم فصل تھی۔ یہ لوگوں کی خوراک کی ایک بہت بڑی مقدار تشکیل کرتی تھی اور ساتھ ہی یہ فصل داخلی تجارت کے لیے اشیائے لین دین کے ایک ذریعہ کے طور پر بھی کام کرتی تھی۔ چونکہ تمل خطے میں دوامی ندیاں نہیں تھیں، اس لیے سردار جہاں کہیں بھی ممکن ہوتا تالاب اور باندھ بنانے کے ذریعہ زرعی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ سنگم عہد کا چول راجہ کاری کلا کو کاویری ندی پر باندھ تعمیر کرنیکا سہرا جاتا ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ملک میں یہ بالکل ابتدائی باندھ تھا۔ دستکاریوں میں سوت اور ریشم دونوں طرح کے کپڑوں کی کتائی اور بنائی زیادہ اہم تھی۔ نمک بنانا ایک اور اہم سرگرمی تھی۔

سنگم معیشت کی ایک نہایت اہم خوبی رومی سلطنت کے ساتھ تجارت کا پھلنا پھولنا تھا۔ جنوبی ہندوستان میں رومی سونے کے سکوں کی ایک بڑی تعداد دریافت ہونے سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔ مانسون کی دریافت اور ہندوستانی سمندری ساحل اور مغربی دنیا کے درمیان راست بحری راستے کا استعمال (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے) اس تجارت کی افزائش کی خاص وجہ تھی۔ اس کے نتیجے میں تمل خطے میں

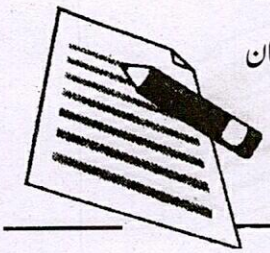

نوٹس

اہم شہر اور دستکاری مراکز وجود میں آئے۔ ونجی جس کی شناخت تمل ناڈ کے موجودہ کرور کے طور پر ہوتی ہے۔ چیروں کی راجدھانی تھی اور یہ تجارت اور دستکاری کا بھی ایک اہم مرکز تھا۔ مزریس (Muzris) یعنی جنوب مغربی ساحل کرینگینور چیروں کا نہایت اہم بندرگاہ تھا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ سونے سے لدے رومی جہاز یہاں آیا کرتے تھے اور کالی مرچ کافی بڑی مقدار میں واپس لے جایا کرتے تھے۔ پانڈیوں کی راجدھانی مدورائی کو بھی سنگم شاعری میں ایک ایسے بڑے شہر کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو ایک دیوار کے ذریعہ گھرا ہوا تھا۔ یہ نفیس کپڑوں اور ہاتھی دانت کے کام کا ایک اہم مرکز تھا۔ تمل ناڈ کے ضلع تیروتلویلی میں کورکئی ایک اہم پانڈیہ بندرگاہ تھی۔ یہ اپنے موتیوں کے لیے مشہور تھا۔ چولوں کی راجدھانی ارے یور (تملناڈ میں تروچراپلی) شاندار عمارتوں والا ایک عظیم شہر تھا۔ کاویری پٹی نم یا پوہار خاص چول بندرگاہ تھی۔ سنگم شاعری میں بڑے بازاروں کا ذکر ہے جن کی نگہبانی فوجیوں کے ذریعہ کی جاتی تھی۔

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے سنگم عہد شمالی ہندوستانی اور جنوبی ہندوستان کی روایتوں میں ایک گہرا اور پرامن بین عمل کا شاہد ہے۔ برہمن مذہبی تقریبات انجام دیتے تھے۔ جنوبی ہندوستان میں اندر، وشنو، شیو وغیرہ کی پوجا زیادہ مقبول تھی۔ تمل خطے میں بودھ اور جین مذاہب کی موجودگی کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ مقامی لوگ خاص طور پر پہاڑیوں میں رہنے والے لوگ موروگن نام کے دیوتا کی پوجا کرتے تھے جس کی شناخت شمالی ہندوستان میں جنگ کے دیوتا کارتیکیہ کے طور پر کی جاتی ہے۔

مختصراً، سنگم ادب اپنی شاعری کے حوالے سے پیار اور جذبات (اہم) اور جنگ وسماجی برتاؤ (یورم) کا آئینہ دار ہے اور مجموعی طور یہ 300 ق م سے 300 عیسوی تک ابتدائی تمل خطے کے سیاسی تصادم، سماجی عدم مساوات اور معاشی خوشحالی کی ایک تصویر پیش کرتا ہے۔



متن پر مبنی سوالات 6.8

1- سنگ کلاں ثقافت کیا ہیں۔؟

2- اصطلاح سنگم سے کیا مراد ہے۔؟

3- سنگم ادب کے موضوعات کیا ہیں۔؟

4- سنگم ادب میں کن اہم سرداروں کا ذکر کیا گیا ہے؟

5- سنگم شاعری میں کون سے پانچ تنائی یا معاشی زون بیان کیے گئے ہیں۔

6- کون سے چول سردار نے کاویری ندی پر باندھ بنوایا تھا۔؟

آپ نے کیا سیکھا

مابعد موریہ دور میں شمالی ہند میں موریوں کی جگہ شنگوں نے لی، ان کے بعد کشانوں نے ایک بڑی سلطنت قائم کی جو شاکیوں اور پہلوؤں کو ہرانے کے بعد وسطی ایشیاء سے وارانسی تک پھیلی ہوئی تھی کشان حکمرانوں میں کنشک سب سے زیادہ مشہور تھا۔ وہ بودھ مذہب کا ایک عظیم سرپرست تھا۔ اس نے چوتھی بودھ کونسل بلائی اور فن کے گندھار اور متھرا مکاتب کی سرپرستی کی۔ اس کی وسیع سلطنت کے نتیجے میں داخلی اور خارجی تجارت خوب پھلی پھولی۔

دکن میں ست واہنوں نے کرشنا اور گوداوری ندی کے درمیان ایک مملکت قائم کی۔ اس نے اورنگ باد کے نزدیک پرتسٹھان میں اپنی راجدھانی بنائی۔ جزیرہ نما ہندوستان میں ہندرومی تجارت کے منافع بخش ہونے سے تجارت اور کامرس اپنے کمال پر تھا۔ آندھر پردیش کے خطے میں فن کا مکتب امراوتی ان کے دور حکومت میں خوب پھلا پھولا۔ جنوبی ہندوستان میں نوحجری دور کے بعد 1200 ق م تا 300 ق م کے درمیان سنگ کلاں ثقافت کا ظہور ہوا۔ بڑے پتھروں کی قبروں سے لوہے کی اشیاء اور سیاہ وسرخ ظروف ملے، سنگ کلاں ثقافت کے لوگ اپنی گزر بسر زرعی اور گلہ بانی کی سرگرمیوں کے ذریعہ کرتے تھے۔ سنگم ادب 300 ق م سے 300 عیسوی تک کے دور سے متعلق ہے اور اس سے جنوبی ہندوستان کی ابتدائی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ اس میں جنوبی ہندوستان کے تین اہم سرداروں چولوں، چیروں اور پانڈیوں کی سرگرمیوں کا بیان ہے۔ یہ تمل خطے کے عصری سماج، معیشت اور ثقافت کی بھرپور تصویر کشی کرتا ہے۔

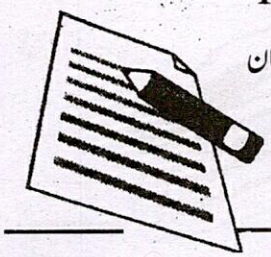

نوٹس

اختتامی سوالات

-1 موریوں کے بعد شمالی ہندوستان میں اہم سیاسی پیش رفت پر بحث کیجئے۔

-2 کشان کون تھے؟ ہندوستان کے لیے ان کے اشتراک کا آپ کس طرح جائزہ لیں گے؟

-3 سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں کے دوران وسطی ایشیاء کے ساتھ ہندوستان کے رابطے کے بارے میں مختصراً بیان کیجئے۔

-4 گوتمی پتر ستکرنی کی حصولیابیوں کا ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

-5 ہندوستان کی بیرونی تجارت کی نمایاں خصوصیات بیان کیجئے۔

-6 موریائی سلطنت کے بعد ظہور یں آئے فن سنگ تراشی کے مختلف مکاتب پر ایک مضمون لکھیے۔

-7 سنگم ادب سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں کے دوران تملا ہم (تمل خطہ) کی سیاسی اور سماجی ساخت کے بارے میں ہمیں کیا بتاتا ہے۔؟

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

6.1

-1 برہدرتھ

-2 ہیلیو ڈورس، ایک شنگ حکمراں کاشی پتر بھاگ بھدر کے دربار میں ہند یونانی حکمراں انٹیالکی داس کا ایک ایلچی تھا۔

-3 منیندر

-4 جوناگڑھ رودرامن یا گرنار چٹانی کتبہ

-5 وسطی ایشیا

6.2

-1 کنشک

-2 کنشک نے، 78 عیسوی میں



3- کنڈل ون (جموں وکشمیر میں سری نگر کے قریب موجودہ ہروان)، کنشک کی سرپرستی میں۔
4- آیورویدکا بانی سمجھا جاتا ہے جس نے چرک سمہتیا کے نام سے ادویہ پر ایک کتاب لکھی تھی۔

6.3

1- حکمراں کی روایتی شخصیت اور اس کے نیم مجسمے پر مشتمل
2- یون آچاریہ

6.4

1- کھارویل خاندان کا حکمراں تھا جس نے تقریباً دوسری صدی ق م کلنگ پر حکومت کی تھی۔
2- بھونیشور کے نزدیک (اڑیسہ)

6.5

1- گوتمی پتر شتکرنی (پہلی صدی عیسوی آخر)
2- پرتیسٹھان (مہاراشٹر میں اورنگ باد کے قریب جدید پیٹھان)
3- گرام
4- ست واہن
5- برہمن

6.6

1- اتر پتھ ایک خشکی کا راستہ تھا جو ہندوستان کے شمالی اور مشرقی حصوں کے ساتھ شمالی مغربی سرحدوں یعنی موجودہ پاکستان اور مزید آگے۔
2- دکشن پتھ ایک خشکی کا راستہ تھا جو ہندوستان کے مغربی اور شمالی حصوں کے ساتھ جزیرہ نما ہندوستان سے جڑا ہوا تھا۔
3- اس سے روم اور ہندوستانی ساحلوں کے درمیان بحری تجارت کی حوصلہ افزائی ہوئی۔
4- ایک گمنام مصنف کے ذریعہ پہلی صدی عیسوی میں Periplus of Erythrean Sea لکھا گیا تھا۔
5- تاجروں اور دستکاروں کی کمیونٹیاں

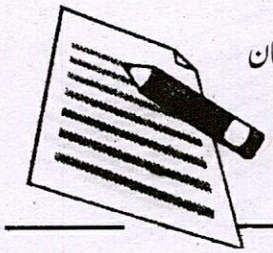

نوٹس

6.7

1- استوپوں کی تعمیر اور فن کے علاقائی مکاتب کو فروغ

2- استوپ پوجا کا بودھ مقام تھا کیونکہ اس میں گوتم بدھ یا بعض بودھ راہبوں کے آثار مقدس رکھے جاتے تھے۔

3- سانچی، بھرہٹ اور امراوتی اور ناگا جنی کونڈا استوپ

4- چیتیہ اور وہار دونوں بودھ تعمیر چٹان کی تراشیدہ ساختیں تھیں، چیتیوں کو پوجا کے مقام کے طور پر اور وہار کو راہبوں کے لیے رہائش کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

5- متھرا، امراوتی اور گندھار مکاتب فن

6- کالے دھبوں کے ساتھ سرخ بلوا پتھر

7- شاکیہ اور کشان

6.8

1- سنگ کلاں قبروں پر مشتمل قبر کے یادگار تھے۔

2- اس سے مراد تمل شاعروں کا اجتماع یا ایک ساتھ ملنا۔

3- پیار اور جنگ

4- چول، پانڈیہ اور چیر

5- کرین جی (پہاڑی علاقہ)، پلائی (خشکی زون)، ملئی (چراگاہی علاقے)، ماروڈام (مرطوب زمینیں) اور نیتال (بحری ساحل)

6- سنگم دور کا چولا سردار کاری کلا

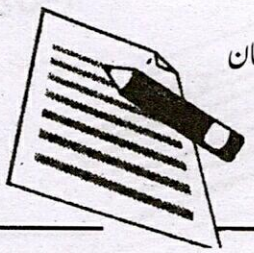

نوٹس

اختتامی سوالات کے اشارات

1- حوالہ 6.2
2- حوالہ 6.2.2
3- حوالہ 6.3
4- حوالہ 6.5
5- حوالہ 6.6.2
6- حوالہ 6.7.3
7- حوالہ 6.8.2

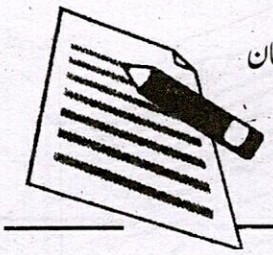

نوٹس

7

گپت اور ان کے جانشین (300 تا 750 عیسوی)

The Guptas and their susccessors (A.D 300-750)

کسانوں کے زوال کے بعد شمالی ہندوستان میں گپت خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس خاندان کے حکمراں ایک وسیع سلطنت (جس میں تقریباً پورا شمالی ہند شامل تھا) قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ گپتوں کو بعض مادی فوائد بھی حاصل تھے جس سے انہیں سلطنت قائم کرنے میں مدد ملی۔ ان کی حکمرانی کے دائرہ عمل میں مشرقی اتر پردیش اور بہار جیسے بہت زیادہ زرخیز علاقے تھے۔ وہ مرکزی ہندوستان اور بہار کی لوہے کی دھاتوں کو بھی اپنے فائدے کے لیے بھرپور استعمال کرتے تھے۔ ان کے دور کو فن، فن تعمیر اور ادب میں ہونے والی زبردست ترقی کے لیے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے تقریباً 550 عیسوی تک حکومت کی۔ ان کے سقوط کے بعد شمالی ہند میں مختلف علاقائی مملکتیں ابھریں۔ 550 تا 750 عیسوی میں جنوبی ہندوستان نے بھی علی الترتیب چالکیہ اور پلوؤں کے ماتحت دو اہم مملکتوں کو ابھرتے ہوئے دیکھا۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- گپت سلطنت کے ظہور اور اس کے حکمرانوں کی سیاسی حصولیابیوں کی وضاحت کرسکیں گے؛
- گپتوں کے زوال کے بعد علاقائی مملکتوں کے ظہور کے بارے میں بیان کرسکیں گے؛
- گپت اور مابعد سیاسی ساخت کی نوعیت کا تجزیہ کرسکیں گے؛
- تقریباً 300 عیسوی سے 750 عیسوی تک سماجی و معاشی تبدیلیوں کو بیان کرسکیں گے؛
- فن اور ادب کے خاص حوالے کے ساتھ ثقافتی ترقیوں کی شناخت کرسکیں گے؛
- برہمنی روایت کے استوار ہونے اور پرانک مذہب کے ظہور کے بارے میں واقف ہوسکیں گے؛
- سائنس اور ٹکنالوجی میں ہوئی ترقیوں کو درج فہرست کرسکیں گے۔

7.1 سیاسی تاریخ

گپت شاہی خانوادہ شری گپت کے ذریعہ قائم کیا گیا تھا جو شاید ویشیہ ذات کا تھا۔ وہ یا تو مگدھ (بہار) یا پریاگ (مشرقی اتر پردیش) کا باشندہ تھا۔ اس کا بیٹا گھٹوتکچ جس نے مہاراجہ کا خطاب اختیار کر رکھا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے، کچھ چھوٹے راجہ بھی تھے جن کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانا جاتا۔

(a) چندر گپت اوّل

گپت سلطنت کا حقیقی بانی چندر گپت اول (319 تا 334 عیسوی) تھا۔ 319 عیسوی میں اس کی جانشینی گپت عہد کی شروعات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہیں سے ان کے سبھی ریکارڈوں اور ان کے جاگیرداروں کے بھی ریکارڈوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس نے 'مہاراج ادھیراج'' (یعنی راجاؤں کا راجہ) کا خطاب اختیار کیا۔ اس نے لچھوی کی راج کماری کمارادیوی سے شادی کی۔ یہ واقعہ چندر گپت کے ذریعہ جاری کیے گئے سونے کے سکوں کے ایک سلسلے میں درج کیا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس ازدواجی رشتے نے گپت راجہ کو جواز، وقار اور قوت عطا کی۔ چندر گپت نے مگدھ (بہار) ساکیت (جدید ایودھیا) اور پریاگ (جدید الہ آباد) پر حکومت کی۔ اس نے پاٹلی پتر (جدید پٹنہ) کو اپنی راجدھانی بنایا تھا۔



متن پر مبنی سوالات 7.1

1۔ گپت خاندان کا حقیقی بانی کون تھا؟

_____

2 ۔ ان دو مادی فوائد کو بیان کیجئے جن سے گپتوں کو سلطنت قائم کرنے میں مدد ملی۔

_____

3۔ لچھوی سے چندر گپت کے ازدواجی رشتے سے اسے کس طرح مدد ملی؟

_____

(b) سمدر گپت

چندر گپت کے بعد اس کا بیٹا سمدر گپت (335 تا 375) جانشین ہوا۔ سمدر گپت نے فتح کی پالیسی اختیار کی اور اپنے مملکت میں زبردست توسیع کی۔ اس کی حصولیابیاں ایک طویل کتبے (پرشستی) میں

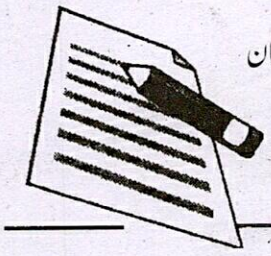

نوٹس

درج کی گئی ہیں جو اس کے دربار کے شاعر ہری سین نے خالص سنسکرت میں لکھی تھیں۔ کتبہ الہ آباد میں ایک ستون پر کندہ کیا گیا ہے۔ اس میں سمدر گپت کے ذریعہ فتح کیے گئے علاقوں اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نے اپنے فتح کیے گئے مختلف علاقوں کے لیے مختلف پالیسی اپنائی۔

گنگا جمنا دوآب میں اس نے الحاق کے پالیسی اپنائی اور ناگا حکمرانوں کو ہرایا اور ان کی مملکتوں کو گپت سلطنت میں شامل کیا۔ اس کے بعد اس نے مرکزی ہندوستان کی جنگلاتی مملکتوں کو فتح کرنے کی کارروائی کی جیسا کہ ''اٹاویراجیہ'' کے طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان قبائلی علاقوں کے حکمرانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور وہ تابعداری پر مجبور ہوئے۔ اس علاقے کی ایک دفاعی اہمیت تھی کیونکہ یہ جنوبی ہندستان کو جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ اس سے سمدر گپت مشرقی ساحل کے ساتھ جنوب کی طرف آگے بڑھا اور راستے میں آنے والے بارہ راجاؤں پر فتح حاصل کرتا ہوا چنئی کے نزدیک کانچی تک پہنچ گیا۔ ان کی مملکتوں کا الحاق کرنے کے بجائے سمدر گپت نے انہیں آزاد کیا اور ان راجاؤں کو ان کا اقتدار بحال کیا۔ جنوبی ہندوستان کے لیے اس نے سیاسی مفاہمت کی پالیسی اس لیے اپنائی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسے انہیں زیر کنٹرول رکھنا مشکل ہے اور ان کو تابعدار بنانے کے لیے بعد وہ شمال میں اپنی راجدھانی واپس چلا گیا۔ اس طرح اس کے لیے یہ کافی تھا کہ ان ریاستوں نے اس کی حکم فرمائی کو تسلیم کیا اور اسے خراج اور تحائف پیش کیے۔

الہ آباد کے کتبے کے مطابق پانچ پڑوس کی سرحدی مملکتیں اور پنجاب اور مغربی ہندوستان کی نو جمہوریتیں سمدر گپت کی فتوحات کے ذریعہ کافی مرعوب ہوئیں۔ وہ سمدر گپت کو خراج اور ٹیکس کی ادائیگی اور کسی جنگ کے بغیر اس کے احکامات کی تعمیل پر متفق ہوئے۔ کتبہ میں مزید یہ بھی درج ہے کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا کے متعدد راجاؤں سے بھی خراج وصول کرتا تھا۔

عموماً یہ مانا جاتا ہے کہ اگرچہ اس کا اثر ورسوخ ایک بہت بڑے علاقے پر تھا، لیکن سمدر گپت کا خاص طور پر ہند گنگائی طاس پر اس کا سیدھا انتظامی کنٹرول تھا۔ اس نے ایک گھوڑے کی بلی (اشومیدھ) انجام دینے کے ذریعہ اپنی فتوحات کا جشن بنایا اور اس کی اشومیدھ (بلی کے منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے سکے) اس موقع پر جاری کیا۔ سمدر گپت نہ صرف یہ کہ ایک فاتح تھا بلکہ ایک شاعر، موسیقار اور علم پرست تھا۔ موسیقی سے اس کے لگاؤ کی تصدیق اس کے سکوں سے ہوتی ہے جس میں اسے ایک ونیا (گٹار کی طرح کا تاروں والا ساز) بجاتے ہوئے دکھا گیا ہے۔

متن پر مبنی سوالات 7.2

1۔ تاریخ میں سمدر گپت کے الہ آباد ستونی کتبے کی کیا اہمیت ہے؟

2۔ سمدر گپت کے سکوں سے اس کی شخصیت کے بارے میں ہم کیا جانتے ہیں؟

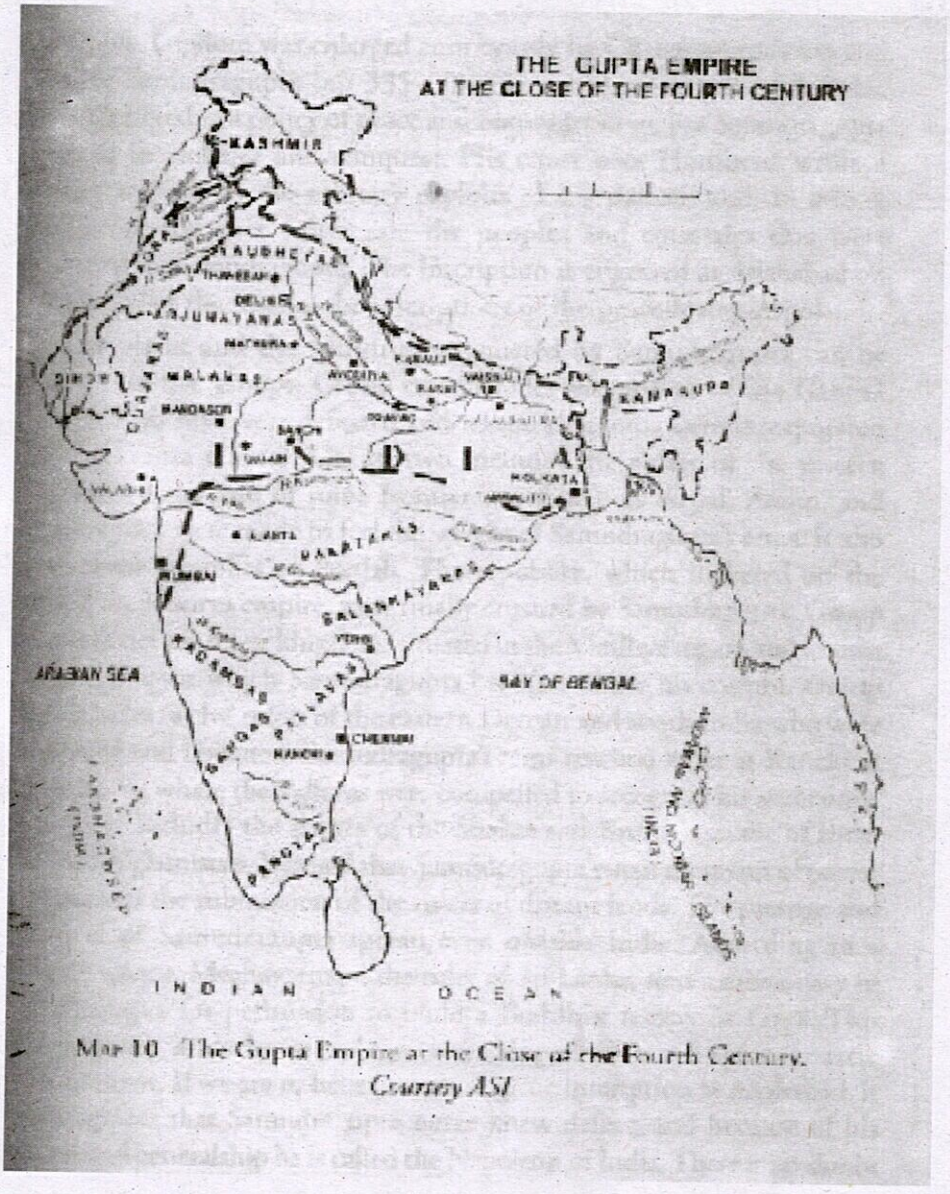

Map 10 The Gupta Empire at the Close of the Fourth Century.
Courtesy ASI

نقشہ 7.1: گپت دور

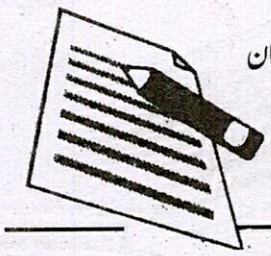

نوٹس

گپت اور اُن کے جانشین (300 تا 750 عیسوی)

(c) چندر گپت ثانی

سمدر گپت کے بعد اس کا بیٹا چندر گپت دوئم (375 تا 414) جانشین ہوا۔ اسے چندر گپت وکرمادتیہ کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے والد کی سلطنت میں توسیع کی بلکہ اس دور کے دیگر شاہی خاندانوں کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کرنے کے ذریعہ اپنی حیثیت بھی مضبوط کی۔ اس نے کویرنا گا سے شادی کی جو ناگارا جکماری تھی اور اس سے ایک بیٹی پربھاوتی بھی ہوئی۔ پربھاوتی کی شادی دکن میں وکاٹک خاندان کے رودرسین دوئم سے کردی تھی۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد پربھاوتی نے اپنے باپ کی مدد سے اپنے نابالغ بیٹے کے ولی کے طور پر اس علاقے پر حکمرانی کی، وکاٹک کے علاقے پر کنٹرول کرنا چندر گپت دوئم کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوا کیونکہ وہ اب اپنے دیگر دشمنوں سے زیادہ بہتر طور پر نمٹنے میں اہل تھا۔ اس کی سب سے زیادہ بڑی فوجی کامیابی شاکیہ راجاؤں پر اس کی فتح تھی، شاکیہ راجہ پچھلے تین سو سالوں سے مغربی ہندوستان پر حکمرانی کر رہے تھے۔ اس فتح کے سبب گپت سلطنت کی توسیع مغربی ساحل تک ہوئی۔

دہلی میں مہرولی کے ایک لوہے کے ستونی کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی سلطنت میں شمالی مغربی ہندوستان اور بنگال بھی شامل تھا۔ اس نے وکرمادتیہ (یعنی سورج جیسا طاقتور) کا خطاب اختیار کیا۔ چندر گپت دوئم کو فن وادب کی اس کی سرپرستی کے سبب یاد کی جاتا ہے۔ اسے اپنے دربار میں نورتنوں (نو ستارے، ممتاز شخصیت) کی کفالت کرنے کا سہرا بھی جاتا ہے۔ عظیم سنسکرت شاعر اور ڈرامہ نگار کالی داس ان سبھی میں سے سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ چینی بدھ سیاح فاہیان (404 تا 411 عیسوی) اس کے دور حکومت میں ہندوستان آیا تھا۔ اس نے پانچویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے لوگوں کی زندگی کے بارے میں روئیداد بیان کی ہے۔



متن پر مبنی سوالات 7.3

1۔ چندر گپت دوئم نے کس شاہی خاندان کی بیٹی سے شادی کی تھی؟

_____

2۔ اس ازدواجی رشتے سے چندر گپت دوئم کو کس طرح مدد ملی؟

_____

3۔ اس چینی سیاح کا نام بتایئے جو چندر گپت دوئم کے دور حکومت میں ہندوستان آیا تھا

_____

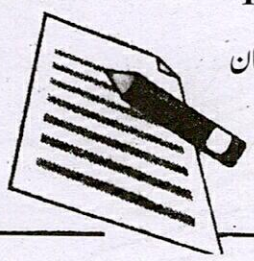

نوٹس

4۔ اس عظیم سنسکرت شاعر اور ڈرامہ نگار کا نام بتایئے جس نے چندر گپت دوئم کے دربار میں زینت بخشی تھی۔

(d) زوال

چندر گپت دوئم کے بعد اس کا بیٹا کمار گپت (415 تا 455 عیسوی) میں تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے باپ کے ذریعہ تعمیر کی گئی سلطنت کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہا تھا لیکن بعد کے زمانے میں مرکزی ایشیا کے ہونوں سے اس کی حکومت کو خطرہ پیدا ہونے لگا تھا۔ باکٹریا پر قبضہ کرنے کے بعد ہنوں نے ہندوکش پہاڑی سلسلے کو عبور کرلیا اور ہندوستان میں داخل ہوئے۔ اس کے دور حکومت میں ہونوں کے پہلے حملے کو راجکمار اسکند گپت کے ذریعہ پسپا کردیا گیا تھا۔ تاہم گپت اپنی سلطنت کو زیادہ عرصہ تک تحفظ نہیں فراہم کرسکے۔ یکے بعد دیگرے کیے گئے حملوں نے گپت حکومت کو بہت کمزور کردیا۔ یہی ایک خاص وجہ تھی جس سے گپت سلطنت کے بکھراؤ میں تیزی آئی۔

ہونوں نے جو کتبات جاری کیے ان سے پتہ چلتا ہے کہ 485 عیسوی میں انہوں نے مشرقی مالدہ اور مرکزی ہندوستان پر قبضہ کرلیا تھا۔ پنجاب اور راجستھان بھی ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ ہندوستان میں ہونوں کو پہلا اہم حکمراں تورامن تھا جس نے مرکزی ہندوستان میں بھوپال کے نزدیک ایران تک کے علاقے پر فتح حاصل کرلی تھی۔ اس کا بیٹا مہر کل 515 عیسوی میں تخت نشیں ہوا۔ عبارتوں میں اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک جابر اور بت شکن حکمراں تھا۔ مالوہ کے یشودھرمن اور گپت خاندان کا راجکمار نرسمہا گپت بالادتیہ دونوں نے مہر کل کو آخر کار شکست دی۔ لیکن ہونوں پر یہ فتح گپت سلطنت کو بحال نہیں کرسکی۔

ہون حملے کے علاوہ معاشی خوشحالی میں بھی دھیرے دھیرے زوال آیا۔ اس کا پتہ مابعد گپت حکمرانوں کے سونے کے سکوں سے چلتا کہ اس میں سونے کی مقدار کم اور بھرت (alloy) کی مقدار زیادہ ہوتی تھی۔ مابعد گپت دور میں ہم دھیرے دھیرے ان سکوں کو چلن سے خارج ہوتا ہوا بھی دیکھتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں راجا نقد کے بجائے زمین کی شکل میں ادائیگیاں کرنے لگے تھے۔ بڑے پیمانے پر برہمنوں اور عہدیداروں کو دیے جانے والے عطیات کے بارے میں زمینی عطیہ کے منشورات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

ریاست کو پیش کی گئی خدمات کے بدلے میں مذہبی اور غیر مذہبی مقاصد کے لیے زمین دینے کے رواج کو عام طور پر جاگیرداری کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس رواج کے تحت عطیہ وصول کرنے والے (معطی الیہ) کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ نہ صرف ٹیکس وصول کرے بلکہ دی گئی زمین کا بھی انتظام سنبھالے۔

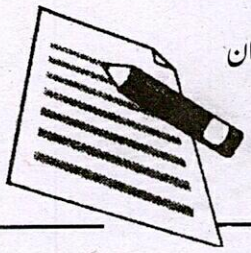

نوٹس

اس سے چھوٹے چھوٹے گروہ باقتدار پیدا ہوگئے۔ جو حکمراں کے مفاد کو نظر انداز کر کے مسلسل اپنا دائرہ بڑھانے کی کوشش میں لگ گئے۔

گپت سلطنت کے زوال کا نتیجہ شمالی ہندوستان کے مختلف حصوں میں متعدد حکمراں خاندانوں کے ظہور کی صورت میں برآمد ہوا۔ ان میں تھانیشور کے پیشہ بھوتی، قنوج کے موکھاری اور وبھی کے میتراک ممتاز تھے۔ جزیرہ نما ہندوستان کا سیاسی منظور بھی کوئی مختلف نہیں تھا۔ دکن اور شمالی تمل ناڈو میں علی الترتیب چالوکیہ اور پلوونام کی مضبوط علاقائی طاقتیں ابھریں۔

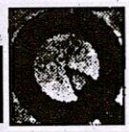

متن پر مبنی سوالات 7.4

1۔ تورامن کس خاندانی گروہ سے تعلق رکھتے تھے؟

2۔ اس راجکمار گپت کا نام بتایئے جس نے ہونوں کے پہلے حملے کو پسپا کیا تھا۔

3۔ گپتوں کے زوال کے بعد شمالی ہندوستان میں ابھرے دو شاہی خاندانوں کے نام بتایئے۔

7.2 میتراک

میتراک گپتوں کے باج گزار (خراج ادا کرنے والے) سردار تھے جنہوں نے مغربی ہندوستان میں ایک آزاد مملکت قائم کر لی تھی۔ دھروسین دوئم میتراک کا نہایت اہم حکمراں تھا۔ وہ ہرش وردھن کا ہم عصر تھا اور اس کی بیٹی سے اس نے شادی کی تھی۔ ہوئین سانگ بیان کرتا ہے کہ دھروسین نے پریاگ (الہ آباد) میں ہرش کے اجتماع میں شرکت کی تھی۔ گجرات پر سوراشٹر پر حکومت کرتے ہوئے اس نے وبھی کو اپنی راجدھانی کے طور پر فروغ دیا۔ یہ شہر علم کا ایک اہم مرکز بن چکا تھا۔ بحیرہ عرب کے پاس ہونے کے سبب یہ ایک بندرگاہ شہر بھی تھا۔ جہاں تجارت اور کامرس خوب پھلا پھولا، میتراکوں نے آٹھویں صدی کے وسط تک حکمرانی کی اِس کے بعد عرب حملوں نے ان کے اقتدار کو کمزور کر دیا تھا۔

7.3 موکھیری

مغربی اتر پردیش کے ایک شہر قنوج پر موکھیریوں نے حکمرانی کی جو دھیرے دھیرے پاٹلی پتر کے

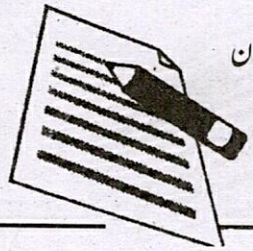

نوٹس

بجائے شمالی ہند کا ایک سیاسی مرکز بن چکا تھا۔ موکھیری بھی گپتوں کے ماتحت حکمراں تھے اور سامنت کا خطاب استعمال کرتے تھے۔ ہرش وردھن کی بہن راجیہ شری کی گرہاورمن سے شادی ہوئی تھی۔ بنگال گور کے حکمراں شاشنک اور اس کے بعد گپت حکمراں دیوگپت نے مشترکہ طور پر گرہ ورمن پر حملہ کیا اور اسے ماردیا۔ قنوج کی مملکت اس کے بعد پیشہ بھوٹی میں ضم ہوگئی اور ہرش نے اپنی راجدھانی تھانیشور (کروکشیتر) سے قنوج منتقل کرلی۔

7.4 تھانیشور کا پیشہ بھوتی

ایک اہم حکمراں خاندان جس نے گپتوں کے زوال کے بعد عروج حاصل کیا وہ پشیہ بھوتی تھا جن کی راجدھانی تھانیشور (کروکشیتر میں تھانیشور) تھی۔ پربھاکروردھن کی تاجپوشی کے بعد یہ شاہی خاندان زیادہ ذی اثر ہوگیا۔ یہ راجہ ہونوں کو شکست دینے میں کامیاب رہا اور اس نے پنجاب وہریانہ کے خطوں میں اپنی حیثیت کافی مضبوط کرلی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا راجیہ وردھن تخت پر بیٹھا لیکن اسے دھوکے سے بنگال اور بہار کے راجہ ششانک کے ذریعہ ماردیا گیا۔ 606 عیسوی میں ہرش وردھن تخت نشین ہوا۔ اس وقت وہ صرف سولہ سال کا تھا۔ لیکن اس نے خود کو ایک عظیم جنگجو ثابت کیا اور اس کے ساتھ ہی وہ اہل منتظم بھی تھا۔ ہمارے پاس دو بیش بہا ذرائع ہیں جن سے ہرش وردھن (606 تا 647) کی زندگی اور اس کے زمانے پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک اس کے درباری شاعر بان بھٹ کے ذریعہ لکھی گئی کتاب ''ہرش چرتر'' اور دوسرے چینی بدھ زائر ہیون سانگ کا سفرنامہ ''Si-yu-ki'' ہے جس نے 629 تا 644 عیسوی کے دوران ہندوستان کا دورہ کیا تھا۔

اپنی جانشینی کے بعد ہرش وردھن نے اپنی مملکت کو اپنی بیوہ بہن راجیہ شری (اوپر دیکھیں) کی مملکت کے ساتھ متحد کیا اور اپنی راجدھانی قنوج لے گیا۔ اسے شمال کے فرمانروا (شاکااتر پتھنتھا) کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس نے پنجاب، اتر پردیش، بنگال، بہار اور اڑیسہ کو اپنے زیر اقتدار کیا۔ ہرش دکن تک اپنا اقتدار پھیلانا چاہتا تھا۔ لیکن اسے چالکیہ حکمراں پلکیش دوئم نے نرمدا ندی کے ساحل پر شکست دی۔ اس طرح یہ ندی اس کی مملکت کی جنوبی سرحد بن گئی۔

ہرش کی موت 647 عیسوی میں ہوئی اس کے بعد ایک سیاسی انتشار پیدا ہوا جو آٹھویں صدی تک جاری رہا راجپوت حکمراں پرگورجر پرتی ہار شمالی ہند میں ایک بڑی قوت کے طور پر ابھرا۔

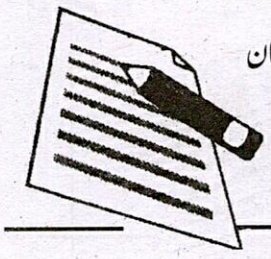

نوٹس



متن پر مبنی سوالات 7.5

1۔ ہرش چرتر کا مصنف کون تھا؟

2۔ ہیوئن سانگ نے کون سے راجہ کے دور حکومت میں ہندوستان کا دورہ کیا ہے؟

3۔ کس حکمراں نے ہرش کو شکست دی تھی؟

جزیرہ نما ہندوستان

7.5 وکاٹک

جزیرہ نما ہندستان میں وکاٹک ایک مقامی قوت تھے جنہوں نے شمالی مہاراشٹر اوودربھ میں حکومت کی تھی۔ ان کی تاریخ کی تعبیر برہمنوں کو جاری کیے گئے زمینی عطیات کی بڑی تعداد میں دریافت کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ شاہی وکاٹک خاندان کے رودرسین دوئم کی شادی شاہی گپت خانوادے کے چندر گپت دوئم کی بیٹی پربھاوتی سے ہوئی تھی۔ ثقافتی طور پر وکاٹک مملکت اس لیے اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ جنوبی ہندوستان تک برہمنی ثقافت کو پھیلانے کا ایک ذریعہ تھا۔

7.6 چالوکیہ (چھٹی تا آٹھویں صدی عیسوی)

چالوکیوں نے چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے تقریباً دوسو سالوں تک دکن اور جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم رول نبھایا۔ انہوں نے اپنی راجدھانی وٹاپی (کرناٹک میں جدید بادامی) کے ساتھ مغربی دکن میں اپنی مملکت قائم کی۔

پلکیشن دوئم (610 تا 642 عیسوی) کے دور حکومت میں مملکت کافی تیزی کے ساتھ کافی نمایاں مقام حاصل کر چکی تھی۔ وہ چالوکیہ خاندان کا ایک عظیم ترین حکمراں تھا۔ اس نے مہاراشٹر اور دکن کے بڑے حصوں پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ اس نے تقریباً 630 عیسوی میں ہرش وردھن کو ہرادیا اور دکشنی پاتھیشور (جنوب کا مالک) کا خطاب حاصل کیا۔ تاہم اسے خود شکست حاصل ہوئی اور تقریباً 642 میں پلو راجہ نرسمہاورمن کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ دور پلوؤں اور چالکیوں کے درمیان لڑی جانے والی ایک طویل سیاسی جدوجہد کی شروعات کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس دور میں تقریباً ایک سوسالوں سے زیادہ اتار چڑھاؤ

گپت اور اُن کے جانشین (300 تا 750 عیسوی)

جاری رہا۔ تقریباً 757 میں، ان کے جاگیرداروں راشٹرکٹوں نے ان کا تختہ پلٹ دیا۔ ثقافتی طور پر ان کا دور دکن میں فن اور فن تعمیر کی ترقی کے لیے اہم ہے۔

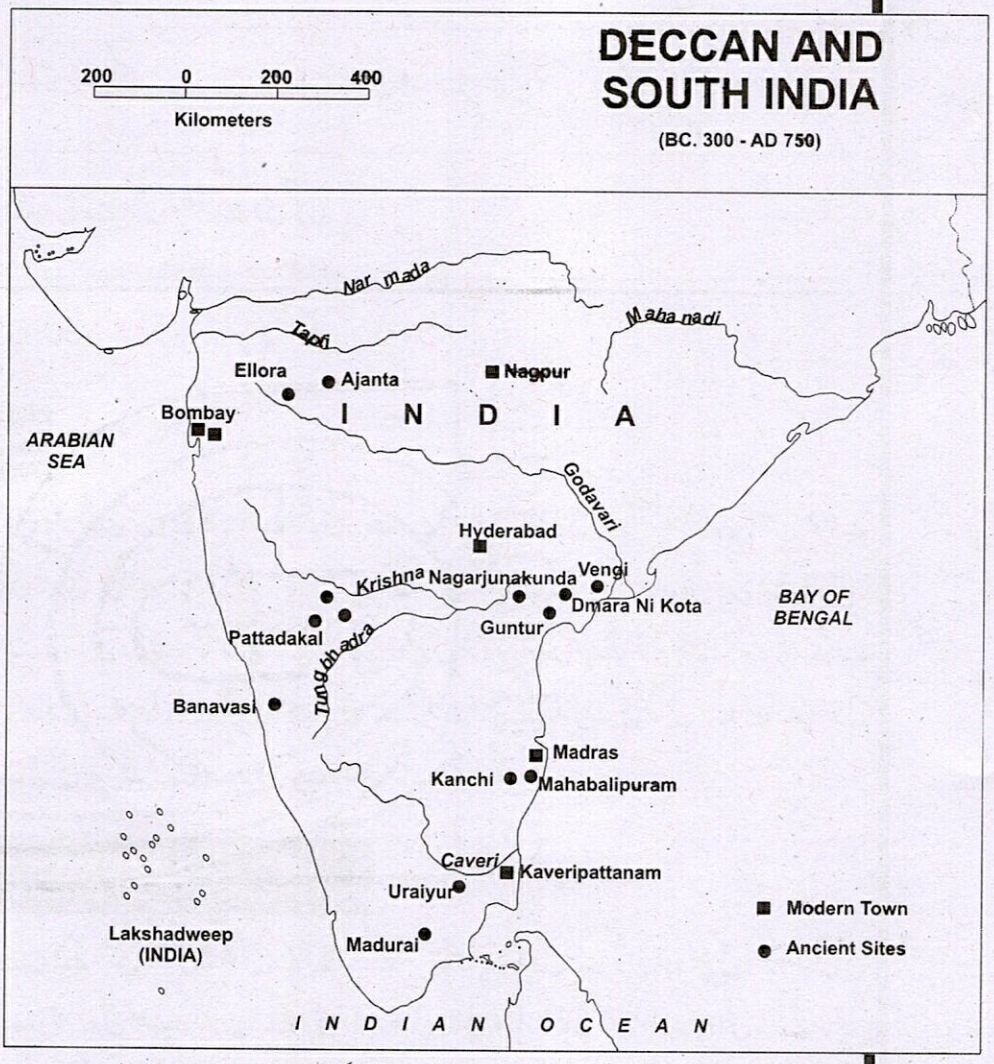

نقشہ 7.2: دکن اور جنوبی ہندوستان

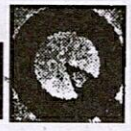

متن پر مبنی سوالات 7.6

1۔ چالکیوں کی راجدھانی کا نام بتائیے۔

2۔ پلکیشن دوئم نے کون سا خطاب اختیار کیا تھا؟

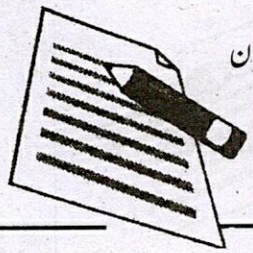

نوٹس

7.7 پلوؤ

پلوؤں نے کانچی میں اپنی راجدھانی کے ساتھ جنوبی آندھرا پردیش اور شمالی تملناڈ میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ ان کے زیر حکمرانی کانچی، مندروں والا ایک اہم شہر بن گیا اور اس کے ساتھ تجارت اور کامرس کے ایک مرکز کے طور پر بھی ابھرا۔

مہندر ورمن (600 تا 630 عیسوی) اور نرسمہا ورمن اول (630 تا 668 عیسوی) کے دور حکومت میں پلوؤں کے اقتدار کو عروج حاصل ہوا۔ ان کے پورے دور حکومت میں شمال میں وٹاپی کے چالکیوں اور جنوب میں چولاؤں اور پانڈیوں کی تمل مملکتوں سے مستقل ان کی جنگ جاری رہی۔ جنوبی ہندستان مین ان کی حکومت کی جگہ شاہی چولا خانوادے نے لے لی۔ ثقافتی طور پر ان کا دور حکومت تمل بھکتی ادب اور جنوبی ہندوستان میں فن اور فن تعمیر کے دروڑی طرز کے لیے زیادہ اہم ہے۔ انہیں کے دور حکومت میں چنئی کے جنوب میں مہابلی پورم مندر کی تعمیر کا ایک مرکز کے طور پر ابھرا۔



متن پر مبنی سوالات 7.7

1۔ پلوؤں کی راجدھانی کا نام بتایئے۔

_____

2۔ شمال میں پلوؤں کے بڑے دشمن کون تھے؟

_____

7.8 انتظام نظامی (تقریباً 300 تا 750 عیسوی)

موریوں کے دور میں سیاسی اقتدار راجہ کے ہاتھوں میں مرکوز تھا لیکن گپت انتظامیہ نوعیت کے اعتبار سے لامرکزی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جاگیرداریاں یعنی مقامی راجہ اور چھوٹے چھوٹے سردار ان کی سلطنت کے ایک بڑے حصے پر حکمرانی کرتے تھے۔ مہاراج ادھیراج، پرم بھٹاوک، پرمیشور وغیرہ جیسے شان وشوکت دکھانے والے خطاب شاہی گپت خانوادے کے ذریعہ اپنائے گئے تھے۔ ان نچلے درجے کے حکمراں بھی اپنے ناموں کو راجہ اور مہاراجہ جیسے خطابوں سے مزین کرتے تھے۔

بادشاہت عام طور پر موروثی ہوتی تھی۔ راجہ انتظامیہ کا نقطہ مرکز تھا۔ راجکمار، وزرا اور صلاح کاروں کے ذریعہ اس کی مدد کی جاتی تھی۔ راجکماروں کو صوبوں کا وائسرائے بھی بنایا جاتا تھا۔ صوبوں کو

دیش، راشٹر یا بھکتی کے طور پر جانا جاتا تھا اور ان کے سربراہ کو اپاریک کہا جاتا تھا۔ صوبوں کو متعدد ضلعوں میں تقسیم کیا جاتا تھا جسے پردیش یا وشیا کہا جاتا تھا۔ وشیا کے انتظامی سربراہ کو وشیاپتی کے طور پر جانا جاتا تھا۔ وشیاؤں کو مزید گاواں میں تقسیم کیا جاتا تھا جسے پردیش یا وشیا کہا جاتا تھا۔ وشیا کے انتظامیہ سربراہ کو وشیاپتی کے طور پر جانا جاتا تھا۔ وشیاؤں کو مزید گاووں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ گاؤں کے مکھیا کو گرام ادھیکشہ کہا جاتا تھا۔ جو گاؤں کے بزرگوں کی مدد سے گاؤں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ گپت دور میں دستکار اور تاجر شہری انتظامیہ میں سرگرم حصہ لیا کرتے تھے۔ موریوں کے مقابلے گپتوں کی بیوروکریسی کم جامع تھی۔ گپتوں کے ماتحت مرکزی عہدیداروں کی اونچی سطح کو کمارا ماتیہ کہا جاتا تھا۔ منتری اور سنیاپتی جیسے اہم عہدیداروں کو اس کیڈر سے لیا جاتا تھا۔ انتظامی عہدے نہ صرف موروثی ہوتے تے بلکہ اکثر متعدد دفاتر کو ایک شخص کی زیر نگرانی متحد کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہری سین کے معاملے میں تھا اور جس نے سمدر گپت کے الہ بادستون کا کتبہ تحریر کیا تھا۔ اسے مہاڈنڈ نائک (چیف عدالتی افسر) کے ساتھ ساتھ مہاسندھی وگراہیکا (وزیر برائے جنگ وامن) کے طور پر بھی بیان کیا جاتا ہے۔ حکمراں اکثر خود علی رینک کے عہدیداروں کی تقرری کرتا تھا لیکن عہدے کی موروثی نوعیت نے انتظامیہ پر شاہی نگرانی کو کمزور بنا دیا تھا۔

گپت دور میں زمینی ٹیکس (لگان) کو نمایاں طور پر بڑھا دیا گیا تھا۔ زمینی ٹیکس کو بلی کہا جاتا تھا جو کل پیداوار کے ایک چوتھائی سے لے کر 1/6 واں تک الگ الگ ہوتا تھا۔ گپت کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو نئے زراعتی ٹیکس بھی لگائے گئے تھے جن کو اپاری کر اور اورنگ کے طور پر جانا جاتا تھا۔ تاہم ان کی بالکل صحیح نوعیت واضح نہیں ہے۔ مزید برآں، کسانوں کو جاگیرداروں کی مانگ بھی پوری کرنی ہوتی تھی۔ گاؤوں سے گزرتے وقت شاہی فوج کے کھانے پینے کا بھی انتظام کرنا ہوتا تھا۔ گاؤں والوں کو جبری محنت (وشٹی) بھی کرنی پڑ سکتی تھی۔

پچھلے زمانے کی نسبت گپت حکمرانوں کے ماتحت عدالتی نظام کو کہیں زیادہ ترقی حاصل ہوئی تھی۔ پہلی بار دیوانی (سول) اور فوجداری قوانین کی واضح طور پر حد بندی کی گئی تھی۔ جائیداد کے کئی طرح کے تنازعات کو سول قانون سمجھا جاتا تھا۔ وراثت کے بارے میں جامع قوانین پیش کیے گئے۔ چوری اور زنا کاری کو فوجداری قانون کے تحت رکھا گیا۔ راجہ قانون کی توثیق کرتا تھا اور برہمنوں کی مدد سے مقدمات نمٹانے کی کوشش کرتا تھا۔ تاجروں اور دستکاروں کی انجمنوں (گلڈ) کو ان کے اپنے قوانین کے ذریعہ منضبط کیا جاتا تھا۔ ہرش نے اپنی سلطنت کا انتظام اسی خطوط پر کیا جیسا کہ گپتوں نے کیا تھا۔ لیکن اس کے دور میں انتظامیہ بہت زیادہ لامرکزیت اختیار کر چکا تھا اور جاگیرداروں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ ہرش کے زیر حکمرانی عہدیداروں اور مذہبی اشخاص کو بطور خاص زمین کی صورت میں ادائیگی کی جاتی

تھی۔ اس سے جاگیرداری کے نظام کی حوصلہ افزائی ہوئی اور مابعد ہرش دور میں اور بھی زیادہ جاگیردار ہوگئے تھے۔

ہرش کی سلطنت میں امن وامان کافی منظّم دکھائی نہیں دیتا۔ ہندوستان میں اپنے سفر کے دوران ہیون سانگ کا مال اسباب دوبار لوٹا گیا تھا۔ جب کہ دوسری طرف فاہیان کو گپت دور میں اس طرح کی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

متن پر مبنی سوالات 7.8

1۔ گپت حکمرانوں کے ذریعہ اپنائے گئے خطابات کے بارے میں تحریر کیجئے۔

2۔ گپت دور میں صوبوں کو کس نام سے جانا جاتا تھا؟

3۔ گپت دور میں انتظامیہ کی سب سے نچلی اکائی کا نام بتایئے۔

4۔ کمارامایتہ کون تھے؟

5۔ گپتوں کے ذریعہ عائد کیے گئے دو نئے ٹیکسوں کے نام لکھیے۔

6۔ ہرش کے دور حکومت امن وامان کی صورت حال کیسی تھی؟

7.9 سماج

سماج کی ساخت گپت دور میں تغیر پذیر تھی۔ برہمنوں کی برتری بڑھتی جارہی تھی۔ انہیں بڑے پیمانے پر زمینی عطیات نہ صرف حکمرانوں بلکہ دیگر لوگوں کے ذریعہ بھی دیے جانے لگے تھے۔ زمین انتظامی حقوق اور ٹیکسوں کی رعایت کے ساتھ دی جاتی تھی۔ اس طرح برہمن زمینداروں کے ایک نئے طبقے کی تخلیق ہوئی۔ جن کو راجہ کی حمایت حاصل تھی اور اس سے کسانوں کے استحصال کا میلان بڑھا۔ اس دور میں بھی ذات پات کی سرایت کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ دور دراز کے اور مختلف علاقوں میں برہمنی



نوٹس

ثقافت کے پھیلاؤ کے ساتھ بڑی تعداد میں قبائلی ورن نظام کی برہمنی ساخت میں سموگئے، جیسے ہونوں جیسے کچھ غیر ملکیوں کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا۔ جہاں غیر ملکیوں اور قبائلی سرداروں کو کشتر یہ کے طور پر شامل کیا گیا تھا، وہیں عام قبائلیوں کو شودر کی حیثیت دی گئی۔

شودروں کی حیثیت بہرحال کسی حد تک بہتر ہوگئی تھی۔ انہیں اب رزمیوں اور پرانوں کو سننے کی اجازت مل چکی تھی۔ وہ کچھ گھریلو رسوم بھی انجام دے سکتے تھے جن پر پہلے ان کے لیے پابندی لگی ہوئی تھی۔ ساتویں صدی میں ہوبن سانگ شودروں کو زراعت پیشہ اپنانے والے اور ویشیوں کو تاجروں کے طور پر بیان کرتا ہے۔ شودروں اور اچھوتوں کے درمیان بھی تفریق تھی، اچھوتوں کو بعد میں شودروں کی نسبت کم حیثیت کا سمجھا گیا۔

اچھوتوں کو چنڈال کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ وہ گاؤں کے باہر رہتے تھے اور تکلیف دہ کام جیسے میلا اٹھانے یا ذبیحہ کا کام کرتے تھے۔ چینی سیاح فاہیان سانگ ہمیں بتاتا ہے کہ جب کبھی قصبوں یا بازاروں میں وہ داخل ہوتے تھے تو لکڑی کے تختے پر ضرب لگا کر اپنی آمد کا اعلان کرتے تھے تاکہ دوسرے لوگ ان کو چھو نہ سکیں اور آلودہ نہ ہوسکیں۔

غلاموں کے حوالے بھی دھرم شاستروں (قانون کی کتابوں) میں ملتے ہیں۔ نارد پندرہ قسم کے غلاموں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ عام طور پر گھریلو خادم ہوتے تھے جو صفائی اور جھاڑو دینے وغیرہ کا کام کرتے تھے۔ جنگی قیدی، قرض نہ چکانے والوں اور باندیوں کے یہاں پیدا لوگوں کو غلام سمجھا جاتا تھا۔

گپت دور میں عورتوں کی حیثیت میں کمتری پیدا ہونا جاری تھا۔ عورتوں کے ماتحت حیثیت کی خاص وجہ ان کے گزر بسر کے لیے ان کا مردوں پر مکمل انحصار تھا۔ عورتیں جائیداد کی وراثت کی مستحق نہیں تھیں تاہم استری دھن یعنی شادی کے موقع پر دلہن کے ذریعہ حاصل کیے گئے تحائف پر ان کا پورا حق تھا۔ فن میں ان کی آزادانہ نمائندہ سے پتہ چلتا ہے کہ سماج میں پردے کا کوئی نظام نہیں تھا۔ تاہم ستی نام کی موجودگی کی شہادت ملتی ہے۔ ستی (بیوہ کا اپنی زندگی تج دنیا) کی پہلی شہادت مدھیہ پردیش کے ایرن میں ایک کتبے (510 عیسوی) میں پائی گئی ہے۔ بان کے ہرش چرت میں رانی اپنے شوہر راجہ پر بھاکر وردھن کی موت پر ستی ہوگئی تھی۔ حتی کہ ہرش کی بہن راجیہ شری تقریباً ستی ہونے والی تھی کہ ہرش نے اسے بچالیا۔



متن پر مبنی سوالات 7.9

1۔ ہیون سانگ کے ذریعہ بیان کیے گئے شودر کون ہیں؟

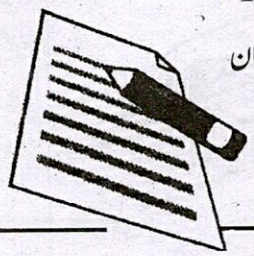

نوٹس

2۔ استری دھن کیا ہے؟

3۔ ستی کی پہلی کتباتی شہادت ہم کہاں پاتے ہیں؟

7.10 معیشت

تقریباً چوتھی صدی عیسوی سے آٹھویں صدی عیسوی تک کا دور ایک عظیم زراعتی توسیع کا دور تھا۔ زمین کا ایک وسیع رقبہ کاشتکاری کے تحت لایا جاچکا تھا اور زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لیے پیداوار کے رائج طریقوں میں کافی بہتری پیدا ہوئی۔ اس کی ایک وجہ مختلف علاقوں میں برہمنوں اور غیر مذہبی افسروں کو زمینوں کے عطیات دینے کا رواج تھا۔ اس سے خالی پڑی زمینوں کو بھی کاشتکاری کے تحت لانے میں مدد ملی۔ لوہے کے بنے ہل کے پھل، کھاد، آبپاشی کے استعمال کے علم کے پھیلاؤ اور پسماندہ علاقوں میں مویشی دھن کا تحفظ بھی دیہی خوشحالی میں زبردست معاون رہا۔ تاہم اس سے ان کسانوں کو کوئی راحت نہیں ملی جو اب بھی زبردست بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔

گپت اور مابعد گپت دور ملک کی تجارت اور کامرس میں تقابلی تنزلی کا بھی شاہد ہے۔ 550 عیسوی تک ہندوستان کی کچھ تجارت مشرقی رومی سلطنت کے ساتھ جاری رہی جہاں یہاں سے ریشم اور مسالہ جات کی برآمدات کی جاتی تھیں۔ تقریباً چھٹی صدی عیسوی میں رومیوں نے ریشم کے کیڑے پالنے کا فن سیکھا۔ اس سے اس قیمتی شے میں ہندوستان کی غیر ملکی تجارتی پر بہت خراب اثر پڑا۔ ہونوں کے ذریعہ شمال مغربی شاہراہ پر رکاوٹ پیدا کرنا اس زوال کا ایک اور اہم سبب تھا۔ ہندوستان نے جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت انجام دینے کے ذریعہ نقصان کی بھرپائی کی کوشش کی لیکن اس سے معیشت میں معقول حد تک معیشت بحال کرنے میں مدد نہیں ملی۔ تجارت میں نقصان کے سبب ملک میں سونے اور چاندی کے داخلی بہاؤ میں کمی آئی۔ گپتوں کے بعد سونے کے سکوں میں بالعموم کمیابی پیدا ہوجانے سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔

گپت نے سونے کے سکوں کی ایک بڑی تعداد جاری کی اسے دینار کہا جاتا تھا۔ لیکن ہم غور کرتے ہیں کہ چندر گپت دوئم کے بعد آنے والے گپت حکمراں کے سونے کے سکوں میں سونا کم اور بھرت (مخلوط دھات) زیادہ ہونے لگی تھی۔ گھنوں کے علاوہ مختلف خاندانوں کے راجاؤں کے کچھ ہی سکے پائے گئے ہیں۔ اس طرح زرمسکوکہ (سکوں کے رائج ہونے کا نظام) کے نہ ہونے سے یہ فرض کرسکتے ہیں کہ گپتوں

کے زوال کے بعد محدود تجارت کے ساتھ ایک خود کفیل معاشی نظام رائج تھا۔

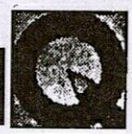

متن پر مبنی سوالات 7.10

1۔ مشرقی رومی سلطنت کو ہندوستانیوں کے ذریعہ برآمد (Export) کی جانے والی اشیاء کا نام بتایئے۔

_____

2۔ گپت سونے کے سکوں کو کس نام سے جانا جاتا تھا؟

_____

7.11 ادب

گپت عہد کو فن و ادب کا ایک سنہرا دور سمجھا جاتا ہے۔

اس دور میں مذہبی اور غیر مذہبی ادب کی ضخیم کتابیں مرتب کی گئی تھیں۔ رامائن اور مہا بھارت نام کے دو عظیم رزمیے حتمی طور پر چوتھی صدی عیسوی میں پورے کیے گئے تھے۔ دونوں رزمیوں کی کہانیاں برائی پر اچھائی کی علامت ظاہر کرتی ہیں۔ رام اور کرشن دونوں کو وشنو کا اوتار سمجھا جانے لگا۔

گپت دور ''پرانوں'' کے طور پر معروف ادب کو تحریر کرنے کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان عبارتوں میں ہندو دیوتاؤں کو برت اور تیرتھ یاتراؤں کے ذریعہ انہیں خوش رکھنے کے طریقوں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس دور میں لکھے گئے بڑے پران ہیں، وشنو پران، وایو پران اور متسیہ پران شیو کی پوجا کے لیے شیو پران لکھا گیا جب کہ وشنو کے مختلف اوتاروں کی عظمت و راہ پران، دامن پران اور نرسمہا پران میں بیان کی گئی ہے۔ یہ عام لوگوں کی پوجا کے مقصد سے لکھے گئے تھے۔ کچھ سمرتیاں یا قانون بھی گپت دور میں مرتب کی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک ناردا مرتی، اس دور کے عام سماجی اور معاشی اصول وضوابط پر روشنی ڈالتی ہے۔

گپت دور میں ادب سنسکرت میں لکھا گیا تھا۔ اس زمانے کے سب سے عظیم شاعر کالی داس تھے جو پانچویں صدی عیسوی میں چندر گپت دوئم کے دربار میں تھے۔ ان کی تخلیقات کافی مشہور ہیں اور بہت سی یوروپی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ کچھ تخلیقات جن کے وہ مصنف تھے 'میگھ دوتم'، ابھی گیان شکنتلم، رگھوونش، کمار سمبھو اور رتو سنہار ہیں۔ ان کی تخلیقات کی اہم خوبی یہ تھی کہ اونچی ذات کے کردار سنسکرت بولتے تھے جب کہ نچلی ذات کے کردار اور عورتیں پراکرت میں بات کرتی تھیں۔ اس زمانے

گپت اور اُن کے جانشین (300 تا 750 عیسوی)

میں کچھ اور مشہور ڈرامہ نگار کو عروج حاصل ہوا تھا وہ تھے شودرک، جنھوں نے مرچھکٹیکم لکھی اور وشاکھ دت تھے جنہوں نے مدرارا کشش لکھی تھی۔

ساتویں صدی عیسوی میں ہرش کے درباری شاعر بان بھٹ نے ہرش چرت لکھی جو ان کے اپنے سرپرست کی تعریف میں لکھی گئی تھی۔ یہ مرصع یا پرتکلف انداز میں لکھا گیا تھا۔ یہ بعد کے مصنف کے لیے ایک نمونہ بن چکا تھا۔ ہرش کی ابتدائی تاریخ کی تعمیر نو اس عبارت کی نیاد پر کی جاتی ہے۔ ایک اور کتاب جو انہوں نے لکھی تھی اس کا نام ہے۔ 'کامبری' ہرش کے بارے میں بھی یہی سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایک ادب نواز راجہ تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے تین ڈرامے پر یہ ورشیکا ناگانند اور رتناولی لکھا تھا۔

جنوبی ہندوستان میں 550 تا 750 عیسوی کا دور تمل میں بھکتی ادب کے عروج کا زمانہ ہے۔ ویشنو سنتوں الوار کے اور شیوسنتوں (نیتار) کے ذریعہ گیتوں کو مرتب کیا گیا تھا۔ الوار سنتوں میں ایک کافی مشہور اندل نام کی ایک خاتون تھی۔ ویشنو کے بھکتی گیتوں کو بعد میں نلیر پر بندھم نام کی تالیف میں مرتب کیا گیا تھا جب کہ شیوسنتوں کے کلام کو دیورم نام کی عبارت میں محفوظ کیا گیا ہے۔

متن پر مبنی سوالات 7.11

1۔ پران کیا ہیں؟

_____

2۔ اندل کون تھی؟

_____

3۔ نینار نام کے بھکتی ادب کیا ہیں؟

_____

7.12 فن اور فن تعمیر

قدیم ہندوستانی فن کو خاص طور پر مذہب سے تحریک ملتی تھی۔ جیسا کہ قدیم زمانے میں تھا گپت دور میں بھی بدھ مذہب سے فن کو زبردست قوت محرکہ ملی تھی۔ بدھ کی قدآدم مورتی جو تانبے میں بنائی گئی تھی بہار کے سلطان گنج سے دریافت ہوئی ہے۔ بدھ کی خوبصورتی مورتیاں بھی متھرا اور سارناتھ میں بنائی گئی تھیں۔ گپت دور میں بدھ فن کی عمدہ مثالیں اجنتا غاروں کی مصوریاں ہیں۔ گوتم بدھ کی زندگی اور

جاتک کہانیوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے یہ مصوری شوخ رنگوں میں کی گئی ہے، چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی رنگ پھیکے نہیں پڑے ہیں۔ اجنتا غاروں کو اب یونیسکو کے ذریعہ عالمی وراثت کے مقامات کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے۔

گپت دور میں یہ پہلی بار ہوا کہ شمالی ہندوستان میں ساختوں کی وضع میں مندروں کی تعمیر کی گئی تھی۔ یہ مندر ناگر انام سے معروف تعمیراتی طرز میں بنائے گئے تھے۔ ان مندروں میں سے ایک اتر پردیش میں کانپور کے بھتر گاؤں میں اینٹوں سے بنایا گیا تھا اور دوسرے جھانسی کے دیوگڑھ میں پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ یہاں وشنو کی مورتیوں کو ایک بڑے دیوتا کے طور پر مرکز میں نصب کیا گیا ہے۔



شکل 7.1: دیوگڑھ نرنرائن

گپتوں کے سکے بھی فن کے نمونے ہیں۔ ان کو اچھی طرح وضع کیا گیا ہے اور ان کی باریک بینی سے دستکاری کی گئی ہے۔ ان میں حکمرانوں کی سرگرمیوں کی جمالیاتی طور پر موثر تصویر کشی کی گئی ہے۔ سمدر گپت کے ذریعہ غنائی قسم کے سونے کے سکے جاری کیے گئے تھے جس میں اس کو دنیا بجاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ موسیقی میں اس کی دلچسپی اس کی اس نمائندگی سے تلاش کی جاسکتی ہے۔ اس نے اشومیدھ قسم کے بھی سکے جاری کیے تھے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ جزیرہ ماہندوستان میں وشنو اور شیو کی پوجا

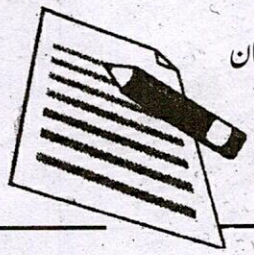

نوٹس

مقبول ہو چکی تھی۔

پلو وحکمرانوں نے ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں ان دیوتاؤں کی مورتیوں کو نصب کرنے کے لیے پتھر کے مندروں کی تعمیر کی تھی۔ ان میں سے سات رتھ یا مندر کافی مشہور ہیں، ہر ایک ٹھوس پتھر کے ٹکڑے سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اسے چنئی سے 65 کلومیٹر دور مہابلی پورم میں راجہ نرسمہاورمن کے ذریعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ پلووں نے بہت سے ساختی منادر بھی بنائے۔ ان میں سے کافی اہم کیلاش ناتھ مندر ہے جس کی تعمیر آٹھویں صدی میں کی گئی تھی۔

وٹاپی کے چالکیوں نے ایہول، بدامی اور پٹادکل میں متعدد منادر تعمیر کیے تھے۔ ٹپاڈکل دس مندر ہیں جنہیں ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ویرو پکشہ مندر ہے۔ فن تعمیر کے جنوبی طرز کو دروڑ طرز کے طور پر انا جانے لگا۔

متن پر مبنی سوالات 7.12

1۔ اتر پردیش میں گپت منادر کہاں پائے گئے تھے؟

2۔ فن تعمیر کے شمالی اور جنوبی طرز کے نام بتایئے؟

3۔ مہابلی پورم اہم کیوں ہے؟

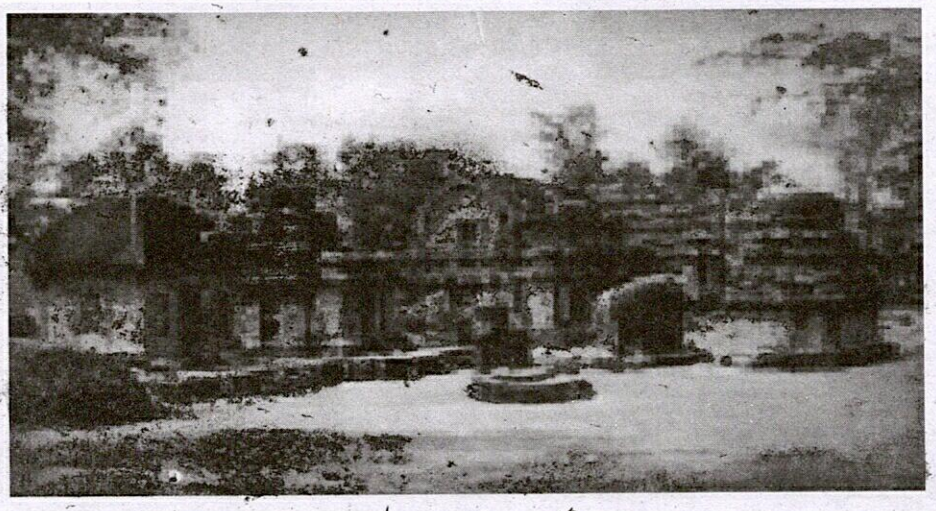

شکل 7.2: رتھ مندر مہابلی پورم



7.13 مذہب

گپت حکمرانوں نے بھگوت دھرم کی سرپرستی کی۔ لیکن وہ دوسرے مذاہب کے تئیں رواداد تھے۔ چینی سیاح فاہیان اور ہیون سانگ علی الترتیب چندر گپت دوئم اور ہرش کے دور حکومت میں آئے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بدھ مذہب کا اثر زبردست سرپرست تھا۔ اس نے مہایان فرقے کی تشہیر کے لیے قنوج میں ایک اجتماع بلایا۔ اس کے زمانے میں نالندہ کو مہایان بدھ مذہب کی تعلیم کے لیے ایک اہم مرکز کے طور پر فروغ حاصل ہوا۔ بیرون ممالک کے طلبا بھی اس یونیورسٹی میں آئے تھے۔ ہیون سانگ کے مطابق ایک سو گاؤں کے محاصل سے اس کو مدد فراہم ہوتی تھی۔

بھگوت دھرم وشنو اور اس کے اوتاروں پر مرکوز ہے۔ اس میں ویدک رسوم اور قربانیوں کے بجائے بھکتی اور اہنسا (جانوروں کے نہ مارنے) پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ مذہب کافی لبرل تھا اور اپنے فرقے میں اس نے نچلے طبقات کو سمو لیا تھا۔ بھگوت دھرم کی خاص کتاب بھگوت گیتا کے مطابق جب کبھی بھی کوئی سماجی بحران پیدا ہوا وشنو انسانی شکل میں ظاہر ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو بچایا۔ اس طرح وشنو کے دس اوتار سمجھے جاتے ہیں۔ پرانوں کو ہر ایک اوتار کی خوبیوں کو مقبول بنانے کے لیے لکھا گیا تھا۔ دیوتاؤں کی مورتیوں کو گپت دور میں تعمیر کیے گئے مندروں میں نصب کیا گیا تھا۔

جنوبی ہندوستان ساتویں صدی سے الوار اور نیناناز کہے جانے والے تمل سنتوں نے بھکتی کے تصور کو مقبول بنایا۔ سنتوں نے وشنو کی پوجا کو اور نینار سنتوں نے شیو کی پوجا کو مقبول بنایا۔

ہم اس دور میں ہندوستان میں تانترک دھرم کا پھیلاؤ بھی دیکھتے ہیں۔ پانچویں صدی سے برہمنوں نے نیپال، آسام، بنگال، اڑیسہ، مرکزی ہندوستان اور دکن کے قبائلی علاقوں میں زمین کا عطیہ قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ نتیجتاً قبائلی عناصر برہمنی سماج میں بالکل گھل مل گئے۔ برہمنوں نے ان کے رسوم اور دیوتاؤں اور دیویوں کو اپنا لیا تھا۔ برہمنی مذہب کے اس گھلنے ملنے اور قبائلی رواجوں کا نتیجہ تانترک دھرم کے فروغ کی صورت میں نکلا۔ اس میں کسی ذات یا جنسی تعصب کو نہیں مانا گیا تھا اور اس کے درجات میں عورتوں اور شودروں کو بھی شامل کیا گیا۔ اس میں نسواں کو طاقت اور توانائی کے ماخذ کے طور پر زور دیا جاتا ہے۔ تانترک تصورات سے شیو اور وشنو مذہب پر تو اثر پڑا ہی بدھ اور جین مذاہب پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ نتیجتاً ان مذاہب میں دیویوں کی پوجا کی ابتدا ہوئی۔

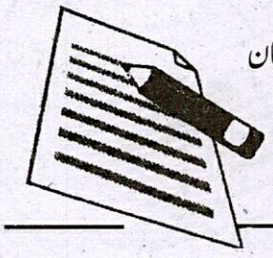

نوٹس

گپت اور اُن کے جانشین (300 تا 750 عیسوی)

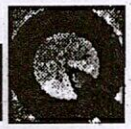

متن پر مبنی سوالات 7.13

1۔ بدھ ازم کے لیے ہرش نے کہاں اجتماع بلایا تھا؟

_____

2۔ ہرش کے زمانے میں مہایان بدھ مذہب کی تعلیم کے مرکز کا نام بتایئے؟

_____

3۔ وشنو کے کتنے اوتار سمجھے جاتے ہیں؟

_____

4۔ جنوبی ہندوستان میں وشنو اور شیو کی پوجا کو مقبول بنانے والے سنتوں کے نام بتایئے۔

_____

7.14 سائنس اور ٹکنالوجی

گپت دور میں سائنس اور ٹکنالوجی کی پیش رفت کے بارے میں اندازہ اس دور میں ان مضامین پر لکھی گئی اہم تصنیفات سے ہوسکتا ہے۔ ان میں سے قابل ذکر فلکیات سے متعلق کتاب آریہ بھٹیم ہے، جسے پانچویں صدی میں آریہ بھٹ نے لکھا تھا۔

آریہ بھٹ ایک ماہر فلکیات اور ریاضی داں تھا۔ پہلی بار اس نے بتایا تھا کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور سورج کے گرد طواف کرتی ہے اور سورج گرہن کا سبب ہوتی ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے صفر اور اعشاریہ نظام کا استعمال ایجاد کیا۔ ایک اور دانش ور وراہ مہر (چھٹی صدی کے آخر میں) تھا جو عظیم ماہر فلکیات تھا اور فلکیات پر کئی کتابیں اس نے لکھیں، اس کی تخلیق پنچ سدھانتیکا، پانچ فلکیاتی نظاموں کے بارے میں بیان کرتی ہے۔ برہم گپت ایک معروف ریاضی داں تھا جو گپت دور کا تھا۔

گپتوں کے عہد میں دھات سازی میں بھی تکنیکی پیش رفت ہوئی۔ اس دور کی کافی بڑے پیمانے پر بنائی گئیں بدھ کی کانسے کی مورتیاں ترقی کی ایک مثال اس کی ہیں۔ دہلی کے مہرولی میں تیس فٹ اونچے لوہے کے ستون سے بھی گپت دور میں رائج لوہ تکنالوجی کی ترقی کو ظاہر کرتا ہے۔ کھلے میں کھڑا ہوئے اس ستون میں پندرہ صدیوں کے بعد بھی کوئی زنگ نہیں لگا ہے۔ اجنتا کی حیرت انگیز مصوری اب بھی محفوظ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری باتوں کے علاوہ اس دور میں رنگ بنانے کا فن بھی کافی عروج پر تھا۔

متن پر مبنی سوالات 7.14

1۔ آریہ بھٹ کون تھا اور اس ن کون سے نظریات پیش کیے؟

2۔ وراہ مہر کی تحریر کردہ تصنیف کا نام لکھئے؟

3۔ گپت دور میں دھات سازی کی ترقی کی نہایت اہم مثال کون سی ہے؟

آپ نے کیا سیکھا

آیئے مختصراً اس سبق کے اہم نکات ذہن نشین کریں، چندر گپت اول (319 تا 334 عیسوی) گپت سلطنت کا حقیقی بانی تھا۔ گپت حکمراں ایک وسیع ترین سلطنت قائم کرنے میں کامیاب تھے۔ اس کی وجہ تھی کہ وہ مرکزی ہندوستان اور بہار کی لوہ کچ دھاتوں اور اس کی نہایت زرخیز زمین کا بھرپور استعمال کر سکے۔ اس کے بعد سمدر گپت (335 تا 375 عیسوی) تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد کا زمانہ چندر گپت ثانی 375 تا 414 عیسوی کا تھا۔ چینی بودھ سیاح فاہیان (404 تا 411 عیسوی) نے ہندوستان کا دورہ کیا اور اس زمانے کے لوگوں کی ایک جامع روئیداد بیان کی۔ عظیم سنسکرت شاعر اور ڈرامہ نگار کالی داس گپت دوئم کے نورتنوں (ستاروں) میں سے ایک تھا۔ مرکزی ایشیا کے ہونوں سے گپت سلطنت کو خطرہ پیش آیا اور اس کے حملوں نے گپتوں کو کافی کمزور کر دیا۔ بعد میں معاشی خوشحالی میں زوال سے گپت سلطنت کا دھیرے دھیرے زوال شروع ہو گیا۔

ہرش وردھن (606 تا 647) ایک عظیم جنگجو اور اہل منتظم تھا۔ اس نے شمال میں مملکت قائم کی۔ اس کی روئیداد اس کے درباری شاعر بان بھٹ کے ذریعہ لکھی گئی، ہریش چرت میں دستیاب ہے۔ چینی بدھ زائر ہیون سانگ نے اسی زمانے میں ہندوستان کا دورہ کیا، ہرش کو پل کیشن دوئم (جنوب کا چالکیہ حکمراں) کے ذریعہ شکست ملی۔ اس طرح نرمدا ندی ہرش کی جنوبی سرحد بنی۔

جزیرہ نما ہندوستان میں پلووں کو اقتدار حاصل ہوا۔ تمل بھکتی ادب اور جنوبی ہندوستان میں فن اور فن تعمیر کے دڑوڑی طرز کو اسی زمانے میں فروغ حاصل ہوا۔

گپت دور میں سماج میں تبدیلی رونما ہوئی۔ برہمنی ثقافت کی توسیع دور دراز کے اور مختلف علاقوں

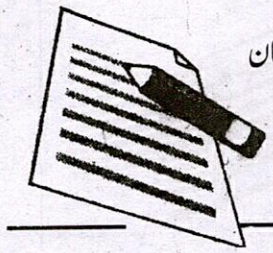

میں ہوئی۔ قبائلیوں کی ایک بڑی تعداد ورن نظام میں گھل مل گئی اور ہونوں جیسے غیر ملکیوں کی بھی برہمنی نظام میں طبقہ بندی ہوئی۔ اس دور میں عورتوں کی حیثیت میں مزید زوال آیا۔

گپت دور فن اور ادب کا ایک سنہرا دور ہے۔ رامائن اور مہابھارت چوتھی صدی عیسوی میں مکمل ہوئی۔ پرانوں کو لکھے جانے کی ابتدا ہوئی۔ جنوبی ہندوستان کے سنت الواروں اور نیناروں نے تمل میں بھکتی ادب کو مرتب کیا۔

شمالی ہندوتان میں ناگر طرز کے اور جنوبی ہندوستان میں دراوڑ طرز کے مندر تعمیر ہوئے۔

اجنتا کے غاروں کی مصوری بدھ کی زندگی کی تصویر کشی کرتی ہے جو اسی دور میں تخلیق کی گئی تھی۔ مشہور مہابلی پورم رتھ منادر بھی اس دور کی تخلیق ہیں۔

ایک معروف فلکیاتی متن ''آریہ بھٹیم''، کو 5 ویں صدی میں آریہ بھٹ نے تحریر کیا تھا جس میں پہلی بار یہ بیان کیا گیا تھا کہ زمین پر اپنے محور پر گھومتی ہے اور سورج کے گرد طواف کرتی ہے۔ دھات سازی میں گپت عہد میں تکنیکی ترقی ہوئی۔ مہرولی کے لوہ ستون اور بدھ کی کانسے کی مورتیاں اس ترقی کی کچھ مثالیں ہیں۔



اختتامی سوالات

1۔ الہ آباد ستونی کتبے کی بنیاد پر سمدر گپت کی حصولیابیوں پر بحث کیجئے۔

2۔ گپت سلطنت کے زوال کے بارے میں تحریر کیجئے۔

3۔ گپت انتظامیہ کی روئیداد بیان کیجئے۔

4۔ زیر مطالعہ دور کے دوران ذات پات کے نظام کی افزائش پر ایک نوٹ لکھئے۔

5۔ گپت عہد میں عورتوں اور اچھوتوں کی حیثیت پر بحث کیجئے۔

6۔ ہمارے زیر مطالعہ دور میں زراعت کی وسعت کے اسباب بیان کیجئے۔

7۔ گپت دور میں تجارت میں کیوں زوال آیا؟

8۔ گپت عہد کو فن اور ادب کا سنہرا دور کیوں سمجھا جاتا ہے؟

9۔ گپت دور کے سکوں پر ایک نوٹ لکھئے۔

10۔ تعمیر کے میدان میں پلوؤں اور چالکیوں کے اشتراک پر بحث کیجئے

11۔ بھگوت دھرم پر ایک پیراگراف لکھئے۔

12۔ مابعد گپت دور میں تانترک دھرم کے ابھرنے کے ذمہ دار عوامل کیا تھے؟

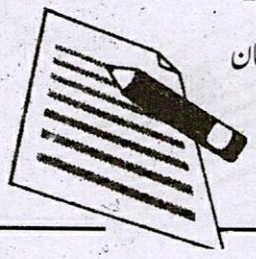

13۔ تقریباً 300 تا 750 سائنس اور ٹکنالوجی کے فروغ پر بحث کیجئے۔



متن پر مبنی سوالات کے جوابات

7.1

1۔ چندر گپت اول

2۔ زرخیز علاقہ، لوہ کچدھات میں خوشحالی

3۔ جواز، وقار، مضبوطی

7.2

1۔ اس سے سمدر گپت کے دور کی تفصیلی روئیداد حاصل ہوئی ہے۔

2۔ شاعر، موسیقار اور علم سرپرست

7.3

1۔ وکاٹک

2۔ اپنے دیگر دشمنوں سے بہتر طور پر نمٹنے کا اہل تھا

3۔ فائیہان

4۔ کالی داس

7.4

1۔ ہون

2۔ اسکند گپت

3۔ تھانیشور میں پیشہ بھوتی، قنوج موکھاری

7.5

1۔ بان بھٹ

2۔ ہرش

3۔ پل کیشن II

7.6

1۔ وٹاپی

2۔ دکشن پتھیشور

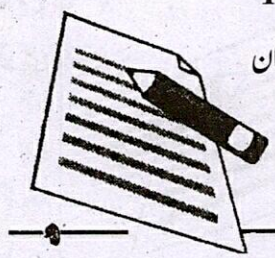

7.7

1۔ کانچی

2۔ چانکیہ

7.8

1۔ مہاراج ادھیراج، پرم بھٹارک، پرمیشور

2۔ دیش، راشٹر، بھکتی

3۔ گرام

4۔ اعلیٰ مرکزی عہدیدار

5۔ اپریکار اور اورنگا

6۔ خراب تھی کیونکہ ہیون سانگ کے مال واسباب کو دوبار لوٹایا گیا

7.9

1۔ زراعت

2۔ شادی کے موقع پر دلہن کے ذریعہ حاصل کیے گیے تحائف

3۔ مدھیہ پردیش میں ایرن

7.10

1۔ ریشم، مسالہ جات 2۔ دینار

7.11

1۔ ان تصنیفات میں ہندو دیوتاؤں کی کہانیوں اور ان کو خوش رکھنے کے طریقوں کا ذکر ہے۔

2۔ جنوبی ہندوستان کی مہیلا الوار سنت

3۔ دیورم

7.12

1۔ کانپور میں بھیتر گاؤں اور جھانسی میں دیوگڑھ (اتر پردیش)

2۔ ناگر اور دروڑ

3۔ یہ پلو راجہ نرسمہاورمن کے ذریعہ بنائے گئے سات رتھ مندروں پر مشتمل ہے

7.13

1۔ قنوج 2۔ نالندہ

3۔ دس 4۔ الوار اور نینار

7.14

1۔ ماہر فلکیات اور ریاضی داں، اس نے صفر کی ایجاد اور اعشاریہ نظام کی اہمیت پیش کی اور یہ بتایا کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور سورج کے گرد طواف کرتی ہے۔

2۔ پنج سدھانتیکا

3۔ دلی کے مہرولی میں لوہے کا ستون

اختتامی سوالوں کے لیے اشارے

1۔	7.1	پیرا3	سے رجوع کریں
2۔	7.1		سے رجوع کریں
3۔	7.8		سے رجوع کریں
4۔	7.9	پیرا2	سے رجوع کریں
5۔	7.9	پیرا4	سے رجوع کریں
6۔	7.10	پیرا1	سے رجوع کریں
7۔	7.10	پیرا2	سے رجوع کریں
8۔	7.11	اور 7.12	سے رجوع کریں
9۔	7.10	پیرا3 اور 7.12 پیرا3	سے رجوع کریں
10۔	7.12	پیرا4 اور پیرا5	سے رجوع کریں
11۔	7.13	پیرا1	سے رجوع کریں
12۔	7.13	پیرا3	سے رجوع کریں
13۔	7.14		سے رجوع کریں

فرہنگ اصطلاحات

معطی الیہ (Donee) – زمینی عطیات کا وصول کرنے والا

مدح خوانی (Eulogy) – کسی شخص کی تعریف میں تحریر

جاگیرداریت (Feudalism) – سبھی طرح کے مالیاتی، انتظامی اور عدالتی حقوق کے ساتھ فرمانروا کے ذریعہ قطعہ زمین کا عطیہ

زمینی عطیہ کا منشور – یہ عام طور پر تانبے کی پلیٹوں پر پائے جاتے ہیں۔ ان میں معطی الیہ کو کسانوں سے لگان وصول کرنے کے لیے حقوق کے ساتھ عطیات کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

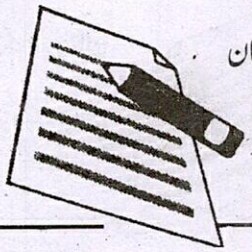

نوٹس

8

750 تا 1200 عیسوی کا ہندوستان

750 عیسوی سے 1200 عیسوی تک کی ہندوستانی تاریخ کو ابتدائی وسطی زمانہ کے طور پر جانا جاتا ہے۔ پہلے مورخین کے ذریعہ اسے تاریک مرحلہ تصور کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں پورا ملک مختلف علاقائی ریاستوں میں تقسیم تھا کیونکہ وہ ایک دوسرے سے لڑائی میں برسرپیکار تھے۔ لیکن حالیہ مطالعوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ یہ سیاسی طور پر منقسم تھا لیکن ہندوستان فن، ادب اور زبان کے میدانوں میں نئی اور خوشحال ثقافتی سرگرمیوں کے نمو کی بھی شہادت پیش کرتا ہے۔ درحقیقت مندر کی تعمیر اور ہندوستانی ادب کے کچھ اعلیٰ نمونے اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح تاریک دور کی تو دور بات ہے بلکہ اس دور کو ہندوستانی تاریخ کا ایک روشن اور مرتعش مرحلہ تصور کیا جاسکتا ہے۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- مختلف علاقائی مملکتوں کی شناخت کرسکیں گے جو 750 اور 1200 عیسوی کے درمیان ظہور میں آئی تھیں؛
- ریاست کی نوعیت کا جائزہ لے سکیں گے؛
- سماجی اور معاشی تبدیلیوں پر روشنی ڈال سکیں گے؛
- ثقافتی سرگرمیوں کا اندازہ کرسکیں گے؛
- 8ویں اور 12ویں صدیوں کے دوران جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ ہندوستان کے رابطے کی اہمیت کا جائزہ لے سکیں گے۔

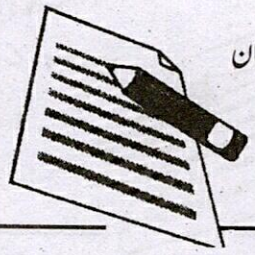

نوٹس

8.1 سیاسی پیش رفت

ہرش وردھن کے بعد سیاسی پیش رفت جس کے بارے میں آپ پچھلے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ اگر ہم اس دور 750 عیسوی سے 1200 عیسوی کو دو حصوں (a) 750 عیسوی سے 1000 عیسوی: (b) 1000 عیسوی تا 1200 عیسوی میں بانٹ دیں تو اسے زیادہ بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ پہلے مرحلے میں ہندوستان میں تین اہم سیاسی اقتدار کا عروج ہوا۔ یہ تھے، شمالی ہندوستان میں گورجر پر تیہار، مشرقی ہندوستان میں پال اور جنوبی ہندوستان میں راشٹرکوٹ۔ یہ طاقتیں شمالی ہندوستان میں گنگائی خطے پر اپنا تسلط قائم کرنے کے مقصد سے مستقل ایک دوسرے سے لڑتی رہتی تھیں۔ان تینوں طاقتوں کے درمیان مسلح جنگ کو سہ فریقی جنگ کے طور پر جانا جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں ہم ان طاقتوں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر شمالی ہندوستان میں پر تیہار سلطنت کے بکھراؤ سے مختلف راجپوت خاندانوں جیسے چوہان چندیل اور پر ماروغیرہ کے زیر تسلط مختلف راجپوت ریاستیں سامنے آئیں۔ یہ وہ ریاستیں تھیں جنھوں نے 11ویں اور 12ویں صدیوں میں محمود غزنوی اور محمد غوری کے زیر قیادت شمال مغربی ہندوستان سے ہونے والے ترکی حملوں کا مقابلہ کیا اور مزاحمت کی لیکن آخر کار شکست سے دوچار ہوئے ، کیونکہ حملہ آوروں کے خلاف متحدہ طور پر سامنا کرنے میں ناکام رہے۔

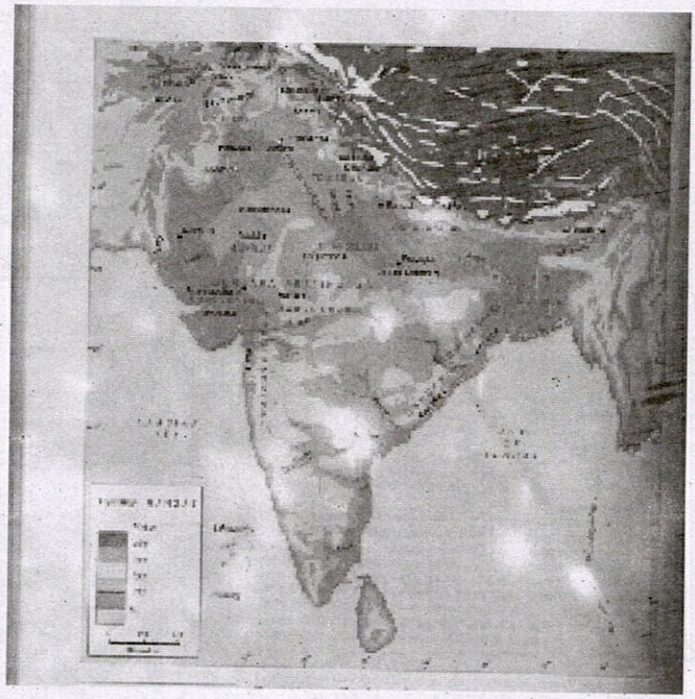

نقشہ 8.1: ہندوستان کا سیاسی نقشہ (750 تا 1000 عیسوی)



نوٹس

اب ہم مختصراً ان تین طاقتوں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، کی تاریخ کا پتہ کریں۔ گرجر پرتیہار خاندان ناگ بھٹ اول نے آٹھویں صدی میں مالوہ کے خطے میں قائم کیا تھا۔ اس کا تعلق راجپوت خیل سے تھا۔ بعد میں اس کے ایک جانشین وتس راجہ نے شمالی ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر اپنا اقتدار بڑھایا اور مغربی اتر پردیش میں قنوج کو اپنی راجدھانی بنایا۔ وتس راجہ کی توسیع کی پالیسی کے سبب بنگال او ربہار کے پال راجہ دھرم پال کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی۔ جلد ہی جنوبی ہند کے راشٹر کوٹ راجہ اس لڑائی میں کود گیا۔ اور اس طرح ایک سہ فریقی جنگ کے طور پر معروف تین طاقتوں کے درمیان جنگ کی شروعات ہوئی۔ یہ جنگ مختلف جانشین ہونے والے راجاؤں کے ماتحت نشیب و فراز کے ساتھ اگلے ڈیڑھ سو سالوں تک چلی۔ تاہم گرجر، پرتیہار قنوج پر آخر تک اپنا تسلط برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ اس خاندان کا ایک اہم راجہ مہر بھوج (نویں صدی) تھا۔ اس کی تعریف ایک عربی دانشور سلیمان نے اس لیے کی تھی کہ وہ ڈاکوؤں سے اپنی سلطنت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب تھا۔

مشرقی ہندوستان میں گوپال (8ویں صدی) کے ذریعہ پال خانوادہ قائم ہوا۔ چونکہ بعد میں ہونے والے سبھی راجا اپنے نام کے آخر میں پال لگاتے تھے اس لیے اسے پال خانوادے کے طور پر جانا جانے لگا۔ گوپال کے بیٹے اور پوتے یعنی دھرم پال اور دیوپال نے پال خاندان کی طاقت اور وقار کو کافی بڑھایا۔ اگر چہ مغرب کی طرف ان کی توسیع پر پرتیہاروں نے کافی قدغن (روک تھام) لگائی لیکن پالوں نے ایک مختصر سے وقفے کے ساتھ تقریباً چار صدیوں تک بہار اور بنگال پر اپنی حکمرانی جاری رکھی۔ پال راجہ بدھ مذہب کے پیروکار تھے۔ انہوں نے مشرقی ہندوستان میں وہاروں اور مندروں کی تعمیر کے ذریعہ اس مذہب کو کافی فروغ دیا۔ دھرم پال بہار میں بھاگلپور کے قریب مشہور وکرم شیلا یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے جانا جاتا ہے۔ نالندہ یونیورسٹی کی طرح یہاں بھی ہندستان کے سبھی علاقوں اور تبت سے بھی طلبا کھنچے چلے آتے تھے۔ متعدد سنسکرت عبارتوں کا تبتی زبان میں ترجمہ اس وہار میں کیا گیا۔ وکرم شیلا یونیورسٹی سے وابستہ کافی مشہور نام آتش دیپانگر کا تھا جن کو تبت میں کافی عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا۔

جنوب میں دنتی درگا راشٹر کوٹ شاہی خاندانی سلسلے (8ویں صدی) کا بانی تھا۔ راشٹر کوٹوں کی راجدھانی شولاپور کے نزدیک مانیا کھیت یا مال کھیڈ تھی۔ یہ راجہ اِندر کے زیر اقتدار تھی۔ قنوج کے شاہی شہر پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش میں راشٹر کوٹ شمالی ہندوستان کی طرف بڑھے۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے نتیجے میں سہ فریقی جنگ کی شروعات ہوئی۔ راشٹر کوٹ خاندان کا ایک اہم راجہ کرشنا اول تھا۔ اس نے ایلورا (اورنگ آباد)، مہاراشٹر کے قریب میں مشہور کیلاش مندر بنوایا۔ یہ بھگوان شیو کے نام ہے اور یک سنگی ہے یعنی چٹان کے ایک ہی ٹکڑے سے بنا ہے۔ عرب ذرائع سے ہمیں پتہ

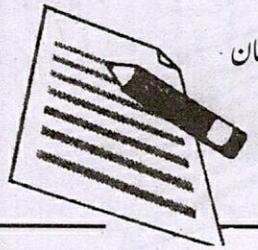

نوٹس

چلتا ہے کہ راشٹر کوٹوں کی سلطنت کا دورہ کرنے والے عرب تاجروں کے ساتھ ان کا رویہ کافی دوستانہ تھا۔ ان تاجروں کو بغیر کسی رکاوٹ مسجدیں بنانے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی تھی۔ اس سے راشٹر کوٹ راجاؤں کے روادار رویے کی تصدیق ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس زمانے میں عربوں کے ذریعہ انجام دی جانے والی بحری تجارت کے فروغ سے معاشی فائدہ حاصل کرنے کی اس کی خواہش کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

جنوبی ہندوستان میں چولا راجاؤں نے 1000 عیسوی سے 1200 عیسوی تک ایک طاقتور سلطنت قائم کی۔ ان چولاؤں کا جنہیں شاہی چولا کہا جاتا تھا اور سنگم ادب میں مذکورہ قدیم چولاؤں کے درمیان کوئی رشتہ تھا، یہ واضح نہیں ہے۔ چولاؤں نے جنوبی ہندوستان میں پلوؤں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے بعد اپنا اقتدار قائم کیا تھا۔ چولا خاندان کا بانی وجے یالا (نویں صدی عیسوی) تھا لیکن اس خاندان کی عظمت کے اصل معمار راجہ راج اول (985 تا 1014 عیسوی) اور اس کا بیٹا راجندر اول (1014 عیسوی تا 1044 عیسوی) تھے۔ چولا سلطنت کے سنہرے دنوں میں اس سلطنت کی توسیع شمال میں تنگ بھدر (آرکرشنا کی معاون) اور جنوب میں کنیا کماری تک ہوگئی تھی۔ چولا راجاؤں نے اپنی بحریہ کا کامیاب استعمال کیا اور نہ صرف مالدیپ اور لکش دیپ جزائر پر ہی فتح حاصل کی بلکہ سری لنکا پر بھی فتح حاصل کرلی تھی۔ انہوں نے ملایا، جاوا اور سماترا کے راجاؤں کو بھی ہرایا۔ راجہ راج راول کا ایک عظیم ترین کارنامہ تنجور میں راجا راجیشور یا برہدیشور مندر کے طور پر معروف و مشہور مندر کی تعمیر تھی جو شیو کے لیے وقف تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں زمینی محاصل (لگان) کی بہتر وصولیابی کے لیے زمین کے سروے کا حکم دیا۔ اس کے بیٹے راجندر اول کی حکمرانی اور بھی یادہ مرعوب کن تھی۔ پال راجہ مہیپال کو ہرانے کے بعد بنگال میں گنگا تک پہنچ گیا۔ اس فتح کو یادگار بنانے کے لیے اس نے ''گنگائی کونڈا چولا یورم'' نام سے ایک نئی راجدھانی کی بنیاد رکھی اور خود کے لیے گنگائی کونڈا (گنگا کا فاتح) کا لقب اختیار کیا۔ وہ علم کا عظیم سرپرست تھا اور پنڈت چولا کے طور پر جانا جاتا تھا۔ آخری اہم چولا راجہ کلوٹنگا (1070 تا 1122 عیسوی) تھا اس کے ماتحت چول سلطنت منتشر ہونی شروع ہوگئی اور کافی چھوٹے سے علاقے تک سمٹ گئی۔

درج بالا بیان سے آپ سمجھ سکیں گے کہ گوکہ بین علاقائی جھگڑے اکثر ہوتے رہتے تھے پھر بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ ثقافتی نمو بھی واقع ہو رہا تھا۔ درحقیقت بڑی سیاسی طاقتوں کے ظہور سے مختلف خطوں میں ایک اضافی استحکام پیدا ہوا۔ اس کے نتیجے میں ان خطوں میں ہر ایک کے اندر فن، فن تعمیر اور ادب سے متعلق امتیازی ثقافتی وضع کی بھی ترقی ہوئی۔ ہم اس سبق سے بعد ان پر مختصراً بحث کریں گے۔

نوٹس

متن پر مبنی سوالات 8.1

1۔ ان تین شاہی خاندانی سلسلوں کے نام بتایئے جنہوں نے سہ فریقی جنگ میں شرکت کی تھی۔ ان خاندانوں میں ہر ایک کے کم سے کم ایک ایک حکمراں کے نام بتایئے۔

2۔ 750 تا 1000 عیسوی تک میں تین طاقتوں کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کا سبب کیا تھا۔

3۔ وہ پرتیہار حکمراں کون تھا جس کی تعریف عرب دانشور کے ذریعہ کی گئی تھی۔

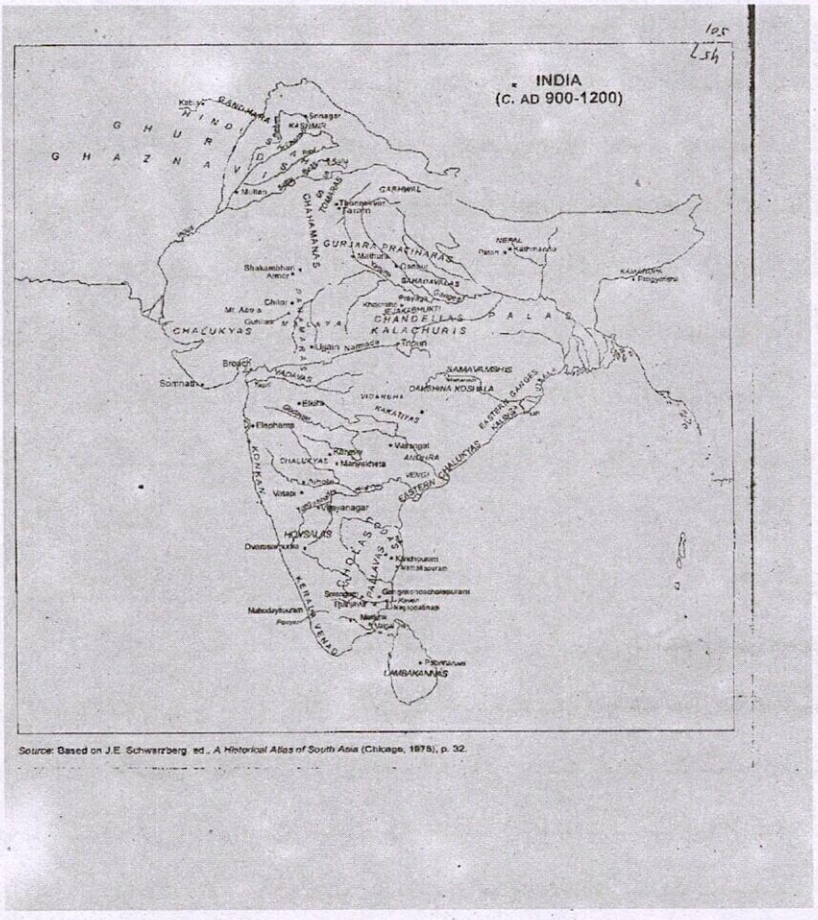

نقشہ 8.2: ہندوستان کا سیاسی نقشہ (1000 تا 1200 عیسوی)



4۔ وکرم شیلا یونیورسٹی کس نے قائم کی تھی۔

5۔ پال راجاؤں کے ذریعہ کس مذہب کی سرپرستی اور اسے فروغ دیا گیا تھا؟

6۔ کس چول راجہ نے ''گنگائی کونڈا'' کا لقب حاصل کیا اور کیوں؟

8.2 ریاست کی نوعیت

اس دور میں ریاست کے ساخت کو اکثر لامرکزی سیاسی نظام کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ لامرکزیت پر مبنی نظام حکومت کیا ہوتا ہے؟ یہ وہ نظام ہے جس میں سب سے اوپری سطح پر خاص مقتدرہ کے طور پر راجہ تو ہوتا ہے لیکن وہ اپنی حکمرانی میں دیگر چھوٹے چھوٹے سرداروں (جنہیں جاگیردار یا سامنت کہا جاتا ہے) کو بھی شریک کرتا ہے۔ آپ شاید ان سامنتوں کے بارے میں جان کر حیرت کریں گے۔ اصطلاح ''سامنت'' بنیادی طور پر اس راجہ کے لیے استعمال کی جاتی ہے جسے شکست حاصل ہو چکی ہو لیکن اس کی مملکت کو مشروط طور پر بحال کر دیا گیا ہو کہ وہ فاتح راجہ کی حاکمی کو مانتا رہے گا اور نقد یا جنس میں اسے خراج بھی ادا کرتا رہے گا۔ اس سے ضرورت پڑنے پر فوجی معاونت کے ساتھ مدد لینے کے لیے بھی کہا جا سکتا تھا۔ چونکہ یہ سردار اپنے خطوں میں انتظامیہ کے معاملے میں آزاد تھے اس لیے وہ اس خطے میں کافی طاقتور تھے۔ یقیناً آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ سردار اپنے فرمانروا کے لیے ہمیشہ خطرہ بن سکتے تھے اور کوئی حیرت نہیں کہ بالائی سطح پر اگر کوئی کمزور راجہ ہوتا تو وہ اپنی آزادی پر زور دینے لگتے تھے اور نتیجے میں سلطنت کے ٹوٹنے کا سلسلہ پیدا ہوتا تھا۔ اور پرتیہار سلطنت کے آخری دنوں میں ایسا ہی ہوا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

لامرکزی نظام حکومت کی خصوصیت کا ایک اور پہلو برہمنوں اور دوسروں کو زمینی عطیات دینے کا رواج تھا۔ پہلی اور دوسری صدیوں میں ساتواہن راجاؤں نے اس عمل کی شروعات کی تھی بلکہ مابعد گپت عہد میں پورے ملک میں یہ ایک عام رواج بن چکا تھا۔ اب زمینی عطیات نہ صرف یہ کہ مذہبی افراد اور اداروں کو دیے جاتے تھے بلکہ اب ریاستی عہدیداروں کو بھی دیے جانے لگے تھے۔ ایسا کیوں واقع ہوا؟ یہ کہا جاتا ہے کہ اس دور میں زمینی عطیات میں اضافے کی ایک وجہ تجارت میں تنزلی کا ہونا تھا اور اس لیے زرمسکوکہ (معنی سکے کے زر) کی قلت پیدا ہوگئی جو عہدیداروں اور دیگر کو دیے جانے ہوتے تھے۔ مابعد گپت دور میں سکے کے زر کی قلت کا اشارہ آثاری دریافتوں میں سکوں کے نہ پائے جانے سے

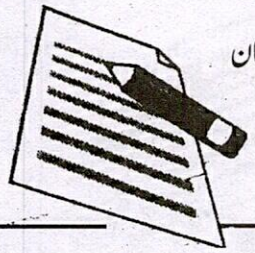

نوٹس

ملتا ہے۔ معطی الیہ (عطیہ وصول کرنے والا) کو جو زمین عطیہ میں دی جاتی تھی اس پر ٹیکس نہیں لگتا تھا۔ یعنی معطی الیہ کو ریاست کو کوئی ٹیکس نہیں دینا ہوتا تھا اور اس کی آمدنی اس کے ذاتی فائدے کے لیے ہوتی تھی۔ عطیہ وصول کرنے والے کو اس کو دی گئی زمین کے انتظام کے لیے اس کے راجہ یا اس کے عہدیدار کی طرف سے کوئی مداخلت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح ان معطی الیہ کو حاصل زمینوں پر بغیر کسی یا برائے نام مرکزی کنٹرول کے آزادانہ اختیار حاصل ہوجاتا تھا۔

جنوبی ہندوستان میں چولا مملکت میں انتظامیہ کی ساخت تھوڑی مختلف تھی۔ یہاں دیہی سطح پر کافی حد تک مقامی لوگ خودمختاری سے مستفید ہوتے تھے۔ وہ اپنے انتظامیہ کی دیکھ بھال خود منتخب کیے گئے مقامی اداروں کی مدد سے کرتے تھے۔ ریکارڈوں میں دو طرح کی دیہی اسمبلیوں کا ذکر موجود ہے۔ انہیں سبھا اور اُر کہا جاتا تھا۔ گاؤوں میں سبھا وہ اسمبلی تھی جن پر برہمنوں کا غلبہ تھا جب کہ اُر غیر برہمنی بستیوں میں ہوا کرتی تھیں۔ یہ اسمبلیاں مقامی تعمیرات عامہ، ٹیکس وصولی، مندر کے مینجمنٹ وغیرہ سے متعلق کاموں کی دیکھ بھال گاؤں والوں کے ذریعہ مرتب طریقہ کار سے منتخب ہونے والے ممبروں کی مدد سے کرتی تھیں۔ یہ چولا انتظامیہ کی ایک منفرد خوبی تھی کیونکہ اس میں مرکزی مقتدرہ اور مقامی خود اختیار حکومت کے درمیان ایک ہم آہنگ توازن کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔



متن پر مبنی سوالات 8.2

1۔ لامرکزی نظام سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ ابتدائی عہد وسطی میں شمالی ہندوستان کے نظام حکومت کے لیے یہ کس طرح نقصان دہ تھا؟

2۔ کون سی مملکت نے دیہی اسمبلیوں کو اہمیت دی۔ دیہی اسمبلیوں کو کیا کہا جاتا تھا۔

8.3 سماجی و معاشی تبدیلیاں

ابتدائی عہد وسطی کی شناخت کئی طرح کی سماجی و معاشی تبدیلیوں کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ سماجی طور پر اس دور کا ایک اہم مظہر جاتیوں کی تعداد میں اضافے کا ہونا تھا۔ یہ کس طرح وقع ہوا۔ اس کی ایک وجہ برہمنی سماج میں نئے نئے گروپوں کی شمولیت تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ زمینی عطیات کی تعداد بڑھ گئی تھی اس لیے نئے نئے علاقے کاشت کاری کے تحت آچکے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مقامی قبائلی لوگوں

نوٹس

نے اب اپنے خاص پیشے شکار کو چھوڑ کر زراعت کا پیشہ اپنالیا۔ اب وہ کاشتکار بن چکے اور سماج میں شودروں کی حیثیت سے اس کے جزو بن گئے۔ درحقیقت زمینی عطیات کا نتیجہ یہ ہوا کہ برہمنوں نے مختلف اندرونی علاقوں میں نقل وحرکت اور ہجرت کی جہاں وہ اپنی برہمنی سماجی قدروں کا تعارف کرانے اور انہیں عائد کرنے میں کامیاب رہے۔ زمینی عطیات کا نتیجہ کائستھ طبقے کی تعداد کے اضافے کی صورت میں بھی نکلا۔ کائستھ بنیادی طور پر نقل نویس تھے اور زمینی عطیات کا دستاویز تیار کرنے اور انہیں تحریر کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ زمینی عطیات کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی اہمیت بھی بڑھتی گئی۔

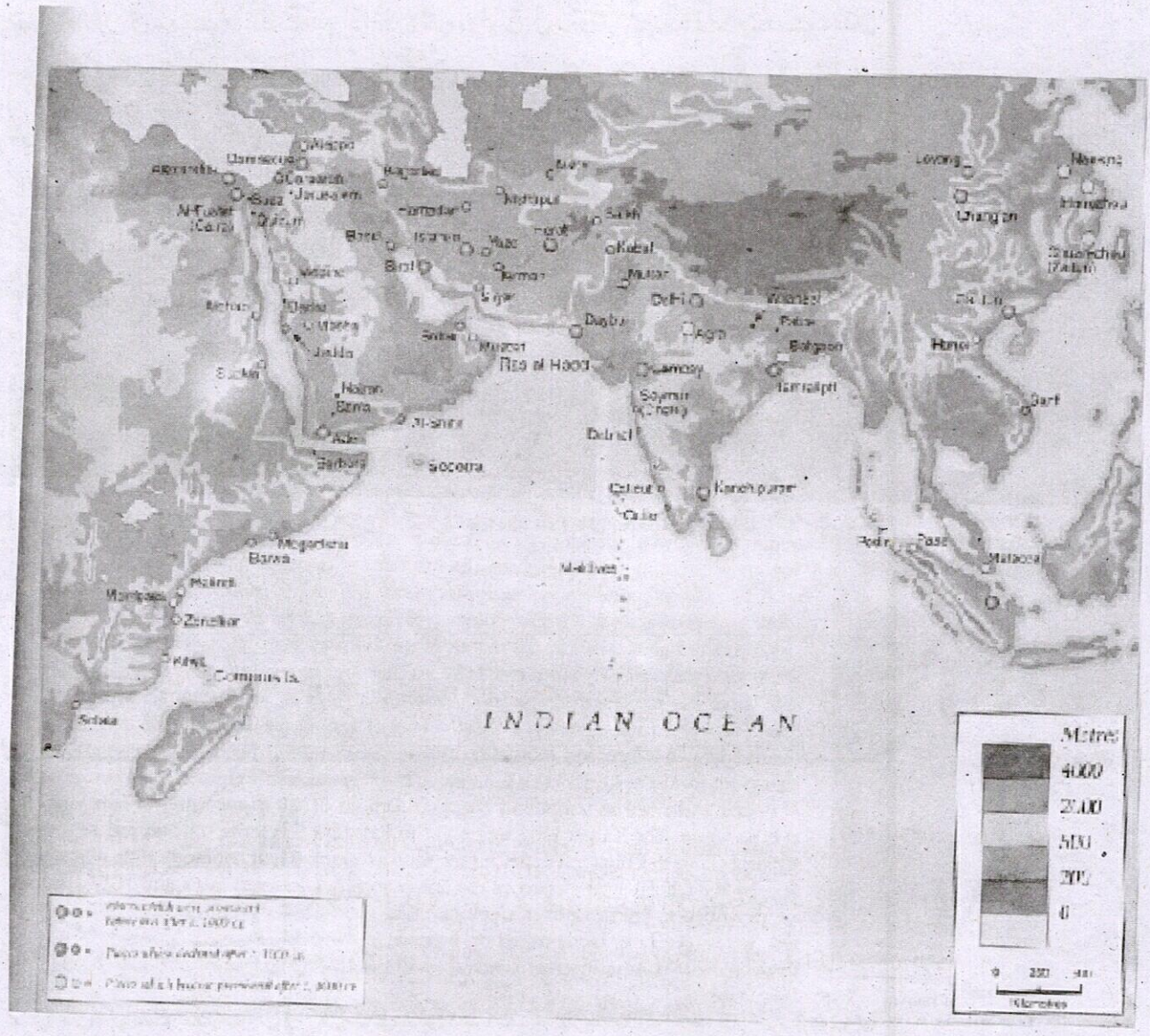

نقشہ 8.3: جنوب مشرق ایشیا کا نقشہ

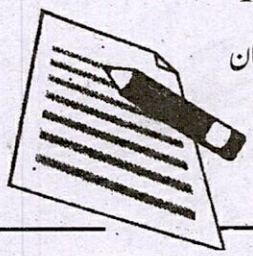

نوٹس

لیکن اس دور کی سب سے اہم خصوصیت لوگوں کے ایک نئے طبقے کا ابھرنا تھا۔ انہیں راجپوت کہا جاتا تھا جیسے چہامان، پرمار، پرتیہار اور چندیلا وغیرہ۔ کچھ مورخین مانتے ہیں کہ وہ غیر ملکی حملہ آوروں کے مختلف گروپوں جیسے شاکیہ، کشان، ہون، وغیرہ کی نسل سے تھے۔ یہ گروپ وہ تھے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں شمالی مغرب سے ہندوستان آتے رہتے تھے۔ یہ لوگ دھیرے دھیرے راجستھان کے خطے میں آباد ہوگئے اور ہندوستانی سماج سے گھلنے ملنے کے بعد ایک جنگجو طبقے کے طور پر ابھرے، دوسرے لوگ بھی تھے جنہیں برہمنی نظام کے کشتریہ ورن کے ایک جزو کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج کل بہت سے دانشور راجستھان میں راجپوت طبقے کے ظہور اور زرعی سرگرمیوں میں وسعت کے درمیان ایک تعلق بھی دیکھتے ہیں۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ زمینی عطیات میں وسعت کے ساتھ زرعی بستیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ نتیجتاً متعدد مقامی سرداروں نے آزاد اقتدار قائم کرنے کے لیے کافی مالی اور سیاسی طاقت حاصل کرنی شروع کی۔ اپنی رعایا کی آنکھوں میں اپنی نئی حاصل حیثیت کا جواز اور سند حاصل کرنے کے لیے انہوں نے گنگائی اور دیگر خطوں سے برہمنوں کو مدعو کیا تاکہ وہ ان کے شاہی رسومات اور تقریبات انجام دے سکیں اور بدلے میں وہ انہیں زمین اور دکشنا جیسی دیگر چیزیں دیا کرتے تھے۔ انہوں نے بھگوان رام (شمسی نسل) سے اور بھگوان کرشن (قمری نسل) سے جوڑنے والے اپ نے سربرآوردہ نسلی سلسلے کو برہمنوں سے تحریر کروانے کا بھی اہتمام کیا تاکہ وہ ایک جنگجو طبقے کے پروقار مقام کا وعدیٰ کرسکیں۔

معاشی طور پر 750 تا 1000 عیسوی تک کے پہلے مرحلے کے بارے میں ماجاتا ہے کہ یہ تنزلی کا شکار تھا۔ مبادلے کے لیے سکوں کے نہ پائے جانے اور شمالی ہندوستان میں شہروں کی بدتر حالت سے معاشی تنزلی کی شہادت ملتی ہے لیکن 1000 عیسوی کے بعد دوسرے مرحلے میں ہم تجارتی سرگرمیوں کے بحال ہونے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ہمیں نئے سونے کے سکوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے بلکہ تجارتی اشیاء اور شہروں کے بھی متعدد حوالے ملتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ اس کے لیے دو خاص اسباب دکھائی دیتے ہیں۔ ایک نئے علاقوں میں زمینی عطیات کے سبب زرعی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا تھا اور نتیجتاً مبادلے کے لیے اشیاء کی زائد پیداوار ہونے لگی۔ اور دو، بین الاقوامی بحری تجارت میں اہم کردار نبھانے والے تاجر کی حیثیت سے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر عرب تاجروں کی آمد شروع ہوئی۔ 712 عیسوی میں عربوں نے سندھ میں اپنے قدم جمالیے تھے اور بعد میں دھیرے دھیرے بحیرہ عرب سے چین تک ان کی بستیاں قائم ہوئیں۔ یہ بستیاں ہندوستانی اشیا کی فروخت اور خریداری کے لیے اہم ذرائع کے طور پر تھیں اور اس طرح ان سے ہندوستانی بیرونی تجارت کے نمو میں مدد ملی۔ جنوبی ہندوستان میں چولا راجاؤں نے جنوب مشرقی ایشیاء (ملایا) انڈونیشیا وغیرہ) اور چین کے ساتھ گہرے تجارتی رابطے کو برقرار رکھا۔

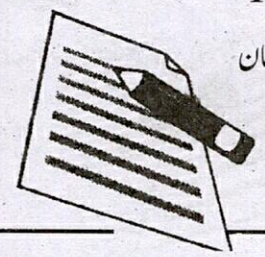

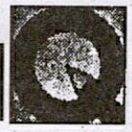

متن پر مبنی سوالات 8.3

1۔ راجپوت طبقے کے عروج کا خاص سبب کیا تھا؟

8.4 ثقافتی پیش رفت

نئی علاقائی مملکتوں کے سبب شمال میں بنگال اور اڑیسہ، مرکزی ہندوستان میں گجرات اور مہاراشٹر اور جنوب میں آندھرا کرناٹک اور تملناڈ جیسے نئے علاقائی ثقافتی زون ظہور میں آئے۔ مختلف فنی وضع، زبان، ادب وغیرہ جو آج کل ہماری علاقائی ثقافتوں کے ایک اہم جز کی تشکیل کرتی ہیں، تقریباً اسی دور میں اپنی ہیئت اختیار کرنی شروع کردی تھی۔ بنگالی، آسامی، اڑیہ، مراٹھی وغیرہ جیسی زیادہ زبانیں جو ہندوستان کے شمالی وسطی اور مشرقی حصوں میں بولی جاتی ہیں، اس کی کچھ مثالیں ہیں۔ ان زبانوں میں تیار شاندار ادب نے سنسکرت ادب کی قدیم اجارہ داری ختم کرنے کی شروعات کردی تھی۔ علاقائی زبانوں کی ادبی تخلیقات کو اکثر نئے، علاقائی حکمرانوں کی سرپرستی میں مرتب کیا جاتا تھا۔ علاقائی زبان میں ایک مشہور تخلیق جو چولوں کے تحت تقریباً اسی زمانے میں مرتب ہوئی تھی، وہ تھی رامائن کا تمل ترجمہ جسے کمبن نے مرتب کیا تھا۔ اس طرح کرناٹک میں کنڑ ادب کا ایک نگینہ سمجھے جانے والے پمپا بھرت نے وکرم ارجن، وجے کی تالیف کی تھی۔ وہ کنڑ میں پمپا بھارت کے نام سے مقبول ہیں۔ آندھرا خطے میں ننیاہ نے مہابھارت کے کچھ حصوں کا ترجمہ تیلگو میں کیا۔ بعد میں اسے تیرہویں صدی میں شاعر نے پورا کیا تھا۔

تاہم علمی زبان کے طور پر طبقہ اشراف میں اب بھی سنسکرت کو کافی اہم مقام حاصل تھا۔ تقریباً اس دور میں سنسکرت میں جو اہم تخلیقات مرتب کی گئی تھیں ان میں کہانیوں کا ایک مجموعہ، کتھا سرتیا ساگر، کلہن کے ذریعہ مرتب کی گئی راج ترنگنی جو کشمیر کے راجاؤں کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ اور گیت گوند بھکتی ادب کا ایک نمونہ ہے جسے پال راجاؤں کے ماتحت بنگال میں جے دیو کے ذریعہ رادھا اور کرشن کی محبت کے مرکزی خیال کی بنیاد پر مرتب کیا گیا تھا۔

ایک مزید سرگرمی جسے شاہی سرپرستی حاصل تھی وہ مندر کی تعمیر تھی، مندروں کو ان کی تعمیر کرانے والے راجاؤں کی قوت اور شان وشوکت کی علامت کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ جتنا ہی بلند و بالا مندر ہوتا تھا اتنا ہی اس کی قوت کی عکاسی ہوتی تھی۔ بڑے بڑے مندروں کی تعمیر اور ان کی باقاعدہ دیکھ بھال کے لیے کافی مالیاتی اور انسانی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تبھی ممکن ہوتا جب کوئی راجہ کافی چین دولت والا اور طاقتور ہو۔

تین طرح کے فن مندر تعمیر کا اس دور میں ارتقا ہوا۔ انہیں اس دور کے ناگرہ، دروڑ اور ویسرہ (مخلوط) طرز کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مندرون کے ناگرہ طرز کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے منارے بلند و بالا یا مخروطی شکل کے ہوتے تھے۔ انہیں شکھر کہا جاتا ہے۔ اس طرز میں بنوائے گئے منادر شمالی ہندوستان خاص طور پر وسطی ہندوستان، راجستھان اور اڑیسہ کے کافی مقامات پر واقع ہیں۔ تاہم عام ناگرہ طرز میں بھی کچھ امتیازی علاقائی خصوصیت بھی تھیں۔ اس طرز کے مندروں کے بعد عمدہ نمونے بھونیشور میں لنگ راج مندر، کونارک میں سورج مندر اور کھجورا ہو میں چندیل راجاؤں کے ذریعہ بنایا گیا۔ کیندر یہ مہادیو مندر، فن تعمیر کا دروڑ طرز جنوبی ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔ چولا راجاؤں کے زیر حکومت یہ طرز اپنی شان وشوکت کی اونچائیوں پر پہنچ چکا تھا۔ اس طرز کی بعض اہم خصوصیت ہیں: گربھ گرہ، ومان منڈپ، اور گوپورم گربھ گرہ اندرونی گوشہ مقدس تھا۔ جس میں اس بڑے دیوتا کو مقیم کیا جاتا تھا جس کے نام سے وہ مندر وقف تھا۔ گربھ گرہ کی چوٹی جو مختلف منزلیں بنائی جاتی تھیں انہیں ومان کہا جاتا تھا۔ منڈپ ایک ہال تھا جو کئی تراشیدہ ستونوں پر ہوتا تھا اور گربھ گرہ کے سامنے بنایا جاتا تھا۔ گوپورم پورے مندر کمپلیکس کا احاطہ کرنے والی اونچی دیواروں کے ساتھ بلند و بالا دروازوں کو کہا جاتا تھا۔ اس طرز کی ایک عمدہ مثال برہدیشور مندر ہیں جنہیں تنجور میں چولا راجہ راج نے تعمیر کرایا تھا۔ ویسا مندر مخلوط طرز کی نمائندگی کرتے تھے۔ یہ زیادہ تر چالوکیوں کہ سرپرستی میں بنوائے گئے تھے اور بدامی (کرناٹک) کے نزدیک پٹکڈل میں پائے گئے ہیں۔ اس دور میں سنگ تراشی کے فن میں زبردست بہتری پیدا ہوچکی تھی۔ اس لحاظ سے چولا فنکاروں کا ایک اہم اشتراک نٹراج کی کانسے کی مورتیاں تھیں۔ یہ مورتیاں شیو کے ان کے کائناتی رقص (Co & mic dance) کو پیش کرتی ہے اور اپنی خوش آہنگی اور توازن میں بے نظیر ہیں۔



شکل 8.1: نٹ راج



متن پر مبنی سوالات 8.4

1۔ شمالی ہندوستان میں کس طرز تعمیر کو اپنایا گیا تھا؟

2۔ فن سنگ تراشی میں چولاؤں کا نہایت اہم اشتراک کیا تھا؟

8.5 جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ رابطہ

ہندوستانی کبھی بھی گھر میں بیٹھنے والے لوگوں میں سے نہیں تھے۔ وہ قدیم زمانے سے ہی تجارت اور دیگر سرگرمیوں کے لیے دنیا کے مختلف حصوں میں نکل پڑتے تھے۔ جہاں تک جنوب مشرقی ایشیا سے ہندوستانی رابطے کا تعلق ہے تو یہ پانچویں صدی قبل مسیح سے بھی زیادہ قدیم دکھائی دیتا ہے۔ اس دور سے متعلق جاتک اور بودھ عبارتوں میں ان ہندوستانیوں کا حوالہ ملتا ہے جنھوں نے سورن دیپ (سونے کے جزیرے) کا دورہ کیا تھا۔ اس کی شناخت جاوا کے طور پر ہوئی ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ اس طرح کے قدیم روابط کی توثیق موتیوں، عقیق اور عقیق سرخ (کارنیلن) کے زیوارت ہندوستانی کے نیم قیمتی پتھروں کی حالیہ آثاری دریافتوں سے ہوئی ہے جو تھائی لینڈ، ویتنام، انڈونیشیا وغیرہ میں ساحلی مقامات سے ہوئی تھیں۔ دریافت کی ہوئی ان اشیاء کا تعلق پہلی صدی ق م جتنا قدیم ہے۔ چینی روایات کے مطابق جنوب مشرق ایشیا میں پہلی مملکت فنان (کمبوڈیا) میں کوندنیہ کے نام سے معروف ایک برہمن کے ذریعہ چوتھی صدی عیسوی قائم کی گئی تھی۔ یہ ہندوستان سے آیا تھا اور اس نے ایک مقامی راجکماری سے شادی کی تھی۔ تاہم ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیائیوں کے روابط 5ویں صدی کے بعد زیادہ گہرے ہوگئے جب متعدد علاقوں میں سنسکرت زبان میں کتبات دکھائی دینے شروع ہوئے۔ 800 عیسوی تا 1300 عیسوی میں یہ روابط اپنی بلندی پر تھے جب بہت سے راجاؤں اور شاہی خاندانوں کے ہندوستانی پورے جنوب مشرق ایشیا میں دکھائی دینے لگتے ہیں۔

جنوب مشرق رابطہ کافی حد تک تجارت کے سلسلے میں تھا۔ جنوب مشرق ایشیا چھوٹی الائچی، سندل لکڑی کافور اور لوگ وغیرہ سے مالا مال ہے جس نے ہندوستان اور مغرب کے درمیان تجارت کی اہم مدوں کی بنیاد ڈالی۔ ابتدائی طور پر ہندوستانی تاجر ساحل کے ساتھ آباد ہوئے لیکن دھیرے دھیرے انہوں نے اپنا نٹ ورک اندرونی علاقے میں منتقل کرلیا۔ تاجروں کے ساتھ خاص طور پر بدھ اور برہمن پجاری بھی آئے تاکہ ہندوستان آبادکاریوں کی رسمیاتی ضرورتوں کو پورا کرسکیں۔ لیکن یہاں یہ بھی غور کرنا

ہوگا کہ ہندوستانی رابطے کے ذریعہ مقامی ثقافت کا قلع قمع نہیں کیا گیا بلکہ یہ مقامی ثقافتی خوبیوں کے ساتھ ہندوستانی تصورات کا پرامن اختلاط کا معاملہ تھا۔ اس لیے مثال کے طور پر جہاں سنسکرت کو جنوب مشرق ایشیا میں دوبار اور مذہب کی زبان کے طور پر تسلیم کرلیا گیا تھا وہیں علاقائی زبانوں کا بھی استعمال ساتھ ہی ساتھ ہوتا رہا اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بتہ سے کتبات مخلوط سنسکرت اور مقامی زبان میں ملے ہیں۔ اسی طرح جنوب مشرق ایشیا کے لوگوں کو ورن کا تصور معلوم تھا۔ اور سماج برہمنوں کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا لیکن سماجی تقسیم اتنی سخت نہیں تھی جتنی کہ ہندوستان میں تھی۔

8ویں صدی عیسوی میں جنوب مشرق ایشیا میں ایک نہایت اہم سلطنت قائم ہوئی تھی، یہ تھی شیلندر سلطنت، اس میں جاوا، سماترا، ملیہ جزائر اور جنوب مشرق ایشیائی خطے شامل تھے۔ یہ زبردست بحری قوتیں تھیں اور ان کے جغرافیائی وقوع کے لحاظ سے چین اور ہندوستان کے درمیان اور مغرب میں دیگر ممالک کے ساتھ تجارت منضبط ہوتی تھی۔ شیلندر خانوادے کے راجہ بدھ مذہب کے پیروکار تھے اور ہندوستانی حکمرانوں کے ساتھ ان کے گہرے رابطے تھے۔ اس سلطنت کے ایک راجہ نے نویں صدی میں نالندہ میں ایک وہار کی تعمیر کرائی تھی اور اس کی درخواست پر بنگال کے پال راجہ دیوپال نے اس کی نگہداشت کے لیے پانچ گاؤں کا عطیہ دیا تھا۔ اسی طرح گیارہویں صدی میں ایک اور راجہ کو تمل ساحل پر ناگا پتم میں بدھ وہار تعمیر کرنے کے لیے چولا راجہ راج اول نے اجازت دی تھی۔ شیلندر نے جاوا میں بارابدور میں گوتم بدھ کے لیے وقف ایک خوبصورت مندر تعمیر کیا تھا۔ یہ ایک چھوٹی پہاڑی کی اونچائی پر واقع ہے اور بتدریج اوپر تلے واقع ہموار سطحوں پر مشتمل ہے۔

بدھ مذہب کے علاوہ وشنو اور شیو جیسے ہندو دیوتاؤں کی پوجا بھی جنوب مشرق ایشیا میں مقبول تھی۔ مندر انہیں مختلف مقامات سے منسوب تھے جہاں یہ پائے گئے تھے۔ ان پر ہندوستانی اثر اور تحریک کے نمایاں آثار دکھائی دیتے ہیں۔ وشنو کے لیے وقف ایک مشہور مندر انگکور واٹ مندر ہے جو کامبج (کمبوڈیا) کے راجہ سوریہ ورمن دوئم کے ذریعہ 12ویں صدی میں بنوایا گیا تھا۔ یہ پانی سے بھری خندق سے گھیری ہوئی ہے۔ اس میں ایک بڑا گوپورم (داخلی دروازہ) متعدد گیلریاں، دیواریں وغیرہ ہیں جنہیں مہابھارت اور رامائن سے لیے گئے مرکزی خیال پر مبنی سنگ تراشی سے سجایا گیا ہے۔

متن پر مبنی سوالات 8.5

1۔ جنوب مشرقی ایشیاء میں وہ کون سی مملکت تھی جس کے 9ویں تا 11ویں صدی عیسوی کے دوران ہندوستان کے ساتھ گہرے روابط تھے۔

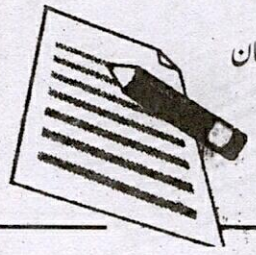

2۔ جنوب مشرق ایشیا میں دو اہم مندوروں کا ذکر کیجئے۔ وہ کن سے منسوب تھے؟

نوٹس

آپ نے کیا سیکھا

750 عیسویں سے 1200 عیسوی تک کے دور کو اب ہندوستانی تاریخ کا تاریک دور نہیں سمجھا جاتا۔ اس کی شناخت سیاسی، سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ سیاسی طور پر 750 تا 1200 عیسوی کا دور ابتدائی عہد وسطیٰ ہے جس میں مختلف علاقائی ریاستیں ظہور میں آئی تھیں۔ شمالی ہندوستانی میں گورجر، پرتیہار، مشرق میں پال، جنوبی ہندوستان میں راشٹر کوٹوں کو ابتدائی سالوں (750 تا 1000 عیسوی) میں اقتدار حاصل ہوا جب کہ بعد کے سالوں (1000 تا 1200) عیسوی میں شمال میں راجپوت ریاستوں اور جنوب میں چولوں نے پچھلے حکمرانوں سے اقتدار چھینا تھا۔

ریاست کی نوعیت لامرکزی سیاسی نظام کی تھی جس میں راجہ چوٹی پر تھا اور چھوٹے سرداروں یا سانتوں کے ذریعہ مدد ملتی تھی۔ مذہبی لوگوں اور ریاستوں کے عہدیداروں کو تنخواہ کے بدلے زمینی عطیات دینے کا رواج عام ہوگیا تھا۔ سبھا (برہمنوں کے غلبے والے گاؤں) اُردغیر برہمن بستیاں) جنوبی ہندوستان کے مقامی انتظامی مقتدرہ تھے۔

بحری تجارت ختم ہونے کے سبب معاشی زوال کا دور تھا۔ اسی عہد میں بعض قبائلیوں نے شکار کا پیشہ ترک کر کے زمینوں کی جتائی شروع کر دی تھی اور بعد میں برہمنی سماج کے جزو بن گئے تھے۔

یہ دور ثقافتی ترقی کے عروج کا دور ہے۔ علاقائی زبانوں اور علاقائی ادب کا ارتقا اسی زمانے میں ہوا۔ مندروں کی تعمیر میں ناگرہ، دروڑ اور ویسرا طرز کا ارتقا اسی دور میں ہوا۔ جنوب مشرقی ایشیا (جاوا، سماترا، ملیہ، کمبوڈیا، تھائی لینڈ، ویتنام اور انڈونیشیا) کے ساتھ ثقافتی روابط قائم ہوئے۔ اگر چہ ان خطوں میں ہندوستانی تاجروں کی آبادکاری کو بھی فروغ ملا۔

اختتامی سوالات

1۔ اس خانوادے (شاہی) کا نام بتایئے جو 10ویں اور 12ویں صدیوں کے درمیان جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں اپنی عظیم بلندیوں پر تھے۔ اس خانوادے کے حکمرانوں کی بعض اہم

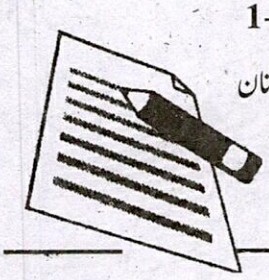

حصولیابیوں کی فہرست بنایئے۔

2۔ ان تین شاہی خاندانی سلسلے کا نام بتایئے جو سہ فریقی جنگ میں ملوث تھیں۔

3۔ راجپوتوں کو کیوں اپنی رعایا کی آنکھوں میں اپنے شاہی اقتدار کو باجواز بنانے کے طریقوں کی تلاش کی ضرورت پڑتی تھی۔

4۔ ان طریقہ عمل کو دریافت کیجئے جن کے ذریعہ سامنت ابتدائی عہد وسطیٰ میں مملکتوں کی سیاسی ساختوں کی ناگزیر خصوصیت بن چکے تھے۔

5۔ ان تبدیلیوں کا جائزہ لیجئے جو ابتدائی عہد وسطیٰ میں سماج ومعیشت میں واقع ہوئی تھیں۔

6۔ ابتدائی عہد وسطیٰ کے دوران بڑی ثقافتی حصولیابیوں کو دریافت کیجئے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

8.1

1۔ گورجر

پرتیہار – ناگ بھٹ

پال – گوپال

راشٹرکوٹ – کرشنا اول

2۔ قنوج پر تسلط برقرار رکھنے کے لیے

3۔ مہر بھوج

4۔ دھرم پال

5۔ بدھ مذہب

6۔ راجندراول کیونکہ وہ گنگا کا فاتح تھا

8.2

1۔ سب سے اوپر راجہ کا اہم اقتدا تھا۔ دیگر چھوٹے سردار (سامنت) اس کی حکمرانی میں شریک تھے۔ جب کبھی اوپری سطح پر راجہ کمزور پڑتا تھا وہ اپنی آزادی پر اصرار کرتے اور نتیجتاً سلطنت کے ٹوٹنے کی شروعات ہوئی۔

2۔ چول، سبھا اور اُر

8.3

1۔ راجستھان میں زرعی سرگرمیوں کی توسیع



8.4

1۔ ناگرہ

2۔ نٹراج کی کانسے کی مورتی

8.5

1۔ جاوا، سماترا، ملیہ

2۔ انگورواٹ (کمبوڈیا) بارابدور (جاوا)

اختتامی سوالات

1۔ 8.2 پیرا3 سے رجوع کریں

2 8.1 سے رجوع کریں

3 8.3 پیرا2 سے رجوع کریں

4۔ 8.2 پیرا ایک سے رجوع کریں

5۔ 8.3 پیرا ایک اور 3 سے رجوع کریں

6۔ 8.4 سے رجوع کریں



نوٹس

9

دہلی سلطنت کا قیام اور توسیع

1200 عیسوی تا 1526 عیسوی شمالی ہندوستان کے کافی حصوں پر جن حکمرانوں نے حکمرانی کی، انہیں سلطان کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اور ان کی حکمرانی کے دور کو دہلی سلطنت کا دور کہا جاتا ہے۔ یہ حکمراں ترکی اور افغان نژاد تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت ہندوستانی حکمرانوں خاندانوں کو شکست دینے کے بعد قائم کی تھی۔ یہ حکمراں خاندان خاص طور پر شمالی ہند کے راجپوت تھے۔ دہلی سے ترک محمد غوری کے حملے سے جس خاص حکمراں کی حکومت کا خاتمہ ہوا تھا وہ تھا پرتھوی راج چوہان۔ ان سلطانوں نے 300 سال (تقریباً 1200 سے 1526 عیسوی تک) سے زیادہ حکومت کی۔ آخری دہلی سلطان ابراہیم لودی تھا جسے 1526 عیسوی میں بابر کی قیادت میں مغلوں نے شکست دی تھی۔ بابر نے ہندوستان میں مغل حکومت قائم کی تھی۔

اس دور میں تقریباً 300 سالوں تک پانچ مختلف شاہی خاندانوں نے دہلی پر حکمرانی کی۔ یہ تھے: مملوک (1206 عیسوی سے 1290 عیسوی تک انھیں عام طور پر غلام خاندان کے نام سے جانا جاتا تھا)، خلجی (1290 عیسوی تا 1320)، تغلق (1320 عیسوی سے 1412 عیسوی تک)، سید (1412 عیسوی سے 1451 عیسوی تک) اور لودی (1451 عیسوی تا 1526 عیسوی تک)۔ ان سارے شاہی خاندانوں کو مجموعی طور پر دہلی سلطنت کے اصطلاح سے جانا جاتا ہے۔ اس سبق میں ہم ہندوستان میں دہلی سلطنت کی فتح، توسیع اور استحکام کے عمل کی تفصیلی روئیداد بیان کریں گے۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- عربوں کے ذریعہ شمالی مغربی خطے سے ہندوستان پر ابتدائی حملے بیان کرسکیں گے؛
- محمود غزنوی کے حملوں کی نوعیت پر بحث کرسکیں گے؛
- محمد غوری کے حملوں کی نوعیت پر بحث کرسکیں گے؛



نوٹس

- محمد غوری کے ذریعہ شمالی ہندوستان میں ترکی حکومت کے قیام میں مددگار عوامل کی شناخت کرسکیں گے؛
- مملوک سلطانوں کے ماتحت دہلی سلطنت کی توسیع کی روایدار بیان کرسکیں گے؛
- خلیجوں اور تغلقوں کے ذریعہ سلطنت کی توسیع کے بارے میں بیان کرسکیں گے؛
- اپنی حکومت کو مستحکم کرنے میں سلطانوں کو درپیش چیلنج کا خاکہ بیان کرسکیں گے؛
- سلطنت کے زوال کے اسباب کی فہرست بناسکیں گے۔

9.1 ہندوستان پر عرب حملہ

ابتدائی 8ویں صدی میں عربوں نے شمال مغربی خطے میں حملہ کردیا تھا۔ یہ عرب حملہ 712 عیسوی میں امیہ خلیفہ کے ایک جنرل محمد بن قاسم کی قیادت میں کیا گیا تھا۔ عرب میں اسلام کے ظہور (باکس دیکھیں) سے ایک نیا سیاسی نظام ابھرا۔ حضرت محمدؐ کے ذریعہ فتح مکہ کے بعد توسیع کا عمل شروع ہوچکا تھا جو ان کے انتقال کے بعد بھی جاری رہا۔

اسلام کا ظہور اور اشاعت

7ویں صدی عیسوی میں اسلام کا ظہور خطہ عرب میں ہوا اور بہت ہی قلیل عرصہ میں شمالی افریقہ سے جزیرہ نما آئبیر یا، ایران اور ہندوستان تک ایک سلطنت ابھر کر سامنے آئی۔ حضرت محمدؐ (632 تا 750 عیسوی) نے اسلام کی تبلیغ کی۔ اس مذہب نے نہ صرف یہ کہ عرب لوگوں بلکہ دنیا کے متعدد حصوں کے لوگوں کی مذہبی، سیاسی اور سماجی زندگی کی کایاپلٹ کردی۔ اسلام ایک خدا کے عقیدے پر زور دیتا ہے۔ اس کی مقدس کتاب ''قرآن'' ہے۔ مسلمانوں کا ماننا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور پیغمبر حضرت محمدؐ پر وحی کی ذریعہ نازل ہوا تھا۔ اسلام میں قرآن کا احترام سند کے مقتدر اعلیٰ ماخذ کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ہر مسلمان کے لیے دن میں پانچ وقت کی نماز، رمضان کے مہینے میں روزہ فرض ہے اور اگر صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ اور اگر استطاعت ہو تو حج بھی فرض ہے۔ حضرت محمدؐ کے انتقال (632 عیسوی میں) فرمانے کے بعد مسلمانوں کو مذہبی اور سیاسی قیادت فراہم کرنے کا کام خلفائے راشدین کے ذمہ آیا۔ (خلیفہ عربی لفظ ہے جس کا مطلب ہے نائب (Deputy)، یہ وہ لقب ہے جو پیغمبر کے جانشین حکمرانوں کو دیا گیا تھا) 632 تا 661 چار خلفائے راشدین ہوئے جو سبھی پیغمبرؐ کے قریبی ساتھی تھے۔ خلفائے راشدین کے بعد خلافت بنوامیہ (661 تا 750 عیسوی) قائم ہوئی۔ امیہ خاندان نے خلافت کو استحکام اور خوشحالی فراہم کی۔ امیہ خاندان کے بعد عباسی خاندان میں خلافت (750 عیسوی تا 1258) منتقل ہوئی۔ عباسیوں کے بعد خلفاء کا سیاسی کنٹرول کمزور پڑنا شروع ہوگیا اور مختلف خطوں میں آزاد مسلم حکمرانوں (سلطانوں) کا ظہور ہوا۔



نوٹس

عرب توسیع جس تیزی سے واقع ہوئی وہ قابل ذکر تھی۔ 633 تا 637 عیسوی میں عربوں نے مغربی ایشیا میں اروِن، شام، عراق، ترکی اور (ایران) فتح کرلیا تھا۔ انہوں نے شمالی افریقہ اور جنوبی یوروپ کے علاقوں پر بھی فتح حاصل کی۔ 39-637 میں مصر کو بھی فتح کرلیا گیا۔ 712 عیسوی میں عرب اسپین میں داخل ہوچکے تھے اور جلد ہی جنوبی فرانس پر چڑھائی کردی۔ 8ویں صدی عیسوی تک عربوں نے بحر روم اور بحر ہند کی تجارت کو جوڑنے والے اسپین سے لے کر ہندوستان تک مرکزی مقام حاصل کرلیا تھا۔

8ویں صدی کے ابتدائی سالوں میں بنوامیہ اپنے اقتدار کی بلندیوں پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اب تک کی سب سے بڑی مسلم ریاست کی تخلیق کی۔ عربوں کی توجہ ہندوستان کی دولت کی طرف بھی مبذول ہوئی۔ عرب تاجروں اور جہاز رانوں کو ہندوستان کی عظیم دولت کی کہانیاں یاد تھیں۔ تاہم سندھ پر حملے کی وجہ دیبول کے سمندری ڈاکوؤں کے ذریعہ عرب جہازوں کو لوٹے جانے کا انتقام لینا تھا۔ راجہ داہر نے سمندری ڈاکوؤں کو سزا دینے سے انکار کردیا تھا۔ عراق کے گورنر حجاج نے محمد بن قاسم کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی۔ وہ 712 عیسوی میں سندھ پہنچا اور سمندری ساحل پر واقع دیبول کا محاصرہ کرلیا۔ سندھ کو پار کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا۔ راور میں محمد بن قاسم نے داہر پر حملہ کیا اور اسے شکست دی۔ عربوں نے بھاگتے ہوئے فوجیوں کی ایک بڑی تعداد کو مار دیا۔ داہر بھی پکڑا گیا اور مار دیا گیا، محمد بن قاسم نے اب آگے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور ایک قلیل عرصے میں برہمن آباد سمیت سندھ کے مختلف اہم مقامات پر فتح حاصل کرلی۔

قاسم کی جنگی مہم کے نتیجے میں سندھ کی معاشی زندگی درہم برہم ہوگئی۔ لوگوں اور تاجروں کی ایک بڑی تعداد سندھ سے فرار ہوگئی۔ اس نے سندھ کے ایک بڑے حصے سے نشیبی پنجاب تک فتح حاصل کرلی تھی۔ اس کی حکومت صرف دوسو سال تک قائم رہی۔ تاہم بہت سے عرب سندھ میں آباد ہوگئے اور مقامی آبادی کے ساتھ اپنے رشتے قائم کرلیے۔ سندھ کے مختلف حصوں میں مسلم اثر کے علاقوں کے ساتھ ایک طویل عرصے تک عربوں کا اثر ورسوخ جاری رہا۔

9.2 محمود غزنوی

کل ملا کر محمود غزنوی نے 1000 تا 1026 عیسوی میں 17 بار ہندوستان پر حملے کیے۔ وہ محمود غزنوی سبکتگین کا بیٹا تھا۔ غزنی شاہی خاندان کے بانی اور ترکی کے غلام کمانڈر محمود غزنی کا سامنا پہلی بار ہندستانی حکمراں جے پال سے 1001 عیسوی میں ہوا۔ 1004 تا 1006 کے سالوں میں محمود غزنی نے ملتان کے حکمرانوں پر حملہ کیا۔ جلد ہی پنجاب بھی غزنویوں کے حملے کا شکار ہوا۔ 1014 تا 1019 عیسوی میں محمود نے ناگرکوٹ تھانیشور، متھرا اور قنوج کے مندروں کو لوٹ کر اپنے خزانے میں اضافہ کیا۔ 1008 میں ناگرکوٹ

پر حملے کو اس کی پہلی بڑی فتح کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ 1025 عیسوی میں محمود نے نہایت اولو العزم ہندوستانی مہم کی شروعات سوراشٹر میں سومناتھ مندر پر حملہ کر کے کی۔ ایک زبردست جدوجہد کے بعد محمود نے شہر پر قبضہ کرلیا۔ اس میں 50,000 سے زیادہ دفاع کرنے والوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ محمود نے پندرہ دن کے بعد سومناتھ چھوڑ دیا جب اسے پتہ چلا کہ گجرات کے راجہ بھیم اول نے اس سے مقابلے کی پوری تیاری کرلی تھی۔ ہندوستان پر اس کا حملہ وسط ایشیا کی سیاست میں غزنی کو ایک زبردست طاقت بنانے کی اس کی آرزو کو پورا کرنے کی ایک کوشش تھی۔ ہندوستان پر محمود کے حملوں کا مقصد صرف ہندوستان کی مشہور دولت کو حاصل کرنا تھا۔ یہ دولت وسط ایشیاء میں اس کی وسیع سلطنت کو مستحکم کرنے میں مددگار ہوسکتی تھی۔ وہ ہندوستان میں ایک سلطنت قائم کرنے کا خواہش مند نہیں تھا، غزنویوں نے پنجاب اور سندھ کے حصوں پر اپنا کنٹرول قائم کرلیا تھا جو 1135 عیسوی تک جاری رہا۔ تاہم اس کے حملوں نے ہندوستانی مملکتوں کے کمزور دفاع کی قلعی کھول دی۔ اس سے مستقبل میں ترکوں کے حملے امکانات بھی پیدا ہوگئے۔

9.3 محمد غوری (شہاب الدین محمد)

1173 عیسوی میں شہاب الدین محمد (1173 تا 1206 عیسوی) جسے غور کا محمد کہا جاتا تھا۔ غزنی کی تخت نشینی حاصل کی۔ غوری اتنے مضبوط اور طاقتور نہیں تھے کہ وہ خوارزمی سلطنت کی بڑھتی طاقت اور مضبوطی کا سامنا کر پاتے، انہوں نے محسوس کیا کہ وہ وسط ایشیا میں کچھ بھی نہیں حاصل کرسکتے تھے۔ اس سے غوری کو اپنی توسیع پسندانہ آرزوؤں کو پورا کرنے کے لیے ہندوستان کی طرف اپنا رخ موڑنے پر مجبو رہونا پڑا۔

محمد غوری ہندستان میں ایک مستقبل سلطنت قائم کرنے میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ وہ محض اس کی دولت نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔ اس کی جنگی مہم زیادہ بہتر طور پر منظّم تھی۔ اس نے جہاں کہیں بھی کوئی علاقہ فتح کیا وہاں کے لیے اپنے پیچھے ایک جنرل رکھا تاکہ اس کی غیر موجودگی میں وہاں کی حکمرانی سنبھال سکے۔ اس کے حملوں کے نتیجے میں وندھیا پہاڑی سلسلے کے شمال میں واقع خطے میں ترکی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔

پنجاب اور سندھ کی فتح

محمد غوری نے 1175 میں اپنی پہلی فوجی مہم کی قیادت کی۔ اس نے ملتان کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے حکمراں سے اسے آزاد کرلیا۔ اسی طرح کی ایک مہم میں اس نے بھٹی راجپوتوں کو شکست دے کر اچھ (Uchch) پر فتح حاصل کرلی۔ تین سال کے بعد 1178 عیسوی میں وہ پھر گجرات فتح کرنے کے



نوٹس

لیے بڑھا لیکن گجرات کے چولوکیہ حکمراں بھیم دوئم نے انہیلو واڑہ کے میدان جنگ میں اسے شکست دی۔ لیکن اپنی شکست سے محمد غوری کا حوصلہ نہیں پست ہوا۔ اس نے ہندوستان میں مزید فتح کا بیڑا اٹھانے سے پہلے پنجاب میں ایک موزوں بنیاد قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

اس نے پنجاب میں غزنویوں کے خلاف ایک مہم کی شروعات کی۔ نتیجتاً 1179 تا 1180 میں پشاور اور 1186 میں لاہور فتح کرلیا گیا۔ بعد میں سیال کوٹ اور دیبول کے قلعے بھی فتح کرلیے گئے۔ 1190 عیسوی تک اس نے ملتان، سندھ اور پنجاب پر اپنے قبضے کو مستحکم بناتے ہوئے گنگائی دوآب میں مزید یورش کی راہ ہموار کرلی تھی۔

تراین کی پہلی جنگ (1191 عیسوی)

پنجاب پر محمد غوری کے تسلط اور گنگائی دوآب میں اس کی پیش قدمی کی کوشش کے نتیجے میں راجپوت حکمراں پرتھوی راج چوہان کے ساتھ اسے سیدھی جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے راجپوتانے میں متعدد چھوٹی ریاستوں کی حدود سے نکل کر دہلی کو فتح کرلیا تھا اور پنجاب اور وادی گنگا میں اپنے کنٹرول کو وسعت دینا چاہتا تھا بھٹنڈا کے دعویٰ کو لے کر لڑائی شروع ہوگئی۔ پہلی جنگ جو 1191 عیسوی میں تاریخ میں لڑی گئی تھی، غوری کی فوج کو منہ کی کھانی پڑی اور بڑی مشکل سے وہ اپنی جان بچاسکا۔ پرتھوی راج نے بھٹنڈا فتح تو کرلیا تھا لیکن موثر طور پر اس کی مستقل حفاظت کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس سے غور کو ایک اور موقع مل گیا کہ وہ اپنی فوج کو دوبارہ جمع کرے اور ہندوستان مین ایک اور پیش قدمی کرے۔

تراین کی دوسری جنگ (1192 عیسوی)

اس جنگ کو ہندوستانی تاریخ میں ایک زبردست موڑ کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ محمد غوری نے اس فتح کے لیے کافی محتاط تیاریاں کی تھیں۔ تاریخ میں ترکی اور راجپوت افواج کا ایک بار پھر آمنا سامنا ہوا۔ ہندوستانی افواج ترکی فوج سے تعداد میں زیادہ تھیں لیکن ترکی فوج زیادہ منظم تھیں اور ان کا گھڑسواروں کا رسالہ تیزی سے نقل وحرکت کرسکتا تھا، ہندوستانی فوج کی اتنی بڑی تعداد ترکی گھڑسواروں کے رسالے کے اعلیٰ تنظیم، مہارت اور رفتار کے مقابلے نہیں ٹھہرتی تھی۔ ترکی گھڑسوار رسالے اعلیٰ ترین تکنیکوں کا استعمال کررہے تھے۔ ایک تو ان کے گھوڑ والے کی نعل تھی جو انہیں طویل زندگی عطا کرتی تھی اور ان کے گھڑسواروں کو تحفظ فراہم کرتی تھی۔ دوسرے لوہے کی رکاب کا استعمال تھا جس سے گھڑسوار کی گھوڑے پر اچھی پکڑ ملتی تھی اور جنگ میں ایک بہتر وار کرنے کی قوت حاصل ہوتی تھی۔ بڑی تعداد میں ہندوستانی فوجی مارے گئے۔ پرتھوی راج نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن سرسوتی کے قریب گرفتار کرلیا گیا۔ ترکی فوج نے ہانسی سرسوتی اور سمانا کے قلعوں کو فتح کرلیا۔ اس کے بعد وہ دہلی واجمیر کی طرف بڑھ گئے۔

تراین کی جنگ کے بعد غوری غزنی واپس چلا گیا اور ہندوستان کے معاملات کی ذمہ داری اس نے

اپنے معتبر غلام جنرل قطب الدین ایبک کو دے دی۔ 1194 میں محمد غوری ہندوستان پھر لوٹا۔ اس نے 50,000 گھڑسواروں کے ساتھ جمنا پار کرلیا اور قنوج کی طرف بڑھا۔ اس نے قنوج کے قریب چندوار میں جے چند کو شکست فاش دی۔ تاریخ اور چندوار کی جنگ نے شمالی ہندوستان میں ترکی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان میں محمد غوری کی سیاسی حصولیابیوں غزنی کے محمود کے مقابلے زیادہ دیر پا رہیں۔ جہاں محمود غزنی کو خاص طور پر لوٹ پاٹ میں دلچسپی تھی وہیں غوری یہاں اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا۔ 1206 میں اس کی وفات کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہندوستان میں ترکوں کی دلچسپیاں ختم ہوگئی تھیں، اس نے اپنے پیچھے غلام جنرل قطب الدین ایبک کو مامور کیا جو دہلی سلطنت کا پہلا سلطان بنا۔



متن پر مبنی سوالات 9.1

1۔ خالی جگہوں کو پر کیجیے:

a) سلطان محمد غوری _____ کا حکمراں تھا۔

b) تاریخ کی پہلی جنگ _____ اور _____ کے درمیان لڑی گئی تھی۔

c) محمد غوری نے اپنے ہندوستانی مفتوحہ علاقوں کو _____ سونپ دیا تھا۔

2۔ ترائن کی دوسری جنگ کب واقع ہوئی تھی؟

_____

3۔ محمود غزنی اور محمد غوری کے حملوں میں ایک بڑا فرق کیا تھا؟

_____

9.4 مملوک سلطان

قطب الدین ایبک کے ساتھ مملوک سلطان یا غلام خاندان کا دور شروع ہوتا ہے۔ مملوک ایک عربی لفظ ہے جس کا مطلب ہے ملکیت ہونا (غلام)۔ اس کا استعمال گھریلو ملازم یا دستکار کے طور پر استعمال کیے جانے والے کم تر غلاموں سے فوجی خدمات ک لیے حاصل کیے گئے ترکی غلاموں میں فرق کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ مملوک سلطانوں نے 1206 عیسوی سے 1290 تک حکومت کی۔

قطب الدین ایبک (1206 تا 1210 عیسوی)

قطب الدین ایبک ایک ترکی غلام تھا جو محمد غوری کی فوج میں ایک اونچے عہدے پر پہنچ چکا تھا۔



نوٹس

دہلی سلطنت کا قیام اور توسیع

1206 عیسوی میں محمد غوری کی موت کے بعد ہندوستانی مقبوضہ علاقوں کے کنٹرول کی ذمہ داری قطب الدین ایبک کے کندھوں پر پڑی۔ ایبک شمالی ہندوستان کا پہلا آزاد مسلم حکمراں تھا اور دہلی سلطنت کا بانی تھا۔

ایبک کو راجپوتوں اور دیگر ہندوستانی سرداروں کی متعدد بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ غزنی کے حکمراں تاج الدین یالدوز نے دہلی پر اپنی حکمرانی کا دعویٰ کیا۔ ملتان اور اچھ کے گورنر نصیرالدین قباچہ آزادی حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ ایبک اپنے دشمنوں پر مصالحتی اقدامات کے ساتھ اپنی طاقت کے مظاہرے کے ذریعہ قابو پانے کا اہل تھا۔ اس نے یلدوز کو شکست دی اور غزنی پر قبضہ کرلیا۔ جے چند کا جانشین، ہریش چندر کو ترکوں نے بدایوں اور فرخ آباد سے نکال دیا اور بدایوں اور فرخ آباد پر دوبارہ فتح حاصل کرلی۔

قطب الدین ایبک بہادر، پراعتماد اور فیاض شخص تھا۔ اس کی فیاضی کی وجہ سے اسے 'لاکھ بخش' کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اکثر دانشور ایبک کو ہندوستان میں مسلم حکومت کا حقیقی بانی سمجھتے ہیں۔

التمش (1210 تا 1236)

1210 عیسوی میں ایبک چوگان (پولو) کھیلتے وقت اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور چوٹ لگنے کے سبب اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کی موت کے بعد کچھ امراء اس کے بیٹے آرام شاہ کو لاہور میں تخت نشین کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آرام شاہ ایک نااہل حکمراں تھا اور ترکی امراء نے اس کی مخالفت کی دہلی کی ترکی سرداروں نے بدایوں کے گورنر (قطب الدین ایبک کا داماد) ''التمش'' کو دہلی بلایا۔ آرام شاہ اس کے خلاف لاہور سے دہلی فوج لے کر بڑھا لیکن التمش نے اسے شکست دی اور شمس الدین کے نام سے سلطان بنادیا۔ دہلی سلطنت کو مستحکم کرنے کا سہرا کافی حد تک اسی کے سر جاتا ہے۔

جب التمش تخت نشین ہوتو اس نے خود کے بہت سے مسائل سے گھرا پایا۔ یلدوز، قباچہ اور علی مردان جیسے محمد غوری کے دیگر کمانڈروں نے پھر سرکشی کی۔ جاسور اور رنتھبور کے سرداروں نے بھی گوالیر و کالنجار کے ساتھ مل کر اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ اس کے علاوہ چنگیز خاں کے ماتحت منگول بھی اپنی طاقت بڑھا رہے تھے اور سلطنت کے شمال مغربی سرحد کے لیے خطرہ پیش کررہے تھے۔

التمش اپنی حیثیت مستحکم کرنے میں لگ گیا۔ ترائین کی جنگ میں 1215 عیسوی میں اس نے یلدوز کو ہرادیا۔ 1217 عیسوی میں اس نے قباچہ کو پنجاب سے نکال باہر کیا۔ 1220 عیسوی میں جب چنگیز خاں نے خوارزم سلطنت کو تاراج کردیا تب التمش نے منگولوں کے ساتھ جھگڑے سے بچنے کی سیاسی ضرورت محسوس کی۔ اس طرح جب جلال الدین منکبرانی (شاہ خورزم کا بیٹا) منگولوں سے فرار اختیار کررہا تھا،

اس نے التمش کے دربار میں پناہ چاہی، لیکن التمش نے نامنظور کر دیا۔ اس طرح اس نے اپنی سلطنت کو منگولوں کی تخریب سے بچالیا۔

1125 عیسوی سے التمش نے مشرق کی مزاحمتوں کو دبانے میں اپنی افواج کو مشغول رکھا۔ 1226-27 عیسوی میں التمش نے اپنے بیٹے نصیرالدین محمد کی سربراہی میں ایک بڑی فوج بھیجی جس نے عوض خاں کو ہرا کر بنگال اور بہار کو دہلی سلطنت میں دوبارہ شامل کیا۔ اسی طرح اس نے راجپوت سرداروں کے خلاف بھی اپنی جنگی مہم کی شروعات کی۔ رنتھمبور پر 1226 میں قبضہ کرلیا اور 1231 میں التمش نے مندور، جالور، بیانا اور گوالیار میں اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ التمش نے ایبک کے ادھورے کاموں کو پورا کیا۔ دہلی سلطنت اب ایک کافی بڑے علاقے پر پھیل چکی تھی۔ اس کے علاوہ التمش نے اپنے معتبر امراء کا چالیس کا گروہ (ترکان چہلگانی) منظّم کیا وہ ایک دور اندیش حکمراں تھا اور اس نے دہلی میں نئی تشکیل شدہ سلطنت کو منظّم کیا۔

> التمش نے عہدیداروں کو چالیس (ترکان چہل گانی) کے ایک گروہ میں بھی منظّم کیا۔ یہ ترکی امیر تھے جو سلطنت کے انتظامیہ میں سلطان کو صلاح و مدد دیتے تھے۔ التمش کی وفات کے بعد اس گروپ نے اپنے ہاتھوں میں کافی طاقت اختیار کرلی تھی، یکے بعد دیگر کچھ سالوں تک وہ سلطانوں کے انتخاب کے بارے میں فیصلہ کرتے رہے۔ اس گروپ کو بالآخر بلبن نے ختم کر دیا۔

التمش نے دہلی کے سرکش امرا کی موثر طور پر سرکوبی کی۔ اس نے دہلی سلطنت کو غزنی، غور اور مرکزی ایشیائی سیاست سے الگ کرلیا۔ التمش نے اپنی حکومت کے لیے جواز حاصل کرنے کے مقصد سے عباسی خلیفہ سے 1229 میں اعزازی سند بھی حاصل کی تھی۔

التمش نے اقطاع، فوج اور کرنسی نظام جیسے انتظامی اداروں کو وضع کرنے میں ایک نمایاں اشتراک کیا۔ اس نے سلطنت کو اس کے دو بنیادی سکے دیے ایک چاندی کا ٹنکا (Tanka) اور دوسرا تانبے کا جتل تھا۔ مقبوضہ علاقوں پر زیادہ سے اقتدار قائم کرنے کے لیے اس نے بڑے پیمانے پر اپنے ترکی عہدیداروں کو اقطاع (نقد تنخواہ کے بدلے میں زمین کی تفویضات) کا عطیہ پیش کیا۔ اقطاع کے وصول کرنے والوں کو اقطاع دار کہا جاتا تھا جو اپنے ماتحت علاقوں سے زمینی لگان وصول کرتے تھے۔ اس سے وہ ریاست کی خدمت کے لیے مسلح امدادی فوج رکھتے تھے، امن وامان قائم کرتے تھے اور اپنے خود کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ التمش نے دوآب کی معاشی امکانی استعداد کو محسوس کیا تھا اور اسی خطے میں خاص طور پر اقطاع تقسیم کیا تھا۔ اس سے التمش شمالی نے ہندوستان کے ایک انتہائی معروف خطے پر مالیاتی اور انتظامی نگرانی رکھنے کو یقینی بنالیا۔ (آپ سبق 12 میں انتظامیہ کی تفصیل پڑھیں گے)



نوٹس

رضیہ (1236 تا 1240)

آخری دنوں میں جانشینی کے مسئلے نے التمش کو بہت پریشان کیا۔ التمش اپنے کسی بیٹے کو تخت شاہی کے لائق نہیں سمجھتا تھا۔ اس کی خود کی مرضی اپنی بیٹی رضیہ کے بارے میں تھی۔ اس لیے اس نے رضیہ کو اپنا جانشین بنایا۔ لیکن اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز فوجی قائدین کی مدد سے تخت نشین ہوا۔ تاہم دہلی کے لوگوں اور فوجی رہنماؤں کی مدد سے رضیہ نے شاہی اقتدار سنبھال لیا۔

اپنی ظاہری خوبیوں کے باوجود رضیہ نے نمایاں طور پر ترکوں کے مقابل غیر ترک طبقہ امراء کی تخلیق کی اپنی کوششوں کے سبب بنیادی طور پر معقولیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس نے ترک امراء کا قہر مول لے لیا۔ ترک امراء خاص طور پر ایبسینیا (Abyssinian) کے ملک جمال الدین یاقوت، امیر آخور (گھوڑوں کا اعلیٰ افسر) کی حیثیت سے تقرری کے اس کے فیصلے سے کافی چڑھ گئے۔ اس کے علاوہ کچھ اہم عہدوں پر کچھ غیر ترکوں کی تقرریوں نے مزید آگ میں گھی ڈالنے کا کام کیا۔

طبقہ امراء نے محسوس کیا کہ خاتون ہونے کے باوجود وہ ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بننے کو تیار نہیں تھی اس لیے امیروں نے صوبوں میں اس کے خلاف بغاوت کی شروعات کر دی۔ انہوں اس پر نسوانی پاکبازی کی اور ابائسنین امیر یاقوت سے بہت زیادہ دوستی کا الزام لگایا۔ امرا کے ذریعہ شکست کھانے کے بعد اسے مار دیا گیا۔ اس طرح اس کا ایک مختصر دور حکومت کا 1240 عیسوی میں خاتمہ ہوا۔

نصیرالدین محمود (1246 تا 1266 عیسوی)

سلطان اور ترکی سرداروں ''چہل گانی'' کے درمیان اقتدار کی جو جنگ رضیہ کے دور حکومت میں شروع ہوئی تھی وہ جاری رہی۔ رضیہ کی وفات کے بعد چہل گانی کی طاقت بڑھ گئی تھی اور وہ سلطان بنانے یا نہ بنانے کے کافی حد تک ذمہ دار بن گئے۔ بہرام شاہ (1240 تا 1242 عیسوی) اور مسعود شاہ (1242 تا 1246 عیسوی) میں سلطان بنائے گئے اور بعد میں ہٹا دیے گئے۔ ان کے بعد 1246 عیسوی میں الغ خاں (بعد میں بلبن کے طور پر معروف) نے ایک ناتجربہ کار اور نوجواں نصیرالدین (التمش کا پوتا) کو تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔ خود کو اس کا نائب تصور کیا۔ اپنی حیثیت کو مزید مضبوط بنانے کے لیے اس نے اپنی بیٹی کی شادی نصیرالدین سے کر دی، نصیرالدین محمود کا انتقال 1265 عیسوی میں ہو گیا۔ ابن بطوطہ اور عصامی کے مطابق بلبن نے اپنے آقا نصیرالدین کو زہر دے دیا تھا اور خود تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔

بلبن (1266 عیسوی سے 1287 عیسوی تک)

سلطان اور ترک امراء کے درمیان اسی وقت تک جنگ جاری رہی جب تک کہ ان میں سے ایک



نوٹس

ترک سردار الغ خاں نے جسے بلبن کے نام سے تاریخ میں جانا جاتا ہے، دھیرے دھیرے سارے اختیارات خود غصب کر لیے۔ آخر کار وہ 1266 عیسوی میں تخت نشیں ہوا۔ جب بلبن سلطان بنا تھا، اس کی حیثیت محفوظ نہیں تھی۔ بہت سے ترک امراء اس کے ساتھ معاندانہ رویہ رکھتے تھے۔ منگول بھی سلطنت پر حملہ کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ دور دراز کے صوبوں کے گورنر بھی آزاد حکمراں بننے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ ہندوستانی حکمراں بھی چھوٹے سے چھوٹے موقع پر بغاوت کرنے کے لیے آمادہ تھے۔

دہلی کے آس پاس کے علاقوں اور دوآب خطے میں امن وامان کی صورت حال کافی بگڑ چکی تھی۔ گنگا جمنا دوآب اور اودھ میں سڑکوں پر ڈاکوؤں کا راج ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مشرقی علاقوں میں مواصلات اور نقل وحمل بہت دشوار ہو گیا تھا۔ کچھ راجپوت زمینداروں نے علاقے میں اپنے قلعے بنا لیے تھے اور حکومت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ میواتی بھی اتنے نڈر ہو گئے تھے کہ دہلی کے دور افتادہ علاقوں میں لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ ان عناصر سے نمٹنے کے لیے بلبن نے بہت سخت پالیسی اپنائی۔ میوات میں بہت سے لوگ مارے گئے۔ بدایوں کے آس پاس کے علاقوں میں راجپوتوں کے مضبوط کے گڑھ تباہ کر دیے گئے۔

بلبن نے آمرانہ انداز میں حکمرانی کی اور سلطان کی حیثیت کو بلند کرنے کی سخت کوشش میں لگ گیا۔ اس نے کسی بھی امیر کو زیادہ طاقتور نہیں بننے دیا۔ یہاں تک کہ اس نے بادشاہت کا نظریہ پیش کیا۔ مورخ برنی جو خود ترک امراء کا زبردست حمایتی تھا، بلبن کا ایک قول نقل کیا ہے، جس میں اُس نے کہا تھا کہ ''جب کبھی میں کم ذات میں پیدا ہوئے کسی شخص کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھیں جلنے لگتی ہیں اور غصے میں میرے ہاتھ تلوار پر پہنچ جاتے ہیں (اسے مارنے کے لیے)'' ہمیں نہیں معلوم کہ آیا بلبن نے واقعی ایسے الفاظ کہے تھے لیکن غیر ترکوں کے تئیں اس کا رویہ حقارت پر مبنی تھا۔ بلبن کسی کے ساتھ اقتدار میں شریک کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا یہاں تک کہ اپنی خود کی فیملی کے ساتھ بھی۔

بلبن نے چہل گانی کی طاقت ختم کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ خود کو آگاہ رکھنے کے لیے بلبن نے ہر شعبے میں جاسوسوں کی تقرری کی۔ اس نے ایک مضبوط مرکزی فوج بھی منظّم کی جو داخلی گڑ بڑیوں سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ منگولوں کو بھی دور رکھنے کی غرض سے تیار کی گئی تھی۔ منگول پنجاب میں اپنی دفاعی پوزیشن مضبوط بنا چکے تھے اور دہلی سلطنت کے لیے زبردست خطرہ بنے ہوئے تھے۔ بلبن نے فوجی شعبے (دیوان ارض) کو از سر نو منظّم کیا اور ملک کے مختلف حصوں میں بغاوت کو کچلنے کے لیے فوج کی مورچہ مندی کی، میوات، دوآب، اودھ اور کٹہار میں گڑ بڑیوں کو اس نے بے رحمی سے کچل دیا۔ مشرقی راجپوتانہ میں اجمیر اور ناگور پر کنٹرول کو بھی بلبن نے یقینی بنایا لیکن رنتھمبور اور گوالیر پر قبضہ



نوٹس

کرنے کی اس کی کوشش ناکام رہی۔ 1279 میں منگولوں کے خطروں اور سلطان کی ضعیف العمری سے شہ پاکر بنگال کے گورنر تغرل بیگ نے بغاوت کر دی اور سلطان کا لقب اختیار کیا اس کے نام سے خطبہ پڑھا جانے لگا۔ بلبن نے اپنی فوج کو بنگال بھیجا اور تغرل مارا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے بغراخاں کو بنگال کا گورنر مقرر کیا۔

یہ سارے سخت طریقے اختیار کر کے بلبن صورت حال پر قابو پانے میں کامیاب رہا۔ اپنی حکومت کی مضبوطی اور عظمت کا رعب لوگوں پر قائم کرنے کے لیے بلبن نے ایک پرشکوہ دربار کا اہتمام کیا۔ اس نے دربار میں ہنسنے اور مذاق پر پابندی لگادی اور شراب پینا ترک کر دیا تا کہ اسے کوئی غیر سنجیدہ مزاج میں نہ دیکھے اس نے دربار میں سجدہ اور پائبوس (بادشاہ کے پیر کا بوسہ لینا) کی تقریب پر زور دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بلبن دہلی سلطنت کا ایک اہم معمار تھا خاص طور پر حکومت اور اداروں کو شکل دینے میں اس کا خاص رول تھا۔ شاہی اقتدار پر زور دیتے ہوئے اس نے دہلی سلطنت کو مضبوط بنایا لیکن منگولوں کے حملوں سے شمالی ہندوستان کا پوری طرح دفاع نہیں کر سکا۔ مزید براں اقتدار و طاقت کی حیثیت سے غیر ترکوں کو بے دخل کر کے اور صرف کچھ ہی نسلی گروپ پر اعتماد کر کے اس نے بہت سے لوگوں میں بے اطمینانی پیدا کر دی۔ اس سے اس کی موت کے بعد نئی گڑ بڑیاں اور پریشانیاں پیدا ہوئیں۔

بلبن کی وفات 1287 عیسوی میں ہوئی۔ اس کی موت کے بعد طبقہ امراء نے اس کے پوتے کیقباد کو تخت نشیں کیا۔ جلد ہی اسے ہٹا کر اس کا بیٹا کیمورث گدی پر بیٹھا لیکن وہ صرف تین مہینے تک ہی تخت شاہی پر قابض رہا۔ بلبن کے دور حکومت میں فیروز شمال مغرب میں سرحدوں کا نگراں رہا تھا اور منگولوں کے خلاف اس نے کئی کامیاب لڑائیاں لڑیں۔ اسے اریض ممالک (وزیر جنگ) کے عہدے پر دلّی بلا لیا گیا۔ 1290 عیسوی میں فیروز نے کیمورث کو مار کر ایک بے باک قدم اٹھایا اور تخت پر قابض ہو گیا۔ اس کی زیر قیادت خلجی امراء کے ایک گروپ نے خلجی خانوادے کا اقتدار قائم کیا کچھ دانش ور اسے 1290 عیسوی کا 'خاندانی انقلاب' کہتے ہیں۔ یہاں سے غلام خاندان کے نام سے منسوب ایک دور کا خاتمہ ہوا اور فیروز، جلال الدین خلجی کے لقب سے اقتدار شاہی پر قابض ہو گیا۔

متن پر مبنی سوالات 9.2

1- التمش کے تخت نشین ہونے پر کن مسائل کا سامنا کرنا پڑا؟ کسی دو کا ذکر کیجئے۔

2- التمش نے ''چالیس کا گروہ'' (تُرکان چہل گانی) کیوں تشکیل دیا؟

3- دہلی سلطنت کا پہلا سلطان آپ کسے سمجھتے ہیں؟

4- بلبن نے اس بات پر زور دینے کے لیے کہ سلطان کے پاس مطلق اقتدار تھا، کیا اقدامات اٹھائے؟

9.5 خلجی خاندان (1290 تا 1320 عیسوی)

جلال الدین خلجی (1290 تا 1296 عیسوی)

جلال الدین خلجی نے خلجی خاندانی سلسلے کی بنیاد رکھی۔ وہ 70 سال کی عمر میں تخت نشیں ہوا۔ اگرچہ جلال الدین نے اپنے انتظامیہ میں پہلے کے طبقہ امراء کو برقرار رکھا لیکن خلجیوں کے ذریعہ اقتدار حاصل کرنے سے غلام امراء کی اعلیٰ عہدوں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہوا۔ جلال الدین نے صرف چھ سال کی قلیل مدت تک ہی حکمرانی کی۔ اس نے بلبن حکومت کے کچھ تکلیف دہ امور کو معتدل کرنے کی کوشش کی۔ وہ دہلی سلطنت کا پہلا حکمراں تھا جس نے صاف طور پر اپنا یہ خیال پیش کیا کہ ریاست کی بنیاد رعایا کی رضا کارانہ مدد پر قائم ہونی چاہیے اور چونکہ ہندوستان میں لوگوں کی اکثریت ہندو تھی اس لیے یہ واقعتاً اسلامی ریاست نہیں ہوسکتی تھی۔ اس نے رواداری کی پالیسی اپنا کر امراء کی خیر سگالی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سخت سزاؤں سے احتراز کیا۔ حتیٰ ان لوگوں کو بھی سخت سزا دینے سے بچا جنھوں نے اس کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اس نے نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ کبھی کبھی ان کی تائید حاصل کرنے کے لیے ان کو انعام واکرام سے بھی نوازا۔ تاہم بہت سے لوگوں بلکہ اس کے حامی بھی اسے ایک کمزور سلطان مانتے تھے۔

جلال الدین کی پالیسی کو علاوالدین خلجی نے بالکل الٹ دیا۔ اس نے ان سبھی کو سخت ترین سزا نہیں دیں جنھوں نے اس کی مخالفت کی جرأت کی تھی۔



نوٹس

علا والدین خلجی (1296 تا 1316 عیسوی)

علا والدین خلجی جلال الدین کا اولوالعزم بھتیجا اور داماد تھا۔ اس نے اقتدار کے لیے اپنے چچا کی جدوجہد میں مدد کی تھی اور امیر تزک (تقریبات کا امیر) مقرر ہوا۔ جلال الدین کے دور حکومت میں علا والدین نے دو فاتحانہ مہمیں انجام دی تھیں۔ 1292 عیسوی میں بھیلسا (ودیشا) کی پہلی مہم کے بعد اسے کارا کے علاوہ اودھ کا بھی اقطاع دیا گیا۔ اس کی تقرری اریض ممالک (وزیر جنگ) کے طور پر بھی کی گئی تھی۔ 1294 میں جنوبی ہندوستان میں پہلی ترک جنگی مہم کی اس نے قیادت کی اور دیوگری میں لوٹ مار کی اس کی کامیاب جنگی مہم نے یہ ثابت کر دیا کہ علاء الدین ایک قابل فوجی کمانڈر اور ایک باثر منتظم کار بھی تھا۔ 1296 عیسوی کے جولائی ماہ میں اس نے اپنے چچا اور سسر جلال الدین کا قتل کر دیا خود سلطان کی حیثیت سے تخت نشین ہوا۔

علاوہ الدین نے سنگ دلانہ حکمرانی کی اور بلبن کی پالیسیوں کو بحال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے طبقہ امراء کے اقتدار کو قابو میں رکھنے اور ریاست کے معاملات میں علماء کی بداخلت پر بندش لگانے کا فیصلہ کیا۔ اپنی حکومت کے ابتدائی سالوں میں اسے جانشینی کے لے کچھ بغاوتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ فیروز شاہی کے مصنف برنی کے مطابق علاء الدین نے محسوس کیا کہ ان بغاوتوں کے چار اسباب تھے۔ 1) جاسوسی نظام کا ناکارہ ہونا 2) شراب کے استعمال کا عام رواج 3) امراء کے درمیان سماجی روابط اور ان میں باہمی ازدواجی رشتے اور 4) بعض امراء کے تصرف میں دولت کا زیادہ ہونا۔

ان بغاوتوں کے دوبارہ واقع ہونے سے روکنے کے لیے علاوالدین نے بعض ضوابط مقرر کیے اور انہیں نافذ کیا۔ (1) وہ خاندان جو خود کی کفالت کے لیے مفت زمین سے استفادہ کر رہے تھے انہیں اپنی راراضی کا لگان ادا کرنا چاہیے۔ اس سے کچھ لوگوں کی ملکیت پر جو زیادہ دولتمند تھے پر بندش لگی۔ (2) سلطان نے جاسوسی نظام کو دوبارہ منظّم کیا اور اسے زیادہ موثر بنانے کے لیے اقدامات اٹھائے (3) شراب اور نشہ آور چیزوں کے استعمال پر پابندی (4) امراء کو حکم دیا گیا کہ وہ سماجی اجتماع یا آپس کی شادیاں بغیر اس کی اجازت کے نہ کریں۔

علاوالدین نے ایک بہت بڑی مستقل فوج تیار کی تا کہ اس کی فتح کی آرزوں کی تکمیل اور منگول حملے سے تحفظ فراہم کیا جا سکے۔



نوٹس

علاوالدین خلجی کے منڈی ضوابط

بازاروں پر کنٹرول کرنے کے علاوالدین کے اقدامات، ایک نہایت اہم پالیسی کی پہل تھی۔ چونکہ علاء الدین ایک بڑی فوج رکھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے روزمرہ استعمال کی قیمت میں کمی کرنے کے ساتھ اسے مقرر کر دیا۔ قیمتوں پر قابو رکھنے کے لیے علاوالدین دہلی میں مختلف اشیاء کے لیے تین مختلف بازار قائم کیے۔ اناج بازار (منڈی)، کپڑا بازار (سرائے عدل) اور گھوڑوں، غلاموں اور مویشیوں وغیرہ کے بازار، یہ تین بازاریں تھیں۔ نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے علاوہ الدین نے ایک سپرنٹنڈنٹ (شاہنائے منڈی) کی تقرری کی جس کی مدد ایک خفیہ خبر رسانی کا افسر کرتا تھا۔ شاہنائے منڈی کے علاوہ علاوالدین دور دیگر آزاد ذرائع برید (افسر برائے خبر رسانی) اور منشیاں (خفیہ جاسوس) سے یومیہ رپورٹیں وصول کرتا تھا۔ سلطان کے احکامات کی کسی خلاف ورزی کا نتیجہ سخت سزا کی صورت میں برآمد ہوتا تھا اس میں راجدھانی سے اخراج، جرمانے عائد کرنا، قید اور عضو کاٹنے کی سزا شامل تھی۔

گھوڑوں کی قیمتوں پر کنٹرول کرنا سلطان کے لیے زیادہ اہم تھا کیونکہ فوج کے لیے معقول قیمت پر اچھے گھوڑوں کی فراہمی کے بغیر فوج کی کارکردگی کو یقینی نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ اُس نے گھوڑا بازار میں کم قیمت کو دہلی بازار میں گھوڑے کے ڈیلروں اور دلالوں کے ذریعہ گھوڑوں کی خریداری پر روک لگا کر یقینی بنایا جاتا تھا۔

دہلی سلطنت کی توسیع

علاء الدین کے ماتحت شمالی ہندوستان کے پار دہلی سلطنت کی علاقائی توسیع نہایت اہم حصولیابی تھی۔

علاء الدین نے سب سے پہلے گجرات کے خلاف مہم کے ساتھ اپنے علاقائی فتح کی شروعات کی۔ علاوالدین کو ایک بڑی سلطنت قائم کرنے اور گجرات کی دولت حاصل کرنے کی اس کی خواہش نے اس کے لیے ترغیب دی تھی۔ گجرات کی دھن دولت اس کی مستقبل کی فتوحات کے لیے ادائیگی اور اس کا بندر گاہ اس کی فوج کے لیے عربی گھوڑوں کی باقاعدہ فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے ضروری تھی۔ 1299 میں علاوالدین کے دو معروف جنرل الغ خاں اور نصرت خاں نے گجرات کے خلاف پیش قدمی کی۔ گجرات کا حکمراں راج کرن فرار ہو گیا سومناتھ کا مندر سر کر لیا گیا۔ زبردست مال غنیمت جمع ہوا۔ حتیٰ کہ دولت مند مسلم تاجروں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ بہت سے غلام پکڑ لیے گئے۔ ملک کافور ان میں سے ایک تھا جو بعد میں خلجی افواج کا ایک معتبر کمانڈر بنا اور جنوبی ہندوستان پر حملے کی قیادت کی۔ گجرات اب دہلی کے زیر



نوٹس

اقتدار آچکا تھا۔ گجرات کے جبری الحاق کے بعد اس کی توجہ راجستھان کی طرف مبذول ہوئی۔ رن تھمبور اس کا پہلا نشانہ تھا۔ رن تھمبور اپنے انتہائی مضبوط قلعے کے لیے مشہور تھا اور پہلے جلال الدین خلجی کی اطاعت سے منکر ہو چکا تھا۔ رن تھمبور پر قبضہ کرنا راجپوتوں کی طاقت اور ان کے حوصلے کو پست کرنے کے لیے ضروری تھا۔ حملے کی فوری وجہ یہ تھی کہ رن تھمبور کا حکمراں ہیمر دیو نے دو باغی منگول فوجیوں کو پناہ دے رکھی تھی اور خلجی حکمراں کو سونپنے سے اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے رن تھمبور کے خلاف حملہ کرنے کی شروعات کی گئی۔ ابتداء میں خلجی افواج کو نقصان اٹھانا پڑا۔ نصرت خاں کو اپنی جان بھی گنوانی پڑی۔ آخر کار علاو الدین خود میدان جنگ میں آ گیا۔ 1301 عیسوی میں علاء الدین نے قلعہ فتح کر لیا

1303 عیسوی میں علاو الدین نے راجپوتانہ کی ایک اور طاقتور ریاست چتوڑ کا محاصر کر لیا۔ کچھ دانشوروں کے مطابق علاء الدین، راجہ رتن سنگھ کی خوبصورت رانی پدمنی کو حاصل کرنے کا آرزومند تھا اس لیے اس نے اس پر حملہ کیا تھا۔ تاہم متعدد دانشور اس روایتی کہانی سے متفق نہیں ہیں کیونکہ دو سو سال سے زیادہ عرصے کے بعد سب سے پہلے اس کا ذکر جائسی نے کیا تھا۔ امیر خسرو کے مطابق سلطان نے شہری آبادی کے قتل عام کا حکم جاری کیا تھا۔ سلطان کے بیٹے خضر خاں کے نام پر چتوڑ کا نام خضر آباد رکھا گیا۔ بہر حال علاء الدین تیزی سے دہلی واپس ہوا کیونکہ منگول فوج دہلی کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی۔

1305 عیسوی میں خلجی فوج نے عین الملک کے زیر قیادت مالوہ پر قبضہ کر لیا۔ اجین، مانڈو، دھار اور چندیری جیسی ریاستوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا تھا۔ مالوہ کی فتح کے بعد علاء الدین نے ملک کافور کو جنوب میں روانہ کیا اور خود سیوانا پر حملہ کر دیا۔ سیوانا کا حکمراں راجہ شیتل دیو نے قلعہ کا بہادری کے ساتھ دفاع کیا لیکن آخر کار ہار گیا۔ 1311 عیسوی میں ایک راجپوت مملکت جالور پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس طرح 1311 عیسوی تک علاء الدین نے راجپوتانہ کے ایک بڑے حصے پر اپنی فتح مکمل کر لی تھی اور شمالی ہندوستان کا مالک بن گیا۔

دکن اور جنوبی ہندوستان

علاء الدین کی سامراجی آرزوؤں کی تکمیل شمال پر فتح حاصل کرنے سے نہیں ہوئی۔ اس نے جنوب پر بھی فتح حاصل کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ جنوبی مملکتوں کی دولت اس کے لیے باعث کشش تھی۔ جنوب کے لیے جنگی مہم انجام دینے کے لیے علاو الدین کے ایک معتبر کمانڈر ملک کافور کی زیر قیادت فوج بھیجی گئی۔

ملک کافور نائب کے عہدے پر فائز تھا۔ 07-1306 عیسوی میں علاو الدین نے دکن میں ایک نئی مہم کی منصوبہ بندی کی۔ اس نے پہلے رائے کرن (گجرات کا اولیں حکمراں) کو نشانہ بنایا اور اُسے شکست

دے دی جس نے اب باگلانا پر قبضہ کر رکھا تھا۔ دیوگیر کے حکمراں رائے رام چندر کے خلاف دوسری جنگی مہم انجام دی گئی۔ اس نے پہلے سلطان سے خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن ادائیگی نہیں کی تھی۔ معمولی سی مزاحمت کے بعد رام چندر نے ملک کافور کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اور اس کے ساتھ باوقار سلوک کیا گیا۔ اسے علاوالدین کے دربار میں مہمان کے طور پر رکھا گیا۔ اور ایک لاکھ ٹنکے کا تحفہ دیا گیا۔ اسے رائے رائن کا خطاب دیا گیا۔ اس کے علاوہ گجرات کا ایک ضلع بھی حوالے کر دیا گیا اور اس کی ایک بیٹی سے علاوالدین کی شادی ہوئی۔ اس نے رام چندر کے ساتھ فیاضی اس لیے دکھائی تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ جنوب میں اس کی فوجی مہموں کے لیے اسے ایک حلیف مل جائے۔

1309 عیسوی کے بعد ملک کافور کو جنوبی ہندوستان میں مہم کی شروعات کے لیے روانہ کر دیا گیا تھا۔ تلنگانہ کے علاقے میں وارنگل کے پرتاپ رودردیو کے خلاف پہلی مہم انجام دی گئی۔ یہ محاصرہ کئی مہینوں تک چلا اور تبھی ختم ہوا جب رائے اپنا خزانہ سلطان کو دینے اور اسے خراج ادا کرنے پر متفق ہوا۔

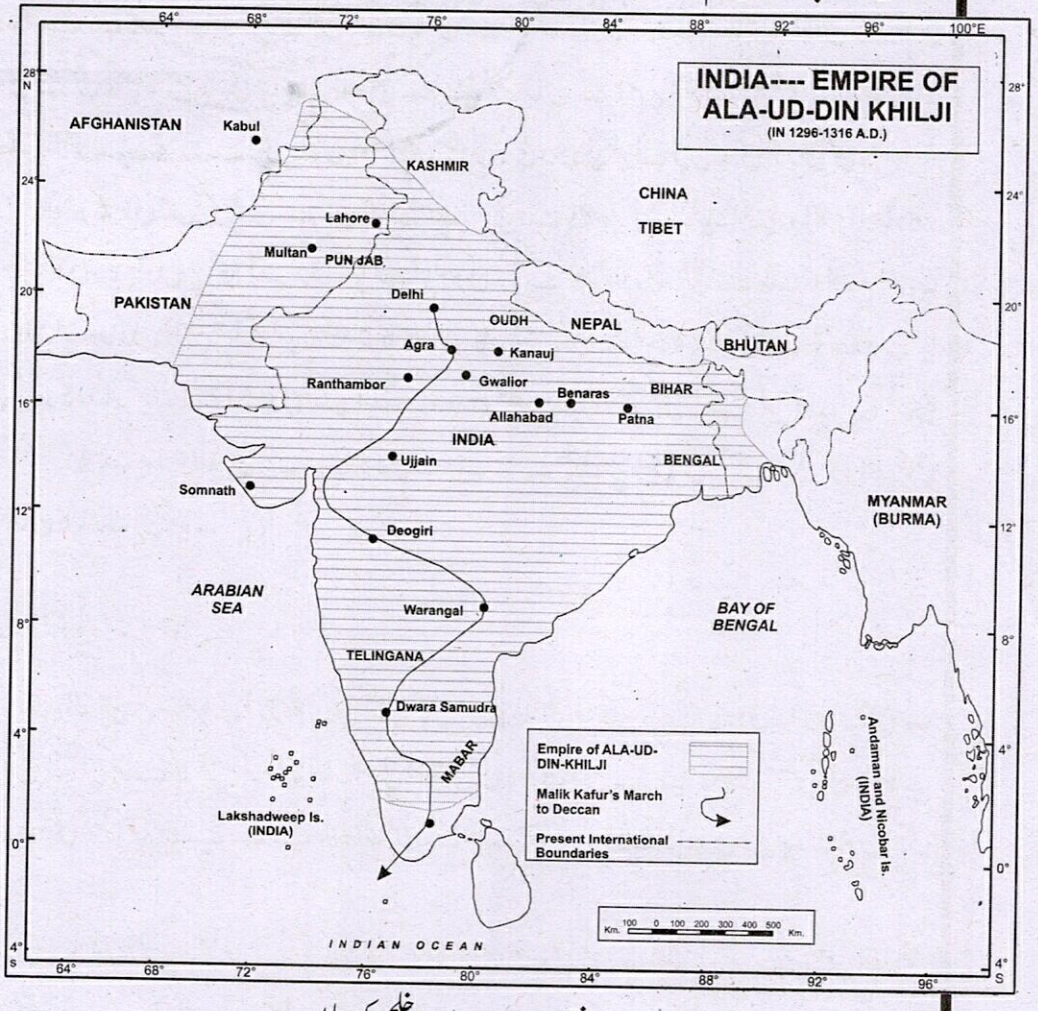

نقشہ 9.1: علاوالدین خلجی کی سلطنت



دوسری مہم دوارسمدر اور مابار (جدید کرناٹک اور تملناڈ) کے خلاف تھی۔ دوارسمدر کا حکمراں ویر بلالا III نے محسوس کیا کہ ملک کافور کو ہرانا اتنا آسان نہیں ہوگا، اس لیے بغیر کسی مزاحمت کے سلطان کو خراج ادا کرنے پر متفق ہوگیا۔ مابار (پانڈیہ مملکت) کے معاملے میں ایک راست فیصلہ کن جنگ نہیں ہو پائی۔ تاہم کافور نے جتنا لوٹ سکتا تھا اس نے اتنی دولت لوٹی جس میں متعدد ثروت مند مندروں جیسے جدامبرم شامل تھا۔ امیر خسرو کے مطابق کافور 512 ہاتھیوں، 7000 گھوڑے اور 500 قیمتی پتھر کے ساتھ ملک کافور لوٹا تھا۔ سلطان نے ملک کافور کو نائب مقرر کر کے عزت بخشی۔ ملک کافور کی زیر قیادت علاوالدین کی افواج نے دکن مملکتوں کو زیر اقتدار کرنا جاری رکھا۔

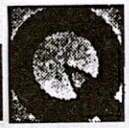

متن پر مبنی سوالات 9.3

1- رنتھبور پر قبضہ کرنا کیوں ضروری تھا؟

2- علاءالدین خلجی کے دور حکومت میں جنوب میں فوجی مہمات کی قیادت کس نے کی تھی؟

3- ان دو مقامات کے نام بتایئے جہاں جلال الدین کے دور حکومت میں جنگی مہمات انجام دی گئی تھیں۔

4- بغاوتوں کو فرد کرنے کے لیے علاوالدین نے کون سے چار ضوابط نافذ کیے تھے؟

1316 عیسوی میں علاوالدین کی وفات کے بعد دہلی سلطنت افراتفری کا شکار ہوگئی تھی۔ ملک کافور کچھ دنوں کے لیے تخت شاہی پر بیٹھا اور قطب الدین مبارک شاہ کے ذریعہ معزول کر دیا گیا۔ اسی دور میں دیوگیر میں بغاوت پھوٹ پڑی لیکن سختی سے دبادی گئی۔ قطب الدین مبارک شاہ کو جلد ہی قتل کر دیا گیا اور خسرو تخت شاہی پر بیٹھا۔ تاہم اس کی حکومت بھی زیادہ نہیں چلی اور غیاث الدین تغلق کی قیادت میں کچھ غیر مطمئن عہدایداروں نے ایک جنگ میں اسے شکست دی اور اسے مار دیا۔ اس طرح علاو الدین کی موت کے صرف چار سال بعد خلجی خاندانے کا خاتمہ ہوا اور اقتدار تغلقوں کے ہاتھ میں آ گیا۔

9.6 تغلق خاندان (1320 تا 1412 عیسوی)

تغلق خاندان کا بانی غازی ملک تھا جو 1320 عیسوی میں غیاث الدین تغلق کے نام سے تخت شاہی پر قابض ہوا۔ اس خاندان نے 1412 عیسوی تک حکومت کی ۔ غیاث الدین، علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں ایک اہم مقام پر پہنچ چکا تھا۔ مختصر حکمرانی کے بعد 1325 میں غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا محمد تغلق تخت نشیں ہوا۔ تغلقوں کے زیر اقتدار دہلی سلطنت مزید مستحکم ہوئی۔ مرکز سے دور واقع متعدد علاقے سلطنت کے راست کنٹرول میں لائے گئے۔

دکن اور جنوب

دکن کا خطہ جس پر خلجیوں نے فتح حاصل کرلی تھی، نے خراج کی ادائیگی بند کردی تھی اور اپنی ایک آزاد حیثیت کا اعلان کرنے لگے تھے۔ محمد تغلق جب ایک شہزادہ تھا (جوناخاں کے نام سے جلنا جاتا تھا)، اس کی قیادت میں رائے رودر دیو کے خلاف ابتدائی فوجی مہمات انجام دی گئی تھی۔ اسے ایک لمبی کھنچی جنگ کے بعد ہرادیا گیا تھا اور وارنگل کو سلطنت کے سیدھے کنٹرول میں ملحق کر دیا گیا تھا۔ مابار کو بھی شکست ملی تھی۔ اب تلنگانہ کا پورا خطہ انتظامی اکائیوں میں تقسیم ہو چکا تھا اور سلطنت کا حصہ بن چکا تھا۔ علا والدین خلجی کی پالیسی کے برعکس تغلقوں نے دکن کے خطے کا الحاق کرلیا تھا۔ محمد تغلق نے تو اپنی راجدھانی دہلی سے دیوگیر منتقل کرنے کا فیصلہ بھی کرلیا تھا اور اس کا نام دولت آباد رکھا۔ درحقیقت وہ شمالی خطے دیوگیر سے کنٹرول کرنا چاہتا تھا۔ امراء علما اور دستکاروں کی ایک بڑی تعداد کو نئی راجدھانی منتقل کر دیا گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کا ارادہ دوسری راجدھانی بنانے کا تھا نہ کہ دہلی چھوڑنے کا۔ بعد میں اس پورے منصوبے کو ترک کر دیا گیا۔ تاہم اس منصوبے سے شمال اور جنوب کے درمیان ربط میں بہتری پیدا ہوگئی۔ علاقائی توسیع کے علاوہ سماجی، ثقافتی اور معاشی بین عمل میں بھی اضافہ ہوا۔

مشرقی ہندوستان

اڑیسہ میں جے نگر کا حکمراں بھانو دیو دوئم نے دہلی سلطانوں کے خلاف وارنگل کے رائے رودار دیو کی جنگ میں اس کی مدد کی تھی۔ 1324 عیسوی میں اس کے خلاف الغ خاں نے فوج کی قیادت کی۔ بھانو دیو دوئم کو شکست ہوئی اور اس کے علاقے کا الحاق کرلیا گیا۔ بنگال میں اپنے سلطان کے خلاف امراء کی ناراضگی تھی۔ ناراض امراء نے تغلق شہزادے کو اپنے حکمراں پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ بنگال کی فوج کو شکست ہوئی اور امیر نصیر الدین کو تخت پر بٹھایا گیا۔



نوٹس

راجدھانی کی منتقلی

محمد بن تغلق کا اپنی راجدھانی کو دہلی سے ویو گیر (دولت آباد) منتقل کرنا ایک متنازع قدم تھا۔ ڈاکٹر مہدی حسین کے مطابق سلطان دہلی اور دولت آباد دونوں کو ہی اپنی راجدھانی کے طور پر رکھنا چاہتا تھا۔ برنی کے مطابق 27-1326 میں سلطان نے اپنی راجدھانی دہلی سے دکن میں دیو گیر (دولت آباد) منتقل کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ یہ زیادہ مرکزی طور پر واقع تھا۔ابن بطوطہ کے مطابق دہلی کے لوگ سلطان کو خطوط لکھا کرتے تھے جس میں اس کو برا بھلا کہا جاتا تھا اس لیے ان کو سزا دینے کے لیے سلطان نے راجدھانی منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ عصامی کا کہنا ہے کہ یہ جگہ شمال مغرب سرحد سے ایک محفوظ فاصلے پر تھی اور اس طرح منگولوں سے بھی محفوظ تھی۔ مختلف لوگوں کے خیال میں اس منتقلی کے لیے کوئی ایک متعین وجہ بتانا مشکل ہے۔ پوری آبادی کو دہلی چھوڑنے کے لیے نہیں کہا گیا تھا بلکہ صرف شیخ، امراء علما پر مشتمل اونچے طبقات سے ہی لوگوں کو دولت آباد منتقل کیا گیا تھا۔ باقی آبادی کو منتقلی کے لیے کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اگر چہ محمد بن تغلق نے دہلی سے دیو گیر ایک سڑک بنوائی تھی اور سرائے بنوائی تھیں لیکن لوگوں کے لیے یہ سفر انتہائی تکلیف دہ تھا۔ بڑھتی ناراضگی اور یہ حقیقت کہ شمال سے جنوب پر نگرانی نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ محمد تغلق نے دولت آباد ترک کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

شمال مغرب

شمال مغرب خطے سے منگول حملے وقفے وقفے سے سلطنت کو پریشان کرتے رہتے۔ 27-1326 عیسوی میں ترم شیرین خاں کی زیر قیادت ایک بڑا منگول حملہ واقع ہوا۔ محمد تغلق نے سرحد کو محفوظ بنانے کا فیصلہ کیا۔ لاہور سے کالونور تک کا خطہ بشمول پشاور فتح کرلیا گیا تھا اور ایک نیا انتظامی کنٹرول قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ سلطان نے قراشیل خطے (موجودہ ہماچل) اور قندھار پر بھی حملے کی منصوبہ بندی کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ درحقیقت ان منصوبوں کا نتیجہ بھاری نقصان کی صورت میں برآمد ہوا۔

محمد تغلق نئی پالیسیوں کو اپنانے میں کافی جدت پسند تھا۔ اس نے زراعت میں ترقی کے لیے ایک نئے شعبے کی شروعات کی۔ اس کو ''دیوان کوہی'' کہا جاتا تھا۔ کاشتکاری کے لیے بیجوں کا بندوبست کرنے میں مدد فراہم کرنے کے لیے کاشتکاروں کو مالی اعانت دی جاتی تھی۔ فصل خراب ہونے کی صورت میں بھی قرض دیا جاتا تھا۔ اس کے ذریعہ ایک اور اہم قدم علامتی کرنسی شروع کرنے کے لیے اٹھایا گیا تھا تاکہ چاندی کی قلت پر قابو پایا جا سکے۔ تاہم یہ اسکیم بھی ناکام ہوئی جس سے سلطنت کو زبردست مالی خسارہ اٹھانا پڑا۔

علامتی کرنسی (Token Currency)

محمد بن تغلق نے ''علامتی کرنسی'' شروع کیے جانے کا ایک دیگر متنازع پروجکٹ اختیار کیا۔ برنی کے مطابق سلطان نے علامتی کرنسی کو اس لیے متعارف کیا تھا کہ سلطان کی فتح کرنے کی اسکیموں اور اس کی بے پناہ سخاوت کے سبب خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ اس زمانے میں عالمی پیمانے پر چاندی کی قلت پیدا ہوگئی اور ہندوستان کو بھی اس بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، سلطان کو چاندی کی جگہ تانبے کے سکے جاری کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

محمد بن تغلق نے تانبے کے سکے (جتل) چاندی کے سکوں (ٹنکا) کی جگہ متعارف کیے اور حکم دیا کہ اسے ٹنکا کا مساوی قبول کیا جانا چاہیے۔ تاہم، علامتی کرنسی کا خیال ہندوستان میں نیا نیا تھا اور تاجروں اور عام لوگوں کے لیے اسے قبول کرنا آسان نہیں تھا۔ ریاست نے ٹکسالوں میں جاری کیے جانے والے سکوں کی نقل پر نگرانی رکھنے کے کوئی مناسب احتیاطی اقدامات نہیں کیے۔ حکومت نئے سکوں کی جعلسازی سے لوگوں کو روک نہ سکی اور جلد ہی نئے سکوں کی بازاروں میں باڑھ آ گئی۔ برنی کے مطابق لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں علامتی کرنسی ڈھالنی شروع کر دی۔ تاہم عام آدمی شاہی خزانے کے ذریعہ جاری کیے گئے اور مقامی طور پر ڈھالے گئے سکوں میں کوئی فرق کرنے میں ناکام تھا۔ اس طرح سلطان کو علامتی کرنسی کا حکم واپس لینے پر مجبور ہونا پڑا۔

محمد بن تغلق کے بعد اس کا چچا زاد بھائی فیروز تغلق تخت نشین ہوا۔ اس کے زیر اقتدار کوئی نیا علاقہ سلطنت میں شامل نہیں کیا جا سکا۔ لیکن اس کی کوششوں کے بعد وسیع علاقوں کو محفوظ رکھنے میں کامیابی حاصل ملی۔ تاہم فیروز کے جانشینوں کے دور میں دہلی کا سیاسی اقتدار دھیرے دھیرے کمزور پڑتا گیا۔ 1398 میں جب تیمور نے حملہ کیا تو سلطنت اجڑ سی گئی۔ تغلق حکومت (1412) کے ختم ہوتے ہی سلطنت شمالی ہندوستان ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود ہوگئی۔ متعدد خطوں نے اپنی آزاد حیثیت کا اعلان کر دیا۔ مشرقی بنگال اور اڑیسہ پوری طرح خودمختار ہو گئے۔ مشرقی اتر پردیش اور بہار کے ایک بڑے حصے میں ایک نئی آزاد مملکت شرقیوں کی مملکت وجود میں آئی۔ دکن میں جنوبی وجے نگر کی سلطنت اور بہمنی سلطنت سیاسی قوت بن چکی تھیں۔ پنجاب کے وسیع علاقوں پر آزاد امراء نے قبضہ کرلیا تھا۔ گجرات اور مالوہ پوری طرح آزاد ہو چکے تھے۔ راجستھان میں راجپوت ریاستوں نے دہلی سلطانوں کو اب اپنا مقتدر اعلیٰ سمجھنا ترک کر دیا تھا۔

متن پر مبنی سوالات 9.4

1- غازی ملک کس نام سے 1320 عیسوی میں تخت نشین ہوا؟



نوٹس

2- غیاث الدین نے جنوب میں فتح حاصل کرنے کے لیے کسے بھیجا تھا؟

3- محمد تغلق کا راجدھانی منتقل کرنے کا سیاسی محرک کیا تھا؟

4- علامتی (ٹوکن) کرنسی کا تصور کیا تھا؟

9.7 سید خاندان (1414 تا 1450 عیسوی)

1398 میں دہلی کی فوج کو ہرانے کے بعد تیمور نے خضر خاں کو ملتان کا حکمراں مقرر کیا۔ خضر خاں نے سلطان دولت خاں کو شکست دی اور دہلی پر قبضہ کرلیا اور سید خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس نے سلطان کا لقب نہیں اختیار کیا بلکہ رعیت اعلیٰ کہلانا زیادہ پسند تھا۔ تاریخ مبارک شاہی کے مصنف یحیٰ سرہندی کا دعویٰ ہے کہ سید خاندان کی بنیاد رکھنے والے کا سلسلہ نسب پیغمبرؐ سے ملتا ہے۔

خضر خاں سید حکمرانوں کے خاندان کا سب سے زیادہ اہل حکمراں تھا۔ خضر خاں کی وفات کی بعد مبارک شاہ (1412 تا 1434) اور محمد شاہ (1434 تا 1445) ایک کے بعد دیگر تخت نشیں ہوئے۔ ان سبھی حکمرانوں نے کیٹھار، بدایوں، اٹاوہ، پٹیالی، گوالیر، کامپل، ناگور اور میوات جیسے باغی خطوں پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن امراء کی سازشوں کے سبب ناکام رہے۔

1445 عیسوی میں عالم شاہ تخت نشیں ہوا اور سلطان بنا۔ وہ پوری طرح نااہل سلطان ثابت ہوا۔ عالم شاہ کے وزیر حامد خاں نے بہلول لودی کو مدعو کیا کہ وہ فوج کی سرپرستی اختیار کرے اور یہ محسوس کر کے کہ سلطان کی حیثیت سے اس کا بنا رہنا مشکل ہے، عالم شاہ بدایوں چلا گیا۔

9.8 لودی خاندان کے زیر اقتدار از سر نو استحکام (1451 تا 1526)

کچھ امراء کی مدد سے بہلول لودی (1451 تا 1489) نے فوج کی سربراہی اختیار کی اور سلطان بن گیا۔ اس نے لودی خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس کے حکمراں افغانی نسل کے تھے۔ سلطنت دور کا آخری حکمراں لودی خاندان تھا۔ یہ پہلی ایسی حکومت تھی جس کی سربراہی افغانوں کے ہاتھ میں تھی۔

سلطان بہلول لودی ایک اہل جنرل تھا۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ سلطنت پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے اسے افغان امراء کی مدد و تائید کی ضرورت ہوگی۔ افغاں امراء چاہتے تھے کہ سلطان مطلق



نوٹس

الغنان بادشاہ کے بجائے انہیں برابر کا شریک کار سمجھے۔ انہیں خوش کرنے کے لیے بہلول نے کھلے طور پر اعلان کیا کہ وہ خود کو ان میں سے ایک افغان ہمسر سمجھتا ہے۔ وہ بادشاہ نہ تو تخت شاہی پر بیٹھتا تھا اور نہ ہی اپنے امراء سے اصرار کرتا تھا کہ اس کے دربار میں کھڑے ہوں۔ اس کے پورے طویل دور حکومت میں اس پالیسی پر عمل ہوتا رہا اور اسے اپنے طاقتور افغان امراء سے کسی طرح کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بہلول لودی نے میوات اور دوآب میں بغاوتوں کو کامیابی کے ساتھ کچل دیا۔ 1476 عیسوی میں اس نے جونپور کے سلطان کو ہرادیا اور اسے دہلی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اس نے کالپی اور دھولپور کے حکمرانوں کو اپنی بالادستی میں لیا۔ تاہم وہ بنگال، گجرات اور دکن پر دوبارہ قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔

بہلول لودی کی موت کے بعد، سکندر لودی (1489 تا 1517) تخت نشیں ہوا۔ سکندر لودی نے غیر مسلموں کے تئیں معمولی رواداری دکھائی۔ اس نے غیر مسلموں پر جزیہ دوبارہ عائد کر دیا سکندر لودی امراء کے مقابلے سلطان کی برتر حیثیت میں یقین رکھتا تھا۔ اس نے طبقہ امراء اور امیروں کو مجبور کیا کہ دربار میں اور باہر سلطان کا احترام کریں اس نے امراء کے ساتھ اس سخت رویہ اپنایا۔ اس نے بہار، دھولپور، نروار اور گوالیر اور ناگور کی مملکت کے کچھ حصوں کو دہلی سلطنت میں دوبارہ ملا لیا۔

1517 عیسوی میں سکندر لودی کی موت کے بعد اس کے امرا نے سلطان بننے میں ابراہیم لودی کی مدد کی۔ اس کا دور حکومت بغاوتوں کا دور ثابت ہوا۔ سب سے پہلے اس کے اپنے بھائی جلال خاں نے بغاوت کی، سلطان ابراہیم لودی نے اسے مروادیا۔ بہار نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ پنجاب کے گورنر دولت خاں نے بغاوت کی۔ سلطان کے برتاؤ نے لوگوں میں بے اطمینانی پیدا کر دی تھی۔ باغی دولت خاں نے کابل میں بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے مدعو کیا۔ بابر نے پانی پت کی جنگ میں 1526 عیسوی میں سلطان ابراہیم لودی کو شکست دے دی۔

سلطنت کے خاتمے کو مختصراً بیان کرتے ہوئے ایک دانش ور کا کہنا ہے، ''دہلی کی سلطنت جس کی پیدائش 1192 عیسوی میں ترائن کے میدان جنگ میں ہوئی اس نے پانی پت کے میدان جنگ سے کچھ ہی میل دور 1526 عیسوی میں اپنی آخری سانسیں لیں''۔

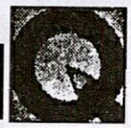

متن پر مبنی سوالات 9.5

1- افغان امراء کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بہلول لودی نے کیا پالیسی اختیار کی تھی؟

2- سید خاندان کی بنیاد کس نے رکھی؟



نوٹس

3- تاریخ مبارک شاہی کا مصنف کون تھا؟

4- سلطان کے وقار اور حیثیت میں بہتری لانے کے لیے سکندر لودی نے کیا اقدامات کیے تھے؟

9.9 سلطنت کو درپیش چیلنج

مغل سلطنت کے قیام کے ساتھ دہلی سلطنت کا دور حکومت ختم ہوا۔ 300 سال سے بھی زیادہ اپنے دور حکومت میں دہلی سلطنت نے مختلف اتار چڑھاؤ (نشیب وفراز) دیکھے لیکن ایک سیاسی قوت کے طور پر باقی رہی۔ یہاں پر سلطنت کو درپیش بڑے چیلنجوں پر بحث کرنا بہتر ہوگا۔

منگولوں اور دوسروں کے ذریعہ کیے گئے حملے

اپنی ابتداء سے ہی دہلی سلطنت کو سب سے بڑا خطرہ منگولوں کے حملوں کی شکل میں موجود رہا۔ منگول خانہ بدوش گروہ تھے جو چین کے شمال اور بیکال جھیل کے مشرق میں گھاس کے وسیع میدانوں میں رہا کرتے تھے۔ 12 ویں صدی میں چنگیز خان کی سربراہی میں انہوں نے ایک بہت بڑی خانہ بدوش سلطنت کی تشکیل دی تھی۔

13 ویں صدی سے وہ دہلی سلطنت پر بار بار حملے کرتے رہے۔ سلطانوں نے ایک پالیسی کے طور پر ان کے جوش کو ٹھنڈا کیا اور کبھی کبھی مقابلہ بھی کیا۔ بلبن اور علاو الدین خلجی نے اپنی پوری فوجی طاقت سے ان کا مقابلہ کیا۔ خلجی کے وقت تغلق خواجہ کے زیر قیادت منگولوں نے دہلی کا محاصرہ تک کرلیا تھا اور کافی نقصان پہنچایا۔ منگولوں کا آخری بڑا حملہ محمد تغلق کے دور حکومت میں ترم شیرین کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ ان حملوں کا سامنا کرنے میں سلطانوں کی کافی توانائی اور وسائل خرچ ہوئے لیکن وہ سلطنت کو پست نہیں کر سکے۔

دوسرا اہم حملہ جس نے سلطنت کی بنیاد ہلا دی وہ 1398 میں تیمور کے ذریعہ انجام دیا گیا تھا۔ دہلی سلطنت کی کمزوری دہلی پر تیمور کے حملے کے ساتھ مزید بڑھ گئی تھی۔ (1398) تیمور ترکوں کی چغتائی شاخ کے سردار کا بیٹا تھا۔ جب اس نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو وہ تقریباً پورے مشرقی اشیاء کا حاکم اعلیٰ تھا۔ تیمور کا ہندوستان پر حملہ اصلی میں لوٹ پاٹ کا حملہ تھا اور پچھلے 200 سالوں میں دہلی کے سلطانوں کے ذریعہ جمع کی گئی دولت کو غصب کرنا اس کا مقصد تھا۔ سلطان نصیر الدین اور اس کے وزیر ملو اقبال نے تیمور



کا سامنا کیا لیکن ہار گئے۔ تیمور دہلی میں داخل ہوا اور 15 دن تک ٹھہرا اس نے قتل عام کا حکم دے دیا اور بڑی تعداد میں ہندو اور مسلمان جن میں بچے بھی شامل تھے مار دیے گئے۔ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے تیمور کا حملہ دہلی سلطنت کے زوال کے نشاندہی کرتا ہے۔ دہلی سلطنت کا پنجاب پر اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ تیمور نے خضر خاں کو ملتان کا حکمراں مقرر کیا جس نے پنجاب پر بھی اپنا اقتدار قائم کیا۔ تغلق خاندان کے زوال کے بعد اس نے دہلی پر بھی قبضہ کر لیا اور دہلی سلطنت کا حکمراں بن گیا، اس نے سید خاندان کی بنیاد رکھی۔

طبقہ امراء کی اندرونی کشاکش

دہلی سلطنت کے تین سو سالوں نے اس پر حکمرانی کرنے والے پانچ خاندان دیکھے۔ خاندانوں کی تبدیلی اور حکمرانوں کو تخت سے اتارنے کی خاص وجہ سلطان اور امراء کے درمیان ایک مستقل جدوجہد رہا کرتی تھی۔ ایبک کی موت کے فوراً بعد انہوں نے جانشینی کے سوال پر جھگڑنا شروع کر دیا۔ آخر میں التمش فاتح بن کر ابھرا۔ التمش نے وفادار امراء کا ایک گروپ بنایا جسے ترکان چہل گانی (چالیس کا گروپ) کہا جاتا تھا۔ التمش کی موت کے بعد چالیس کے گروپ کے مختلف دھڑے اپنے پسندیدہ بیٹا/بیٹی کو سلطان بنانے میں مشغول ہو گئے۔ دس سال میں پانچ سلطان تبدیل ہو چکے تھے۔ اس کے بعد جس سلطان (نصیر الدین محمد) نے تخت حاصل کیا تھا۔ 20 سال تک بڑی مشکل سے حکمرانی کی اور ان میں سے ایک طاقتور امیر بلبن ہی صحیح معنی میں سلطان تھا۔ یہ بلبن نصیر الدین کی موت کے بعد کامیاب ہوا تھا۔ ہر طاقتور سلطان (بلبن، علاو الدین خلجی، فیروز تغلق اور دیگر) کی وفات کے بعد تقریباً یہی واقعات سامنے آئے۔ اس کی وجہ یہ تھی جانشینی کے لیے کوئی متعین قانون نہیں تھا اس لیے ہر امیر یا تو خود کے لیے کوشش کرتا یا متوفی سلطان کے کس پسندیدہ جانشین کی حمایت کرتا تھا۔ آخر کار بہلول لودی کی تاجپوشی کے ساتھ ترک سلطانوں کی جگہ افغانوں نے لے لی۔

صوبائی مملکتیں

اس کشاکش کا دیگر نتیجہ خطے میں مختلف صوبائی سربراہوں کے ذریعہ آزادی کا اعلان کرنا تھا۔ نتیجتاً متعدد افغان اور ترک مملکتیں وجود میں آئیں۔ ایسی ہی اہم ریاستوں میں بنگال (لکھنوتی)، جونپور، مالوہ، گجرات اور دکن میں بہمنی مملکتیں وغیرہ تھیں۔ ان ریاستوں کی کبھی کبھی سلطنت سے جنگ بھی ہوتی رہتی تھی۔ ان سارے عمل سے سلطنت کمزور ہوئی۔



نوٹس

ہندوستانی سرداروں کی مزاحمت

باقاعدہ وقفے وقفے سے ہندوستانی سرداروں کی طرف سے سلطانوں کو مزاحمت کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ راجپوتانہ (میدار، رنتھنبور، چتور وغیرہ) میں راجپوت سردار جنوب ودکن میں، وارنگل، دیوگری اور مابار، مرکزی ہندوستان میں دھار کے راجہ، مالوہ، اڑیسہ میں جے نگر اور چھوٹے چھوٹے سرداروں کی ایک بڑی تعداد مستقل جنگ کی حالت میں رہتے تھے اور ایسا متواتر شکستوں کے بعد بھی ہوتا تھا۔ یہ ساری جدوجہد سلطنت کو کمزور کر رہی تھی۔

دہلی سلطنت خلجی اور تغلق دور حکومت میں نمایاں طور پر کمزور ہوگئی تھی۔ آخر میں 1526 میں بابر کے حملے کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اب مغلوں کے زیر اقتدار بہت زیادہ مرکزی اور مضبوط سلطنت ہندوستان میں قائم ہوئی جنہوں نے مزید دوسو سالوں سے زیادہ مدت تک حکومت کی۔ ہم مغل حکمرانی کے موضوع پر اگلے سبق میں بحث کریں گے لیکن مغلوں کے بارے میں پڑھنے سے پہلے ہم مختصراً صوبائی مملکتوں پر ایک نظر ڈال لیں۔

صوبائی مملکتوں کا ابھرنا

آپ نے دہلی سلطنت کے بکھرنے وٹوٹنے کے عمل جو محمد بن تغلق کے دور حکومت میں شروع ہو چکا تھا، کے بارے میں پڑھا۔ تاہم فیروز شاہ تغلق نے صورت حال پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس دور میں کچھ صوبائی حکمرانوں نے سلطنت کی حکمرانی سے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔

جون پور

دہلی سلطنت کے مشرقی حصے میں جون پور ایک خوشحال صوبہ تھا۔ ملک سرور جون پور کا گورنر تھا۔ جلد ہی وہ قنوج، کارا، اودھ، سندیلہ، ڈالمؤ، بہراج، بہار اور ترہٹ کا حکمراں بن گیا۔ اگر چہ ملک سرور نے سلطان کا لقب نہیں اختیار کیا لیکن اس نے شرقی خاندان کی بنیاد رکھی۔

ملک سرور کی 1399 میں وفات کے بعد اس کا گود لیا ہوا بیٹا (لے پالک) ملک کرن پھول تخت نشین ہوا۔ اس نے مبارک شاہ کا لقب اختیار کیا اور اس طرح وہ شرقی خاندان کا پہلا حکمراں تھا۔ جب مبارک شاہ جونپور خاندان کا حکمراں بنا تو اس وقت محمد تغلق دہلی کا سلطان تھا اور ملوا قبال کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔ ملوا قبال نے جونپور کو دوبارہ حاصل کرنے کی مہم جوئی انجام دی لیکن ناکام رہا۔ 1402 میں مبارک شاہ کی موت کے بعد اس کا جھوٹا بھائی ابراہیم تخت نشیں ہوا۔ اس نے 34 سال تک حکومت کی۔



نوٹس

ابراہیم کے دور حکومت میں دہلی اور جونپور کے تعلقات کافی خراب ہو چکے تھے۔ ابراہیم شرقی خاندان کا عظیم ترین حکمراں تھا جس نے جونپور کو تعلیم کا ایک اہم مرکز بنایا۔ اس کے زیر اقتدار جونپور میں ایک منفرد فن تعمیر کا ارتقا ہوا جسے تعمیر کے شرقی طرز کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ایک کافی مشہور عمارت جونپور کی اٹالا مسجد تھی۔

ابراہیم کے جانشین محمد نے چنار کا قلعہ فتح کیا۔ اس نے کالپی کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس نے دہلی پر حملہ کیا لیکن بہلول لودی نے اسے شکست دی۔ محمود کے بعد جونپور نے محمد شاہ اور حسین شاہ کی حکمرانی دیکھی۔ حسین شاہ کی وفات 1500 عیسوی میں ہوئی اور اس کے ساتھ ہی شرقی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

کشمیر

شمس الدین شاہ (1339 عیسوی) کشمیر کا پہلا حکمراں تھا۔ 1389 میں سکندر تخت نشین ہوا۔ وہ ایک طاقتور اور مطلق العنان حکمراں تھا۔ سکندر کی وفات 1416 عیسوی میں ہوگئی اور اسی کا بیٹا علی شاہ تخت شاہی پر بیٹھا۔ کچھ سالوں کے بعد اس کا بھائی زین العابدین کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

زین العابدین لبرل اور روشن خیال حکمراں تھا۔ سبھی گروپوں کی حمایت کو یقینی بنانے کے لیے اس نے ایسے سبھی گرویوں کو واپس بلا لیا جسے سکندر نے ملک بدر کر دیا۔ اس نے 'جزیہ' ختم کر دیا۔ اور گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگا دی۔ زین العابدین نے کشمیر کے معاشی نمو پر خاص توجہ دی۔ وہ فارسی، سنسکرت، تبتی اور کشمیری زبان کا ایک بڑا عالم تھا۔ اس نے مہا بھارت اور راج ترنگنی (کشمیر کی تاریخ) کا فارسی میں ترجمہ کا بھی حکم دیا۔

زین العابدین کا جانشین ایک کمزور حکمراں ثابت ہوا۔ اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بابر کے ایک رشتہ دار مرزا حیدر نے کشمیر کو فتح کر لیا۔ 1586 عیسوی میں اکبر نے کشمیر کو مغل سلطنت میں ملا لیا اور وہ اس کا جزو بن گیا۔

مالوہ

مالوہ دہلی سلطنت کا جنوب مشرقی صوبہ تھا۔ اسے 1310 عیسوی میں سلطان علاو الدین نے فتح کیا تھا اور فیروز تغلق کی موت تک یہ دہلی سلطنت کا حصہ بنا رہا۔ تیمور کے حملے کے بعد 1401 عیسوی میں دلاور خاں نے اپنی اطاعت ختم کر دی۔ اس نے سلطان کا شاہی لقب نہیں اختیار کیا۔ 1405 عیسوی میں دلاور خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اعلا خاں تخت پر بیٹھا اور ہوشانگ شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس نے



نوٹس

مانڈو کو اپنی راجدھانی بنایا۔ ہندی محل، جامع مسجد، جہاز محل مانڈو فن تعمیر کی مثالیں ہیں۔

ہوشانگ شاہ کے بعد غازی خاں جانشین ہوا۔ 1436 عیسوی میں اس کے وزیر محمود خاں خلجی نے اسے معزول کر دیا۔ محمود نے شاہ کا لقب اختیار کیا اور مالوہ کے خلجی خاندان کی بنیاد ڈالی، محمود خلجی کے زیر اقتدار مالدہ بہت مضبوط اور خوشحال مملکت بن چکی تھی۔ وہ ایک فیاض بادشاہ تھا۔ فرشتہ کے مطابق وہ شائستہ، بہادر اور عالم رفاضل شخص تھا۔ محمود خلجی کے بعد غیاث الدین اور نصیر الدین ہوئے۔ 1510 عیسوی میں محمد ثانی نے مالوہ کا تخت سنبھالا۔ اس نے ایک طاقتور راجپوت میدنی رائے کو اپنے غیر وفادار امراء کی سرکوبی کے لیے بلایا اور اسے اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ دربار میں راجپوتوں کے غلبے سے مسلم امراء میں حسد کا جذبہ پیدا ہوا۔ گجرات کے سلطان نے مالوہ کو شکست دی اور مالوہ کو گجرات میں ملا لیا۔

گجرات

گجرات کے جغرافیائی محل وقوع، خوشحالی اور زرخیزی کے سبب حملہ آوروں کی توجہ ہمیشہ اس طرف رہتی تھی۔ سلطان علاو الدین خلجی پہلا سلطان تھا جس نے گجرات کو دہلی سلطنت میں ملا لیا تھا۔ اس کے بعد یہ ہمیشہ ترک گورنروں کے زیر انتظام رہا، تیمور کے حملے کے وقت اس صوبے کا گورنر ظفر خاں تھا۔ اس نے دہلی سلطنت کے تئیں اپنی اطاعت ختم کر دی۔ 1410 عیسوی میں وہ گجرات کا آزاد حکمراں بنا۔ گجرات کے حکمرانوں میں سب سے مشہور احمد شاہ (1411 تا 1441 عیسوی) ہوا۔ اپنی مملکت کی توسیع کے لیے اس نے راجپوت ریاستوں کو قابو میں رکھا۔ احمد شاہ نے احمد بادشہر کی بنیاد رکھی۔

1441 میں احمد شاہ کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد شاہ تخت شاہی پر بیٹھا۔ وہ زرنجش کے طور پر جانا جاتا ہے۔ 1451 عیسوی میں سازش کرنے والوں کے ذریعہ مارا گیا۔ محمد شاہ کے بعد ایک دو ہفتے کا حکمراں ہوا۔ اس کے بعد امرا نے احمد شاہ کے ایک پوتے فتح خاں کو تخت پر بٹھایا۔ اس نے محمود کے نام سے حکومت کی۔ محمود اپنے خاندانی سلسلے میں سب سے اہل حکمراں تھا۔ اس نے 52 سال تک حکومت کی۔ محمود کا انتقال 1511 میں ہوا۔ اس کے بعد متعدد حکمراں آئے جن کے دور حکومت مختصر وقفے کے لیے ہوئے۔ 1572 میں اکبر نے گجرات کو فتح کر لیا اور اسے مغل سلطنت میں ملا لیا۔

بنگال

بنگال دہلی سلطنت کا انتہائی مشرقی صوبہ تھا۔ نقل وحمل اور ترسیل کے مناسب ذرائع کی کمی کے سبب اس صوبے پر کنٹرول کرنے میں کافی دشواری پیدا ہوئی تھی۔ تاہم بنگال کو دہلی سلطنت میں ملا لیا گیا اور کئی بار اس نے اپنی آزادی حاصل کر لی۔



نوٹس

12ویں صدی عیسوی کے آخری وہے کے دوران محمد بن بختیار نے بنگال کو محمود غوری کے مفتوحہ علاقوں میں شامل کرلیا تھا۔لیکن اس کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں نے مقامی لوگوں کی مدد سے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔بلبن نے بنگال کو دہلی کے اقتدار کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا اور اپنے بیٹے بغرا خاں کی تقرری اپنے گورنر کے طور پر کی۔لیکن بلبن کی موت کے بعد اس نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔غیاث الدین تغلق نے بنگال کو تین آزاد انتظامی ڈویزنوں لکھنوتی، ست گاؤں اور سونار گاؤں میں تقسیم کر کے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔محمد بن تغلق نے دہلی سلطنت کی بالا دستی کا اعلان کرنے کی کوشش کی تھی لیکن جب وہ سلطنت کے دیگر حصوں میں بغاوت کو کچلنے میں مصروف تھا بنگال نے اپنا واسطہ دہلی سے ختم کرلیا۔

ایک امیر حاجی الیاس نے بنگال کو متحد کیا اور شمس الدین الیاس کے لقب کے ساتھ اس کا حکمراں بن گیا۔حاجی الیاس کے بڑھتے اثر ورسوخ کا مقابلہ کرنے کے لیے فیروز شاہ تغلق نے بنگال پر حملہ کر دیا لیکن کامیابی نہیں حاصل کر سکا۔اس نے الیاس کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے۔معاہدے کے مطابق کوسی ندی کو دو مملکتوں کے درمیان سرحدی لائن کے طور پر تسلیم کیا گیا۔حاجی الیاس کا انتقال 1357 عیسوی میں ہوا اور اس کا بیٹا سکندر تخت کا جانشین ہوا۔اپنے دور حکومت میں فیروز شاہ تغلق نے پھر بنگال کا الحاق کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔سکندر کی موت کے غیاث الدین اعظم تخت پر بیٹھا۔اس نے چین کے راجہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے جس کے نتیجے میں غیر ملکی تجارت کی افزائش ہوئی۔اس وقت حاجی الیاس کا پوتا بنگال کا حکمراں تھا۔اس نے پرامن طور پر 12 سال حکومت کی۔

علاو الدین حسین شاہ کے دور حکومت میں بنگال دولت مند اور خوشحال بن گیا تھا۔ 1518 میں اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصیب خاں نصیر الدین نصرت شاہ کے لقب کے ساتھ تخت شاہی پر بیٹھا۔

1538 عیسوی میں شیر شاہ سوری نے غیاث الدین محمد شاہ کو ہرا دیا اور بنگال کو اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا۔

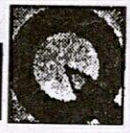

متن پر مبنی سوالات 9.6

1- منگول کیوں دہلی سلطنت پر حملہ کر رہے تھے؟

_____

2- امراء کے درمیان خاص جھگڑا کیا تھا؟

_____

3- جون پور خانوادے کے حکمرانوں کو کیا نام دیا گیا تھا؟

4- بغری خاں کی اپنی آزادی کے اعلان کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے غیاث الدین تغلق نے کیا اقدامات کیے؟

آپ نے کیا سیکھا

عرب میں اسلام کا ظہور ہوا اور خلفاء کی زیر قیادت دنیا کے مختلف حصوں میں تیزی سے پھیل گیا۔ عربی افواج نے مرکزی اشیاء کے وسیع علاقوں پر قبضہ کرلیا حتیٰ کہ 712 عیسوی میں ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ ہندوستان میں اگلا اہم حملہ وہ تھا جب محمد غزنی نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ اس کا خاص مقصد ہندوستان کی دولت کو غزنی لے جانا تھا۔

12ویں صدی عیسوی میں ہندوستان چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تقسیم ہو چکا تھا جن میں اکثر راجپوت سردار حکمرانی کرتے تھے۔ اس زمانے میں مرکزی ایشیاء کی سیاسی صورت حال اچھی نہیں تھی جس کے سبب محمد غوری توسیع کی غرض سے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کے بارے میں سوچنے لگا۔ 1191 عیسوی میں (تاریخ کی پہلی جنگ) محمد غوری کو پرتھوی راج چوہان نے شکست دی۔ 1192 (تاریخ کی دوسری جنگ) محمد غوری واپس ہوا اور اس وقت راجپوت افواج کو شکست ہوئی۔ اس طرح دہلی ترکوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ محمد غوری نے اپنے ہندوستانی مقبوضہ علاقوں کو اپنے معتبر غلام، جنرل قطب الدین ایبک کو سونپ دیا جس نے دہلی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ التمش نے داخلی بغاوتوں کو فرو کرنے اور 'چالیس کے گروہ' کی تشکیل کر کے امراء کے ساتھ مفاہمت پیدا کرنے کے ذریعہ اسے مزید مستحکم بنایا۔ غلام خاندان کا آخری طاقتور سلطان بلبن تھا جو 1266 عیسوی میں سلطان بنا۔ اس نے مطلق العنانی کے انداز میں حکمرانی کی اور سلطان کی حیثیت کو بلند کرنے کے لیے سخت محنت کی۔ بلبن کی 1287 میں وفات کے بعد 1290 عیسوی میں خلجی خاندان کو اقتدار حاصل ہوا۔

خلجیوں کی آمد ترک حکمرانی کی اجارہ داری توڑنے کے لیے جانی جاتی ہے۔ جلال الدین خلجی نے خلجی خاندان کی بنیاد رکھی۔ 1296 عیسوی میں علاء الدین خلجی نے اپنے چچا اور سسر جلال الدین خلجی کو قتل کر دیا اور خود سلطان کے طور پر اقتدار سنبھال لیا۔ اس نے تاج (بادشاہت) کے وقار کو بحال کیا۔ اس نے طبقہ امراء کا خاتمہ کیا اور ایک مطلق العنان کی طرح حکومت کی۔ اس کے اہل جنرل الپ



خاں، نصرت خاں، ظفر خاں، الغ خاں، ملک کافور نے بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ بازاروں کا قیام علاوالدین کے ذریعہ اٹھایا گیا ایک اور اہم قدم تھا۔ یہاں اشیاء مقررہ قیمتوں پر فروخت کی جاتی تھیں اور کسی تاجر کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ زیادہ منافع کما سکے۔ اس نے دہلی میں مختلف اشیاء کے لیے مختلف بازاریں قائم کیں۔

خلجی خاندان کے بعد تغلق آئے، غیاث الدین تغلق 1320 عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد 1325 میں محمد تغلق آیا۔ محمد تغلق اپنے اختراعی پروجکٹوں کے لیے مشہور ہے۔ ان پروجکٹوں میں راجدھانی کا دہلی سے دولت آباد منتقل کرنا اور علامتی کرنسی کا تعارف شامل ہے۔

محمد تغلق کی موت کے بعد امیروں اور علما نے فیروز تغلق کو تخت پر بٹھایا۔ اس کے دور حکومت میں انتشاری قوتیں سرگرم عمل تھیں۔ 1398 عیسوی میں تیمور نے دہلی سلطنت پر حملہ کیا تا کہ وہ یہاں لوٹ پاٹ کر سکے۔ تیمور کے حملے نے صوبائی مملکتوں کو ایک موقع فراہم کر دیا کہ وہ سلطنت سے خود کو آزاد کرنے کا اعلان کریں۔

ملک سرور نے جونپور کے ایک حقیقی حکمراں کے طور پر حکومت شروع کر دی۔ مالوہ نے بھی دہلی سلطنت سے اپنی اطاعت ختم کر دی اور اس کے حکمراں محمد خلجی نے مالوہ کی سرحدوں میں توسیع کی۔ گجرات سلطنت سے الگ ہو گیا جب اس کے گورنر ظفر خان نے ایک آزاد حکمراں کے طور پر اپنی حکمرانی شروع کر دی۔ گجرات کا نہایت مشہور حکمراں احمد شاہ تھا جس نے احمد آباد شہر کی بنیاد رکھی۔ صوبائی مملکتوں میں ایک خاص قابل حکمراں کشمیر کا حکمراں زین العابدین تھا۔ اس کے زیر اقتدار کشمیر ایک مضبوط اور خوشحال ریاست بنی۔

انتہائی مشرق میں واقع بنگال سلطنت کا صوبہ تھا جسے کئی بار دہلی سلطنت میں ملا لیا گیا تھا لیکن بار بار اس سے آزادی حاصل کی۔ حاجی الیاس نے بنگال کو متحد کیا جسے دہلی سلطنت کے ذریعہ تین انتظامی ڈویزنوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

تیمور نے خضر خاں کو ملتان کا حکمراں بنایا جس نے سید خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس خاندانی سلسلے کی جگہ افغانوں نے لے لی کیونکہ 1451 عیسوی میں بہلول لودی نے لودی خاندان کی بنیاد رکھی۔ بہلول لودی ایک اہل حکمراں تھا جس نے اپنے امراء کی بھی حمایت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس کے بعد سکندر لودی تخت نشین ہوا۔ لودی خاندان کے آخری سلطان ابراہیم لودی کو بابر نے پانی پت کی جنگ میں 1526 میں ہرا دیا۔ دہلی سلطنت جس کا جنم 1192 میں ہوا تھا 1526 میں اس نے آخری سانس لی۔ اس طرح مغل سلطنت کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔

اختتامی سوالات

1- محمد دغزنی کون تھا؟ اس نے ہندوستان پر حملہ کیوں کیا؟
2- مملوک سلطان کون تھے؟ کس طرح التمش نے اپنی حیثیت مستحکم کی تھی؟
3- دہلی سلطنت میں حکمرانی کے ایک انتہائی مرکزی نظام کو فروغ دینے میں بلبن نے کیا اقدامات کیے تھے؟
4- بازاروں پر کنٹرول قائم کرنے کے لیے علاوالدین خلجی نے کیا اقدامات کیے؟ مختصراً بتایئے؟
5- محمد تغلق کے ذریعہ راجدھانی کی منتقلی اور علامتی کرنسی کے تعارف کے اقدامات کے بارے میں تحریر کیجئے۔
6- دہلی سلطنت پر تیمور حملے کے اثرات کے بارے میں بتایئے۔
7- دہلی سلطنت کے لیے بنگال ایک مسئلہ بنا رہا، اس کے اسباب بتایئے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

9.1

1- a) غزنی
b) پرتھوی راج چوہان اور محمد غوری
c) قطب الدین ایبک
2- 1192 عیسوی
3- محمد دغزنی کو ہندوستان کی دولت لوٹنے میں دلچسپی تھی جبکہ محمد غوری ہندوستان میں ترک حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔

9.2

1- (i) امیروں اور طبقہ امراء کی ناراضگی اور بغاوتیں
(ii) غیر منتظم انتظامیہ
(iii) سلطنت کی غیر معینہ سرحدیں (کوئی دو)
2- بادشاہت کی تائید
3- قطب الدین ایبک

4- (i) سخت اصولوں کے ساتھ پرشکوہ دربار

(ii) ''بادشاہت'' (Kingship) کا نظریہ وضع کیا اور سلطنت اور طبقہ امراء کے درمیان رشتوں کا نئے سرے سے یقین

(iii) مسجدہ اور پائبوس (بادشاہ (سلطان) کے پیر کا بوسہ

(iv) کسی امیر کو زیادہ اقتدار اختیار کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔

9.3

1- رن تھمبور پر قبضہ ضروری تھا تا کہ راجپوتوں کی طاقت اور حوصلے کو ختم کیا جا سکے۔

2- ملک کافور

3- دیوگری اور بھیلسا

4- (i) وہ فیملیاں جو مفت زمین سے استفادہ اور اپنی کفالت کر رہی تھیں اب انہیں بھی اپنی اراضی کے لیے لگان ادا کرنے کی ضرورت تھی۔

(ii) سلطان نے جاسوسی نظام کو نئے سرے سے منظّم کیا اور اسے زیادہ موثر بنانے کے لیے اقدامات کیے۔

(iv) شراب اور نشہ آور چیزوں پر پابندی لگادی گئی تھی۔

(v) امراء کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر سماجی اجتماع یا آپس میں شادیاں نہ کریں۔

9.4

1- غیاث الدین تغلق

2- اس کا بیٹا الغ خاں

3- (a) دکن پر کنٹرول رکھا

(b) مرکزی طور پر واقع راجدھانی کے قیام کے لیے

4- تانبے کا سکہ (قبل) جو سلطان کے ذریعہ متعارف کر دیا گیا تھا وہ چاندی کے سکے (ٹنکا) کے مساوی کام کرتا تھا تا کہ اس طرح چاندی کی قلت دور کی جا سکے۔

9.5

1- امراء کے ساتھ مساویت

2- خضر خاں

3- یحییٰ سرہندی

4- امراء کو مجبور کیا کہ دربار میں کھڑے رہیں، سلطان کا احترام اور اطاعت کریں۔



نوٹس

9.6

1- مرکزی ایشای سیاست میں تبدیلیاں اور دھن دولت کو لٹنا
2- امراء کے درمیان خاص تنازع جانشینی کے سوال پر تھا۔
3- شرقی خاندان
4- غیاث الدین تغلق نے بنگال کو تین آزاد انتظامیڈویزنوں لکھنوتی، ست گاؤں اور سونار گاؤں میں تقسیم کر کے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔

اختتامی سوالات کے اشارے

1- سیکشن 9.2 پیرا اور 2 سے رجوع کریں
2- مملوک سلطانوں کے ذیلی عنوان دیکھیں اور التمش کے بارے میں سیکشن 9.4 سے رجوع کریں
3- سیکشن 9.4 میں بلبن سے رجوع کریں۔
4- سیکشن 9.5 سے رجوع کریں۔
5- پہلے باکس کے پہلے پیرا اور سیکشن 9.6 کے دوسرے باکس کا دوسرے پیرا سے رجوع کریں۔
6- پیرا 3 کے تحت سیکشن 9.9 سے رجوع کریں۔
7- دہلی عنوان بنگال پیرا 1 کے تحت سیکشن 9.9 سے رجوع کریں۔

فرہنگ اصطلاحات

امیر – کمانڈر، دہلی سلطنت کا تیسرا اعلیٰ ترین سرکاری گریڈ
اریض ممالک – پورے ملک کی فوج کا وزیر انچارج
امیر آخور – گھوڑوں کا سربراہ
امیر تزک – تقریبات کا سربراہ
برید – خفیہ خبر رسانی عہدیدار
چوگان – چولو سے کافی ملتا جلتا کھیل
دلال – بچولیا
دربار – شاہی دربار
دوآب – جمنا اور گنگا کے درمیان زمین
دیوان ارض – بلبن کے دور حکومت میں فوجی شعبہ



نوٹس

اقطاع	–	نقد تنخواہ کے بدلے میں تفویض کی گئی قطب زمین
اقطاع دار	–	اقطاع کا وصول کرنے والا
جزیہ	–	غیر مسلموں پر لگایا جانے والا ذاتی اور سالانہ ٹیکس
جتّل	–	دہلی سلطنت کا تانبے کا سکہ
خطبہ	–	وعظ
خواجہ	–	مالک، تاجر
ملک	–	دہلی سلطنت میں اس کا مطلب عہدیداروں دوسرا اعلیٰ ترین گرید
مملوک	–	غلام عہدیداران
منڈی	–	اناج بازار
منہیان	–	خفیہ جاسوس
نائب	–	معاون
پائبوس	–	پیروں کا بوسہ
رائے رعیان	–	علاوالدین خلجی کے لیے دیوگیر کے رمادیو کو دیا گیا لقب
سرائے عدل	–	کپڑا بازار
ٹنکا	–	دہلی سلطنت کا چاندی کا سکہ
علماء	–	مسلم مذہبی فاضل
امراء	–	امیر کی جمع یا دہلی سلطنت کا حکمراں گروپ



نوٹس

10

مغل حکومت کا قیام

پچھلے باب میں آپ نے دہلی سلطنت (1206 تا 1526) کے قیام اور استحکام کے بارے میں مطالعہ کیا تھا۔ اس دور میں ترکوں اور افغانیوں نے حکمرانی کی تھی۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ پورے سلطنت عہد میں مختلف ترک گروہوں اور افغانیوں کے درمیان مستقل کشاکش جاری رہتی تھی۔ دہلی سلطنت کے بکھراؤ سے مختلف علاقائی قوتیں ظہور میں آئیں۔ اس لیے جب بابر نے ہندوستان پر 1526 میں حملہ کیا تو سلطنت کی مرکزی طاقت کافی کمزور پڑ چکی تھی اور متعدد آزاد مملکتیں وجود میں آگئیں۔ دہلی اور اس سے متصل خطے سلطان ابراہیم لودی کے زیر اقتدار تھے۔ دیگر اہم مملکتیں تھیں، گجرات، مالوہ، بنگال، بیجاپور، گولکنڈہ، احمد نگر، بیرار، میواڑ اور جنوب میں وجے نگر سلطنت، اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے خود مختار سرداروں کی بھی کافی تعداد تھی جو ملک کے مختلف حصوں میں حکمرانی کر رہے تھے۔

اس سبق میں آپ نئے حکمراں خاندان مغلوں کے ہندوستان پر فتح کے بارے میں پڑھیں گے۔ مغلوں کی قیادت مرکزی ایشیا کا ایک اہل فوجی کمانڈر اور منتظم ظہیر الدین محمد بابر کر رہا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کے جانشین کل ہند سلطنت قائم کرنے میں کامیاب رہے۔ ہم اس سبق میں فتوحات اور استحکام کے اس عمل کی تفصیلی مطالعہ کریں گے۔ پہلے ہندوستان میں بابر کی آمد سے شروع کرتے ہیں۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- ان حالات کے بارے میں جان سکیں گے جن کی بنا پر بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا؛
- ہندوستانی حکمرانوں کے خلاف مغلوں کی کامیابی کے اسباب بیان کر سکیں گے؛
- بابر کے انتقال کے بعد ہمایوں نے کن چیلنجوں کا سامنا کیا یہ دریافت کر سکیں گے؛
- اس صورت حال کا تجزیہ کر سکیں گے جس سے ہمایوں کو شکست کا سامنا اور افغان طاقت کے بحال

ہونے کا نتیجہ برآمد ہوا؛

- ان واقعات کو بیان کرسکیں گے جن کے نتیجے میں ہمایوں نے ہندوستان پر دوبارہ اقتدار حاصل کیا تھا؛
- اکبر کے زیر اقتدار مغل سلطنت کی توسیع اور استحکام کی روئیداد بیان کرسکیں گے؛
- اورنگ زیب کے دور حکومت تک علاقائی توسیع کے بارے میں بیان کرسکیں گے؛ اور
- ہندوستان میں مغل سلطنت کو درپیش چیلنجوں کا تجزیہ کرسکیں گے۔

10.1 بابر کی آمد (1526 تا 1530)

اپنے باپ کی موت کے بعد بارہ سال کی عمر میں 1494 عیسوی میں ماوراء النہر (Transoxiana) میں ایک چھوٹی سی ریاست فرغانہ میں بابر تخت نشیں ہوا۔ مرکزی ایشیا کی صورت حال مستحکم نہیں تھی اور خود بابر کو اپنے طبقہ امراء سے کافی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اگر چہ وہ سمرقند پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہا تھا لیکن جلد ہی اسے اپنے بعض امراء کی غداری کے سبب پسپا ہونا پڑا۔ اس نے ازبیکوں کے ہاتھوں فرغانہ بھی گنوادیا۔

تیموری خاندان

بابر اپنا سلسلہ نسب مرکزی ایشیا کا عظیم فاتح تیمور اور ایک ممتاز فاتح چنگیز خاں سے منسوب کرتا ہے۔ ماں کی طرف سے وہ منگولوں اور باپ کی طرف سے عظیم کمانڈر تیمور سے اسکا سلسلہ نسب ملتا ہے۔ تیمور کے سلسلہ نسب سے جڑنے کے سبب انہیں تیموری بھی کہا جاتا ہے۔

اس طرح مرکزی ایشیا میں بابر کی حکومت کے ابتدائی سال بہت مشکل تھے۔ اس پوری مدت میں اس نے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ آخر کار 1517 سے اس نے ہندوستان کی طرف فیصلہ کن پیش قدمی کا آغاز کیا۔ اس وقت ہندوستان میں کچھ اس طرح کے حالات پیدا ہو رہے تھے جس سے ہندوستان پر حملہ کرنے کے منصوبے پر عمل کرنے میں مدد ملی۔

سکندر لودی کی موت کے بعد ہندوستان میں غیر مستحکم صورت حال سے لودی سلطنت میں سیاسی بے اطمینانی اور بے نظمی کا پتہ چلتا ہے۔ اسی دوران ابراہیم لودی کے ساتھ کچھ افغان سرداروں کے درمیان تصادم بھی جاری تھا۔ ان میں زیادہ اہم دولت خاں لودی تھا جو پنجاب کے ایک بڑے حصے کا گورنر تھا۔ میواڑ کا راجپوت راجہ رانا سانگا بھی ابراہیم لودی کے خلاف اپنے اقتدار پر زور دے رہا تھا اور شمالی ہندوستان میں اپنے رسوخ کا علاقہ بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان دونوں نے بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی۔ رانا سانگا اور دولت خاں لودی کے بلاوے نے بابر کی آرزوؤں میں جان ڈال دی۔

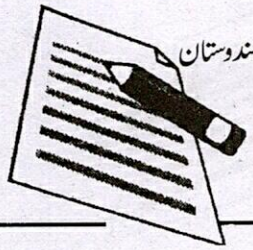

نوٹس

بہیرا (1519 تا 1520)، سیالکوٹ (1520) اور پنجاب میں لاہور (1524) پر قبضہ کرنے میں بابر کامیاب رہا تھا۔ آخر میں 1526 عیسوی میں پانی پت کے میدان جنگ میں ابراہیم لودی اور بابر کی افواج کا آمنا سامنا ہوا۔ بابر کے فوجی تعداد میں کم تھے لیکن اس کی فوج کی تنظیم کافی بہتر تھی۔ ابراہیم لودی کو پانی پت کے میدان جنگ میں شکست ہوئی۔ پانی پت کی جنگ میں بابر کی کامیابی اس کی فوجی حکمت عملی ایک بہت بڑی حصولیابی تھی۔ بابر کے پاس صرف 12000 فوجیوں پر مشتمل لڑاکا فوج تھی جبکہ ابراہیم کی فوج تقریباً 100,000 فوجیوں پر مشتمل تھی۔ جنگ کے میدان میں بابر کی فوجی حکمت عملی بے مثال تھی۔ اس نے موثر طور پر لڑائی کے رومی (عثمانی) طور طریقے کو اپنایا۔ اس نے ابراہیم کی فوج کو دو مورچوں (میمنہ ومیسرہ) سے گھیرے میں لے لیا۔ مرکز میں اس کے گھڑ سواروں نے تیر کمان سے حملہ کیا اور ماہر ترک عثمانی توپچیوں نے گولے داغے۔ خندقوں اور ناکہ بندیوں نے فوج کی مارچ کے مقابل مناسب دفاع فراہم کیا۔ ابراہیم لودی کی افغان فوج کو بھاری جان ومال کا نقصان اٹھانا پڑا۔ جنگ کے میدان میں ابراہیم لودی مارا گیا۔ بابر اس طرح دہلی اور آگرہ پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوا اور لودیوں سے کافی خزانہ حاصل کیا۔ یہ خزانہ بابر کے کمانڈروں اور فوجیوں میں تقسیم کیا گیا۔ پانی پت میں فتح حاصل کرنے سے بابر کو فتوحات کو مستحکم بنانے کے لیے ایک مضبوط بنیاد حاصل ہوئی۔ لیکن اب اسے کچھ دیگر مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

(i) اس کے امراء اور کمانڈر مرکزی ایشیا واپس ہونے کے خواہش مند تھے کیونکہ انہیں ہندوستان کی آب وہوا راس نہیں آرہی تھی۔ ثقافتی طور پر بھی انھوں نے کافی اجنبیت محسوس کی تھی۔

(ii) میواڑ کے راجہ رانا سانگا کی قیادت میں راجپوت اکٹھا ہو رہے تھے اور مغل فوج کو نکالنا چاہتے تھے۔

(iii) افغان اگر چہ پانی پت میں ہار چکے تھے لیکن اتر پردیش کے مشرقی حصوں، بہار، بنگال میں اب بھی ایک زبردست قوت تھے۔ وہ نئے سرے سے گروہ بند ہو کر اپنی کھوئی ہوئی طاقت کی بازیابی چاہتے تھے۔

بابر نے اپنے ساتھیوں اور امراء کو رکنے اور مفتوحہ علاقوں کو مستحکم کرنے میں مدد کرنے کے لیے آمادہ کرلیا۔ اس مشکل کام میں کامیاب ہونے کے بعد اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو مشرقی افغانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ میواڑ کا رانا سانگا بڑی تعداد میں راجپوتوں کی اجتماعی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ ان میں سے اہم تھے: جادور، سروہی، ڈونگر پور، امبیر، میسرتا وغیرہ، چندیری کا میدنی رائے، میوات کا حسن خاں اور سکندر لودی کا چھوٹا بیٹا محمد لودی بھی اپنی فوج کے ساتھ رانا کے ساتھ شامل ہوگیا۔ شاید رانا سانگا کو بابر کے کابل واپس جانے کی توقع تھی۔ بابر کو یہاں رکنے کے فیصلے سے رانا سانگا

کی آرزوؤں کو زبردست دھچکا لگا۔ بابر بھی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا کہ رانا کی طاقت کو ختم کیے بغیر اسے ہندوستان میں اپنی حیثیت کو مستحکم بنانا کافی مشکل ہوگا۔ بابر اور رانا سانگا کی افواج کا سامنا فتح پور سیکری کے پاس ایک مقام خاندہ میں ہوا۔ 1527 میں رانا سانگا کو شکست ہوئی اور ایک بار پھر بابر کی برتر فوجی چالیں کامیاب ہوئیں۔ رانا کی شکست کے ساتھ شمالی ہندوستان کا سب سے بڑا چیلنج بھی ختم ہوگیا۔

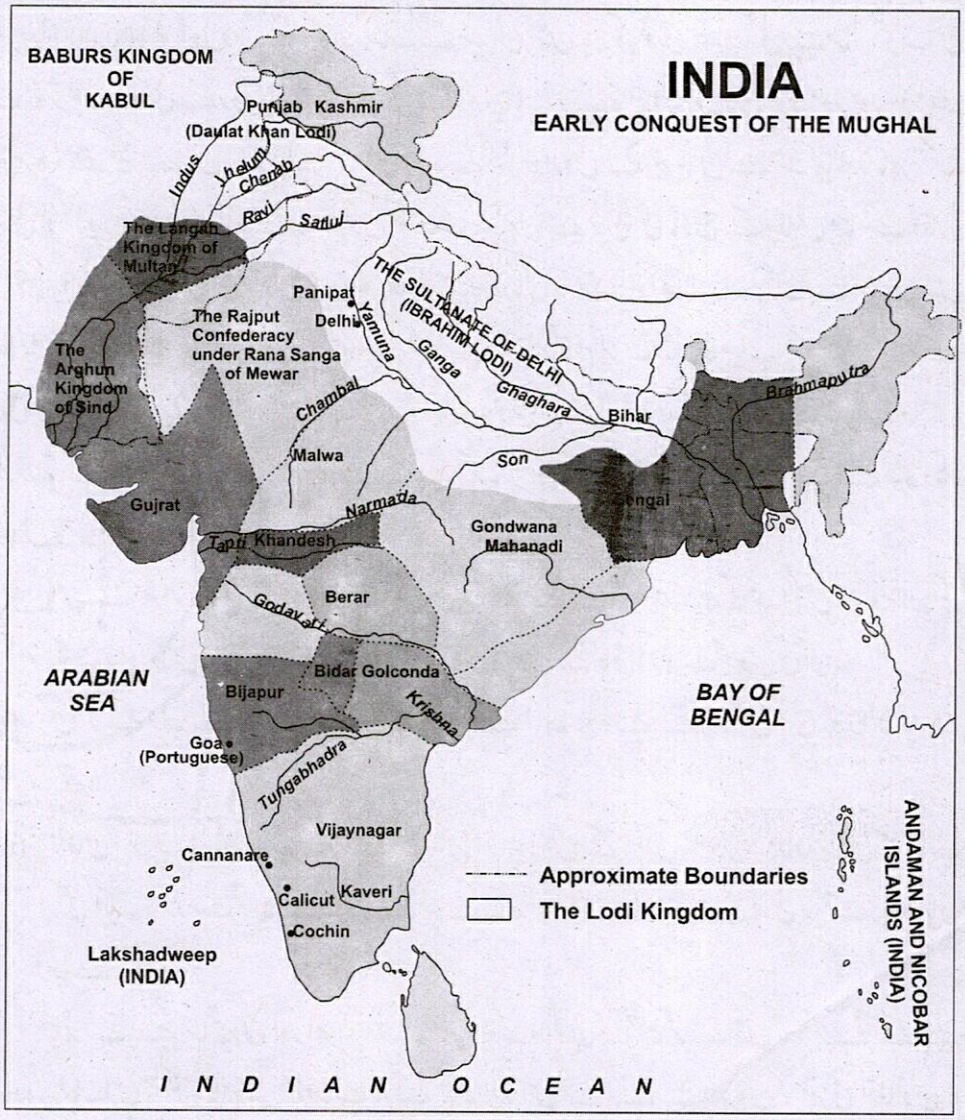

نقشہ 10.1: مغلوں کی ابتدائی فتوحات

اگرچہ میواڑ راجپوتوں کو خاندہ میں زبردست دھچکا لگا۔ لیکن مالوہ میں میدنی رائے بابر کے اقتدار کو اب بھی چیلنج کررہا تھا۔ ہر چند کہ اسے چندیری میں راجپوتوں کی پوری جانبازی اور بہادری سے لڑی گئی جنگ (1528) کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن میدنی رائے کو قابو کرنے میں اسے کوئی خاص دشواری کا سامنا

نہیں کرنا پڑا۔ اس کی شکست کے بعد پورے راجپوتانہ میں مزاحمت بالکل ختم ہوگئی۔ اب بابر کو افغانوں سے نمٹنا تھا۔ افغانوں نے دہلی میں ہتھیار ڈال دیے لیکن مشرق (بہار اور جونپور کا علاقہ) میں وہ کافی طاقتور تھے۔ پانی پت اور خانده میں افغانوں اور راجپوتوں کے مقابلے کا میابی اگر چہ کافی اہم تھی لیکن مزاحمت اب بھی موجود تھی۔ تاہم یہ فتوحات مغل سلطنت کے قیام کی سمت آگے بڑھ چکی تھی۔ بابر کی وفات 1530 میں ہوئی۔ گجرات، مالوہ اور بنگال کے حکمران کے پاس اب بھی مضبوط فوجی طاقت تھی جسے ابھی ختم نہیں کیا جا سکا تھا۔ ان علاقائی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کی ذمہ داری ہمایوں پر چھوڑ دی گئی۔



متن پر مبنی سوالات 10.1

1- بابر نے ہندوستان پر حملہ کیوں کیا تھا؟

_____

2- پانی پت کے میدان جنگ میں بابر کی فوجی حکمت عملی کیا تھی؟

_____

3- پانی پت کی جنگ کے بعد بابر کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑا؟

_____

4- بابر کے ذریعہ راجپوتانہ کے کن دو حکمرانوں کو شکست دی گئی تھی؟

_____

10.2 ہمایوں کی پسپائی اور افغانوں کی بازیابی (1530 تا 1540)

1530 میں بابر کی موت کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا۔ ہمایوں کے زیر اقتدار صورت حال کافی مایوس کن تھی۔ ہمایوں کو درپیش خاص مسائل درج ذیل تھے۔

(i) نئے مفتوحہ علاقے اور انتظامیہ مستحکم نہیں ہوئے تھے۔

(ii) بابر کے برعکس ہمایوں مغل طبقہ امراء کے تئیں احترام اور تعلق خاطر نہیں رکھتا تھا۔

(iii) چغتائی امراء کا جھکاؤ ہمایوں کی طرف کم تھا اور ہندوستانی امراء، (جو بابر کی ملازمت میں شامل ہو گئے تھے) موافق نہیں تھے اور ہمایوں کی تاجپوشی کے موقع پر باغی ہو گئے تھے۔

(iv) اسے جہاں ایک طرف افغانوں خاص طور پر بہار میں شیر خاں کی عداوت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا وہیں دوسری طرف گجرات کے حکمراں بہادر شاہ کی بھی دشمنی سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

(v) تیموری روایت کے مطابق ہمایوں کو اقتدار میں اپنے بھائیوں کو بھی شریک کرنا تھا۔ نئی قائم ہوئی مغل سلطنت کے اقتدار کے دو مرکز بن گئے تھے۔ ہمایوں کے کنٹرول میں دہلی، آگرہ اور مرکزی ہندوستان تھا جبکہ اس کے بھائی کامران کے زیر اقتدار افغانستان اور پنجاب تھا۔

ہمایوں نے افغانوں سے ایک بہت بڑا خطرہ محسوس کیا۔ وہ مشرق اور مغرب کے افغانوں کی متحدہ مخالفت سے بچنا چاہتا تھا۔ اس وقت بہادر شاہ کا تسلط بھیلسا، رائے سین، اجین، گاگرون میں تھا اور وہ اپنے اقتدار کو مستحکم کر رہا تھا۔ جہاں ہمایوں نے مشرق میں چنار کا محاصرہ کر رکھا تھا وہیں بہادر شاہ مالوہ اور راجپوتانہ کی طرف اپنی توسیع میں لگ گیا تھا۔ اس صورت حاصل میں ہمایوں کو آگرہ واپس جانے پر مجبور ہونا پڑا (1532-33) اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے بہادر شاہ نے 1534ء میں چتوڑ پر حملہ کر دیا، جو دفاعی اعتبار سے بہت اہم مقام تھا۔ اسی مقام سے اُسے راجستھان خاص طور پر اجمیر ناگور اور رن تھمبور کی طرف اس کی توسیع میں مدد مل سکتی تھی۔ ہمایوں نے مانڈو پر قبضہ کر لیا اور وہیں پر ٹھہر گیا کیونکہ اس کے خیال میں وہ بہادر شاہ کی گجرات واپسی کو روک سکتا تھا۔ ہمایوں کی آگرہ میں کافی عرصے سے نہ موجود رہنے کے سبب دوآب اور آگرہ میں بغاوت ہوگئی اور اسے فوری واپس جانا پڑا۔ مانڈو کو ہمایوں کے بھائی مرزا عسکری کی زیر نگرانی چھوڑنا پڑا۔ اس عرصے میں جب ہمایوں بہادر شاہ کی روک تھام کے لیے گجرات میں مصروف تھا اس وقت شیر شاہ نے بہار اور بنگال میں خود کو مستحکم کرنے کی شروعات کر دی تھی۔

شیر شاہ سوری کا عروج

فرید جسے بعد میں شیر خاں اور اس کے بعد اسے شیر شاہ کہا جانے لگا تھا، جونپور کی مملکت میں ایک جاگیردار کا بیٹا تھا۔ اس کے باپ حسن خاں سور نے لودیوں کی حکمرانی کے دور میں بہار میں سہسرام کی جاگیر حاصل کی تھی۔ شیر شاہ نے اس کی جاگیر کے انتظام والنصرام میں اپنے باپ کی مدد کی تھی۔ بعد میں اپنے والد کے ساتھ اس کا اختلاف ہوا اور اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے افغان امراء کے ماتحت ملازمت کی۔ 1524 میں والد کی وفات کے بعد ابراہیم لودی نے وہ جاگیر اسے سونپ دی۔ جاگیر کا قبضہ لینے میں اسے اپنے گھر والوں کے ساتھ تصادم کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے اپنے والد کی جاگیر کا انتظام بہت کارگر طریقے سے انجام دیا۔ اس نے عظیم فوجی اور انتظامی مہارتیں بھی حاصل کر لی تھیں۔ وہ اپنی صلاحیتوں کے سبب افغانیوں کا رہنما بن گیا۔ دھیرے دھیرے اس کا اثر بڑھتا گیا اور اس نے بنگال کے سلطان محمد شاہ کو شکست دی۔ وہ مشرقی صوبے میں ایک نہایت طاقتور فوجی کمانڈر کے طور پر ابھرا۔ شیر شاہ نے بہار میں اپنی حیثیت کو مضبوط بنانے کی شروعات کی۔ بہار میں ممتاز افغان امراء کے ساتھ کئی بار اس کا تصادم ہوا۔ آخر کار وہ مشرقی ہندوستان میں ایک انتہائی طاقتور افغان سردار کے طور پر خود کو قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔

شیر شاہ کی خواہش تھی کہ وہ خود کو ایک غیر متنازع افغان رہنما کی حیثیت سے مضبوط کرے اس نے

بنگال فوج پر حملہ کر دیا اور سورج گڑھ کی جنگ میں انہیں شکست دی۔ شیر شاہ نے بنگال سے کافی دولت حاصل کر لی۔ اس سے اسے ایک بڑی فوج قائم کرنے میں مدد ملی۔ اب اس نے بنارس اور اس کے آگے مغل علاقوں پر حملے کی شروعات کر دی تھی۔ ہمایوں شیر شاہ کی اولوالعزمی کے تئیں کافی مشکوک تھا لیکن اس کی اہلیتوں کا اندازہ لگانے میں ناکام رہا۔ اس نے جونپور کے اپنے گورنر ہندو بیگ سے شیر شاہ کی نقل وحرکت پر نگرانی رکھنے کے لیے کہا۔ اسی دوران شیر شاہ نے بنگال کی راجدھانی گور (1538) پر قبضہ کر لیا۔ جب ہمایوں بنگال کی طرف بڑھ رہا تھا تو شیر شاہ نے آگرہ کی شاہراہ پر قبضہ کر لیا جس سے ہمایوں کے لیے ترسیل کا کام مشکل ہو گیا۔ دوسری طرف ہمایوں کا بھائی ہندال مرزا نے جو اس کی فوج کے لیے رسد فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا، اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اب ہمایوں نے چنار واپس ہونے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ چوسہ پہنچا (1539) تو کرمانسا ندی کے مغربی کنارے پر ڈیرہ ڈال دیا۔ شیر شاہ نے ندی کے کنارے ہمایوں پر حملہ کر دیا اور اسے شکست دی۔ شیر شاہ نے خود کو ایک آزاد بادشاہ قرار دیا۔ ہمایوں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کی زیادہ تر فوج تباہ ہو گئی بڑی مشکل سے وہ آگرہ پہنچا۔ اس کا بھائی آگرہ سے نکل کر لاہور کی طرف بڑھا ہمایوں کے پاس اب ایک چھوٹی سی فوج رہ گئی۔ شیر شاہ اب آگرہ کی طرف بڑھا ہمایوں بھی اپنی فوج لے کر آگے بڑھا اور دونوں کی فوج کا آمنا سامنا قنوج میں ہوا۔ ہمایوں کو قنوج کی جنگ میں زبردست شکست ہوئی (1540)۔

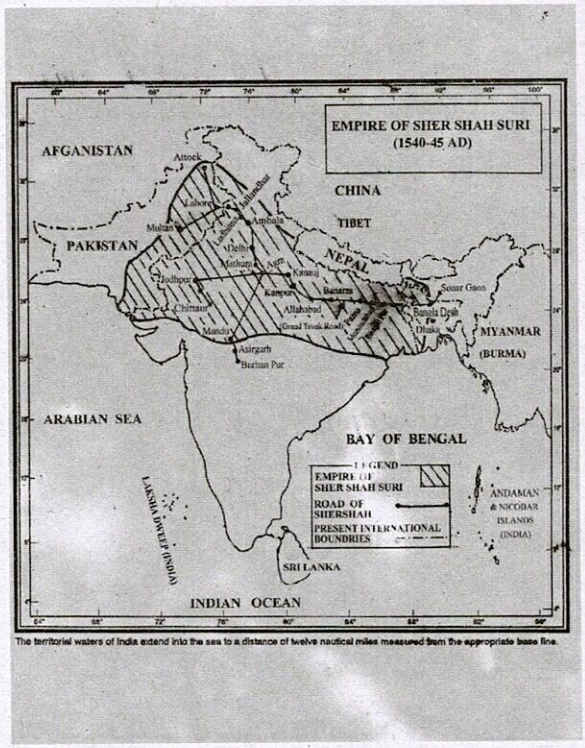

نقشہ 10.2: شیر شاہ کی سلطنت



10.3 دوسری افغان سلطنت (1540 تا 1555)

شیر شاہ

لودھی کے تحت پہلی افغان مملکت کے بارے میں جیسا کہ پہلے بتایا گیا تھا کہ 1526 میں بابر کی زیر قیادت مغلوں نے اس کی جگہ لی تھی۔ 14 سال کے وقفے کے بعد شیر شاہ 1540 میں ہندوستان میں افغان حکومت قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ شیر شاہ اور اس کے جانشینوں نے پندرہ سال تک حکومت کی۔ اس دور کو دوسری افغان سلطنت کے دور کے طور پر جانا جاتا ہے۔

اس افغان حکومت کا بانی شیر خاں ایک عظیم مدبّر اور اہل فوجی کمانڈر تھا۔ ہم ہمایوں کے ساتھ اس کے تصادم پر پہلے ہی بحث کر چکے ہیں۔ ہمایوں کو ہرانے کے بعد وہ 1540 میں با اقتدار حکمراں بنا اور شیر شاہ کا لقب اختیار کیا۔

شیر شاہ نے شمال مغرب میں سندھ تک ہمایوں کا پیچھا کیا۔ ہمایوں کو بے دخل کرنے کے بعد اس نے شمال اور مشرقی ہندوستان میں اپنی حیثیت کو مضبوط بنانے کی شروعات کی۔ اس نے 1542 میں مالوہ پر فتح حاصل کی اور اس کے بعد چندیری پر قبضہ کرلیا۔ راجستھان میں مارواڑ، رن تھمبور، ناگور، اجمیر، میرتا، جودھپور اور بیکانیر کے خلاف اس نے سندھ اور پنجاب سے لے کر مغرب میں پورے راجپوتانہ اور مشرق میں بنگال تک ایک اعلیٰ اقتدار کے حکمراں کے طور پر خود کو قائم کیا۔ اب وہ بندیل کھنڈ کی جانب مڑا۔ یہاں کلنجر کے قلعہ کا محاصرہ کرتے وقت 1545 میں بارود کے اچانک پھٹنے کے سبب جاں بحق ہوگیا۔

شیر شاہ نے اپنے مختصر دور حکومت میں انتظامیہ اور محصولات کے نظام میں نہایت اہم تبدیلیاں متعارف کیں۔ کچھ اہم تبدیلیاں یہ تھیں:

(i) سرکار اور پرگنہ سطح پر مقامی انتظامیہ کو زیادہ کارگزار بنانا۔

(ii) مسافروں اور تاجروں کے لیے سڑکوں کی تعمیر اور اہم مشاہراہوں پر سرائے یا آرامگاہوں کی تعمیر۔ مواصلاتی ڈھانچہ قائم کرنے میں بھی اس سے مدد ملی۔ اس نے پیشاور سے کلکتہ تک جانے والی شاہراہ عظیم (جی ٹی روڈ) بھی تعمیر کرائی۔

(iii) سکہ ڈھالنے کے عمل، زمین کی پیمائش اور محصولات کے تخمینہ لگانے کے طریقوں کی معیار بندی کی۔

(iv) فوج کی نئے سرے سے تنظیم اور گھوڑوں کو داغنے کے نظام کی تجدید کی، اور

(v) عدالتی نظام کو زیادہ کارگزار اور زیادہ رواں بنایا۔

شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا اسلام شاہ تخت نشیں ہوا۔ اسلام شاہ کو اپنے بھائی عادل خاں اور متعدد

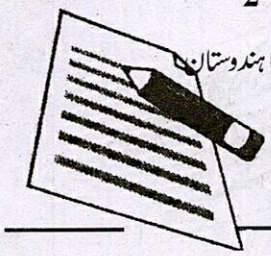

نوٹس

مغل حکومت کا قیام

افغاں امراء کے ساتھ کئی بار تصادم ہوا۔ اس کا انتقال 1553 میں ہوا۔ افغان سلطنت کافی کمزور ہو چکی تھی۔ ہمایوں نے دیکھا کہ موقع اچھا ہے اور ہندوستان کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے 1555 تک اپنی کھوئی ہوئی سلطنت ایک بار پھر حاصل کر لی اور دوسری افغان سلطنت ختم کا خاتمہ ہو گیا۔

1555 میں ہمایوں نے آگرہ اور دہلی میں فتح حاصل کی اور خود کو ہندوستان کا سلطان قرار دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی حیثیت مستحکم کر سکتا، 1556 میں شیر منڈل (دہلی میں) لائبریری کی سیڑھیوں سے گرنے کے بعد جان بحق ہو گیا۔



متن پر مبنی سوالات 10.2

1- شیر شاہ کو ہرانے میں ہمایوں کیوں ناکام ہوا؟

2- شیر خاں افغانوں کے رہنما کی حیثیت سے کس طرح اُبھرا؟

3- ان علاقوں کی فہرست بنایئے جسے شیر شاہ نے اپنی حکومت میں شامل کیا۔

4- شیر شاہ کی دو اہم حصولیابیوں کو درج فہرست کیجئے۔

10.4 اکبر سے اورنگ زیب تک مغل سلطنت

اکبر

اپنے والد ہمایوں کی وفات کے وقت اکبر صرف تیرہ سال کا تھا۔ اکبر پنجاب میں کالانور میں تھا اور اس لیے 1556 میں اس کی تاجپوشی وہیں کالانور میں ہوئی۔ بیرم خاں اس کا معلم اور ہمایوں کا چہیتا اور معتبر تھا۔ اس نے 1556 تا 1560 مغل سلطنت کے ولی کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دی۔ وہ خاں خاناں کے لقب سے مملکت کا وکیل بنا۔ اس کے عہد ولایت کی ایک بڑی حصولیابی 1556 میں پانی پت کی دوسری جنگ میں ہیمو اور افغان افواج کو شکست دینا تھا۔

بیرم خاں کا عہد ولایت 1556 تا 1560

بیرم خاں تقریباً چار سال تک مغل سلطنت کے امور کا عنان اختیار بنا رہا۔ اس دور کو عام طور پر بیرم خاں کا عہد ولایت کہا جاتا ہے۔ اس مرحلے میں اس نے اہم حیثیتوں پر اپنے پسندیدہ امراء کی تقرری کی۔ بیرم خاں ایک نہایت طاقتور امیر بن کر ابھرا۔ وہ بہت متکبر ہو چکا تھا۔ امراء کے ایک گروپ نے اس کی مخالفت کی، اس وقت تک اکبر بھی پورا اقتدار اختیار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بیرم خاں کو ہٹا دیا۔

بیرم خاں نے بغاوت کی اور شکست کھائی۔ اکبر نے اسے معاف کر دیا اور اس سے سبکدوش ہونے کو کہا۔ اس نے حج پر جانے کا فیصلہ کیا۔ احمد آباد کے قریب ایک افغان کے ذریعہ اسے مار دیا گیا۔ اکبر کے ماتحت اس کا بیٹا ایک با اثر امیر بنا اور عبدالرحیم خان خاناں کے نام سے مشہور ہوا۔

اکبر نے ابتدائی مسائل سے نمٹنے اور تخت شاہی پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد توسیعی پالیسی اختیار کی۔ ملک کے مختلف حصوں میں درج ذیل بڑی سیاسی قوتیں تھیں۔

i) راجپوت آزاد سرداروں اور راجاؤں کی حیثیت سے پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور خاص طور راجستھان میں مرتکز تھے۔

ii) افغانوں کا خاص طور سے گجرات، بہار اور بنگال میں سیاسی اقتدار تھا۔

iii) خاندیش، احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈہ اور جنوبی ہندوستان اور دکن میں کچھ دیگر مملکتیں کافی طاقتور تھیں۔

iv) کابل اور قندھار پر اگر چہ مغل دھڑے حکمرانی کرتے تھے لیکن اکبر کے لیے ان کا رویہ معاندانہ تھا۔

اکبر نے اپنی سلطنت کی توسیع کے ایک منظم پالیسی کی شروعات کی۔ اکبر نے بیرم خاں کو معزول کرنے کے بعد پہلا قدم طبقہ امراء سے تصادم ختم کرنے کا اٹھایا۔ اس نے عظیم سفارتی مہارت اور اس سے نمٹنے میں تنظیمی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اکبر نے مرکزی ہندوستان سے اپنی توسیع کی پالیسی کی شروعات کی۔ 60-1559 میں مالوہ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے گوالیر پر قبضہ کرنے کے لیے پہلی فوجی مہم بھیجی۔ مرکزی ہندوستان میں مالوہ پر باز بہادر کی حکومت تھی۔ اکبر نے اس کے خلاف مہم کی قیادت ادہم خاں کو سونپی۔ باز بہادر کو شکست ہوئی اور وہ برہان پور کی طرف بھاگا۔ گونڈ وانا مرکزی ہندوستان میں آزاد ریاست تھا جس پر دلپت شاہ کی بیوہ رانی درگاوتی حکومت کر رہی تھی، اسے فتح کر لیا گیا اور 1564 میں مغل سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

راجستھان

ایسا لگتا ہے اکبر راجپوت مملکتوں کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھا اور ایک بڑی سلطنت قائم



نوٹس

کرنے کی اپنی آرزو کی تکمیل کے لیے ان کو حلیف (اتحادی) بنانا چاہتا تھا۔ جہاں کہیں ممکن ہو سکا اس نے راجپوتوں کو جیتنے کی کوشش کی اور انہیں مغل خدمات میں فائز کیا۔ بھارمل جیسے راجپوت حکمرانوں سے اس نے ازدواجی رشتے بھی قائم کیے۔ امبر کا راجہ بھارمل پہلا تھا جو اس کے ساتھ اتحاد میں شامل ہوا۔ میرٹا اور جودھپور جیسی راجپوت مملکتیں بغیر کسی خاص مزاحمت کے قبضے میں آ گئی تھیں۔ تاہم میواڑ کا حکمراں مہارانا پرتاپ مغل سلطنت کے سامنے زبردست چیلنج بن کر ابھرا اور اکبر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالا۔ ایک طویل جدوجہد اور چتوڑ قلعہ کے محاصرے کے بعد اکبر میواڑ قوج کو ہرانے میں کامیاب ہوا۔ راجپوت فوجیوں کی ایک بڑی تعداد جنگ میں ماری گئی۔ تاہم، یہ پوری طرح قابو میں نہیں لائے جا سکے اور میواڑ میں کچھ مزاحمت ایک طویل عرصے تک چلتی رہی۔ چتوڑ پر تسلط اختیار کرنے کے بعد رن تھمبور اور کالنجر پر قبضہ کرلیا گیا۔ مارواڑ، بیکانیر اور جیسلمیر نے اکبر کی اطاعت قبول کرلی۔ 1570 تک اکبر نے تقریباً پورے راجستھان پر قبضہ کرلیا۔ اکبر کی نہایت اہم حصولیابی یہ تھی کہ پورے راجستھان کو مغلوب کرنے کے باوجود راجپوتوں اور مغلوں کے درمیان کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ہم اس سبق میں ایک علاحدہ سیکشن میں اس کے اسباب کے بارے میں بحث کریں گے۔

افغان (گجرات، بہار اور بنگال)

افغانوں کے خلاف اکبر کی مہم 1572 میں گجرات سے شروع ہوئی۔ ایک شہزادہ اعتماد خاں نے وہاں آنے اور اس پر فتح حاصل کرنے کی دعوت دی۔ اکبر خود احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ شہر پر بغیر کسی خاص مزاحمت کے قبضہ کرلیا گیا۔ سورت میں جہاں مضبوط قلعے تھے وہاں کچھ مزاحمت ہوئی لیکن اس پر بھی قبضہ کرلیا گیا۔ ایک مختصر مدت میں گجرات کی زیادہ تر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اس کے زیر اقتدار لایا گیا۔ اکبر نے گجرات کو ایک صوبے کی شکل میں منظم کیا اور اسے مرزا عزیز کوکا کے ماتحت رکھا اور راجدھانی واپس چلا گیا۔ چھ مہینے کے اندر مختلف باغی گروہ متحد ہوئے اور مغل سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی اور مغل گورنر کو متعدد علاقوں سے دستبردار ہونا پڑا۔ اختیار الملک اور محمد حسین مرزا بغاوت کے قائدین تھے۔ اکبر کو آگرہ میں بغاوت کی خبر ملی اور وہ احمد آباد کے لیے روانہ ہو گیا۔ اکبر بہت تیزی سے روانہ ہوا اور دس دن کے اندر احمد آباد پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ بادشاہ نے تیزی کے ساتھ بغاوت کو کچل دیا۔

افغانوں کے زیر اقتدار بنگال اور بہار پر توجہ اس نے گجرات مہم کے بعد مبذول کی۔ 1574 میں اکبر منیم خان خان خاناں کے ساتھ بہار کی طرف بڑھا۔ ایک مختصر سے وقفے میں حاجی پور اور پٹنہ پر قبضہ کرلیا گیا اور گور (بنگال) کو بھی لے لیا گیا۔ اس کے ساتھ بنگال کی آزاد حکومت کا خاتمہ 1576 میں ہو گیا۔ 1592 تک مغل منصب دار راجہ مان سنگھ کے ماتحت پورا اڑیسہ آ گیا۔



1581 میں مغل سلطنت کے بعض خطوں میں تصادم کا ایک سلسلہ پھوٹ پڑا تھا۔ بنگال، بہار، گجرات اور شمال مغرب ان گڑبڑیوں کے اہم مراکز تھے۔ افغان ان مسائل کی جڑ تھے کیونکہ انہیں مغلوں کے ذریعہ ہر جگہ اکھاڑ پھینکا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اکبر کی سخت انتظامی پالیسی کی شکار جاگیرداری بھی اس کے لیے ذمہ دار تھی۔ ایک نئی پالیسی اپنائی گئی تھی جس کے مطابق جاگیرداروں کو اپنی جاگیروں کا حساب داخل کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ اس سے بے اطمینانی پھیل گئی اور جاگیردار بغاوت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ معصوم خاں کابلی، روشن بیگ، مرزا شرف الدین اور عرب بہادر باغیوں کے اہم لیڈر تھے۔ وہاں جو شاہی عہدیدار تعینات ہوئے تھے انہوں نے بغاوت کو دبانے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ اکبر نے راجہ ٹوڈرمل اور شیخ فرید بخشی کے ماتحت ایک بڑی فوج فوراً بھیجی۔ بعد میں عزیز کوکا اور شہباز خاں کو بھی راجہ ٹوڈرمل کی مدد کے لیے بھیجا گیا۔ باغیوں نے اکبر کے بھائی حکیم مرزا جو کابل میں تھا، کو اپنا بادشاہ قرار دیا۔ لیکن جلد ہی مغل افواج بہار، بنگال اور متصل علاقوں میں بغاوت کو کچلنے میں کامیاب رہے۔

پنجاب اور شمال مغرب

پنجاب میں، مرزا حکیم اکبر کے لیے مسئلے کھڑے کر رہا تھا اور اس نے لاہور پر حملہ کر دیا تھا۔ حکیم مرزا کو توقع تھی کہ متعدد مغل عہدیدار اس کے ساتھ شامل ہونگے لیکن کسی بڑے گروپ نے اس کے ساتھ شمولیت نہیں اختیار کی۔ اکبر نے خود لاہور کی جانب روانہ ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ حکیم مرزا فوری پسپا ہوا اور اکبر نے اس طرح پورے خطے پر تسلط اختیار کرلیا۔ اس نے شمال مغرب سرحدوں کے تحفظ کو منظم کرنے کو پہلی ترجیح دی۔ اس کے بعد وہ کابل کی طرف بڑھا اور علاقے پر فتح حاصل کی۔ اکبر نے کابل کی ذمہ داری اپنی بہن بخت انسا بیگم کو سونپی۔ بعد میں راجہ مان سنگھ کو کابل کا گورنر مقرر کیا گیا اور اسے جاگیر میں اسے دے دیا گیا۔

شمال مغرب خطے میں ایک اور اہم پیش رفت روشنائے کی بغاوت تھی جس نے کابل اور ہندوستان کے درمیان شاہراہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ روشنائے ایک فرقہ تھا جسے ایک فوجی نے قائم کیا تھا جسے خطے میں پیر روشنائے کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس کا بیٹا جلالا اس فرقے کا سربراہ تھا اور پیروکاروں کی تعداد کافی تھی۔ اکبر نے روشنائے کو کچلنے اور خطے پر مغل اقتدار قائم کرنے کے لیے ایک مضبوط فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے زین خاں کی تقرری کی۔ سید خاں گاکھر اور راجہ بیربل کو بھی زین خاں کی مدد کے لیے علاحدہ افواج کے ساتھ بھیجا گیا۔ ایک ایسی ہی کارروائی میں بیربل اپنے زیادہ تر فوجیوں کے ساتھ مارا گیا۔ اپنے معتبر دوست بیربل کی موت پر وہ کافی مضطرب ہوا۔ اس نے راجہ ٹوڈرمل اور راجہ مان سنگھ کو باغیوں کو کچلنے کی ذمہ داری سونپی اور وہ روشنایوں کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔



نوٹس

مغل حکومت کا قیام

اکبر کشمیر پر فتح حاصل کرنے کے لیے ایک لمبے وقت سے نظریں گڑائے ہوئے تھا۔ 1586 میں اسے مغل سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔

شمال مغرب خطے میں سندھ کے کچھ علاقے اب بھی آزاد تھے۔ 1590 میں اکبر نے خان خاناں کو ملتان کا گورنر مقرر کیا اور اس خطے کے ایک قبیلے بلوچیوں کو زیر کرنے کے لیے اور پورے علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے کہا۔ پہلے تھٹ کو ملا لیا گیا اور ملتان کے صوبے میں ''سرکار'' کے زمرے میں رکھا گیا۔ آس پاس کے علاقوں میں بلوچیوں کے ساتھ تصادم جاری رہا۔ آخر کار 1595 تک شمال مغرب خطے پر مغلوں کی پوری بالا دستی قائم ہوئی۔

دکن

1590 کے بعد اکبر نے مغل اقتدار کے ماتحت ان ریاستوں کو لانے کی ایک دکن پالیسی وضع کی۔ اسی عہد میں دکن ریاستیں داخلی تناؤ اور مختلف تصادم کا سامنا کر رہی تھیں۔ 1591 میں اکبر نے دکن ریاستوں سے مغل اقتدار تسلیم کرنے کی تجویز پیش کی لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ملی۔ اب اکبر نے حملہ کرنے کی پالیسی کے بارے میں فیصلہ کیا۔ پہلی فوجی مہم شہزادہ مراد اور عبدالرحیم خاں خاناں کی سربراہی میں روانہ کی گئی۔ 1595 میں مغل افواج نے احمد نگر پر حملہ کر دیا۔ اس کی حکمراں چاند بی بی نے مغلوں کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بیجا پور کے ابراہیم عادل شاہ اور گول کنڈہ کے قطب شاہ سے مدد طلب کی لیکن کامیابی نہیں ملی۔ ایک زبردست جنگ ہوئی۔ دونوں طرف زبردست نقصان ہوا اور آخر میں ایک معاہدہ کے تحت چاند بی بی نے برار کا علاقہ مغلوں کے حوالے کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد چاند بی بی نے برار کو واپس لینے کے لیے حملہ کر دیا۔ اس مقام پر نظام شاہی قطب شاہی اور عادل شاہی افواج نے اور ایک مشترکہ محاذ بنانے کا فیصلہ کیا۔ مغلوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا لیکن وہ اپنی پوزیشن بنائے رکھ سکے۔ اسی دوران مراد اور خان خاناں کے درمیان شدید اختلافات کی بنا پر مغلوں کی پوزیشن کمزور ہوگئی۔ اس لیے اکبر نے خاں خاں کو واپس بلا لیا اور دکن کے لیے ابوالفضل کو مامور کیا۔ 1598 میں شہزادہ مراد کی موت کے بعد شہزادہ دانیال اور خاں خاناں کو دکن بھیجا گیا۔ احمد نگر پر قبضہ کرلیا گیا۔ جلد ہی مغلوں نے اسیر گڑھ اور متصلہ خطوں پر بھی فتح حاصل کی۔ بیجا پور کے عادل شاہ نے بھی اپنی اطاعت کی خواہش اور شہزادہ دانیال کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کی تجویز پیش کی۔ اسی دوران چاند بی بی کا انتقال ہوگیا۔ اب دکن کے مغل علاقوں میں اسیر گڑھ، برہان پور، احمد نگر اور برار بھی شامل ہوگئے۔

علاقے کی توسیع کے ساتھ اکبر نے مغل طبقہ امراء میں چھوٹے سرداروں کو شامل کرنے کی پہل کی۔ اس پالیسی سے سلطنت کا زبردست فائدہ ہوا۔ مغل بادشاہ نئی فتوحات کے لیے چھوٹے سرداروں

اوران کی افواج کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہے ایک بڑی سلطنت کے انتظام وانصرام کے لیے مغل طبقہ امراء کے ایک جزو کے طوران کی مدد بھی دستیاب تھی۔ مزید برآں چھوٹے سرداروں کو بھی اس پالیسی سے فائدہ ہوا۔ اب وہ اپنے علاقوں کو برقرار رکھ سکتے تھے اوران کا انتظام وانصرام اپنی مرضی کے مطابق کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں جاگیراور منصب بھی حاصل ہوئے (آپ ماڈیول 2 کے سبق 12 میں ان انتظامی اقدامات کے بارے میں پڑھیں گے) اکثر وہ اپنی مملکتوں کی نسبت بڑے جاگیر کے علاقے حاصل کر لیتے تھے۔ اس سے انہیں دشمنوں اور باغیوں سے تحفظ وسلامتی بھی فراہم ہوتی تھی۔ بہت سے راجپوت منصب داروں کو وطن جاگیر کے طور پر اپنے خود کے علاقے تفویض کیے جو موروثی اور ناقابل منتقلی تھے۔

اکبر کے ماتحت علاقائی توسیع نے مغل سلطنت کو ایک معین شکل دی۔ جہاں تک علاقائی توسیع کا سوال ہے اکبر کے بعد مغل سلطنت میں کوئی خاص علاقہ نہیں شامل کیا گیا۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے دور حکومت میں دکن اور شمالی مشرقی ہندوستان کے کچھ علاقے شامل کیے گئے تھے۔

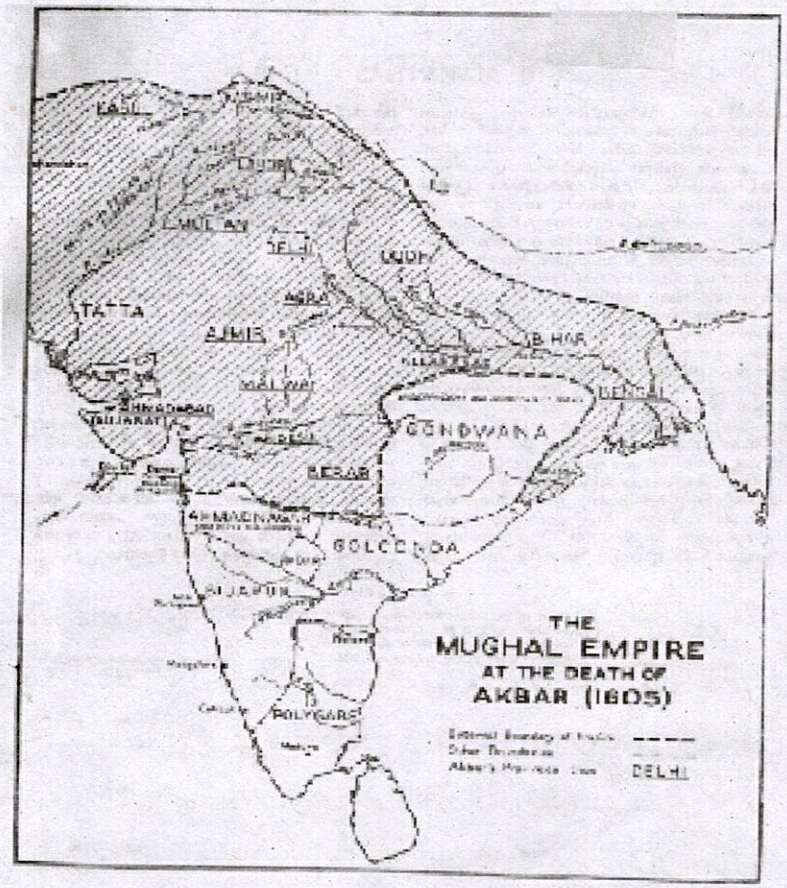

نقشہ 10.3: اکبر کے ماتحت مغل سلطنت کے حدود



نوٹس

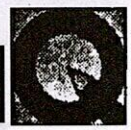

متن پر مبنی سوالات 10.3

1- اکبر نے بیرم خاں کو کیوں سبکدوش کر دیا تھا؟

2- اکبر کی تاجپوشی کے وقت ہندوستان میں اہم سیاسی قوتیں کون سی تھیں؟

3- کون سے راجپوت حکمرانوں نے اکبر کو چیلنج پیش کیا اور اطاعت قبول نہیں کی؟

4- اُس خاتون حکمراں کا نام بتایئے جس نے مغلوں سے جنگ لڑی، وہ کون سے علاقے پر حکمرانی کر رہی تھی؟

جہانگیر اور شاہ جہاں

جہانگیر نے دکن میں اکبر کی توسیعی پالیسی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اپنے کچھ مسائل کے سبب وہ خاص کامیابی نہیں حاصل کر سکا۔ خرم کی بغاوت کے سبب وہ اس نازک مرحلے میں کوئی خاص توجہ نہیں دے سکا۔ اس کے علاوہ مغل امراء بھی متعدد سازشوں اور تصادم میں لگ گئے تا کہ دکن سے کچھ فائدے حاصل کر سکیں۔

پہلے تین سال میں دکن نے نصف بالا گھاٹ اور احمد نگر کے متعدد اضلاع کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ ملک امبر اہم حکمراں تھا جو مغل فوج کو ہرانے اور برار، بالا گھاٹ اور احمد نگر کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہا۔ مغل ان کھوئے ہوئے علاقوں پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اسی درمیان شاہ جہاں نے اپنے والد کے خلاف بغاوت کی اور ملک امبر سے دوستی کر لی۔

ملک امبر نے احمد نگر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، لیکن وہاں ناکام ہونے کے بعد اس نے عادل شاہ سے شولا پور چھین لیا اور شاہ جہاں کے ساتھ اتحاد کر کے برہان پور پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جب جہانگیر اور شاہ جہاں کے درمیان صلح ہوئی تو ملک امبر بھی مائل بہ صلح ہو گیا۔ ملک امبر کا انتقال 1627 میں ہوا اور فتح خاں مملکت کے وکیل اور پیشوا کی حیثیت سے تخت نشیں ہوا۔ فتح خاں متکبر تھا اور اس کے دور میں دکھنیوں اور دیگر امرا کے درمیان تصادم بڑھنے لگا۔

جہانگیر کے دور حکومت میں دکن میں مغل علاقے میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ درحقیقت دکنی حکمرانوں



نوٹس

نے اپنی ریاستوں میں مغل اقتدار کو کمزور کر دیا۔ ملک امبر کی اولوالعزمی دکن ریاستوں کے اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بن گئی تھی۔

جہانگیر کی وفات اور شاہ جہاں کی تاجپوشی کے درمیان کی مدت میں دکن کا مغل گورنر، خاں جہاں لودی نے وقت کی ضرورت کے لحاظ سے مدد کو یقینی بنانے کے ارادے سے بالا گھاٹ نظام شاہ کو عطیہ کر دیا۔ تاجپوشی کے بعد شاہ جہاں نے خاں جہاں لودی کو اسے دوبارہ حاصل کرنے کا حکم دیا لیکن وہ اس سلسلے میں ناکام رہا۔ شاہ جہاں نے اسے دربار میں بلایا، خاں جہاں دشمن اور باغی ہو گیا۔ اس نے نظام شاہ کے یہاں پناہ لی۔ اس نے شاہ جہاں کے غصے کو بھڑکا دیا اور اس نے دکن ریاستوں کے تئیں جارہانہ پالیسی اپنانے کا فیصلہ کیا۔ شاہ جہاں کا خاص واسطہ دکن کی کھوئی سلطنتوں کی بازیابی تھی۔ وہ احمد نگر کی آزادی کو دکن میں مغل اقتدار کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس نے احمد نگر کو الگ تھلگ کرنے کا فیصلہ کیا اور بیجاپور اور مراٹھا کی تائید حاصل کرنی چاہی۔ وہ اس سلسلے میں کامیاب تھا، ملک امبر کا بیٹا فتح خاں نے بھی مغلوں کے ساتھ صلح کی۔ اب مہابت خاں کو دکن کا گورنر مقرر کیا گیا۔ لیکن دکن ریاستوں کے ساتھ تصادم جاری رہا۔ بیجاپور کے ساتھ معاہدے کے اہم نقاط تھے۔

i) عادل شاہ نے مغل حکم فرمائی کو قبول کیا۔

ii) اسے 20 لاکھ روپے تاوان کے طور پر ادا کرنا تھا۔

iii) اسے گولکنڈہ کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی تھی۔

iv) بیجاپور اور گول کنڈہ کے درمیان کسی طرح کے تنازعہ کے معاملے میں مغل سلطان کو ثالثی کرنی تھی۔

v) عادل شاہ کو شاہ جی بھونسلے کے خلاف تصادم میں مغلوں کی مدد کرنی تھی۔

گولکنڈہ کے ساتھ ایک الگ معاہدہ کیا گیا۔ اس معاہدے کے مطابق۔

(i) گولکنڈہ نے مغل سلطنت کے تئیں وفاداری کا حلف لیا۔ وہ خطبے میں مغل سلطنت کا نام شامل کرنے اور شاہ ایران کا نام خارج کرنے پر متفق ہوا۔

(ii) گولکنڈہ دو لاکھ ہون سالانہ مغلوں کو ادا کرنے پر متفق ہوا۔

ان معاہدوں کے ذریعہ دکن کے تصادم ختم ہوئے۔ مغلوں نے جنوبی ہندوستان کے کافی بڑے حصوں تک اپنا غلبہ قائم کر لیا۔ مغل پالیسی میں ایک نمایاں تبدیلی اس وقت آئی جب 57-1656 میں ان معاہدات کو نظر انداز کیا گیا۔ اب شاہ جہاں نے اورنگ زیب کو دکن کی مملکتوں کو فتح کرنے اور ملانے کے لیے کہا۔ بعض مورخین کی دلیل ہے کہ پالیسی میں اس تبدیل کا مقصد مغلوں کے لیے دکن ریاستوں کے وسائل کا بھرپور استعمال تھا۔ تاہم، اس تبدیلی سے مغل سلطنت کو بہت زیادہ فائدہ نہیں ہوا اور مستقبل کے لیے زیادہ مسئلے پیدا کیے۔



نوٹس

اورنگ زیب

اورنگ زیب دکن کے تئیں، جارحانہ پالیسی میں یقین رکھتا تھا، پروفیسر ستیش چندر نے دکن ریاستوں کے تئیں اپنی پالیسی میں تین نمایاں مراحل کی شناخت کی ہے۔

(i) 1658 تا 1668 کلیانی، بیدر اور بیجا پورہ کے پارندہ کے علاقوں کو زیر اقتدار لانے پر توجہ مرکز کی گئی۔ اس مرحلے میں مراٹھوں کے خلاف دکن ریاستوں کی مدد کو یقینی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ بیجا پور پر فتح حاصل کرنے کے لیے دکن کے گورنر جے سنگھ کے ذریعہ کوششیں کی گئی تھیں لیکن یہ کوششیں ناکام ہوئیں۔

(ii) تقریباً 1668 تا 1684 پالیسی میں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی۔ بیجا پور کے عادل شاہ کی موت کے بعد شواجی کی طاقت بڑھنے لگی تھی اور گولکنڈہ انتظامیہ پر دو بھائیوں اخانا اور مدانا مغل پالیسی پر اثر انداز ہوئے۔ گولکنڈہ نے شواجی اور بیجا پور کے ساتھ ایک اتحاد وضع کرنے کی کوشش کی۔ مراٹھوں کو اپنے ساتھ ملانے کی اورنگ زیب کی کوشش بہت کامیاب نہیں تھی۔ معمولی تبدیلیوں اور بار بار کے تناؤ کے ساتھ اتحاد کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا۔ اورنگ زیب کا جھکاؤ دکن ریاستوں کو ملانے کی طرف نہیں تھا۔

(iii) تیسرے مرحلے (1684 تا 1687) میں اورنگ زیب نے دکن ریاستوں کو سیدھے سیدھے ملحق کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ اورنگ زیب نے ذاتی طور پر بیجا پور کے محاصرے کی نگرانی کی 1687 میں بیجا پور اور گولکنڈہ کے ساتھ کرناٹک کے علاقے کو مغل سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ 1687 تا 1707 مراٹھوں کے ساتھ تصادم جاری رہا۔ اورنگ زیب نے اپنا زیادہ وقت دکن میں گزارا اور خطے کو مغل اقتدار کے تحت رکھنے میں کامیاب ہو سکا۔ لیکن 1707 میں اس کا انتقال (دکن میں اورنگ آباد) میں ہوا۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد انہوں نے آزادی کا پھر دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں کامیاب بھی ہوئے۔

دکن کے علاوہ اورنگ زیب شمال مشرق خطے میں آسام میں مغل اقتدار کی توسیع کر سکا۔ اس خطے میں مغلوں کی بڑی کامیابی اہوم مملکت (آسام) کا الحاق تھا جو کہ بنگال کے گورنر میر جملہ کے ذریعہ انجام دیا گیا۔ شمال مشرق میں ایک اور قابل ذکر حصولیابی 1664 میں بنگال کے نئے گورنر شائستہ خاں کے ماتحت چٹگاؤں پر قبضہ تھا۔ اہوم مملکت زیادہ عرصے تک راست کنٹرول میں نہیں رہ سکی۔ وہاں تعینات مغل فوجداروں کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور مستقل تصادم بھی ہوتا رہتا تھا۔ 1680 تک اہوم کا مروپ پر تسلط حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور مغل اقتدار کا خاتمہ ہوا۔

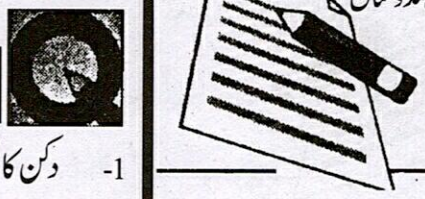

10.4 متن پر مبنی سوالات

1- دکن کا حکمراں کون تھا جس نے جہانگیر کی زیر قیادت مغل افواج کو شکست دی تھی؟

2- مغلوں نے 1636 میں دکن کی کون سی دو ریاستوں کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیے تھے؟

3- وہ مغل کمانڈر کون سا تھا جس نے اہوم مملکت کو مغل اقتدار کے ماتحت کیا؟

4- کس دکن طاقت کے ساتھ اورنگ زیب کافی عرصے تک الجھا رہا؟

10.5 مغل حکومت کو درپیش چیلنج: تصادم اور گفت وشنید

اورنگ زیب کے ماتحت مغل سلطنت اپنی عظیم ترین علاقائی حدود پر پہنچ چکی تھی اور اس میں تقریباً موجودہ پورے ہندوستان کا احاطہ ہوتا تھا۔ لیکن اس کی حکومت پر جاٹوں، ستنامیوں، افغانوں، سکھوں اور مراٹھوں کی عوامی بغاوت کا کافی اثر پڑا۔ راجپوت اکبر کے ماتحت مغلوں کی ایک اہم تائیدی بنیاد کے طور پر ابھرے تھے اور بعد میں جہانگیر اور شاہ جہاں کے زیر اقتدار یہ سلسلہ جاری رہا۔ تاہم اورنگ زیب کے ماتحت انہوں نے خود کو بیگانہ محسوس کیا اور دھیرے دھیرے انتظامی ڈھانچے میں اپنی حیثیت کھونے لگے۔ مراٹھوں نے اورنگ زیب کے ماتحت مغلوں کے اقتدار اعلیٰ کو ایک بڑا چیلنج پیش کیا۔ دکن ریاستوں نے مغلوں کے توسیعی منصوبوں کے خلاف سخت مزاحمت پیش کی، شمال مشرقی خطہ میں مغلوں کے لیے ایک پریشان کن امر تھا اور مغلوں کو ان گڑبڑی کا خاتمہ کرنا پڑ۔ اس طرح ہم غور کرتے ہیں کہ مغل سلطنت کے قیام اور توسیع کے عمل میں مغلوں کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور مختلف ذرائع اور حکمت عملیوں کے ذریعہ انہیں گفت وشنید کی راہ اپنانی پڑی۔ یہاں ہم ان تمام امور پر مختصراً بحث کریں گے۔

راجپوت

راجپوتانہ میں میواڑ ہی صرف ایک ایسا خطہ تھا جو اکبر کے عہد میں مغلوں کے تحت نہیں آیا تھا۔ جہانگیر نے اس پر قبضے کے لیے ایک ثابت قدم رہنے کی پالیسی اپنائی۔ تصادم کے ایک سلسلے کے بعد، رانا امر سنگھ آخر کار مغل فرمانروائی تسلیم کرنے پر متفق ہوا۔ میواڑ سے لیے گئے سبھی علاقے بشمول چتوڑ کا قلعہ



نوٹس

رانا امر سنگھ کو واپس کر دیا گیا اور اس کے بیٹے کرن سنگھ کو کافی جاگیر عطا کی گئی۔ جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور حکومت میں راجپوتوں کا عام طور مغلوں کے تئیں دوستانہ رویہ بنا رہا اور وہ اعلیٰ منصبوں پر فائز رہے۔ شاہ جہاں دکن اور شمال مغرب میں اپنی مہموں کے لیے راجپوت فوجیوں پر منحصر تھا۔ اورنگ زیب کے دور حکومت میں راجپوتوں کے ساتھ مغل رشتے تکلیف دہ ہو گئے تھے خاص طور پر مارواڑ تاج کی جانشینی کے معاملے میں۔ اورنگ زیب نے جانشینی کے جھگڑے میں مداخلت کی اور باغی امیدوار کی اس کی حمایت نے راجپوتوں کو اس کا مخالف بنا دیا۔ جودھپور میں اس کے الجھنے سے مغل راجپوت رشتے پر نمایاں اثر پڑا اور راجپوت دھیرے دھیرے مغل حکومت سے بیگانہ ہونے لگے۔

درحقیقت طبقہ امراء میں ایک طاقتور راجپوت طبقے کی عدم موجودگی نے آخر کار دور دراز کے منسلک علاقوں پر مغل تسلط کے لیے، خاص طور پر جب مراٹھوں کے ساتھ گفت وشنید کا معاملہ آیا، نقصان دہ ثابت ہوا۔

دکن

اکبر کے آخری سالوں اور جہانگیر کے ابتدائی سالوں میں، ملک امبر کے ماتحت احمد نگر مغل اقتدار کے لیے چیلنج پیش کرنے لگا تھا۔ ملک امبر بیجا پور کی بھی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ متعدد فوجی مہم جہانگیر کے ذریعہ بھیجی گئی تھیں لیکن کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ شاہ جہاں کے دور حکومت میں احمد نگر، بیجا پور، گولکنڈہ کی دکن مملکتوں کی مغلوں سے جنگ شروع ہو چکی تھی۔ احمد نگر پہلی مملکت تھی جسے شکست ہوئی اور اس کے زیادہ تر علاقے مغل سلطنت میں شامل کر دیے گئے تھے۔ 1636 تک بیجا پور اور گولکنڈہ کو بھی شکست ہوئی لیکن انہیں مغل سلطنت میں ملحق نہیں کیا گیا۔ ایک معاہدے کے تحت شکست خوردہ حکمراں کو سالانہ خراج ادا کرنے کے ساتھ مغل اقتدار کو تسلیم کرنا تھا۔ شاہ جہاں نے تقریباً دس سال تک اپنے بیٹے اورنگ زیب کو اس خطے میں فائز کیا۔ اورنگ زیب کے دور حکومت دکن ریاست اور مراٹھوں کے ساتھ جنگ میں زیادہ شدت پیدا ہو گئی۔ درحقیقت اورنگ زیب نے اپنے دور حکومت کے آخری بیس سال دکن میں ان کے خلاف لڑتے ہوئے گزارے۔ 1687 تک بیجا پور اور گولکنڈہ کی دکنی مملکتیں مغل سلطنت میں شامل کر لی گئیں۔ تاہم اورنگ زیب کے ذریعہ دکن میں جو وقت اور رقم خرچ کی گئی اس سے مغل سلطنت پر کافی بار پڑا۔

مراٹھا

17 ویں صدی کے وسط میں شواجی کی زیر قیادت دکن میں مراٹھا ایک زبردست قوت کے طور پر

ابھرے اور مغل اقتدار کے لیے چیلنج کی شروعات کی ،شواجی نے 1656 میں اپنا جارحانہ عمل شروع کیا اور جاول کی چھوٹی سی ریاست پر قبضہ کرلیا۔ کچھ عرصے کے بعد شواجی نے بیجا پور علاقے پر حملہ کیا اور 1659 میں بیجا پور کے سلطان نے اپنے جنرل افضل خاں کو شواجی کو پکڑنے کے لیے بھیجا۔ لیکن شواجی اس کے (افضل خاں) کے لیے بہت چالاک ثابت ہوا اور اسے مار ڈالا۔ 1662 میں آخر کار بیجا پور کے سلطان نے شواجی کے ساتھ امن معاہدہ کیا اور اس کے مفتوحہ علاقوں کے ایک آزاد حکمراں کے طور پر تسلیم کیا۔ شواجی نے اب مغل علاقوں میں تباہی مچانی شروع کر دی۔ اورنگ زیب نے دکن کے وائس رائے شائستہ خاں کو ایک بڑی فوج کے ساتھ شواجی کے خلاف بھیجا اور دونوں کے درمیان پرندھر (1665) کے معاہدے پر دستخط کیے گئے۔ شواجی کے زیر اقتدار 35 قلعوں میں 23 قلعے مغلوں کو سونپنے پر متفق ہوا۔ باقی 12 قلعے (ایک لاکھ ہون کی سالانہ آمدنی کے ساتھ) شواجی کے پاس چھوڑ دیے گئے۔ شواجی سے کہا گیا کہ وہ آگرہ مغل دربار میں حاضری دے۔ لیکن شواجی وہاں گیا تو اس کے ساتھ خراب رویہ اپنایا گیا اور اُس کے ساتھ ایک قیدی جیسا سلوک کیا گیا۔ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور 1666 میں رائے گڑھ پہنچا۔ اس کے بعد اس نے مغلوں کے خلاف سخت ترین جدوجہد کی۔ جلد ہی اس نے سارے قلعوں پر فتح حاصل کر لی۔ یہ وہی قلعے تھے جو اس نے مغلوں کو سونپے تھے۔ 1670 میں سورت میں اس نے دوسری بار لوٹ پاٹ کی۔

1674 میں شواجی نے رائے گڑھ کو اپنی راجدھانی بنایا اور اپنی تاجپوشی کا جشن منایا اور چھتر پتی کا لقب اختیار کیا۔ اس کے بعد اس نے جنوبی ہندوستان میں ایک عظیم جنگ مہم کے ذریعہ جنجی ویلور اور کرناٹک کے متعدد قلعے فتح کر لیے۔ صرف چھ سال کی مختصر حکمرانی کے بعد 1680 میں رائے گڑھ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس مختصر سے وقفے میں اس نے مراٹھا مملکت کی بنیاد ڈالی جس نے ڈیڑھ سو سال تک مغربی ہندوستان پر غلبہ اختیار کیا۔

شواجی کا جانشین اس کا بیٹا سامبھا جی تھا۔ بہت سے مراٹھا سردار سامبھا جی کی حمایت میں نہیں تھے اور شواجی کے دوسرے بیٹے راجہ رام کی مدد کی۔ اندرونی کشاکش نے مراٹھا اقتدار کو کمزور کیا۔ آخر کار سامبھا جی کو پکڑ لیا گیا اور 1689 میں اورنگ زیب کے ذریعہ مار دیا گیا، سامبھا جی کے بعد راجہ رام جانشین ہوا کیونکہ اس کا بیٹا سا ہوا ابھی نوعمر تھا۔ راجہ رام کی موت 1700 میں ہوئی۔ اس کے بعد اس کا نابالغ بیٹا شواجی III اپنی ماں تارابائی کی ولایت میں گدّی پر بیٹھا۔ مراٹھوں کے خلاف اورنگ زیب کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ تارابائی کی توانائی اور اس کی انتظامی ذہانت تھی۔ تاہم مغل مراٹھوں کو دو حریف کیمپوں (گروہ) میں تقسیم کرنے میں کامیاب ہوئے ایک تارابائی کے ماتحت تھا اور دوسرا سمبھا جی کے بیٹے، ساہو کی زیر قیادت تھا۔ ساہو جو کافی عرصے تک مغل دربار میں تھا، آزاد کر دیا گیا۔ وہ بالاجی

وشوناتھ کے نام کے ایک چت پاون برہمن کی مدد سے تاراباٹی کو معزول کرنے میں کامیاب رہا۔

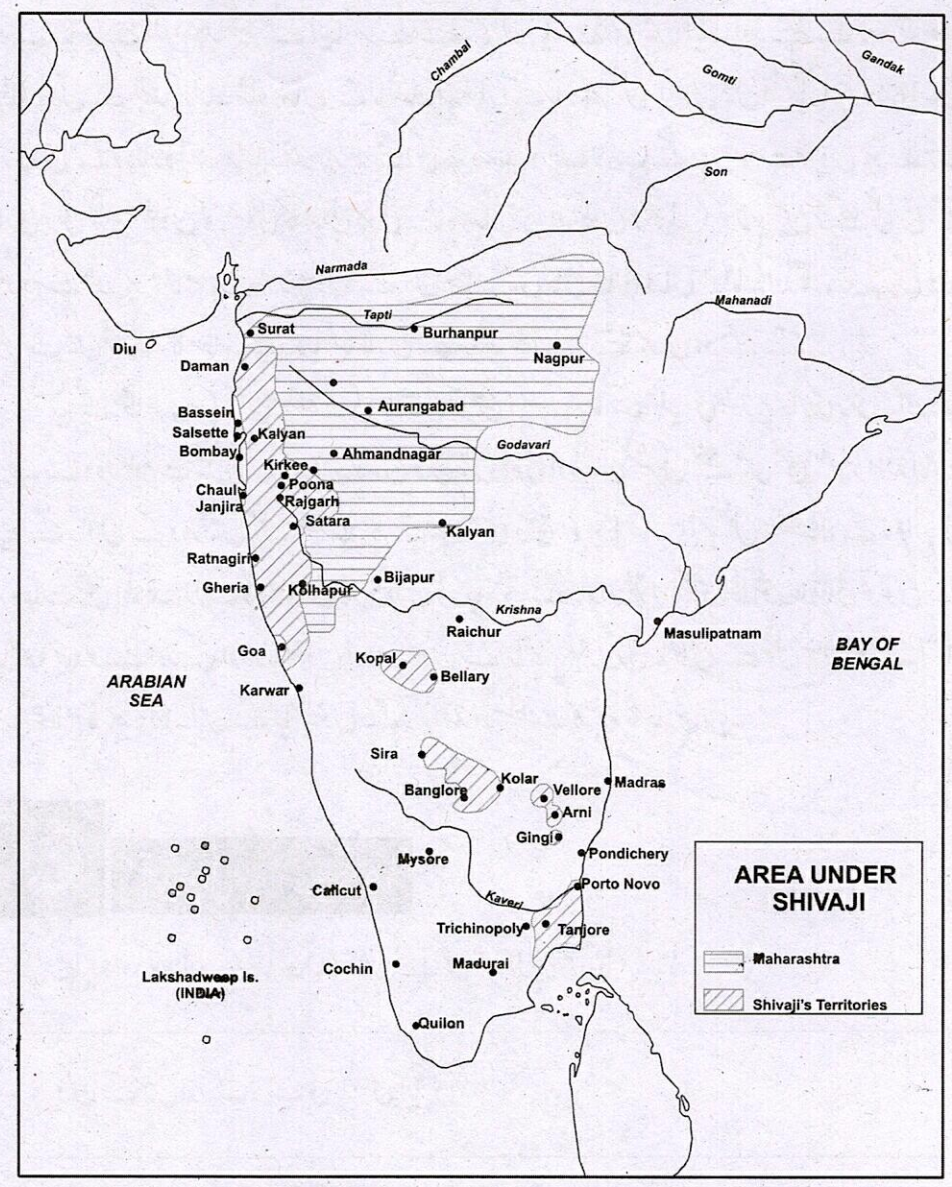

نقشہ 10.4: شواجی کے زیر اقتدار مراٹھا مملکت

شمال مغرب

اکبر نے ہمیشہ کابل غزنی قندھار لائن کو دفاعی لحاظ سے اہم سرحد سمجھا اور اس لیے 1595 میں قندھار پر قبضہ کرلیا۔

17 ویں صدی میں شمال مغرب سرحد مغلوں کی سرگرمی کا خاص علاقہ تھا۔ یہاں روشنائیوں کو فیصلہ کُن طور پر 26-1625 تک ہرادیا گیا لیکن قندھار فارسیوں اور مغلوں کے درمیان تصادم کا ایک خطہ بن گیا۔ اکبر کی موت کے بعد فارسیوں نے صفائی حکمراں شاہ عباس اوّل کے ماتحت قندھار پر قبضے کی کوشش

کی لیکن ناکام رہا اس کے بعد شاہ عباس اول نے 1620 میں جہانگیر سے درخواست کی قندھار کو اسے سونپ دیا جائے لیکن جہانگیر نے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ 1622 میں ایک اور حملے کے بعد قندھار پر فارسیوں نے قبضہ کرلیا۔ شاہ جہاں کے ماتحت قندھار ایک بار پھر مغل ہاتھوں میں آ گیا لیکن 1649 میں فارسیوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا۔ قندھار پر قبضے کی جدوجہد اورنگ زیب کے دور حکومت شروع ہونے تک جاری رہی لیکن مغلوں کو معمولی کامیابی ہوئی۔ شاہ جہاں کی ازبیکوں (قبیلہ) کو زیر نگیں رکھنے کی بلخ مہم زبردست طور پر ناکام ہوئی اور مغلوں نے اس جنگ میں کافی جان و مال گنوایا۔ اورنگ زیب کی دور حکومت میں قندھار کا معاملہ چھوڑ دیا گیا فارس کے ساتھ سفارتی رشتے بحال ہو گئے تھے۔

یہ جگ ظاہر ہے کہ مغل سلطنت کی علاقائی توسیع اکبر کے ماتحت بنیادی طور پر جاری رہی۔ اورنگ زیب کے دور حکومت میں اس کی مزید توسیع دکن میں ہوئی اور شمال مشرق خطے میں بھی معمولی اقدامات کیے گئے۔ اس کے دور میں مغل سلطنت کا رقبہ بہت ہی وسیع ہو چکا تھا۔ تاہم مغل سلطنت کے زوال کی شروعات بھی اورنگ زیب کی حکمرانی میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ راجپوتوں جیسی طاقتور علاقائی قوتوں کے ساتھ اتحاد ٹوٹنے اور دکنی اور ریاستوں اور مراٹھوں کے ساتھ رشتوں کی ناکامی سے مغل سلطنت کے اتحاد اور استحکام کا جھٹکا لگا۔ اس کے جانشینوں کے زیر اقتدار سلطنت کا بکھرنا جاری رہا۔

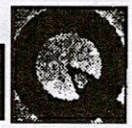

متن پر مبنی سوالات 10.5

1- بیجاپور اور گولکنڈہ کے ساتھ شاہ جہاں نے کن شرائط پر امن قائم کیا؟

2- دکن کے تئیں اورنگ زیب کی پالیسی کیا تھی؟

3- شواجی کی تاجپوشی کہاں ہوئی تھی؟۔ اس نے کیا لقب اختیار کیا تھا؟

4- کون سے مغل حکمراں نے شمال مغربی سرحد تصادم میں کافی جان مال گنوائی تھی؟



مغل حکومت کا قیام



آپ نے کیا سیکھا

نوٹس

دہلی سلطنت کے بکھراؤ کے بعد بابر 1526 میں ہندوستان میں مغل سلطنت قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ مرکزی ایشیا اور ہندوستان دونوں جگہ کی صورتحال نے مغل سلطنت کی بنیاد رکھنے میں ایک اہم کردار نبھایا۔ اس سے پہلے کہ بابر مغل سلطنت کی بنیاد رکھ سکتا، اسے مقامی حکمراں مملکتوں کے ساتھ کئی جنگیں لڑنی پڑی تھیں، اس نے 1526 میں پانی پت میں ابراہیم لودی کو ہرادیا۔ اس کے بعد اس نے 1527 میں شمالی ہند میں رانا سانگا کی ایک بہت بڑی فوج کو بھی ہرادیا۔ 1530 میں بابر کی موت کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں جانشین ہوا۔ جب وہ گجرات میں الجھا ہوا تھا، شیر شاہ نے بہار اور بنگال میں خود کو مستحکم کرنے کی شروعات کی اور آگرے کی طرف بڑھا۔ ہمایوں 1540 میں قنوج کی جنگ ہار گیا اور شیر شاہ دوسری افغان سلطنت قائم کرنے میں کامیاب رہا جو 1540 میں قنوج کی جنگ ہار گیا۔ اور شیر شاہ دوسری افغان سلطنت قائم کرنے میں کامیاب رہا جو 1540 تا 1555 جاری رہا۔ تاہم 1555 میں ہمایوں افغانوں سے آگرہ، دہلی اور دیگر کھوئے علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہا اور مغل حکومت دوبارہ قائم کی۔ ہمایوں کی اچانک موت کے بعد اکبر 13 سال کی چھوٹی عمر میں بادشاہ بنا اور بیرام خاں ولی مقرر ہوا۔ اکبر نے شاہی تخت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد توسیع کی پالیسی اپنائی۔ ازدواجی رشتے قائم کرکے یا علاقوں پر حملہ کرکے وہ راجپوت مملکتوں کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ وہ گجرات، بہار، بنگال، پنجاب اور پورے شمال مغرب کو مغلوں کے زیر اقتدار لے آیا۔ اس نے دکن کے احمد نگر، برار، برہان پور، اسیر گڑھ وغیرہ کا الحاق کیا۔ جہانگیر نے دکن میں توسیعی پالیسی اپنائی۔ لیکن وہ یہاں زیادہ کامیاب نہیں ہوا اور کچھ علاقے گنوادیے۔ 1636 میں شاہ جہاں بیجا پور اور گولکنڈہ کا اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ اورنگ زیب نے بھی دکن اور باقی حصوں میں جارحانہ پالیسی اختیار کی اور اپنے زیادہ تر دور حکومت میں مراٹھوں کے ساتھ جنگ میں الجھا رہا۔ اورنگ زیب کے ماتحت مغل سلطنت اپنی عظیم علاقائی حدوں تک پہنچ چکا تھا۔ درحقیقت اورنگ زیب کے ماتحت مغل سلطنت کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ راجپوتوں اور مراٹھوں جیسی علاقائی طاقتوں کے ساتھ اتحاد اب ٹوٹ چکا تھا۔



نوٹس

اختتامی سوالات

1- بابر کے ماتحت ہندوستان میں مغل حکمرانی کے قیام کے بارے میں تحریر کیجئے۔

2- اکبر کا ولی کون تھا؟ اکبر کے حکمرانی کے ابتدائی سالوں میں ہندوستان میں بڑی سیاسی طاقتیں کون سی تھیں؟

3- دکن میں اکبر نے مغل بالا دستی کس طرح قائم کی؟

4- راجپوتوں کے تئیں اورنگ زیب کی پالیسی اکبر سے کس طرح مختلف تھی؟

5- اورنگ زیب نے مراٹھوں کا کس طرح سامنا کیا!

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

10.1

1- بابر نے ہندوستان پر حملہ اس لیے کیا کیونکہ وہ مرکزی ایشیا میں مشکل صورت حال کا سامنا کر رہا تھا۔ ہندوستان میں غیر مستحکم سیاسی صورت حال نے اہم کردار نبھایا۔

2- بابر نے جنگ کے رومی (عثمانی) طریقے کا موثر طور پر اطلاق کیا تھا۔

3- بابر کو درپیش مسائل یہ تھے۔

(a) اس کے امراء اور کمانڈر مرکزی ایشیا واپس جانے کے خواہش مند تھے؟

(b) راجپوت رانا سانگا کی قیادت میں جمع ہوئے تھے۔

4- رانا سانگا اور میدنی رائے

10.2

1- ہمایوں شیر شاہ کو ہرانے میں ناکام رہا، کیونکہ اس کے بھائی ہندال مرزا نے جس کے پاس فوج کے لیے رسد فراہم کرنے کی ذمہ داری تھی، اپنی آزادی کا اعلان کیا۔

2- شیر خاں ایک عظیم تدبیر ساز اور اہل فوجی کمانڈر تھا۔ ہمایوں کو شکست دینے کے بعد وہ افغانوں کے قائد کے طور پر ابھرا۔

3- (a) مالوہ



(b) راجپوتانہ

(c) سندھ

(d) پنجاب

(e) بنگال

4- (a) اس نے سرکار اور پرگنہ سطح پر مقامی انتظامیہ کو زیادہ کارگزار بنایا

(b) اس نے جی ٹی روڈ بنوائی

10.3

1- اکبر نے بیرم خاں کو ہٹایا کیونکہ اس نے پورا اقتدار اختیار کر رکھا تھا اور آزادنہ برتاؤ کرتا تھا۔

2- راجپوت، افغان، احمد نگر، کابل اور قندھار

3- میواڑ کا مہارانا پرتاپ

4- چاند بی بی، احمد نگر

10.4

1- ملک امبر

2- بیجاپور اور گولکنڈہ

3- میر جملہ

4- مراٹھا

10.5

1- بیجاپور اور گولکنڈہ نے مغل حکم فرمائی قبول کی اور سالانہ خراج کی ادائیگی پر متفق ہوا۔

2- اورنگ زیب نے جارحانہ پالیسی اختیار کی اور تصادم میں الجھا رہا۔

3- رائے گڑھ، چھترپتی

4- شاہ جہاں

اختتامی سوالات کے لیے اشارے

1- سیکشن 10.1 پیرا 4 اور 5 سے رجوع کریں



نوٹس

-2 بیرم خاں اکبر کے تحت 10.4 سیکشن سے رجوع کریں

-3 سیکشن 10.4 (دکن) سے رجوع کریں

-4 سیکشن 10.5 (راجپوت) سے رجوع کریں

-5 سیکشن 10.5 (مراٹھا) سے رجوع کریں



نوٹس

11

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک ہندوستان میں علاقائی ریاستوں کا ظہور

اس وقت ہندوستان میں اٹھائیس ریاستیں ہیں۔ ان میں سے ہر ریاست کی ایک مخصوص زبان، جغرافیہ، غذا اور ثقافت ہے۔ یہ ہندوستان کی ثقافت کو خوشحال، متنوع اور گوناگوں سے بھرپور بناتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ ان مختلف ریاستوں اور علاقائی ثقافتوں کو کیسے فروغ حاصل ہوا؟ کیا یہ عہد عتیق کی ریاستوں کی طرح ہی ہیں؟ جب ہم تاریخ کو کھنگالتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ یہ ریاستیں مختلف شکلوں میں موجود تھیں اور مختلف ادوار میں تبدیلی کے ایک مسلسل عمل سے گزری ہیں۔

اس سبق میں، آپ ان مختلف ریاستوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے جن کا وجود بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک قائم تھا۔ اس دور کی بعض علاقائی ریاستیں آج ایک اکیلی ریاست کا ایک جزو ہیں۔ مثال کے لیے جے پور، جودھپور اور ادے پور جو عہد وسطیٰ میں آزاد علاقائی ریاستوں کی حیثیت سے موجود تھیں اب یہ سبھی ریاست راجستھان کے اضلاع ہیں۔ مثال کے طور پر وجے نگر سلطنت (1336 تا 1556 عیسوی) اب کرناٹک، آندھرا پردیش اور تملناڈ کی جدید ریاستوں کا ایک حصہ ہے۔ کچھ ایسی علاقائی ریاستیں ہیں جن کا وہی نام تھا جو آج جدید ریاستوں کا ہے لیکن رقبے کے لحاظ سے مختلف تھیں۔ مثال کے لیے گجرات، بنگال، کشمیر اور اڑیسہ کی موجودہ ریاستیں اس نام سے بارہویں اور اٹھارہویں صدی میں موجود تھیں لیکن آج ان کا متعلقہ جغرافیہ بارہویں اور اٹھارہویں صدی کے درمیان کے دور کے جغرافیہ سے مختلف ہے۔

مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ:



نوٹس

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک ہندوستان میں علاقائی ریاستوں کا ظہور

- بارہویں تا اٹھارہویں صدی کی مختلف علاقائی ریاستوں کا مختصراً بیان کرسکیں گے؛
- اصطلاح علاقائی ریاست کے معنی سمجھ سکیں گے؛
- علاقائی ریاستوں اور دہلی سلطنت اور مغل سلطنت کے درمیان رشتوں کی نوعیت سمجھ سکیں گے؛
- خود مختلف علاقائی ریاستوں کے درمیان رشتوں کو جان سکیں گے؛
- ان علاقائی ریاستوں کے سیاسی تصورات اور تنظیموں کے بارے میں بیان کرسکیں گے؛
- علاقائی ریاستوں کے معاشی اور ثقافتی حالات کو واضح کرسکیں گے؛
- اس زمانے کے بعض ابتدائی ذرائع یا دستاویزات کو درج فہرست کرسکیں گے جن سے ہمیں علاقائی ریاستوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے۔
- ایک چھوٹے سے سبق میں سبھی علاقائی ریاستوں کی روداد فراہم کرنا بہت مشکل ہے صرف ان میں سے کچھ کو ہی مطالع کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ یہ درج ذیل ہیں۔

1- ہم شمالی ہندوستان کی دو علاقائی ریاستوں پر نظر ڈالیں گے جن میں ایک جونپور ہے جو آج اتر پردیش میں ہے اور دوسری ریاست کشمیر ہے۔

2- جنوبی ہندوستان سے ہم وجے نگر اور بہمنی مملکت کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ وجے نگر سلطنت کو کرناٹک، آندھرا پردیش اور تملناڈ کی حالیہ ریاستوں میں دریافت کیا جاسکتا ہے اور بہمنی مملکت کو کرناٹک آندھرا پردیش اور مہاراشٹر میں دریافت کیا جاسکتا ہے۔

3- گجرات اور مراٹھا کا مطالعہ ہم مغربی ہندوستان کے تعلق سے کریں گے۔ گجرات اسی نام سے اس وقت بھی موجود تھا اور مراٹھوں کا اقتدار آج کے مہاراشٹر، تملناڈ اور ہندوستان کے بعض دیگر حصوں پر قائم تھا۔

4- آخر میں مشرقی ہندوستان سے ہم بنگال کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے۔

11.1 علاقائی ریاست کی اصطلاح اور علاقائیت کو سمجھنا

ہندوستان کی تاریخ میں علاقائیت اور علاقائی ریاستوں کا ایک مسلسل ارتقا اور فروغ ہوتا رہا ہے۔ علاقائی ریاستوں کے عروج کی وضاحت کوئی کس طرح کرتا ہے؟ ابتدائی عہد وسطیٰ یعنی ساتویں صدی سے ستر ہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی تک زراعت اور زرعی سرگرمیوں نے علاقائی ریاستوں کے فروغ میں نہایت اہم کردار نبھایا ہے۔ ان سے نہ صرف آبادی کا پیٹ بھرتا تھا بلکہ پیداوار بھی اتنی زیادہ ہوچکی تھی کہ انہیں فروخت کیا جاسکتا تھا اور دولت پیدا کی جاسکتی تھی۔ خشکی اور بحری تجارت اور تجارتی سرگرمیوں نے بھی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ فراہم کیا۔ سماج میں ان طاقتور طبقات کا عروج بھی دیکھا جا



نوٹس

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک ہندوستان میں علاقائی ریاستوں کا ظہور

سکتا ہے جو زرعی فاضل پیداوار پر قابض ہوا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اس طاقتور طبقے کے کچھ لوگوں نے خود کو جتایا اور منوایا اور سیاسی قوت حاصل کر لی اور راجہ بن گئے اور شاہی خاندانی سلسلے کی شروعات کی۔ یہاں سے ریاستوں کی بنیاد پڑی۔ کبھی کبھی ایسا ہوا کہ کچھ گروپ باہر سے آئے اور زمین پر فتح حاصل کی اور انتظامیہ پر کنٹرول کیا اور طاقتور بن گئے۔

یہ صحیح ہے کہ علاقائی ریاستوں کی ایک بڑی تعداد تیرہویں صدی عیسوی کے بعد دہلی سلطنت کی اندرونی کمزوریوں کے سبب ابھری۔ اسی طرح مغل سلطنت کے زوال کے ساتھ اٹھارہویں صدی عیسوی میں بھی کچھ اہم ریاستوں کا ظہور ہوا۔ لیکن ان سبھی ریاستوں کی ایک علاقائی تاریخ تھی جو سلطنت اور مغل ریاست دونوں سے پیشتر موجود تھی۔ مثال کے طور پر پالوں کے ماتحت آٹھویں اور نویں صدی میں اور سیناؤں کے ماتحت بارہویں صدی میں بنگال ایک اہم مملکت تھی۔ یہ تیرہویں اور پندرہویں صدی میں ایک اہم آزاد ریاست تھی اور اٹھارہویں صدی میں بھی ایک طاقتور مملکت بن گئی تھی۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ دہلی سلطنت اور مغل سلطنت نے متعدد اور مختلف ثقافتی علاقوں پر حکمرانی کی تھی۔ یہاں تک کہ وجے نگر ریاست نے بھی مختلف ثقافتی علاقوں پر حکمرانی کی تھی۔ اس لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ علاقائیت کبھی ختم نہیں ہوتی گو کہ علاقائی شاہی خاندان اقتدار میں آئے اور ان کا زوال ہوا اور ان علاقوں کی جغرافیائی سرحدوں میں تبدیلی واقع ہوئی۔

یہ علاقائیت کیا ہے؟ علاقائی حکمراں خاندانی سلسلوں جیسی سیاسی خصوصیات کے علاوہ علاقائیت کی کچھ دوسری اہم خصوصیات بھی ہیں۔ جن کا ان علاقائی ریاستوں میں مختلف دور سے گزرتے ہوئے فروغ، ارتقا ہوا ہے اور تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں۔ علاقائیت کی کچھ خصوصیات درج ذیل ہیں۔

1- ایک اہم پہلو زبان ہے۔ مثال کے لیے اڑیہ، گجراتی، بنگالی، تمل، تیلگو، کنڑ اور مراٹھی وغیرہ ہندوستانی زبانیں ہیں جو ہندوستان کے مختلف خطوں میں بولی جاتی ہیں جنہیں علاقائی زبانوں کے طور پر بولا جاتا ہے۔ ان زبانوں کا ارتقا ابتدائی عہد وسطیٰ اور عہد وسطیٰ میں ہوا تھا اور ان کا تعلق مخصوص خطوں سے تھا۔ حالانکہ زبانوں کا وجود کسی نہ شکل میں تھا، حتیٰ کہ اس سے پہلے ہی یہ موجود تھیں لیکن بالخصوص گیارہویں اور بارہویں صدی سے ہی علاقائی زبانوں کا استعمال سرکاری دستاویزوں میں کیا جانے لگا۔ ادبی تخلیقات اور مقامی ادب ان زبانوں میں لکھا جانے لگا۔ عہد وسطیٰ میں علاقائی زبانون کے استعمال کے ساتھ ساتھ سنسکرت کا بھی استعمال تدریسی متون میں کیا جاتا تھا۔ تاہم دہلی سلطنت اور مغل سلطنت اور بعض علاقائی ریاستوں کی سرکاری دستاویزات کی خاصی تعداد فارسی میں لکھی گئی تھی۔

2- دوسری اہم خصوصیت مقامی علاقائی مسالک اور مذہبی وابستگیوں کی موجودگی ہے۔ مثال کے لیے،



نوٹس

اڑیسہ میں جگنتا تھ کا مسلک اڑیسہ کے لیے علاقائی تھا۔ یہ ریاست کا مسلک بن گیا، جس کی بنا پر حکمرانوں نے اسے اپنایا، اس کے لیے ایک بہت بڑا مندر بنایا گیا اورس کے آس پاس ہر سال تہوار منایا جانے لگا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ جگنتا تھ ایک قبائلی دیوتا تھے جن کی مقبولیت کے سبب حکمرانوں نے اسے ریاستی مسلک کے طور پر اپنایا۔ اگلے سیکشن میں، ہم ریاستوں اور مذہب کے درمیان رشتوں کے بارے میں مزید تفصیل بیان کریں گے۔ علاقوں میں بڑی تعداد میں فرقوں اور بھکتی مذہب کو فروغ حاصل ہوا۔ مثال کے لیے، نام دیو، ریداس، تکارام، گرونانک علا قائی ریاستوں میں بسے ہوئے تھے۔ مذاہب کے اپنے خود کے اساطیر، حکایتیں، تشریحات اور مذہبی رواج وچلن ہوتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ شمالی ہندوستان میں شیو اور پاروتی کے بیٹے کا رتکیہ کنوارے ہیں جبکہ تمل خطے میں ان کے دو بیویاں، دیو یانی اور ولّی مانی جاتی ہیں؟ ہر خطے کے مختلف دیوی اور دیوتا، مندر اور مسجد کے مختلف طرز تعمیر تھے، دلچسپ بات یہ ہے، ان علا قائی اختلاف کے باوجود، جہاں ہر روایت ایک خطے کے لیے مخصوص تھی وہیں علاقائی ریاستوں میں یکسانیت بھی تھی۔ سنت، فقیر اور پجاری و پروہت ایک خطے سے دوسرے خطے تک نقل وطن کیا کرتے تھے۔ مثال کے لیے صوفی فقیر گیسو دراز (1321 تا 1422) چشتی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے جو دہلی میں قائم ہوا تھا۔ وہ دہلی سے دکن کے دولت آباد میں 1328 میں منتقل ہوئے جب وہ بچے تھے۔ 1335 عیسوی میں سات سال کے بعد وہ دہلی واپس آئے اور انہوں نے ترسٹھ سال یہاں قیام کیا۔ چودھویں صدی کے آخر میں، 1398 میں جب مغربی ایشیا کے ایک ترکی حملہ آور نے دہلی پر حملہ کیا، گیسو دراز دکن واپس چلے گئے۔

3- علاقائی ریاستیں کوئی الگ تھلگ علاقے نہیں تھیں، ریاستوں کے درمیان مذہبی بین عمل یا رابطوں کے علاوہ تجارت اور کامرس کے ذریعہ باہمی روابط وعمل کا ایک پورا جال تھا اور ایک خطے سے دوسرے خطے تک فنکاروں کی بھی نقل مکانی ہوئی۔ مثال کے لیے، پندرہویں صدی میں، ریشمی کپڑوں کے بنکر پٹانولکروں نے گجرات خطے سے وجے نگر ریاست کو ہجرت کی۔ اس کے علاوہ افریقیوں اور ایرانیوں نے بھی وجے نگر اور بہمنی مملکتوں میں ہجرت کی۔

4- ایک اور خصوصیت مقامی اور علاقائی مکاتب فن کا فروغ ہے جیسا کہ بہار، بنگال، آسام، وسطی ہندوستان اور راجستھان وغیرہ میں ہوا۔ علاقائی شناختوں کی تشکیل ان عمل کاری کے نتیجے میں واقع ہوئی تھی اور یہاں جو تبدیلیاں ہوئیں اور ان کا وجود عہد عتیق سے نہیں تھا۔ مختلف علاقائی شاہی خاندانی سلسلوں نے فن، ثقافت، ادب اور فن تعمیر کی سرپرستی کی۔

اس طرح، متعدد ریاستوں کی موجودگی کسی انتشار اور الجھن کی دلالت نہیں کرتی۔ ان ریاستوں

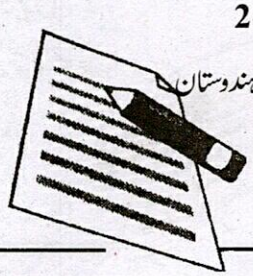

نوٹس

میں خود آپس میں جنگیں ہوئیں لیکن اپنے متعلقہ خطوں میں استحکام بھی فراہم کیا۔ جیسا کہ اوپر بحث کی گئی ہے کہ ان کی اپنی خود کی ایک فعال ثقافت تھی۔ علاقائی ریاستیں، تعمیر اور سیاسی ثقافت کے میدان میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئیں۔ مثال کے لیے، ابتدائی وجے نگر حکمراں خود کو ہندوسُورتن کہتے تھے جس کا مطلب تھا ہندو سلطان، یہ اصطلاح دہلی سلطنت سے اپنائی گئی تھی۔ اس طرح دہلی سلطنت کے اقطاع داری نظام کا بھی وجے نگر اور بہمنی مملکتوں کے انتظامی نظاموں پر اثر پڑا۔

علاقائی ریاستوں اور دہلی سلطنت اور مغل سلطنت جیسی سلطنتوں کے درمیان کیا فرق ہے؟۔

زبان اور ثقافت کی اوپر مذکورہ خصوصیات جو کسی ایک علاقے کے لیے مخصوص تھیں، ان ریاستوں کے سیاسی اور فوجی تصورات علاقائی سرحدوں تک محدود تھے۔



متن پر مبنی سوالات 11.1

1- ہندوستان میں علاقائیت کی کوئی چار خصوصیات درج فہرست کیجئے۔

2- ان علاقائی مکاتب فن کا نام بتایئے جنہیں عہد وسطیٰ میں فروغ حاصل ہوا تھا۔

3- عہد وسطیٰ میں ہندوستان کے علاقوں میں کون سے بھکتی مذاہب کو فروغ حاصل ہوا تھا؟۔

11.2 علاقائی ریاستوں کا ظہور: ایک عام تاریخ

آپ نے اب تک کے اسباق میں ساتویں سے تیرہویں صدی تک کی علاقائی ریاستوں کے بارے میں مطالعہ کیا ہے۔ ان ریاستوں کے ساتھ کیا واقع ہوا؟ کیا یہ عہد وسطیٰ کی ہندوستانی سیاست سے پوری طرح ختم ہوگئیں؟ تیرہویں صدی کے بعد ان علاقائی ریاستوں کی ایک بڑی تعداد کا وجود قائم رہا لیکن حکمراں خاندانی سلسلے اور ان ریاستوں کے جغرافیائی حالات بدل گئے۔ اس سیکشن میں آپ تیرہویں سے اٹھارہویں صدی تک کی علاقائی ریاستوں کا ایک عمومی جائزہ لیں گے۔

دہلی سلطنت میں بنگال، بہار، گجرات، مالوہ، راجستھان کی مختلف راجپوت ریاستوں جیسے رن تھمبور، جالور، ناگور، اجمیر، وارنگل، تلنگانہ کی دکن ریاستوں، ویوگیر کے بادووں دوارسمدر کے ہوئسالوں کی جنوبی ریاستوں، مدورائی کی پانڈیہ ریاستوں وغیرہ کے اطلاق کے نتیجے میں اس کی توسیع ہوئی۔ ہم



نوٹس

نے علاء الدین خلجی کی مختلف جنگی مہموں اور محمد بن تغلق کے دور میں دہلی سے دولت آباد (دکن) میں راجدھانی کی منتقلی کے بارے میں پہلے مطالعہ کیا ہے۔

یہ وہ ریاستیں ہیں جو سلطنت کے ساتھ ملحق کی گئی تھیں انہیں مختلف صوبوں کی شکل دے دی گئی اور انہیں صوبائی گورنروں کے انتظامیہ کے ماتحت رکھا گیا۔ تیرہویں صدی میں دہلی سلطنت کے قیام سے لے کر پندرہویں صدی میں اس کے زوال تک صوبوں کے درمیان ایک مستقل بین عمل جاری رہا۔ یہ صوبے کبھی آزاد ریاستیں تھے اور اب ان کا مرکز دہلی تھا۔ تاہم، ان علاقوں کے باغیوں پر پوری طرح کبھی قابو نہیں پایا گیا۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ شہزادے کی حیثیت سے محمد بن تغلق نے دکن، اڑیسہ اور بنگال میں باغیوں کو کچلنے میں اپنا پورا وقت لگا دیا اگر چہ یہ خطے اب دہلی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے لیکن زبان، فن وادب اور مذہب کی علاقائی خصوصیات بنی رہیں۔ درحقیقت جب اسلام یہاں پہنچا تو اس نے ایک علاقائی رنگ اختیار کرلیا۔ ان ریاستوں میں مسلم تاجروں کی بستیاں قائم تھیں اور فوج میں مسلمان ملازمت بھی کرتے تھے۔ اگر چہ علاقائی حکمراں خانوادہ شاید ہی کوئی رہا ہو لیکن سلطنت کے صوبائی گورنر وں نے مقامی راجاؤں اور زمینداروں کے ساتھ اتحاد کر کے اپنی آزادی کا دعویٰ کیا۔ دہلی سلطنت کے زوال کے وقت یعنی چودھویں صدی کے بعد وجود میں آنے والی زیادہ تر علاقائی ریاستیں گورنروں کی بغاوت کا نتیجہ تھیں۔ وجے نگر اور بہمنی ریاستیں علی الترتیب ہری ہر اور بکا اور علاالدین حسن بہمن شاہ جیسے صوبائی عہدیداروں کی بغاوت کے نتیجے میں قائم ہوئی تھیں۔ اسی دوران مشرق میں بنگال اور مغرب میں ملتان اور سندھ آزاد ہو گئے، فیروز شاہ تغلق نے کھوئے ہوئے علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس نے بنگال پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے جاج (اڑیسہ) پر حملہ کیا اور لوٹ پاٹ کی لیکن اسے ملحق نہیں کر سکا۔ اس نے کانگڑہ میں لوٹ پاٹ کی اور گجرات اور تھاٹا میں بغاوتوں کو کچلا۔

1338 میں فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد سلطنت کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، مقامی گورنروں کی ایک بڑی تعداد طاقتور بن چکی تھی اور انہوں نے صوبوں میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ سلطان اور امراء کے درمیان رشتوں میں ابتری پیدا ہوئی۔ حکمرانوں اور زمینداروں کے ساتھ تصادم اور علاقائی اور جغرافیائی تناؤ نے سلطنت کو مزید کمزور بنا دیا۔ زوال پذیر سلطنت کو آخری دھچکا 1398 عیسوی میں تیمور کے حملوں سے لگا۔ تیمور ایک ترک تھا جو وسط ایشیا سے ہندوستان کی دولت لوٹنے آیا تھا۔ تیمور دہلی میں داخل ہوا اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا بے دردی سے قتل عام کیا۔ عورتوں اور بچوں کا بھی قتل عام کیا۔

دہلی میں تیمور کے حملے کے پندرہ سال بعد دہلی سلطنت پوری طرح کمزور ہو گئی۔ گجرات، مالوہ اور



نوٹس

وارانسی کے قریب جونپور میں سلطنت طاقتور علاقائی مملکت کے طور پر ابھری۔ گجرات اور جونپور دہلی سلطنت (1451 تا 1526 عیسوی) کے لودیوں کے ساتھ مستقل تناتنی میں مبتلا رہے۔ دہلی سلطنت سے آزاد ہوئی نئی علاقائی ریاستیں مرکزی اور جنوبی ہندوستان میں بھی عروج میں آئیں۔ ان میں کچھ خاص اڑیسہ کے گجپتی، بہمنی اور وجے نگر مملکت تھیں۔ بہلول لودھی (1451 تا 1485) اور سکندر لودھی (1489 تا 1526) جیسے لودھی سلطانوں نے ان علاقائی مملکتوں کو کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کی، ابراہیم لودھی کی حکمرانی (1517 تا 1526) کے دوران بہار نے اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ پنجاب کے گورنر دولت خاں نے بغاوت کی اور 1526 میں ہندوستان پر حملے کے لیے بابر کو مدعو کیا۔ 1526 عیسوی میں مغل سلطنت کے قیام اور بعد کے دور میں اس کی توسیع کے ساتھ علاقائی ریاستوں میں حکمراں خاندانی سلسلے دھیرے دھیرے اپنی طاقت کھوتے گئے اور یہ ریاستیں آگے چل کر مغل سلطنت کا حصہ بن گئیں۔ لیکن زبان، فن، ادب اور مذہب کی علاقائی خصوصیات تبدیلیوں کے ساتھ جاری رہیں۔ اٹھارہویں صدی میں مغلوں کے زوال کے ساتھ صوبائی گورنروں کی بغاوتیں ہوئیں اور کچھ ملحقہ ریاستوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ نتیجتاً نئی علاقائی مملکتیں وجود میں آئیں، مثال کے طور پر پنجاب، بنگال، اودھ، حیدر آباد، میسور اور مراٹھا۔



متن پر مبنی سوالات 11.2

1- دہلی سلطنت کا زوال کب شروع ہوا تھا؟

_____

2- ابراہیم لودھی کی حکمرانی کے دوران کن دو ریاستوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا؟

_____

علاقائی ریاستوں کی تاریخ: کچھ ریاستوں کا مطالعہ

11.3 جونپور

جونپور اب گومتی ندی کے کنارے مشرقی اتر پردیش میں وارانسی ڈویژن میں واقع ہے۔ دہلی سلطنت کے مشرقی حصے میں ایک خوشحال صوبہ تھا۔ ملک سرور جونپور کا گورنر تھا۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں یہ ایک ممتاز امیر تھا۔ 1394 میں سلطان نصیر الدین محمد شاہ تغلق نے اسے وزیر بنایا اور سلطان شرق کا خطاب دیا جس کا مطلب ہے مشرق کا سلطان، اس کے بعد اسے ملک سرور سلطان الشرق کے

طور پر جانا جاتا تھا۔ تیمور کے حملے اور دہلی سلطنت کے کمزور ہونے کے بعد ملک سرور نے کمزور سیاسی صورت حال کا فائدہ اٹھایا اور خود کے آزاد ہونے کا اعلان کر دیا۔ ملک سرور کے بعد اس کا بیٹا مبارک شاہ شرقی تخت نشیں ہوا۔ سلطان نے سکوں پر اپنا نام کھدوایا اس کے دور میں دہلی سلطنت کا سلطان محمد شاہ تغلق تھا جس نے جونپور کو ملحق کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس کے بعد جونپور کے مختلف حکمرانوں اور دہلی سلطنت کے درمیان مستقل تناتنی رہی۔ مشرقی سلطانوں نے دہلی پر فتح حاصل کرنے کی متعدد کوششیں کیں لیکن وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ 1402 عیسوی میں مبارک شاہ کا بھائی ابراہیم شاہ شرقی سلطان بنا اور جون پور پر چونتیس سال تک حکمرانی کی۔ ابراہیم دانش ور بھی تھا اور اسلامی دینیات اور قانون، موسیقی اور فنون لطیفہ میں ماہر تھا۔ وہ تعمیرات کا ایک عظیم سرپرست تھا۔ ایک منفرد طرز تعمیر کا ارتقا اس دور میں ہوا جسے شرقی طرز کہا جاتا ہے جس پر کچھ ہندو اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ اپنے انتہائی عروج میں شرقی سلطنت مغربی اتر پردیش میں علی گڑھ سے لے کر شمالی بہار میں دربھنگہ تک اور شمال میں نیپال اور جنوب میں بندیل کھنڈ تک پھیلی ہوئی تھی۔ حسین شاہ شرقی کے دور (1458 تا 1505) میں بہلول لودی کے ساتھ ایک طویل ترین جنگ کی شروعات ہوئی۔ لودھی نے 1484 میں جونپور پر حملہ کیا اور حسین شاہ کو بھاگنا پڑا۔ آخر کار بہلول لودھی کے بعد تخت نشیں ہونے والے سکندر لودھی نے جونپور کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ حسین شاہ کی موت واقع ہوئی اور شرقی خاندان کا خاتمہ ہوا۔

11.4 کشمیر

کشمیر ہندوستان کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ گیارہویں صدی میں حکمراں شیوازم کے پیروکار تھے اور شیوازم کشمیر میں مرکزی مذہب تھا۔ یہ ایک بند مملکت تھی۔ عرب سیاح البرونی نے جس نے اس دور میں ہندوستان کا دورہ کیا تھا اپنی تخلیق الہند میں اس پر تبصرہ کیا ہے کہ کشمیر میں آنے کی کسی کو بھی بلکہ باہر کے ہندوؤں کو بھی اجازت نہیں تھی۔ 1320 میں کشمیر کا شاہی خانوادہ تباہ کن منگول حملوں پر قابو پانے میں ناکام رہا۔ لہٰذا عوامی حمایت سے اسے محرومی اختیار کرنی پڑی۔ 1339 میں شمس الدین شاہ نے شیو حکمراں کو معزول کر دیا اور کشمیر کا حکمراں بن گیا۔ اس دور سے اسلام کشمیری سماج پر اثر انداز ہوا۔ صوفی فقیروں کے ایک گروپ نے جنہیں رشی کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس مذہب کی تبلیغ کی جس میں ہندوازم اور اسلام کی مشترکہ خصوصیات تھیں، صوفی فقیر اور مرکزی ایشیا سے نقل مکانی کرنے والے مہاجرین سماج اور مذہب پر مزید اثر انداز ہوئے۔ دھیرے دھیرے آبادی کے غریب ترین طبقے نے مذہب اسلام اختیار کرنے کی شروعات کی۔ ریاست کے ذریعہ مذہب اسلام کی اس وقت حوصلہ افزائی ہوئی جب سکندر شاہ (1389 تا 1413) نے ایک حکم جاری کیا کہ اس کی مملکت میں رہنے والے سبھی ہندو خاص طور پر



نوٹس

برہمنوں کو اسلام قبول کر لینا چاہیے یا انھیں اس کی مملکت چھوڑ دینی چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ احکامات سلطان کے وزیر سوہا بھٹ جو ایک ہندو تھا اور حال ہی میں اسلام میں داخل ہوا تھا کی صلاح پر جاری کیے گئے تھے۔

کشمیر کا ایک عظیم حکمراں زین العابدین (1420 تا 1470) تھا۔ وہ ایک روشن خیال حکمراں تھا۔ اس نے ان ہندوؤں کو واپس بلایا جو سکندر شاہ کے احکامات کی بنا پر ریاست چھوڑ چکے تھے۔ اس نے جزیہ ختم کر دیا اور گاؤکشی کو ممنوع قرار دیا اور ہندوؤں کو ریاست کے اہم عہدوں پر تعینات کیا۔ بڑی تعداد میں مندروں کی مرمت کرائی اور نئے مناور تعمیر کرائے گئے۔ مغل بادشاہ اکبر کے درباری مورخ ابو الفضل نے تحریر کیا ہے کہ کشمیر میں ایک سو پچاس بڑے مندر تھے۔ سلطان زین العابدین نے جموں کے ہندو راجہ کے بیٹی کے ساتھ شادی کی۔ کچھ دانش ور زین العابدین کو کشمیر کا اکبر کہتے ہیں۔ اس کی حکومت میں کشمیر خوشحال ہوا۔ اسے بڈشاہ یا کشمیریوں کا عظیم بادشاہ کہا جاتا تھا۔

باندھ اور نہریں تعمیر کر کے سلطان کشمیر کی زرعی ترقی میں معاون رہا۔ زرعی ریکارڈ رکھے گئے۔ قحط سالی اور قدرتی آفات کے زمانے میں قرضوں اور اناجوں اور چاروں کے طور پر کسانوں کو راحت پہنچائی جاتی تھی۔ سلطان نے کرنسی میں بھی اصلاحات کی۔ اس نے بازار کنٹرول اور اشیاء کی مقررہ قیمتوں کی شروعات کی۔ تاجروں اور کاروباریوں سے بھی کہا گیا کہ وہ مقررہ قیمتوں پر اشیاء فروخت کریں۔ سلطان نے ریاست میں کمیاب اشیاء کی درآمد پر بھی رعایت دی۔ نمک کی قلت دور کرنے کے لیے اس نے لدّاخ سے نمک درآمد کیا اور ہر ممکن طریقے سے تاجروں کی مدد کی۔

سلطان نے دستکاری کے فروغ پر بھی دھیان دیا۔ کاغذ بنانے اور کتابوں کی جلد بندی کی تربیت کے لیے اس نے کچھ لوگوں کو سمرقند بھیجا۔ سلطان نے سنگ تراشی اور پالش سازی اور دیگر متعدد دستکاریوں کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ اس نے قالین سازی اور شال بنانے کے کام کو متعارف کیا جس میں کشمیر آج بھی مشہور ہے۔ سلطان نے زین گر، زین کیٹ اور زین پور کے قصبوں کی بنیاد بھی رکھی اور ڈل جھیل پر جزیرے قائم کیے جسے آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کی خاص انجینئرنگ کی خاص کامیابی زین لنکا تھی یہ ایک مصنوعی جزیرہ تھا جو وولر جھیل پر تعمیر کیا گیا تھا جس میں اس نے اپنا محل اور مسجد بنائی۔

وہ فارسی، سنسکرت، تبّتی اور عرب زبانوں کا زبردست ماہر تھا اور اس نے سنسکرت اور فارسی دانش وروں کی سرپرستی کی۔ اس کی سرپرستی میں مہا بھارت اور کلہن کی راج ترنگنی کا فارسی میں ترجمہ کرایا گیا اور بہت سی فارسی اور عربی تخلیقات کا ہندی میں ترجمہ کیا گیا۔ وہ خود ایک شاعر تھا اور قطب، کے تخلص سے شاعری کرتا تھا۔

اس کے بعد کشمیر کے تخت پر کمزور حکمراں قابض ہوئے اور یہاں درہم برہم سی صورت حال پیدا

ہوئی۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بابر کے ایک رشتہ دار، مرزا حیدر نے کشمیر پر قبضہ کرلیا۔ 1586 میں اکبر نے کشمیر پر فتح حاصل کی اور اسے مغل سلطنت کا ایک حصہ بنایا۔

11.5 بنگال

آٹھویں صدی میں بنگال پالاؤں اور بارہویں صدی میں سنیاؤں کے ماتحت ایک اہم علا قائی مملکت تھی۔ بنگال دہلی سلطنت کا مشرق ترین صوبہ تھا۔ لمبی دوری، تکلیف دہ آب وہوا اور نقل وحمل اور رسل ورسائل کے کمزور ذرائع کے سبب اس صوبے پر کنٹرول کرنا دہلی سلطنت کے لیے مشکل ہوگیا۔ اس لیے، بنگال کے لیے اپنی آزادی کا اعلان کرنا آسان تھا۔ غیاث الدین تغلق نے تین آزاد انتظامی ڈویزنوں لکھنوتی، ست گاؤں اور سونار گاؤں میں بنگال کو تقسیم کرنے کے ذریعہ اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔ تاہم مسئلہ کا حل نہ نکل سکا اور آخر کار چودھویں صدی میں ایک آزاد علاقائی ریاست کے طور پر بنگال کا ظہور ہوا۔

1342 میں ایک امیر حاجی الیاس خاں نے بنگال کو متحد کیا اور شمس الدین الیاس شاہ کے لقب کے ساتھ اس کا حکمراں بنا اور الیاس شاہ خانوادے کی بنیاد رکھی۔ اس نے بنگال کو ملحق کرنے کی کوشش کی اور اڑیسہ اور ترہٹ پر حملہ کر کے ان کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ اس طرح کی توسیع کے سبب دہلی سلطنت کے حکمراں چوکنے ہو گئے اور انہوں نے بنگال پر قبضہ کرنے کی کئی بار کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ الیاس شاہ خانوادے کا ایک اہم حکمراں غیاث الدین اعظم تھا۔ وہ ایک عالم وفاضل شخص تھا اور اس نے فارسی ادب کو فروغ دیا۔ وہ لوگوں کو آزادانہ اور منصفانہ عدل فراہم کرنے کے لیے زیادہ جانا جاتا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بار اس نے اتفاقیہ طور پر ایک بیوہ کے بیٹے کو ہلاک کر دیا تھا۔ بیوہ نے قاضی کے سامنے مقدمہ دائر کیا جس نے حکمراں کو عدالت میں طلب کرلیا۔ جب مقدمے کا فیصلہ ہوگیا۔ اعظم نے قاضی کو بتایا کہ کیا اگر اس نے اپنے فرائض ایمانداری سے نہ نبھایا ہوتا تو وہ اسے مار دیتا۔ اعظم نے چین کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کیے۔ بنگال اور چین کے درمیان ایک خوشحال تجارتی تعلقات قائم تھے۔ اشیاء کے مبادلے کے لیے چٹا گانگ بندرگاہ ایک اہم مرکز تھا۔ چین کے بادشاہ کے مطالبے پر اعظم نے بنگال سے بدھ بھکشو بھی بھیجے تھے۔ پانڈوا اور گور بنگال کی راجدھانی تھے۔

1538 میں بنگال کو شیر شاہ نے ملحق کرلیا۔ 1586 میں اکبر نے بنگال پر فتح حاصل کی اور اسے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنادیا، بنگال پر مغلوں کے تسلط کے زمانے میں ہی جنوب مشرقی بنگال کے جنگلاتی اور دلدلی علاقوں میں زرعی ترقی کی داغ بیل پڑی۔ اس کے فوری بعد چاول کی کاشت بڑھنے کے سبب مچھواروں اور کاشتکاروں کے مقامی برادریوں کے ساتھ یہ علاقہ زبردست طور پر آباد ہوا۔ مغلوں نے اپنی



راجدھانی ڈھاکہ میں مشرقی ڈیلٹا کے قلب میں قائم کی۔ عہدیداروں اور اہلکاروں نے زمینی عطیات حاصل کیے اور یہیں بس گئے۔ علا والدین حسین شاہ (1439 تا 1519) بنگال کا ایک اور اہم حکمراں تھا۔ وہ اہل ولائق حکمراں تھا۔ اس نے ہندوؤں کو اعلیٰ انتظامی عہدوں سے نوازا اور کہا جاتا ہے کہ وہ چیتنیہ اور ویشنو مسلک کے تئیں احترام کا جذبہ رکھتا تھا۔ اس کا سکندر لودھی کے ساتھ تصادم ہوا اور اس کے ساتھ اس نے امن کا معاہدہ کیا۔

مغلوں کے زمانے میں فارسی انتظامی کام کاج کی زبان تھی اور بنگلہ نے ایک علاقائی زبان کی حیثیت سے خوب ترقی کی۔

11.6 گجرات

یہ ایک زرخیز اور خوشحال صوبہ تھا۔ یہاں پر بندرگاہیں کافی عروج پر تھیں اور یہ صوبہ اپنی دستکاریوں کے لیے بھی مشہور تھا۔ علا والدین خلجی وہ پہلا سلطان تھا جس نے اسے دہلی سلطنت میں ملایا اور اس کے بعد یہ سلطنت کے ترک گورنروں کے ماتحت رہا۔ 1407 میں تیمور کے حملے کے بعد اس وقت کے گورنر ظفر خاں آزاد حکمراں بنا اور کچھ عرصے کے بعد اس نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کیا۔

ظفر خاں کا باپ ایک راجپوت تھا جس نے اپنی بہن کی شادی فیروز شاہ تغلق سے کی تھی۔ احمد شاہ (1411 تا 1441) گجرات کا ایک اہم حکمراں تھا۔ اس نے احمد آباد شہر کی بنیاد رکھی اور 1413 میں اسے اپنی راجدھانی بنایا۔ اس نے جامع مسجد اور تین دروازہ جیسی خوبصورت عمارتیں بنائیں۔ باغوں، محلوں اور بازاروں سے شہر کو سجایا۔ احمد شاہ پر گجرات کی جین تعمیراتی روایتوں کا کافی اثر پڑا۔ وہ ایک موثر منتظم تھا اور اس نے گجرات کی علاقائی ریاست کو مستحکم کیا۔ اس نے راجپوت ریاستوں جھالوار، بوندی اور درگاپور کو مغلوب کیا۔ اسے ایک قدامت پسند مسلم سمجھا جاتا تھا جس نے ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا اور کئی مندروں کو تباہ کیا۔ تاہم، اُس کی تصویر کے اور بھی رُخ تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے ہندوؤں کو اہم انتظامی عہدوں پر مقرر کیا۔ احمد شاہ نے جہاں ہندو حکمرانوں کے خلاف سخت لڑائیاں لڑیں وہیں اسی طرح مسلم حکمرانوں کے ساتھ بھی اس نے جنگیں کیں۔ اس کا خاص دشمن مالوہ کا مسلم حکمراں تھا۔ گجرات اور مالوہ کے درمیان رقابت میں کافی شدت تھی اور اسی لیے یہ دونوں ریاستیں شمالی ہندوستانی سیاست میں بڑی سیاسی حصولیابیوں پر توجہ مبذول کرنے میں ناکام رہیں۔ وہ اپنے انصاف کے لیے مشہور تھا۔ اس نے اپنے داماد کو عوامی جگہ پر پھانسی پر لٹکا دیا تھا کیونکہ اس نے ایک معصوم کا قتل کیا تھا۔ میرات احمدی کے مصنف نے بجا طور پر تحریر کیا ہے کہ اس انصاف کا اثر اس کے پورے دور حکومت میں بنا رہا۔

گجرات کا شاید سب سے اہم حکمراں محمود بے گڑھا تھا۔ اسے محمود بے گڑھا اس لیے کہا جاتا تھا کہ

اس نے دو مضبوط قلعوں (گڑھ)، سوراشٹر میں گرنار (جونا گڑھ) اور جنوبی گجرات میں راجپوتوں سے چمپانیر قلعہ فتح کیا ہے۔ دونوں قلعے دفاعی اہمیت کے حامل تھے۔ گرنار کا قلعہ خوشحال سوراشٹر خطے میں واقع تھا اور سندھ کے خلاف فوجی مہمات کے لیے ایک مرکز بھی فراہم کرتا تھا۔ سلطان نے پہاڑی کے نشیب میں ایک نئے شہر مصطفےٰ آباد کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر بہت سی خوبصورت یادگاروں کے ساتھ گجرات کی دوسری راجدھانی بنا۔ اسی طرح، چمپانیر کا قلعہ مالوہ اور خاندیش پر تسلط قائم کرنے کے لیے اہم تھا۔ محمود نے چمپانیر کے قریب ایک نیا شہر تعمیر کیا جس کو محمود آباد کے نام سے جانا جانے لگا۔

ایک دوسری تحریر کے مطابق اسے بے گڑھا اس کی مونچھوں کی وجہ سے جانا جاتا تھا کیونکہ اس کی مونچھیں گائے کی سینگوں (بے گڑھا) سے مشابہ تھیں۔ محمود کی اتنی لمبی داڑھی تھی کہ اس کے کمر تک پہنچتی تھیں۔ اس کی مونچھیں اتنی لمبی تھیں کہ وہ اسے اپنے سر پر باندھ لیتا تھا۔ ایک غیر ملکی سیاح دوارتو بار بوسا کے مطابق اپنے بالکل ابتدائی بچپن سے ہی اسے غذا کے طور پر کچھ زہر دیا جاتا تھا جس نے اسے اتنا زہر یلا بنا دیا تھا کہ اگر کوئی مکھی اس کے سر پر بیٹھ جاتی تو اس کا مطلب تھا کہ وہ فوری مر سکتی تھی۔ محمود اپنی غذا کی بھوک کے لیے بھی مشہور تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ناشتے میں ایک پیالہ شہد، ایک پیالہ مکھن اور ایک سو سے ڈیڑھ سو تک کیلے لیا کرتا تھا۔ مجموعی طور پر وہ دن میں دس سے پندرہ کلو کھانا کھاتا تھا۔ محمود بے گڑھا نے 52 سال حکومت کی۔ وہ فن اور ادب کا سرپرست تھا۔ اس کے دربار میں عربی سے فارسی میں بہت سی تخلیقات کا ترجمہ کیا گیا۔ اس کا درباری شاعر اُدے راج تھا جس نے سنسکرت میں شاعری کی۔

1507 میں محمود نے ان پرتگالیوں کے خلاف جنگی مہم سرانجام دی جو مغربی ساحل پر بسے تھے اور یہاں تجارت پر ان کی اجارہ داری تھی اور مسلم تاجروں کو نقصان پہنچانے کا سبب بن چکے تھے۔ پرتگالیوں کی اجارہ داری توڑنے کے لیے اس نے ترکی کے سلطان کی مدد طلب کی لیکن اس میں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی اور آخر میں پرتگالیوں کو ڈیو میں ایک فیکٹری کے لیے جگہ فراہم کی۔ اس کی وفات 1511 میں ہوئی۔ اس کے جانشینوں کی حکمرانی کے دوران اکبر نے گجرات پر فتح حاصل کر لی اور 1572 میں گجرات کا الحاق کر لیا۔



متن پر مبنی سوالات 11.3

1- کن علاقوں میں شرقی سلطنت کی توسیع ہوئی تھی؟۔

2- کشمیر کا اکبر کسے کہا جاتا ہے؟۔



نوٹس

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک ہندوستان میں علاقائی ریاستوں کا ظہور

3- الیاس شاہ خاندادے کی بنیاد کس نے رکھی تھی۔؟

4- احمد شاہ نے کس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔؟

11.7 بہمنی سلطنت

چودھویں صدی میں جنوب ہندوستان میں دو طاقتور مملکتیں ابھریں۔ ایک بہمنی سلطنت تھی اور دوسری مملکت کا نام وجے نگر سلطنت تھا جن پر 300 سالوں تک حکمرانی کی گئی۔ اس سیکشن میں ہم بہمنی سلطنت کی تاریخ اور اس کی انتظامی خصوصیات پر بحث کریں گے۔

دکن خطہ دہلی سلطنت کے صوبائی انتظامیہ کا ایک حصہ تھا۔ دکن میں ایک مستحکم انتظامیہ قائم کرنے کے سلسلے میں محمد بن تغلق نے امیران سادا /سادا امیر مقرر کیا۔ یہ ایک سوگاووں کے سر براہ تھے۔ 1337 سے دکن کے عہدیداروں اور دہلی سلطنت میں تصادم تیز ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں 1347 میں دکن میں ایک آزاد ریاست قائم ہوئی جس کی راجدھانی آندھرا پردیش میں گلبرگہ تھی۔ اس کے بانی ہرن کانگر نے علاو الدین حسن بہمن شاہ لقب اختیار کیا اس لقب کو اختیار کرنے کی وجہ ایران کے اسطوری سورما سے اپنا سلسلہ نسب جوڑنا اسی کے نام پر اس کا نام بہمنی سلطنت رکھنا تھا۔ محمد بن تغلق کے بعد دکن خطے پر دہلی سلطنت کے ذریعہ قبضے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اس طرح بہمنی سلطانوں نے بغیر کسی مزاحمت کے مملکت کو ملحق کر لیا۔ ایک اہم حصولیابی مشرقی ساحل کے ڈبھول کے اہم بندرگاہ پر تسلط قائم کرنا تھا۔

بہمن شاہ اور اس کے بیٹے محمد شاہ کی ماتحتی میں انتظامی نظام پوری طرح منظم تھا۔ مملکت کو ''طرف'' یا صوبے کہی جانے والی چار انتظامی اکائیوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ صوبے دولت آباد، بیدر، برار اور گلبرگہ تھے، محمد شاہ اول نے وجے نگر مملکت کو شکست دی اور نتیجتاً گولکنڈہ کو بہمنی مملکت میں ملا لیا گیا۔ ایک طرف دار کے ماتحت ایک صوبہ ہوا کرتا تھا جسے صوبے دار بھی کہا جاتا تھا۔ کچھ زمینوں کو طرف دار کے دائرہ اختیار سے ہٹا کر خالصہ زمینوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ خالصہ زمین، زمین کا وہ قطعہ تھا جس کا استعمال بادشاہ کے اخراجات اور شاہی گھریلو اخراجات کو پورا کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ ہر امیر کی خدمات اور تنخواہ مقرر کر دی گئی تھی۔ وہ امراء جو 500 گھوڑے رکھتے تھے انہیں 1000,000 ہن سالانہ دیا جاتا تھا۔ طے شدہ رسالہ (فوج) کی قلت کی صورت میں طرفدار کو مرکزی حکومت کو رقم واپس کرنی ہوتی

تھی۔ امراء یا تو نقد تنخواہ حاصل کرتے تھے یا زمین یا ''جاگیر'' کی شکل میں ادائیگی کی جاتی تھی۔ بہمنی حکمراں فوجی حمایت کے لیے امیروں پر انحصار کرتے تھے۔ امیروں کے درجوں کو دو گروپوں میں رکھا گیا تھا۔ ایک دکنی تھے جو نو آباد مسلم تھے اور دکن خطے میں کافی عرصے سے رہتے تھے۔ دوسرا گروپ آفاقیوں یا پردیسیوں کا تھا جو حال ہی میں مرکزی ایشیا ایران، عراق سے آئے تھے اور حال ہی میں دکن خطے میں بس گئے تھے۔ ان دونوں گروپوں کے درمیان بہتر انتظامی عہدوں کو حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ تناؤ بنا رہتا تھا۔ ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے بہمنی سلطنت کے استحکام پر بھی کافی اثر پڑا تھا۔ ہندوستان میں پہلی بار ان دونوں مملکتوں نے جنگ کے میدان میں بارود کا استعمال کیا گیا تھا۔ بہمنی پہلے سے ہی آتشیں اسلحوں کے استعمال سے واقف تھے۔ انہوں نے جنگ کے جدید ہتھیاروں سے فوجیوں کی تربیت کے لیے ترکی اور پرتگالی ماہرین کو ملازمت پر رکھا۔

بہمنی مملکت میں ایک نہایت اہم شخصیت محمود گاواں کی تھی۔ محمود گاواں کی ابتدائی زندگی گمنامی میں گزری تھی۔ وہ پیدائشی طور پر ایرانی تھا اور دکن میں ایک تاجر کی حیثیت سے پہلی بار پہنچا تھا۔ اس کے بہمنی حکمراں، ہمایوں شاہ نے ملک التجار، (تاجروں کا سردار) کا خطاب دیا۔ ہمایوں شاہ کی اچانک موت کے سبب اس کے نابالغ بیٹے احمد III کی تاج پوشی ہوئی۔ انتظامیہ کے لیے ایک ولایت کونسل بنائی گئی محمود گاواں اس کا ایک اہم رکن تھا۔ اسے وزیر یا وزیر اعظم بنایا گیا اور 'خواجہ جہاں' کا خطاب دیا گیا۔ اس دور کے بعد بہمنی مملکت کی تاریخ دراصل محمود گاؤں کے حصولیابیوں کی ایک دستاویز ہے۔ آفاقی ہونے کے باوجود وہ لبرل تھا اور آفاقیوں اور دکنیوں کے درمیان مصالحت چاہتا تھا۔ اس نے مملکت پر ایک موثر انداز میں کنٹرول کیا اور اس کو استحکام بخشا۔ محمود گاواں نے کانچی تک کے وجے نگر کے علاقوں پر فتح حاصل کی۔ مغربی ساحل پر گوا اور ڈبھول پر فتح حاصل کی گئی۔ ان اہم بندرگاہوں کو کھو دینا وجے نگر کے لیے ایک زبردست نقصان تھا۔ بہمنی نے گوا اور ڈبھول پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد ایران اور عراق کے ساتھ اپنے تجارتی تعلقات مضبوط کیے۔

محمود گاواں نے بہت سی داخلی اصلاحات سرانجام دیں اور طبقہ امراء میں ہونے والے جھگڑوں پر قابو حاصل کیا۔ طرفداروں کی فوجی قوت کو قابو میں رکھنے کے لیے گاواں نے حکم دیا کہ ہر صوبے کا صرف ایک قلعہ صوبائی طرفدار کے راست تسلط میں رہے گا۔ صوبے کے باقی قلعے قلعہ دار (قلعوں کا کمانڈر) کے ماتحت رکھے گئے تھے۔ قلعہ دار کی تقرری مرکزی حکومت کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ تاہم اس کی موت کے فوری بعد گورنروں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور بہمنی مملکت ٹوٹ گئی۔ پندرہ ہویں اور سولہویں صدی میں بیدر، احمد نگر، گولکنڈہ بیجاپور اور برار میں کچھ امیروں نے اپنی خود کی آزاد سلطنتیں قائم کرلیں اور نئی ریاستوں کی تشکیل کی، یہ ریاستیں تھیں۔ احمد نگر کی نظام شاہی، بیجاپور کی عادل شاہی، گولکنڈہ کی قطب

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک ہندوستان میں علاقائی ریاستوں کا ظہور

شاہی برار کی عمادشاہی اور بیدر کی برید شاہی ۔ انہوں نے ریاستوں کی ایک انجمن قائم کی اور ازدواجی رشتوں کے ذریعہ انہیں مضبوط بنایا۔ وجے نگر حکمرانوں کے ساتھ ان کی روایتی رقابت بنی رہی۔ گولکنڈہ اور بیجاپور میں ازدواجی تعلقات قائم ہوئے اور نتیجتاً وجے نگر کے خلاف تالی کوٹا کی جنگ واقع ہوئی۔ بعد میں مغلوں نے انھیں مغلوب کرلیا۔

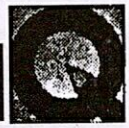

متن پر مبنی سوالات 11.4

1- سادہ امیر کی کس نے تقرری اور کس خطے کے لیے کی تھی؟

_____

2- محمود گاواں کون تھا؟۔

_____

11.8 وجے نگر سلطنت

سیاسی تاریخ

1336 میں وجے نگر مملکت ہری ہر اور بکا نے قائم کی تھی۔ یہ دونوں بھائی تھے اور محمد بن تغلق کی فوج میں ملازمت کرتے تھے۔ وہ دہلی سلطنت سے الگ ہوئے اور کرناٹک میں ایک آزاد ریاست قائم کی اور 1336 میں تنگ بھدر ندی کے کنارے وجے نگر کو راجدھانی بنایا۔ ان کے خاندانی سلسلے کو سنگما خاندان کہا جاتا تھا۔ اس خانوادے کی اصل کے بارے میں کئی نظریات ہیں ۔ کچھ دانش وروں کے مطابق وہ وارنگل کے کاکتیوں کے جاگیر دار تھے اور ان کے زوال کے بعد انہوں نے کامپیلی ریاست میں اپنی خدمات انجام دی۔ ایک اور خیال کے مطابق یہ ہویسالوں کے جاگیر دار تھے اور کرناٹک سے تعلق رکھتے تھے۔ ہری ہر اور بکا کو عصری دانشور اور سنت ودیارانیہ سے اپنی مملکت کے قیام میں مدد اور ترغیب ملی۔ سلطنت میں مختلف ثقافتی خطوں (تمل، تیلگو اور کرناٹک خطے) کے لوگ شامل تھے جو مختلف زبانیں بولتے تھے اور مختلف ثقافتوں سے متعلق تھے۔ 1336 اور 1565 کے درمیان وجے نگر پر تین مختلف خاندانوں نے حکومت کی۔ 1485 تک سنگما اقتدار میں رہے۔ 1503 تک سالووا اور تولوا اقتدار میں تھے اور آخری خاندان اراوید وخاندان تھا جس نے سترہویں صدی تک حکمرانی کی۔ نکولو کونتی، فیرناؤ نونز، ڈومنگو پائس، دوراتو بارو سا اور عبدالرزاق جیسے غیر ملکی سیاحوں نے وجے نگر کی شان وشوکت کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ وجے نگر ریاستوں کا ایک اہم حکمراں کرشن دیورائے تھا جو تولوا خاندان کا بانی تھا۔ وہ ایک عظیم کمانڈر اور منتظم کار

تھا۔اس نے ان آزاد مملکتوں کے ساتھ کئی جنگیں لڑیں جو بہمنی مملکت کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔اس نے امن واماں قائم کیا اور دکن میں پرتگالی اثر کو کمزور کیا۔اس نے پہلے بیجا پور کی عادل شاہی افواج کو پوری طرح منتشر کر دیا اور گلبرگہ پر حملہ کر دیا اور ان تین بہمنی شہزادوں کو آزاد کرایا جو وہاں قید تھے۔اس نے گلبرگہ کے تخت شاہی بازیاب کرنے میں ان کی مدد کی اور کرشن دیو نے 'یون راجیہ استھاپنا' اچاریہ کا خطاب اختیار کیا۔

کرشن دیورائے نے کچھ عمدہ سنگی منادر کی تعمیر کرائی اور متعدد جنوبی ہندوستانی مندوروں میں شاندار گوپورم یا داخلی دراز ے بنوائے۔اس نے وجے نگر کے قریب نواحی شہر کی بنیاد رکھی جسے اس کی ماں کے نام پر ناگل پورم کہا جاتا تھا۔اس دور سے وجے نگر کی بعض تفصیلی روداد سامنے آئی۔اس دور میں تروپتی کا مشہور مندر تیار ہوا۔یہ مندر اس کے سرپرست دیوی دیوتاؤں کے لیے جانا جاتا تھا۔کرشن دیورائے کے بعد اس کا بھائی اچتیہ دیورائے 1530 میں تخت نشیں ہوا۔یہ بھی ایک ممتاز حکمراں تھا۔اس کے دور حکومت میں حریف گروپوں کا ظہور ہوا۔اقتدار کے لیے جنگ خاص طور پر سلووا ویر نرسمہا اور اراوید و رمارائے کے درمیان ہوئی تھی جس میں راما رائے فاتح بن کر ابھرا۔اگر چہ رمارائے تخت پر قابض نہیں ہوا تاہم اس نے سداشیو رائے کو تخت پر بٹھایا اور حقیقی حکمراں کے طور پر کام کرتا رہا۔اس نے پرانے طبقہ امراء کو ہٹا دیا اور ان کی جگہ اپنے وفادار امیروں کو رکھا۔رمارائے نے ایک کو دوسرے سے بھڑا کر دکن اقتدار کو متوازن رکھنے کی کوشش کی لیکن ایسی پالیسی طویل عرصے تک نہیں جاری رہ سکی۔دکن ریاستوں نے ایک نیم وفاقیہ قائم کیا اور تالی کوٹا کی جنگ میں وجے نگر کی فوجوں پر زبردست چوٹ کی۔رمارائے مارا گیا، دکنی افواج وجے نگر میں داخل ہوئیں اور وجے نگر بدحالی کا شکار ہوا۔اب توجہ مشرق کی طرف مبذول ہوئی جہاں اراویڈو خاندان پہلے پینو کونڈا اور بعد میں چندر گری (نزد تری پتی) سے حکومت کرتا تھا۔

وجے نگر سلطنت کی فوجی اور لشکری تنظیم

مسلسل جنگ جاری رہنے سے ایک بڑی فوج رکھنے کی ضرورت تھی۔توپ سے لڑنے والی فوج زیادہ اہم تھی اور اچھی نسل کے تربیت یافتہ گھوڑے رکھے گئے۔وجے نگر کے حکمرانوں نے عرب اور دیگر خلجی ممالک سے بحر عرب پار کر کے اعلیٰ معیار کے گھوڑے منگائے، مالا بار کا بندرگاہ اس تجارت اور دیگر تعیّشاتی اشیاء تجارت کا مرکز تھا۔وجے نگر کے حکمرانوں نے مالا بار کے بندرگاہ پر تسلط قائم کرنے کی ہمیشہ کوشش کی۔

بہمنوں کی طرح وجے نگر کی ریاست بھی آتشیں اسلحوں کے استعمال سے واقف تھے اور جدید جنگی ہتھیاروں میں فوجیوں کی تربیت کے لیے ترک اور پرتگالی ماہرین کو ملازمت پر رکھا گیا۔دیورائے II نے اپنی مسلح افواج میں مسلمانوں کو بھرتی کیا انہیں جاگیریں تفویض کی اور شہر میں ان کے لیے مسجد



نوٹس

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک ہندوستان میں علاقائی ریاستوں کا ظہور

بنائی۔ جنگ میں نئی تکنیکوں کے سبب اب دوررس تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ قلعہ کی دیواریں آتشیں اسلحہ کا سامنا کرنے کے لیے اب موٹی بنائی جانے لگیں اور موٹی مضبوط دیواروں کے دروازے خاص قسم کے بنوائے گئے۔ قلعہ کی دیواروں پر خاص قسم کے ایسے بڑے بڑے سوراخ بنائے گئے جن پر بندوقیں رکھی جاتی تھیں۔ قلعوں پر توپیں رکھنے کے لیے اس پر خاص قسم کے جنگلے یا منڈیریں بنوائی گئیں۔ آتشیں اسلحہ کا استعمال کیا جاتا تھا۔ کچھ آتشیں اسلحے چھوٹے تھے اور رائفلوں اور پستولوں پر مشتمل تھے۔ کچھ توپیں بھاری تھیں اور بیل گاڑی یا ہاتھی پر رکھی جاتی تھیں اور جنگ کے میدان میں داغی جاتی تھیں۔

وجے نگر انتظامیہ کی ایک اہم خصوصیت امرنائک نظام تھا۔ اس نظام میں وجے نگر فوج کے کمانڈر کو نائیک کہا جاتا تھا۔ ہر نائیک کو انتظامیہ کا ایک شعبہ دیا جاتا تھا۔ نائیک کو ایک علاقے کی انتظامی ذمہ داری دی جاتی تھی۔ وہ اپنے علاقے میں ٹیکس وصول کرتا تھا اور اس آمدنی سے اپنی فوج، گھوڑے، ہاتھی اور جنگ کے ہتھیار فراہم کرتا تھا اور اس کی سپلائی رائے یا وجے نگر حکمراں کو کیا کرتا تھا۔ امرنائک قلعوں کا بھی کمانڈر ہوتا تھا۔ کچھ آمدنی کو مندروں اور آبپاشی کے کاموں پر خرچ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ امرنائک راجہ کو سالانہ کو خراج ادا کرتے تھے اور اپنی وفاداری ظاہر کرنے کے لیے تحائف کے ساتھ شاہی دربار میں ذاتی طور پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ سترہویں صدی میں یہ متعدد نائک آزاد ہوگئے اور الگ ریاستیں قائم کیں۔ جاگیر نینکار اپنی خود کی افواج، فوجی اور ہاتھی رکھا کرتے تھے۔ یہ وہ طاقتور طبقہ تھا جس نے وجے نگر مقتدرہ کے سامنے چیلنج پیش کیا اس کی اندرونی ساختوں کو کمزور کیا اور تالی کوٹا کی جنگ میں وجے نگر کی شکست میں معاون رہے۔

11.8.2 وجے نگر اور بہمنیوں کے درمیان تصادم

رائے چور دوآب پر تسلط کے لیے وجے نگر اور بہمنی مملکتوں کے درمیان مسلسل جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ رائے چور دوآب کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان قطعہ زمین تھا۔ یہ علاقہ زرخیز تھا اور معدنی وسائل سے بھرپور تھا۔ گولکنڈہ کی مشہور ہیرا کانیں دوآب خطے کے مشرقی حصے میں واقع تھیں۔ دونوں مملکتوں کا جغرافیہ ایسا تھا کہ توسیع صرف دکن میں تنگ بھدرا کے آس پاس ہی ممکن تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ دونوں کے درمیان جنگیں فیصلہ کن نہیں تھیں اور موجودہ صورت حال قائم رہتی تھی۔ کبھی بہمنی فائدے میں رہتے تو کبھی کبھی وجے نگر فائدے میں رہتے تھے۔ مثال کے لیے 1504 میں بہمنی رائے چور دوآب پر دوبارہ فتح حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ تاہم، کرشنا دیورائے کی تخت نشینی کے ساتھ بہمنیوں نے رائے چور، مڈکل، نالگونڈہ اور دیگر اندرون ملک شہروں کو کھودیا، ان جنگوں کا خاص نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طاقتیں آپس میں اتنی زیادہ الجھی رہتی تھیں کہ انہوں نے جنوبی ہندوستان کے ساحل پر پرتگالیوں کی بڑھتی

طاقت کو کبھی محسوس نہیں کیا۔ اس کے علاوہ مسلسل جنگوں نے دونوں ریاستوں کے وسائل ختم کر دیے اور انہیں کمزور کر دیا۔

تصادم کا دیگر میدان مراٹھ واڑہ خطہ اور کرشنا گوداوری کا ڈیلٹائی خطہ تھا۔ دونوں خطے زرخیز علاقے تھے اور یہاں اہم بندرگاہیں تھیں جہاں سے غیر ممالک تجارت ہوتی تھی۔ مثال کے لیے، مراٹھہ واڑہ خطے میں زرخیز علاقہ کونکن پٹی تھی جس میں گوا کی بندرگاہ تھی اور تجارت اور برآمد و درآمد خاص طور پر عراق اور ایران سے گھوڑوں کی درآمد کا مرکز تھا۔ وجے نگر اور بہمنی ریاستوں کے درمیان جنگوں کو اکثر ہندو مسلم تصادم کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ درج بالا اسباب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگیں کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر نہیں ہوا کرتی تھیں۔ جنگ کے لیے علاقائی اور معاشی محرکات خاص سبب تھے۔ دونوں ریاستوں کے درمیان دشمنی کے باوجود ایسے وقت بھی آئے جب انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا۔ مثال کے لیے، کرشن دیورائے نے سلطنت میں اقتدار کے بعض دعویداروں کے حمایت کی اور ''یون مملکت کے قائم کرنے والے'' کا لقب اختیار کیا، اسی طرح، بیجاپور کے سلطان نے کرشن دیو آریہ کی موت کے بعد وجے نگر کی جانشینی کے جنگ کو حل کرنے میں مداخلت کی۔ اس کے علاوہ نظریات خاص طور پر فن، ادب اور فن تعمیر کے میدان میں باہم ساجھے داری اور مبادلہ بھی ہوا۔

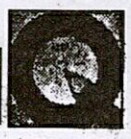

11.5 متن پر مبنی سوالات

1- کسی چار غیر ملکی سیاحوں کے نام بتایے جنہوں نے وجے نگر کی سلطنت کی شان وشوکت کے بارے میں تحریر کیا تھا؟

2- تروپتی کے مندر کس راجہ کے دور میں تیار کیا گیا تھا؟

3- امرنائک نظام کہاں رائج تھا۔

4- وجے نگر اور بہمنوں کے درمیان تصادم کے علاقے کون سے تھے؟



نوٹس

11.9 اٹھارہویں صدی میں علاقائی ریاستیں

آپ نے اٹھارہویں صدی میں مغل سلطنت کے بحران کے بارے میں پڑھا ہوگا جو آخر کار مغل سلطنت کے زوال کا سبب بنا۔ جیوں جیوں مغل اقتدار کمزور ہوتا گیا صوبے کے گورنر، صوبیدار اور بڑے زمیندار طاقتور بن گئے اور اپنی آزادی پر اصرار کیا۔ اس دور کی علاقائی ریاستوں کو تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1- کچھ ایسی ریاستیں تھیں جن کے بانی خاص مغل امراء تھے اور اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ اگر چہ وہ آزاد ہو گئے تھے لیکن مغل ریاست کے ساتھ رسمی بندھن کبھی نہیں توڑا۔ اس زمرے میں کچھ اہم ریاستیں اودھ، بنگال اور حیدر آباد تھیں۔ اودھ ریاست کا بانی سادات خاں تھا۔ بنگال کا بانی مرشد قلی خاں تھا اور حیدر آباد ریاست کا بانی نظام الملک آصف جاہ تھا۔ یہ تینوں مغل طبقہ امراء کے طاقتور ممبر تھے اور ان صوبوں کے گورنر تھے۔ جب مغل سلطنت کمزور ہوگئی تب دہلی سے ان نئی ریاستوں میں فوجیوں اور منتظم کاروں کی نقل مکانی ہوئی جنہیں متعدد مواقع کی پیشکش کی گئی تھی۔

ان ریاستوں میں پچھلے زمینداروں کی حیثیت تبدیل ہوگئی۔ مثال کے طور پر سادات خاں نے راجپوت زمینداریوں اور روہیل کھنڈ کے افغانوں کی زراعتی طور پر زرخیز زمینوں پر قبضہ کیا۔ اسی طرح، بنگال میں مغل اثرات کو کم کرنے کی کوشش میں مرشد قلی خاں نے سبھی مغل جاگیرداروں کو اڑیسہ منتقل کیا اور بنگال کے محاصل کی دوبارہ جامع تخمینہ کاری کا حکم دیا۔ نتیجتاً بہت سے زمینداروں کو بینکروں اور مہاجنوں سے رقم ادھار لینی پڑی۔ جو اسے ادا کرنے میں اہل نہیں ہوئے انہیں بڑے زمینداروں کو فروخت کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔

ان ریاستوں میں دوسری تبدیلی بینکروں اور مہاجنوں کا ابھرنا تھا۔ ریاست اور زمیندار طبقہ قرضوں کے لیے ان پر منحصر تھا۔ اس سے بینکر طاقتور ہوئے اور انتظامیہ پر اثر انداز ہوئے۔ ریاست نے ٹیکس اکٹھا کرنے کے حق کی نیلامی کی اور اونچی بولیوں والے لوگ عام طور پر بینکر اور مہاجن ہوتے تھے۔ بینکروں نے ادائیگی کے لیے ریاست کو معینہ رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس طرح ریاست کے لیے ایک مقررہ آمدنی یقینی بنائی گئی۔ یہ نظام اجارہ داری نظام کہا جاتا تھا اور ان لوگوں نے ٹیکس اکٹھا کرنے کا حق خرید اتھا اور انھیں اجارہ دار کے طور پر جانا جاتا تھا۔ مغل ریاست نے اس نظام کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی تھی ایسے بھی مواقع تھے، جب ٹیکس جمع کرنے والوں نے مقررہ کی نسبت زیادہ اکٹھا کیا جن سے کاشتکاروں کا استحصال ہوتا تھا اور ریاست کو کم دیا کرتے تھے اور اس بنا پر ریاست کی آمدنی کو کم کرنے کے موجب تھے۔

2- اٹھارہویں صدی میں علاقائی ریاستوں کے دوسرے زمرہ میں وہ ریاستیں تھیں جنہیں مغل حکومت کے دوران وطن جاگیروں کے طور پر پہلے ہی سے کافی آزادی حاصل تھی۔ راجپوت ریاستیں اسی زمرے سے تعلق رکھتی تھیں۔

3- علاقائی ریاستوں کا تیسرا زمرہ تھا جو مغل اقتدار کے خلاف بغاوت کے بعد وجود میں آئی تھیں۔ سکھ، مراٹھا اور جاٹ اسی گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ مثال کے لیے مغلوں کے خلاف سکھوں کی بغاوت کے نتیجے میں پنجاب ریاست کی تشکیل ہوئی۔

متن پر مبنی سوالات 11.6

1- 18ویں صدی میں علاقائی ریاستیں کتنے زمرے میں تقسیم ہوئیں۔

آپ نے کیا سیکھا

تیرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک علا قائی ریاستوں کا ظہور دہلی سلطنت کی اندرونی کمزوریوں اور مغل سلطنت کے زوال کے سبب ہوا۔ ان علاقائی طاقتوں کی نوعیت کو سمجھنے سے آپ کو ایک واضح تناظر میں دہلی سلطنت اور مغل سلطنت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ یہ زیادہ مفید ثابت ہوگا اگر چھٹی سے لے کر بارہویں صدی تک کی علاقائی ریاستوں کے تسلسل میں بھی اس دور کی علاقائی ریاستوں کو سمجھا جائے۔ علاقائی ریاستوں کو سمجھنے کے لیے پہلے علاقائیت کے تصور کو سمجھنا چاہیے، اس میں سیاسی خصوصیات، زبان، فنون اور مذہبی وابستگیاں، شامل ہیں۔ اس کے ساتھ فن وثقافت کو فروغ حاصل ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ جس کا تبدریج ارتقا ہوا ہے۔ اس سبق میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ علاقائی ریاستوں کی تعداد کافی زیادہ رہتی ہے، لیکن ہم نے کیس مطالعہ کے لیے کچھ ہی علاقائی ریاستوں کو لیا ہے۔ وہ ریاستیں جن پر بحث کی گئی ہے وہ جون پور، کشمیر، گجرات، بنگال، وجے نگر اور بہمنی ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر چہ یہ ریاستیں ایک دوسرے سے لڑتی رہی تھیں لیکن انہوں نے فن، تعمیر اور مذہب کے میدان میں ایک دوسرے سے تصورات بھی اخذ کیے تھے۔ مرکزی اقتدار کے ساتھ اور خود ان کے درمیان رشتے وقتاً فوقتاً بدلتے رہے ہیں۔



نوٹس

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک ہندوستان میں علاقائی ریاستوں کا ظہور

اختتامی سوالات

1- ہندوستان میں 13ویں تا 18ویں صدی میں علاقائی ریاستوں کے فروغ کے بارے میں بتایئے۔
2- علاقائی ریاستیں مرکزی سلطنت سے کس طرح مختلف تھیں؟
3- بنگال کس طرح اپنی آزادی کا اعلان اتنی آسانی سے کر سکا؟
4- محمود بے گھڑا کے بارے میں منفرد بات کیا تھی اور اسے گجرات کا ایک اہم حکمراں کیوں سمجھا جاتا ہے؟
5- انتظامیہ کے امرنائک نظام کے بارے میں بیان کیجئے۔
6- وجے نگر اور بہمنی پڑوسی تھے لیکن ان کے درمیان امن کا ماحول نہیں تھا، ایسا کیوں تھا؟۔ بحث کیجئے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

11.1

1- زبان، مذہبی، وابستگی، تجارت وکامرس کے ذریعہ بین عمل، علاقائی فن مکاتب۔
2- بہار، بنگال، آسام، مرکزی ہندوستان اور راجستھان
3- نام دیو، ریداس، تکارام، گرونانک

11.2

1- فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد 1338 میں
2- بہار و پنجاب

11.3

1- مغرب میں علی گڑھ، مشرق میں دربھنگہ، شمال میں نیپال، جنوب میں بندیل کھنڈ
2- زین العابدین
3- حاجی الیاس خاں
4- احمد آباد

11.4

1- محمد بن تغلق، دکن

2- تاجر کے طور پر دکن پہنچا، ملک التجار کا خطاب ملا اور بعد میں وزیر بنایا گیا۔

11.5

1- نکولوکونتی، فیرنونونز، ڈومنگو پائس، دواریتو بار بوسا اور عبدالرزاق

2- کرشن دیورائے

3- وجے نگر انتظامیہ

4- رائے چور دوآب پر کنٹرول، مراٹھا واڑہ خطہ کرشنا گودواری کا ڈیلٹائی خطہ

11.6

1- مغل امراء کے ذریعہ قائم کی گئی۔ وطن جاگیر؛ مغل اقتدار سے باغی

اختتامی سوالات کے لیے اشارے

1۔ 11.1 سے رجوع کریں

2۔ 11.1 آخری دو پیرا سے رجوع کریں

3۔ 11.5 سے رجوع کریں

4۔ 11.6 سے رجوع کریں

5۔ 11.8.1 سے رجوع کریں

6۔ 11.8.2 سے رجوع کریں

فرہنگ اصطلاحات

سلسلہ – صوفیوں کے مختلف سلسلے

زمیندار – نجی زمین کا مالک جس کو موروثی حقوق حاصل تھے

سلطان شرق – مشرق کا آقا

جزیہ – زمین ٹیکس کے علاوہ ایک ایسا ٹیکس جو فوجی خدمات نہ پیش کرنے کے لیے غیر مسلموں پر لگایا جاتا تھا

خالصہ – بادشاہ کے ذریعہ راست کنٹرول کی زمین جسے کسی زمیندار یا افسر کو نہیں تفویض کیا جاتا تھا۔

طرفدار – صوبے کا سربراہ

جاگیر – قطعہ زمین جسے ریاست کے سرکاری افسر کو تفویض کیا جاتا تھا۔

امیر – کمانڈر، دہلی سلطنت میں تیسرا اعلیٰ سرکاری گریڈ۔

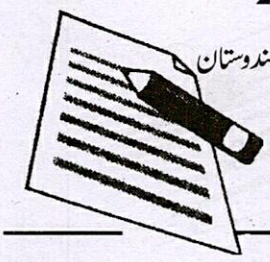

نوٹس

12

انتظامی نظام اور ادارے

دہلی سلطنت کے قیام کے ساتھ ہندوستان میں ایک نیا حکمراں طبقہ ظہور میں آیا۔ اس نئے طبقے نے ایک نیا انتظامی نظام متعارف کیا۔ کچھ نئے اداروں کی بھی ابتدا ہو چکی تھی۔ مغلوں کے آنے کے بعد ان میں سے کچھ تبدیلیوں کے مرحلے سے گزرے اور کچھ نئے کا تعارف بھی ہوا کچھ نئے انتظامی اداروں کی جڑیں عرب اور مرکزی ایشیا میں تھیں جہاں سے یہ نیا حکمراں گروپ آیا تھا۔ جبکہ کچھ دوسرے ہندوستانی اصل کے تھے۔ ان کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ان میں سے بہت کی ہیئت تبدیل ہو چکی تھی اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کا فروغ اس طرح ہوا کہ یہ ہندوستانی سیاق وسباق کے لحاظ سے موزوں ہو چکے تھے۔

دہلی سلطنت اور مغل سلطنت کو مستحکم بنانے میں نئے انتظامی نظام اور ادارے معاون ثابت ہوئے۔ یہ ہمارے لیے ممکن نہیں ہوگا اس ایک چھوٹے سے سبق کو 500 سال کی مدت کے دوران انتظامیہ کے سبھی پہلوؤں پر بحث کریں۔ تاہم ہم انتظامی ساخت اور کچھ اہم اداروں کی بنیادی خصوصیات، تسلسل اور تبدیلیوں کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس دور میں حکمراں طبقے میں تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھی۔ ان اداروں کو مختلف حکمرانوں نے دیگر مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا۔ وقتاً فوقتاً حکمراں سماجی ہم آہنگی قائم کرنے کے لیے انتظامی تنظیموں میں مختلف سماجی طبقے کے لوگوں کو شامل کرتے تھے۔ ان سماجی طبقات کے لیے یہ بات فطری تھی کہ وہ حکمرانی کے نظام میں شریک ہونے کا دعویٰ کریں اور مختلف حکمران اس نظام میں انہیں سمونے کے لیے آمادہ تھے۔

اس مفہوم میں یہ ادارے سماج میں کسی نہ کسی طرح کے سماجی تصادم کے ذریعہ کے طور پر بھی ابھرے اگر چہ اور بھی دوسرے مختلف اقدامات تھے جو اسی مقصد کے لیے حکمرانوں کے ذریعہ کیے جاتے تھے۔

مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ

- سلطنت اور مغل حکمراں طبقہ کی نوعیت اور تشکیل کے بارے میں جانیں گے؛
- دہلی سلطنت کی انتظامی ساخت کو سمجھ سکیں گے؛
- سلطنت دور کے اہم انتظامی شعبوں کا اعادہ کر سکیں گے؛
- سلطانوں کے ماتحت صوبائی اور مقامی انتظامیہ کے بارے میں بیان کر سکیں گے؛
- اقطاع نظام کی اہم خصوصیات بیان کر سکیں گے؛
- علاء الدین خلجی کی بازار کنٹرول پالیسی کا تجزیہ کر سکیں گے؛
- مغلوں کے مرکزی اور صوبائی انتظامیہ کے بارے میں جان سکیں گے؛
- جاگیر نظام کی اہم خصوصیات پر بحث کر سکیں گے؛
- منصب داری نظام کے ارتقا کے بارے میں جان سکیں گے اور
- مراٹھوں کے ماتحت انتظامی ساخت کو سمجھ سکیں گے؛

12.1 دہلی سلطنت کے ماتحت انتظامی ساخت کا ارتقا

جب قطب الدین ایبک نے لاہور میں ایک آزاد سلطان کے طور پر اپنی حکومت قائم کی تو اس نے ابتدائی مرحلے میں موجودہ انتظامی تنظیموں کو جاری رکھا تھا۔ رائج ساخت میں نہ تو کوئی بدلاؤ کیا گیا نہ ہی اس میں طویل عرصے تک مداخلت کی گئی جب مقامی حکمرانوں نے دہلی میں سلطان کی بالا دستی کو تسلیم کر لیا تب انہیں ٹیکس وصول کرنے کی اجازت دی گئی۔ وہ اسے خراج کے طور پر مرکزی خزانے میں بھیج دیتے تھے۔ ان علاقوں میں مرکزی عہدیدار خاص طور پر ان کے انتظامی کاموں میں مقامی حکمرانوں کی مدد کرتے تھے۔ دہلی سلطنت کی توسیع اور استحکام کے ساتھ نئے انتظامی اداروں کا بھی ظہور ہو چکا تھا۔ جن انتظامی ساختوں اور اداروں کا تعارف ہندوستان میں ہوا تھا اس پر منگولوں، سلجوقیوں کا اثر پڑا جنہیں نئے حکمرانوں کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ ملک کے مختلف حصوں میں ان اداروں نے نئے نظام کو شکل دینے میں بھی معاونت کی۔

سلطان اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ انہیں ایسی رعایا پر حکمرانی کرنی تھی جو بڑی حد تک غیر مسلم تھے۔ اس طرح دہلی کے سلطانوں نے سلطنت میں رائج صورت حال کے عین مطابق مخصوص اقدامات اٹھائے۔ انتظامی نقطہ نگاہ سے ایسا لگتا ہے کہ مقامی سطح کی انتظامیہ کو بطور خاص گاؤں کے پنچوں وغیرہ کے

ہاتھ میں دے دیا گیا تھا۔ سلطنت کی کافی وسعت کے سبب مرکز اور صوبوں کے لیے الگ سے انتظامی ساخت کے ارتقا کی ضرورت ہوئی اس طرح سلطنت دور میں انتظامی ادارے مختلف سطحوں پر مرکزی، سیاسی اور مقامی سطح پر ابھرے۔ آیئے، ہم تفصیل کے ساتھ انتظامی نظام کے مختلف اجزاء کا جائزہ لیں۔

12.2 انتظامی نظام

سلطنت دور میں انتظامی تنظیموں کی سربراہی سلطان کے ذریعہ کی جاتی تھی، مختلف امراء اس کے مددگار ہوا کرتے تھے۔ سلطان کے دفتر کے ساتھ دیگر مختلف دفاتر ہوتے تھے۔ نظریاتی طور پر وزیروں کی ایک مجلس، مجلس خلوت تھی جو سلطان کے کاموں میں مدد کرتی تھی۔

(i) سلطان

انتظامی ڈھانچے میں سلطان کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ وہ شہری انتظامیہ کا سربراہ تھا اور فوج کا سپریم کمانڈر تھا۔ سبھی تقرریاں اور پرموشن اس کے ذریعہ انجام دی جاتی تھیں۔ اسے خدمات سے کسی کو سبکدوش کرنے کا بھی اختیار تھا۔ اسے مطلق اختیار حاصل تھا۔ وہ عدلیہ کا سربراہ بھی تھا۔ وہ لوگوں کو القاب اور اعزاز سے سرفراز کرتا تھا۔ نظریاتی طور پر، سلطان کا ایک بلند ترین مقام تھا لیکن عملاً مختلف سلطانوں کے پاس اقتدار کی نوعیت الگ الگ تھی۔ سلطان کی پوزیشن ہمیشہ طبقہ امراء اور علماء کے طاقتور گروپ کے دباؤ میں رہتی تھی لہٰذا خاص طور پر طاقتور سلطانوں نے ان گروپوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے مختلف حکمت عملیاں اپنائیں۔ بلبن نے امراء کو بہت مضبوطی کے ساتھ اپنے کنٹرول میں رکھا۔ اس طرح سلطان کی شخصیت سلطنت کی انتظامی ساخت میں ایک نمایاں کردار نبھاتی تھی۔ اہل اور مضبوط سلطانوں کے ماتحت انتظامیہ اور انتظامی ساخت بہت بہتر کام انجام دیتی تھی لیکن نا اہل اور کمزور حکمراں ان کے دباؤ میں رہتے تھے۔

(ii) طبقہ امراء

امراء ریاست کے نہایت اہم اہلکار تھے اور ان کے سماجی حیثیت بہت اونچی ہوا کرتی تھی۔ ابتدائی مرحلے میں یہ وہ کمانڈر تھے جو فاتح فوج کے ساتھ آئے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے وارثوں نے خاص طاقت وضع کی اور کچھ ہندوستانی گروپ بھی ظہور میں آئے۔ طبقہ امراء کی حیثیت وطاقت الگ الگ دور میں مختلف رہی جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ امراء خاص طور پر وہ جو دہلی میں مقیم تھے ایک طاقت ور گروپ کے طور پر ابھرے اور کبھی کبھی سلطان کے انتخاب میں انہوں نے ایک اہم کردار نبھایا۔

طبقہ امراء کوئی ہم آہنگ طبقہ نہیں تھا۔ طبقہ امراء میں مختلف گروپ تھے اور اکثر ان گروپوں کے درمیان جھگڑے اور رقابت ہوتی رہتی تھی۔ ترک اور تاجک امراء کے درمیان جھگڑا التمش کے دور میں



شروع ہو چکا تھا اور اس کی موت کے بعد اس میں شدت پیدا ہوگئی۔ چہلگان کا گروپ (40 امیروں کا گروپ) جسے التمش نے بنایا تھا، وہ بھی کافی طاقتور بن گئے تھے۔

بلبن پہلا سلطان تھا جس نے طبقہ امراء کو پوری مضبوطی کے ساتھ اپنے کنٹرول میں رکھا۔ (دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ بھی پہلے اسی چہلگان گروپ کا ایک ممبر تھا)۔ قطب الدین ایبک اور التمش امراء کو اپنے برابر کا سمجھتے تھے۔ بلبن نے طبقہ امراء سے اپنی دوری بنالی اور اپنے اور ان کے لیے سخت ترین ضابطہ اخلاق نافذ کیا۔ دربار میں ہلکی پھلکی باتوں یا ہنسی مذاق کی اجازت نہیں تھی۔ وہ اعلیٰ خون پر بھی زور دیتا تھا اور اونچے عہدوں اور منصوبوں کے حصول کے لیے اسے ایک کسوٹی بنایا۔

دہلی سلطنت کے پھیلاؤ کے ساتھ سماج کے مختلف طبقات کی طرف سے طبقہ امراء میں شامل ہونے کی کوشش کی گئی۔ ابتدائی طور پر یہ صرف ترکوں کے لیے محفوظ تھی۔ خلجیوں اور تغلقوں کے دور حکومت میں طبقہ امراء کے دروازے مختلف پس منظر کے لوگوں کے لیے کھل گئے تھے۔ نچلی ذات کے لوگ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان انہوں نے طبقہ امراء میں شمولیت اختیار کی اور اونچے مقام پر پہنچ سکے خاص طور پر محمد بن تغلق کے زمانے میں۔ لودھی دور میں مساوات کا افغان تصور اہم ہو گیا تھا جبکہ سلطان کو ''برابر کے لوگوں میں اول'' سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح امراء کو سلطان کے ساتھ مساوی حیثیت حاصل تھی۔ کچھ لودی سلطانوں جیسے سکندر لودی اور ابراہیم لودی نے اس میں پریشانی محسوس کی اور امیروں کو اپنے کنٹرول میں لانے کی کوشش کی۔ امراء نے اس کی مزاحمت کی جس کے نتیجے میں دونوں سلطانوں کو پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا۔

(iii) علماء

مسلمانوں کے مذہبی دانش ور گروپ کو علماء کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس گروپ کے لوگوں کے ذمہ مذہبی امور تھے اور یہ سلطان کے لیے مذہبی ضوابط کی تشریح کرتے تھے۔ وہ عدالتی امور کے بھی نگراں تھے اور مختلف سطحوں پر قاضی کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ یہ بہت ہی اثر ورسوخ والا گروپ تھا اور اسے سلطان اور طبقہ امراء کی نظر میں عزت واحترام کا مقام حاصل تھا۔ ان کا اثر رسوخ مسلم عوام میں بھی تھا۔ یہ گروپ اسلام کے مذہبی قوانین کے مطابق سلطنت کو چلانے کے لیے دباؤ بنایا کرتا تھا۔ سلطان اور امراء عام طور پر مذہبی قوانین کی نسبت ریاست کی ضرورت کے مطابق انتظامی امور انجام دینے کی کوشش کرتا تھا۔ علاء الدین خلجی جیسے سلطان کئی امور میں علماء کی رائے کو نظر انداز کیا کرتے تھے لیکن بعض ان کی رائے پر چلنے کی کوشش کرتے۔



متن پر مبنی سوالات 12.1

1- چہلگان کیا تھا اور اس کی تخلیق کس نے کی تھی؟

2- وہ پہلا سلطان کون تھا جو طبقہ امراء کو پہلی بار مضبوطی کے ساتھ اپنے کنٹرول میں لے آیا۔

3- مقتدر اعلیٰ کے افغان تصور کے مطابق سلطان بنام طبقہ امراء کی پوزیشین کیا تھی؟

4- علماء کون تھے؟

12.3 مرکزی انتظامیہ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انتظامی نظام کی سربراہی سلطان کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ ایسے کئی شعبہ جات تھے جن کو مختلف ذمہ داریاں تفویض کی گئی تھیں۔ یہ شعبہ جات اثر وسوخ والے امراء کی زیر نگرانی ہوا کرتے تھے۔ کچھ شعبوں کے بارے میں ہم مختصر روائداد پیش کریں گے۔

(i) وزارت

سلطان کے بعد نہایت اہم منصب دیوان وزارت کا تھا جس کا سربراہ وزیر ہوتا تھا۔ شاہی دربار میں یہ ایک کلیدی مقام تھا۔ مجموعی طور پر سبھی شعبوں میں اس کا کردار عمومی نگراں کا ہوا کرتا تھا۔ حالانکہ وہ چار اہم شعبہ جاتی سربراہوں میں ایک تھا۔ وہ سلطان کا چیف صلاح کار تھا۔ وزیر کا خاص کام ریاست کی مالیاتی تنظیم کی دیکھ بھال کرنا، سلطان کو صلاح دینا اور موقع پڑنے پر سلطان کے حکم پر فوجی مہمات کی بھی سربراہی کرنا تھا۔ وہ فوج کی ادائیگی کی نگرانی کرتا تھا۔ وزارت یا وزیر کا دفتر زمین محاصل جمع کرنے اور سبھی آمدنی اور ریاست کے ذریعہ کیے جانے والے اخراجات کا ریکارڈ رکھنے کی ذمہ داری بھی نبھاتا تھا اور اس طرح سبھی شاہی ملازمین کی تنخواہوں پر نگرانی رکھنے کے ساتھ اس ریکارڈ رکھتا تھا، وقف، انعام وغیرہ جیسے کار خیر کے عطیات وغیرہ کا بھی نگراں تھا۔ مزید ٹکسال، خفیہ محکمہ، شاہی عمارتوں اور شاہی دربار سے وابستہ دیگر ہستیوں کی بھی وزارت کے ذریعہ نگرانی کی جاتی تھی۔ وزیر کی سیدھی رسائی سلطان کے پاس تھی اور اس کی دانش مندی، خلوص اور وفاداری کی بنیاد پر سلطان کافی حد تک اسی پر منحصر تھا۔

کئی دیگر شعبے بھی تھے جو وزارت کے ماتحت کام کرتے تھے۔ ان کو مخصوص کام سونپے گئے تھے۔

ان میں مستوفی ممالک (آڈیٹر جنرل)، مشرف ممالک (اکاونٹنٹ جنرل)، مجموعہ دار (خزانے کے قرضوں اور بقایہ جات کا نگراں) شامل تھے۔ بعد میں وزارت کی نگرانی میں بعض دیگر دفاتر لائے گئے جیسے دیوان وقوف (اخراجات کی نگرانی کرنا)، دیوان مستخارج (محاصل ادائیگیوں کے بقایوں کی دیکھ بھال کے لیے)، دیوان امیر کوہی (ریاستی مدد سے بے کاشت شدہ زمین کو کاشتکاری کے تحت لانا)۔

(ii) دیوان عریض

سلطنت کی فوجی تنظیم کی دیکھ بھال کے لیے یہ شعبہ قائم کیا گیا تھا۔ اس کی سربراہی عریض ممالک کیا کرتا تھا۔ وہ فوجی امور کے انتظام کے لیے ذمہ دار تھا۔ وہ شاہی دستے کی دیکھ بھال کرتا تھا، فوجیوں کی بھرتی کرتا تھا، فوج کی ڈسپلن اور ان کو چاق وچوبند بنانے کو یقینی بناتا تھا، اقطع داروں کے ذریعہ رکھی گئی افواج اور گھوڑوں کا معائنہ کرتا تھا، ان پر شاہی شناختی نشان داغنے کا اہتمام کرتا تھا۔ جنگ کے زمانے میں فوجی رسد، نقل وحمل کا بندوبست کرتا تھا اور جنگ میں فوج کا انتظام وانصرام کرتا تھا اور مستقل رسد فراہمی کے اہتمام کے علاوہ مال غنیمت کا متولی ہوا کرتا تھا۔ علاء الدین خلجی نے فوج پر اپنے کنٹرول کو مضبوط بنانے کے لیے داغ اور حلیہ کے نظام اور فوجیوں کو نقد ادائیگی کی شروعات کی۔ دہلی میں مقیم شاہی دستے کو حسام القلب اور صوبائی فوجی دستے کو حسام اطرف کہا جاتا تھا۔

(iii) دیوان انشا

یہ شعبہ ریاست کی مراسلت دیکھتا تھا۔ اس کی سربراہی دبیر خاص کرتا تھا۔ وہ شاہی احکامات کی مسودہ نویسی اور اسے ارسال کرتا تھا اور مختلف عہدیداروں سے رپورٹیں موصول کرتا تھا۔ دبیر مرکز اور سلطنت کے دیگر خطوں میں ترسیل ومواصلات کا رسمی ذریعہ تھا۔ وہ سلطان کا ایک طرح سے نجی سیکریٹری ہوتا تھا اور فرمانوں کو لکھنے کے لیے ذمہ دار تھا۔

برید ممالک خبروں کو جمع کرنے اور خفیہ محکمے کا ریاستی سربراہ تھا۔ وہ ان سبھی معلومات کو جمع کرتا تھا جو سلطنت میں واقع ہوتی تھیں۔ مقامی سطح پر برید ہوا کرتے تھے جو ریاست کے معاملات سے متعلق باقاعدہ خبروں کو مرکزی دفتر بھیجا کرتے تھے۔ بریدوں کے علاوہ رپورٹروں کا ایک اور گروپ بھی ہوتا تھا جسے منہیان کے طور پر جانا جاتا تھا۔

(iv) دیوان رسالت

یہ شعبہ عدل کے انتظام وانصرام سے متعلق تھا۔ اس کی سربراہی صدر الصدور کے ذریعہ کی جاتی تھی جو قاضی ممالک بھی تھا۔ وہ اعلیٰ مذہبی عہدیدار تھا اور دینیاتی امور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ وہ قاضیوں کی تقرری کرتا تھا اور وقف، وظیفہ وغیرہ کا رخیر کے مختلف عطیات کی منظوری دیتا تھا۔

سلطان سول (دیوانی) اور فوجداری دونوں معاملات میں اپیل کی اعلیٰ ترین عدالت تھا۔ اس کے



بعد قاضی ممالک ہوتا تھا۔ محتسب عدالتی شعبے کا معاون تھا۔ اس کا خاص کام یہ دیکھنا تھا کہ اسلام کی تعلیمات کی کوئی عوامی خلاف ورزی نہ ہو۔ عوامی اخلاقیات اور طرز عمل کی نگرانی رکھنے کے ساتھ انھیں نافذ بھی کرتا تھا۔

(v) دیگر شعبہ جات

ان کے علاوہ مرکز میں کئی چھوٹے چھوٹے شعبے تھے جو سلطنت کی روز مرہ کی انتظامیہ میں مدد کرتے تھے۔ وکیل دار شاہی گھریلو امور کی دیکھ بھال کرتے تھے اور سلطان کی ذاتی خدمات کا بندوبست کرتے تھے۔ امیر حاجب شاہی تقریبات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ وہ سلطان اور ماتحت عہدایداروں اور سلطان اور عوام کے درمیان ثالث کے طور پر بھی عمل کرتا تھا۔ سرائے جاندار شاہی محافظ دستے کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ امیر آخور گھوڑوں کے اصطبل کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ امیر مجلس اجلاس اور خاص تقریبات کا بندوبست دیکھتا تھا۔ سلطنت کے انتظامی نظام میں کارخانے ایک اہم کردار ادا کرتے تھے۔ شاہی گھریلو ضرورتیں کارخانوں کے ذریعہ پوری کی جاتی تھیں۔ کارخانے دو قسم کے تھے (i) کارگاہیں (ii) اسٹور ہاؤس۔ فیروز تغلق کے زمانے میں 36 کارخانے تھے۔ ہر کارخانے کی نگرانی ملک یا خاں کے درجے کے امیر کیا کرتے تھے۔ متصارف کھاتوں کے لیے ذمہ دار تھا اور مختلف شعبوں میں فوری نگراں کے طور پر کام کرتا تھا۔



متن پر مبنی سوالات 12.2

1- وزارت کے ماتحت کام کرنے والے دو شعبوں کا ذکر کیجئے۔

2- علاوالدین خلجی نے فوج میں کس عمل کو متعارف کیا۔؟

3- عدل کی انتظامیہ کون سا شعبہ دیکھتا تھا اور اس کا سربراہ کون تھا۔؟

12.4 صوبائی انتظامیہ اور اقطاع نظام

ان علاقوں کا انتظامیہ (جو مرکزی سیاسی علاقے کے باہر واقع تھے) کئی طرح سے انجام دیا جانا تھا۔ ان کا سیاسی کنٹرول ان علاقوں کے درجے پر منحصر تھا۔ سلطنت کی علاقائی توسیع اور استحکام ایک عمل

تھا جو پورے 13 ویں اور چودھویں صدی میں جاری رہا تھا۔ کچھ نئے مفتوحہ علاقے سلطنت کے سیدھے کنٹرول میں لائے گئے تھے اور باقی دوسرے علاقے نیم خودمختار بنے رہے۔ اس طرح ان علاقوں کے لیے سلطان کے ذریعہ مختلف کنٹرول میکانزم اپنایا گیا۔ ان علاقوں میں جو سلطنت سے رسمی طور پر ملحق تھے شاہی موجودگی کی علامت کے طور پر مرکز کے ذریعہ کچھ عہدیداروں کی تقرری کی گئی تھی۔ ان علاقوں میں مرکز کی دلچسپی زیادہ تر معاشی یعنی محاصل کو وصول کرنا تھا۔

صوبوں کو گورنروں کے زیر اختیار رکھا گیا تھا جو مجموعی طور پر علاقے کی سبھی انتظامیہ کے لیے ذمہ دار ہوا کرتے تھے۔ اس میں محاصل کو جمع کرنے، امن واماں قائم رکھنے اور باغی عناصر کو قابو میں رکھنے کو یقینی بنانا شامل تھا۔ وہ اپنے علاقے میں سلطان کا نائب ہوا کرتا تھا۔ چونکہ عہدیداروں کا بار بار تبادلہ ہوتا تھا وہ علاقوں سے مانوس نہیں ہوتے تھے اس لیے اپنے فرائض کو انجام دینے میں وہ عام طور پر مقامی عہدیداروں پر منحصر ہوتے تھے۔ مقامی عہدیداروں کی مدد کے بغیر محاصل وصول کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسی طرح گورنر اور مقامی طاقتی بلاک ایک دوسرے کے ساتھ قریبی اشتراک کے ساتھ کام کرتے تھے۔ کبھی کبھی یہ اتحاد سلطان کے لیے مسائل پیدا کر دیتا تھا کیونکہ گورنر مقامی حکمرانوں کی مدد لے کر طاقت ور بن جایا کرتے تھے۔ 14 ویں صدی کے دوران انتظامی سہولت کے لیے صوبوں کو شقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ شقوں کا انتظام شق دار کے ذریعہ انجام دیا جاتا تھا۔ بعد میں افغان دور میں شقوں کی ہیئت سرکار میں تبدیل ہوگئی۔ شق دار کے ساتھ فوجدار بھی صوبائی سطح پر ایک عہدیدار ہوا کرتا تھا۔ ان کے فرائض واضح طور پر نہیں بیان کیے گئے تھے اور اکثر دونوں کے کردار ایک دوسرے سے ٹکراتے دکھائی دیتے ہیں۔ شق دار امن واماں قائم رکھنے اور فوجی مدد فراہم کرنے میں گورنر کی مدد کرتے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی انتظامی اکائیوں کے کام کاج کی نگرانی بھی رکھتے تھے۔ فوجدار کے فرائض بھی شق دار جیسے ہی تھے۔ کوتوالوں کو فوجداروں کے ماتحت رکھا گیا تھا۔

صوبائی سطح پر دیگر اہم عہدیدار برید (خفیہ افسر اور رپورٹر) اور صاحب دیوان تھے (جو صوبائی آمدنی اور اخراجات کے مالیاتی گوشوارے رکھتے تھے)

12.5 اقطاع نظام

ریاست کے لیے خدمات فراہم کرنے کے صلے کے طور پر ابتدائی اسلامی دنیا میں اقطاع کے نظام کو نافذ کیا گیا۔ خلافت انتظامیہ میں سول اور فوجی افسروں کو ادائیگی کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا تھا۔ سلطنت کے قیام کے بعد سلطانوں کے ذریعہ اقطاع نظام کی شروعات کی گئی۔ فوج کے کمانڈروں اور امراء سے اس کی شروعات کی گئی انہیں محاصل کے انتظام وانصرام اور وصول کرنے کے لیے قطعات



نوٹس

تفویض کیے گئے۔ اس طرح جو قطعات ان کو تفویض کیے گئے تھے انھیں اقطاع اور انہیں لینے والوں کو اقطاع دار یا مقتی کہا جاتا تھا۔

اصل میں یہ عہدیداروں کو ادائیگی اور ان کے ذریعہ فوج کے اخراجات پورے کرنے کا ایک نظام تھا، دھیرے دھیرے اس پورے نظام کو منظّم کرنے کے لیے اصول، قواعد وضوابط مرتب کیے گئے۔ بعد کے برسوں میں یہ سلطنت کی منتظم کاری کا ایک خاص ذریعہ بن چکا تھا۔ مزید یہ کہ سلطانوں کے ذریعہ اس نظام کے ذریعہ وسیع علاقوں کے مختلف حصوں سے فاضل پیداوار کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا جاتا تھا۔

14ویں صدی سے ہمیں ولی یا مقتی اصطلاح سنائی دیتی ہے۔ یہ فوجی اور انتظامی قطعات (انہیں اقطاع کہا جاتا تھا) کے کمانڈر تھے۔ رفتہ رفتہ مقتی کو اقطاع کے بندوبست کی پوری ذمہ داری دے دی گئی تھی جس میں ایک فوج کے رکھ رکھاؤ کا کام بھی شامل تھا۔ ضرورت پڑنے پر مقتی کو اپنی فوج سے سلطان کی مدد کرنی ہوتی تھی۔ اس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ فوج کا رکھ رکھاؤ کریگا اور وصول کیے گئے محاصل سے اپنے خود کے اخراجات پورے کریگا۔ بلبن کے زمانے سے مقتی سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے اور فوج کے اخراجات پورے کرنے کے بعد آمدنی کا بقایا (فواضل) مرکز کو بھیجتا رہے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا مرکزی شعبہ محاصل کو اقطاع کی متوقع آمدنی کی تشخیص کرنی ہوتی تھی۔ یہ عمل علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں زیادہ سخت ہو گیا تھا۔ جیوں جیوں مرکزی نگرانی بڑھتی گئی مقتی انتظامیہ پر بھی کنٹرول بڑھتا گیا۔ خواجہ (غالباً صاحب دیوان جیسا عہدہ) کی تقرری اقطاع کی آمدنی کا ریکارڈ رکھنے کے لیے کی گئی تھی۔ اس ریکارڈ کی بنیاد پر ہی سلطان اپنے محاصل کا مطالبہ کیا کرتا تھا۔ برید یا خفیہ یا خبر رسانی کے لیے ذمہ دار افسر کی تقرری بھی سلطان کو آگاہ رکھنے کے لیے کی گئی تھی۔ محمد بن تغلق کے عہد حکومت میں متعدد گورنروں کی تقرری محاصل کی ساجھے داری کی شرائط پر کی گئی تھی جس کے تحت وہ حکومت کو ایک مقرر رقم ادا کیا کرتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اقطاع پر ریاست کا کنٹرول ڈھیلا پڑ گیا جبکہ اقطاع موروثی ہو چکا تھا۔

12.6 مقامی انتظامیہ

گاؤں، انتظامیہ کی سب سے چھوٹی اکائی تھی۔ گاؤں کے کام کاج اور انتظامیہ کا نظام کم وبیش ترکوں سے پہلے کے زمانے جیسا ہی قائم تھا۔ خاص دیہی اہلکار کھوٹ، مقدم اور پٹواری تھے۔ جو محاصل وصول کرنے تھے اور امن واماں قائم کرنے وغیرہ میں وہ مقتی کے ساتھ قریبی ارتباط کر کے کام کرتے تھے۔ کئی گاؤں مل کر پرگنہ بنتے تھے۔ اہم پرگنہ عہدیدار چودھری، عامل (محاصل وصول کرنے والا)، کارکن (اکاونٹنٹ) ہوتے تھے۔ گاؤں اور پرگنہ انتظام کی آزاد اکائیاں تھیں۔ تاہم یہ باہم بین متعلق شعبے تھے۔

بعض معاملوں میں صوبے کا ایک مقامی حکمراں (رائے ، رانا، راوت، راجہ) ہوتا تھا جو گورنر کو اس کے فرائض کی تکمیل میں مدد کرتا تھا۔ ایسے معاملے میں مقامی حکمرانوں کو سلطان کے ماتحت کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔



متن پر مبنی سوالات 12.3

1- پرگنہ کی سطح پر تین عہدیداروں کے نام بتایے۔

_____

2- سلطان دور کی بعض انتظامی اکائیوں کا ذکر کیجئے۔

_____

3- کچھ اہم دیہی اہلکاروں کا ذکر کیجئے۔

_____

4- فواضل کیا تھا؟

_____

12.7 علاء الدین خلجی کی منڈی اصلاحات

علاء الدین خلجی کی منڈی اصلاحات انتظامی اور فوجی ضرورتوں پر مرکوز تھے۔ عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کا ماننا تھا کہ زندگی کی ضروریات خاص طور پر اناج معقول قیمتوں پر عوام کو دستیاب ہونا چاہیے۔ لیکن کچھ ہی حکمراں کافی حد تک قیمتوں پر کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوئے۔ علاء الدین کم وبیش پہلا حکمراں تھا جس نے قیمت کنٹرول کے مسئلے پر ایک منظّم انداز میں توجہ دی اور ایک قابل لحاظ حد تک کو پائدار رکھنے میں برقرار رہا۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ علاء الدین خلجی نے بازار کنٹرول کو ادارے کی شکل (نظام پر مبنی) اس لیے دی کہ وہ دہلی پر منگول محاصرے کے بعد ایک بڑی فوج بھرتی کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ فوج پر کافی بڑے وسائل صَرف کرتا تو اس کے سبھی خزانے جلد خالی ہوسکتے تھے۔ کم قیمتوں کے ساتھ سلطان کم اخراجات کے ساتھ ایک بڑی فوج بھرتی کرسکتا تھا۔ منڈی اصطلاحات کے لیے جو بھی وجہ رہی ہو، ایک جامع انتظامی بندوبست اختیار کیا گیا تھا تا کہ یقینی بنایا جاسکے کہ منڈی کنٹرول کو سختی کے ساتھ اپنایا جارہا ہے۔

اناج سے لے کر کپڑے تک، غلام، مویشیوں وغیرہ سبھی اشیاء کی قیمتیں علاء الدین نے مقرر کی



نوٹس

تھیں۔ اس نے دہلی میں تین منڈیاں بھی قائم کیں، پہلی منڈی اناج کے لیے تھی، دوسری سبھی طرح کے کپڑوں اور مہنگے سامانوں جیسے چینی، گھی، تیل، سوکھے میوے وغیرہ کی تھی اور تیسری گھوڑوں، غلاموں اور مویشیوں کے لیے، غذائی قیمتوں پر قابو رکھنے کے لیے علاء الدین نے نہ صرف گاؤوں سے غذائی اجناس کی رسد اور اناج تاجروں کے ذریعہ شہر تک نقل وحمل کو یقینی بنانے کی کوشش کی بلکہ اس نے شہریوں تک اس کی مناسب تقسیم کو بھی یقینی بنایا۔ مقرر کی گئی قیمتوں پر نگرانی کے لیے متعدد اقدامات کیے گئے جن کا مشاہدہ سلطان سختی کے ساتھ کرتا تھا۔ ایک افسر (شہنا) منڈی کا انچارج ہوا کرتا تھا جو یہ دیکھتا تھا کہ کوئی شاہی احکامات کی خلاف ورزی نہ کرنے پائے۔ برید (خبر رسانی افسر) اور منہیان (خفیہ جاسوس) کی بھی تقرری کی گئی۔ علاء الدین نے اس بات کو بھی یقینی بنانے کی کوشش کی کہ حکومت کے پاس غذائی اجناس کا کافی ذخیرہ موجود رہے تاکہ تاجر مصنوعی قلت پیدا کرنے یا منافع خوری کے ذریعہ قیمتوں کو بڑھا نہ سکیں، دہلی اور چھین (راجستھان) میں اناج کے گودام قائم کیے گئے۔ بنجارے یا کروانیوں جو غذائی اجناس کو دیہاتوں سے شہر پہنچاتے تھے، ان سے کہا گیا کہ وہ خود کو ایک تنظیم کی شکل دیں۔ انہیں ان کے گھر والوں کے ساتھ جمنا کے کناروں پر بسایا گیا۔ ان کی نگرانی کے لیے ایک عہدے دار (شہنا) کی تقرری کی گئی تھی۔ بنجاروں کو غذائی اجناس کی باقاعدہ فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے متعدد ضوابط بنائے گئے۔ سبھی غذائی اجناس (منڈی) لائے جاتے تھے اور صرف سرکاری قیمتوں پر فروخت کیے جاتے تھے۔

دوسری منڈی کپڑے، سوکھے میوے، گھی وغیرہ کی تھی جنہیں سرائے عدل کہا جاتا تھا۔ سبھی کپڑے جو ملک کے مختلف حصوں اور باہر سے بھی لائے جاتے تھے ان کا ذخیرہ کیا جاتا تھا اور وہ صرف سرکاری قیمتوں پر اس منڈی میں بیچے جاتے تھے۔ سبھی اشیاء کی کافی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے، سبھی تاجروں کا رجسٹریشن کیا گیا تھا اور ان سے ایک دستاویز لیا گیا تھا کہ وہ ہر سال سرائے عدل میں اشیاء کی ایک مخصوص مقدار لائیں گے۔ وہ تاجر جو غیر ملکوں کے ساتھ ساتھ دور دراز سے اشیاء لاتے تھے، انہیں اس شرط پر پیشگی رقم دی جاتی تھی کہ وہ انہیں کسی بچولیے کو فروخت نہیں کریں گے۔ مہنگی اشیاء کے معاملے میں ایک عہدیدار امیروں، مالکوں وغیرہ کو ان کی آمدنی کے مطابق ان مہنگی اشیاء کو خریدنے کا اجازت نامہ جاری کرتا تھا۔ ایسا ان مہنگی اشیاء کی کالا بازاری کو روکنے کے لیے کیا گیا تھا۔

تیسری منڈی میں گھوڑوں، مویشی اور غلاموں کا کاروبار ہوتا تھا، مناسب قیمتوں پر اچھے معیار کے گھوڑوں کی سپلائی فوج کے لیے اہم تھی۔ علاء الدین نے بچولیوں یا دلالوں کو دور رکھنے کا اہتمام کیا جو بہت زیادہ طاقتور ہو چکے تھے۔ یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ حکومت کی طرف سے گھوڑوں کی کوالٹی اور قیمتیں مقرر کی جائیں۔ اسی طرح غلام لڑکوں اور لڑکیوں اور مویشیوں کی بھی قیمتیں مقرر کر لی گئی تھیں۔ لیکن یہ اصلاحات زیادہ طویل عرصے تک نہیں چل سکیں اور علاء الدین کی موت کے بعد یہ اصلاحات ختم ہو چکی



تھیں۔



متن پر مبنی سوالات 12.4

1- بازار کے ضوابط کی نگرانی کون سے عہدیدار کیا کرتے تھے؟

2- ان جگہوں کا نام بتایئے جہاں علاوالدین خلجی کے ذریعہ اناج کے گودام قائم کیے گئے تھے؟

3- بنجارے کون تھے؟

12.8 مغلوں کے ماتحت انتظامی ڈھانچہ

مغلوں نے دہلی سلطنت اور شیر شاہ کے انتظامی نظام کی بہت سی خصوصیات کو برقرار رکھا تھا۔ شیر شاہ کے ماتحت پرگنہ (گاؤوں کا ایک مجموعہ)، سرکار (پرگنوں کا مجموعہ) اور سرکاروں کے مجموعے (کسی حد تک صوبے جیسا) کو مخصوص دفاتر کے تحت رکھا گیا تھا۔ مغلوں نے ایک نئی علاقائی اکائی کی باضابطہ تشکیل کی، انہیں صوبہ کہا جاتا تھا۔ جاگیر اور منصب نظام کے ادارے بھی مغلوں نے شروع کیے تھے۔ اس طرح مغل انتظامی ڈھانچہ کو تبدیلی اور تسلسل دونوں کے لیے جانا جاتا ہے اس سے نظام میں کافی حد تک مرکزیت پیدا ہوئی۔

12.8.1 مرکزی انتظامیہ

(i) بادشاہ

بادشاہ انتظامیہ کا اعلیٰ ترین سربراہ تھا اور سبھی فوجی اور عدالتی اختیارات پر کنٹرول رکھتا تھا۔ مغل انتظامیہ کے سبھی عہدیدار اپنے اختیارات اور مقام کے لیے بادشاہ کے مرہون منت تھے۔ بادشاہ کو اپنی مرضی سے عہدیداروں کی تقرری، انہیں ترقی دینے اور ہٹانے کا اختیار تھا۔ بادشاہ پر کسی طرح کا ادارہ جاتی یا اور کسی صورت کا دباؤ نہیں تھا۔ بہتر طور پر سلطنت کے کام کاج کو انجام دینے کے لیے کچھ شعبوں کی تخلیق کی گئی۔



(ii) وکیل اور وزیر

وزارت کا ادارہ (یا وکالت کیونکہ دونوں کا استعمال ایک دوسرے کے بدلے کیا جاتا تھا) دہلی سلطنت میں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ دہلی سلطنت میں افغان حکمرانوں کے دور میں وزیر کی پہلے کی نمایاں حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ مغلوں کے ماتحت یہ حیثیت بحال ہوئی۔ بابر اور ہمایوں کے وزیروں کو کافی اختیارات حاصل تھے۔ وہ دور جس میں بیرم خاں (1556 تا 1560) اکبر کا متولی تھا غیر محدود اختیارات کے ساتھ وکیل/ وزیر کا عروج دیکھا گیا۔ وزیر کے اختیارات میں کمی لانے کے اکبر کے پختہ ارادے کے سبب بعد میں چل کر اس ے مالی اختیارات سلب کر لیے گئے۔ وزیر کے اختیار کے لیے یہ ایک بڑا جھٹکا تھا۔

(iii) دیوان کل

دیوان کل صدر دیوان تھا۔ وہ محاصل اور مالیات کے لیے ذمہ دار تھا۔ اکبر نے دیوان کو محاصل کے اختیارات سونپ کر دیوان کے عہدے کو مضبوطی فراہم کی۔ دیوان سبھی شعبوں میں سبھی لین دین اور ادائیگیوں کا معائنہ کیا کرتا تھا اور صوبائی دیوانوں پر نگرانی رکھتا تھا۔ سبھی قسم کے محاصل وصول کرنا اور بادشاہ کے اخراجات اسی کے ذمہ تھے۔ دیوانوں کو روز مرہ کی بنیاد پر ریاستی مالیات کے بارے میں رپورٹ بادشاہ کو دینی ہوتی تھی۔

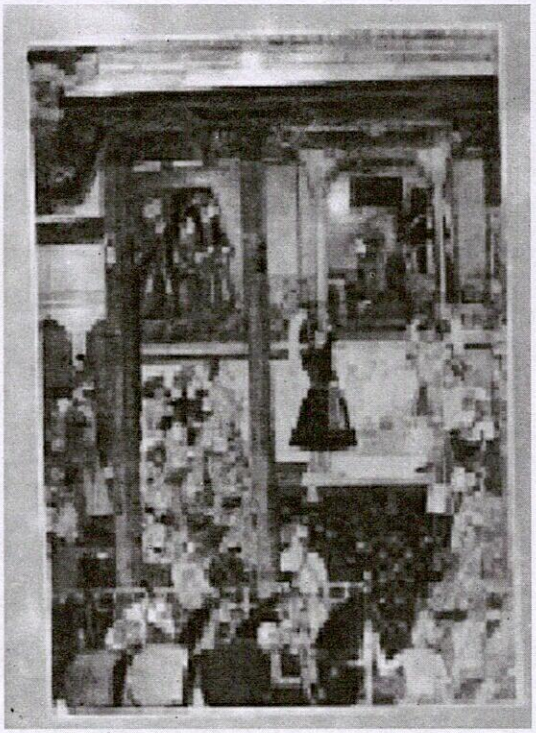

شکل 12.1: شاہی دربار



(iv) میر بخشی

میر بخشی فوجی انتظامیہ سے متعلق سبھی معاملوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ منصب داروں کی تقرری کے احکامات اور ان کی تنخواہ کے کاغذ پر توثیق اور منظوری دینی ہوتی تھی۔ مسلح شاہی فوجی دستے اور منصب داروں کے جنگی لوازمات کی منظور شدہ حدود کو مناسب طور پر برقرار رکھنے کے لیے وہ ان پر سخت نگرانی رکھتا تھا۔ وہ جونئی ملازمت کی جستجو کرتے تھے ان کے بارے میں میر بخشی بادشاہ کو رپورٹ پیش کرتا تھا۔

(v) صدر الصدور

صدر الصدور شعبہ دینیات کا سر براہ تھا۔ اس کی خاص ذمہ داری شریعت کے قوانین کا تحفظ کرنا تھا۔ صدر کا دفتر مجاز افراد اور مذہبی اداروں کو وظائف اور الاؤنس فراہم کرتا تھا۔ اس کے سبب اکبر کے دور حکومت کے پہلے پچیس سالوں تک یہ عہدہ نفع بخش بنا ہوا تھا۔ 1580 میں محضر کے نفاذ کے ذریعہ اس کے اختیار کو محدود کر دیا گیا۔ محضر کے مطابق مذہبی دانش وروں میں متصادم خیالات کی صورت میں اکبر کا نظریہ رائج کیا جاتا تھا۔ یہ عہدیدار مذہبی اور کار خیر کے مقاصد کے لیے عطیات کا بھی ضابطہ بناتا تھا۔ محاصل سے پاک عطیات دینے کے لیے بھی بعد میں صدر کے اختیار پر متعدد پابندیاں لگادی گئیں۔ محتسب (عوامی اخلاقیات کی جانچ پڑتال) کی تقرری اخلاقیات کے اصولوں کی عوامی تعمیل کو یقینی بنانے کے لیے کی گئی تھی۔ وہ اوزان اور پیمائشوں کا معائنہ بھی کرتا تھا اور مناسب قیمتوں وغیرہ کا نفاذ کرتا تھا۔

(vi) میر سمن

میر سمن شاہی کارخانوں کا افسر انچارج تھا۔ وہ ہر طرح کی خریداریوں اور شاہی گھر کے لیے ان کے ذخیرے کا ذمہ دار تھا۔ شاہی گھر کے استعمال کے لیے مختلف اشیاء کو تیار کرنے کی نگرانی بھی کرتا تھا۔

12.8.2 صوبائی انتظامیہ

مغل سلطنت کو اکبر کے ذریعہ بارہ صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ صوبے الہٰ باد، آگرہ، اودھ، اجمیر، احمد آباد، بہار، بنگال، دہلی، کابل، لاہور، مالوہ اور ملتان تھے، بعد میں احمد نگر، برار اور خاندیش بھی شامل ہوئے، مغل سلطنت کے توسیع کے ساتھ صوبوں کی تعداد بڑھ کر بیس ہوگئی۔

ہر صوبے کو ایک صوبے دار یا صوبائی گورنر کے ماتحت رکھا گیا تھا جس کی براہ راست تقرری بادشاہ کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ صوبے دار صوبے کا سر براہ تھا اور عام امن واماں کو برقرار رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ وہ زراعت، تجارت اور کامرس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور ریاست کے محاصل کو بڑھانے کے اقدامات کرتا تھا۔ اسے بغاوت کو کچلنے اور فوجی مہمات کے لیے فوج مہیا کرنے کی بھی ذمہ اری دی گئی تھی۔

صوبہ میں شعبہ محاصل کا سر براہ دیوان تھا۔ اس کی تقرری بادشاہ کرتا تھا اور وہ ایک آزاد عہدیدار

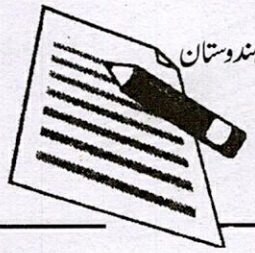

تھا۔ وہ صوبے میں محاصل کی وصولیابی کی نگرانی اور سبھی اخراجات کے کھاتے رکھتا تھا۔ اس سے علاقے کو کاشتکاری کے تحت لائے جانے والے علاقوں میں اضافے کی توقع کی جاتی تھی۔ بہت سے معاملوں پیشگی قرض (تقاوی) کسانوں کو اس کے دفتر سے دیا جاتا تھا۔

صوبے میں بخشی وہی کام انجام دیتا تھا جو میر بخشی مرکز میں انجام دیتا تھا۔ میر بخشی کی سفارش پر شاہی دربار کے ذریعہ اس کی تقرری کی جاتی تھی۔ اسے صوبے میں منصب داروں کے ذریعہ رکھے گئے گھوڑوں اور فوجیوں کی جانچ اور معائنہ کرنے کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ اس کے دفتر کو وزیر کے دفتر کے ساتھ متحد کر دیا گیا تھا۔ اس حیثیت سے اس کی ذمہ داری اپنے صوبے میں ہونے والے واقعات کے بارے میں مرکز کو مطلع کرنا تھا۔

مرکزی صدر کی نمائندگی صوبائی سطح پر صدر کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ وہ ان لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے ذمہ دار تھا جو مذہبی سرگرمیوں اور تعلیم و تدریس میں لگے رہتے تھے۔ وہ شعبہ عدل کی بھی نگرانی کرتا تھا اور اس حیثیت سے وہ قاضیوں کے کام کاج پر بھی نظر رکھتا تھا۔

کچھ دوسرے عہدیدار تھے جن کی تقرری صوبائی سطح پر کی جاتی تھی۔ داروغہ ڈاک کی رسل و رسائل کے لیے ذمہ دار تھا۔ وہ میرواروں (ڈاکیوں) کے ذریعہ دربار میں خطوط بھیجتا تھا۔ وقائع نویس اور وقائع نگاروں کی تقرری بادشاہ کو سیدھے طور پر اطلاعات فراہم کرنے کے لیے کی جاتی تھی۔

12.8.3 مقامی انتظامیہ

صوبوں کو سرکاروں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ سرکاروں کو پرگنوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گاؤں انتظامیہ کی سب سے چھوٹی اکائی ہوتی تھی۔

سرکار کی سطح پر دو اہم اہلکار تھے ایک فوجدار اور دوسرا عمل گزار۔ فوجدار کی تقرری شاہی فرمان کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ کبھی کبھی سرکار میں متعدد فوجدار ہوا کرتے تھے۔ بعض معاملات میں ان کا دائرۂ اختیار دو سرکاروں تک پھیلا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کا تعلق دو مختلف صوبوں سے ہوتا تھا۔ فوجداری ایک انتظامی ڈویژن تھا جبکہ سرکار ایک علاقائی اور محاصل ڈویژن تھا۔ فوجدار کا ابتدائی فرض اپنے دائرہ اختیار کے علاقوں کے باشندوں کی زندگی اور املاک کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ وہ اپنے علاقوں میں امن و امان کی نگرانی بھی رکھتا تھا۔ محاصل کی وصولیابی بروقت کرنے میں فوج کی ضرورت پڑنے پر وہ مدد کرتا تھا۔

عمل گزار یا عامل محاصل کا وصول کار تھا۔ اس کی ذمہ داری محاصل وصول کرنے کے لیے تشخیص اور نگرانی کی تھی۔ زیر کاشت زمین کو بڑھانے کی اس سے توقع کی جاتی تھی اور وہ کسانوں کو محاصل رضا مندی سے ادا کرنے کی ترغیب بھی دیا کرتا تھا۔ وہ سبھی طرح کے حساب رکھتا تھا اور صوبائی دیوان کو یومیہ



رسید اور اخراجات کی رپورٹ بھیجا کرتا تھا۔

پرگنہ کی سطح پر شق دار ایک انتظامی افسر تھا۔ محاصل کو وصول کرنے کے کام میں وہ عاملوں کی مدد کرتا تھا۔ عامل پرگنہ سطح پر محاصل کی وصولیابی کی نگرانی کرتا تھا۔ قانون گو پرگنہ کی سبھی زمینوں کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ شاہی حکومت کے ذریعہ قصبوں میں خاص طور پر کوتوالوں کی تقرری کی جاتی تھی جو امن وامان کے انچارج ہوتے تھے۔ قصبوں میں آنے اور جانے والے لوگوں کا ریکارڈ رکھنے کے لیے ایک رجسٹر رکھتا تھا۔ مقدم گاؤں کا سربراہ تھا اور گاؤں کے محاصل کے ریکارڈوں کی نگرانی رکھنے کے لیے پٹواری ہوا کرتا تھا۔ زمینداروں کی خدمات سے استفادہ ان کے علاقوں میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے کی جاتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ محاصل کی وصولیابی میں بھی وہ مدد کرتا تھا۔ قلعوں کو قلعہ دار نام کے افسر کے ماتحت رکھا گیا تھا۔ وہ قلعہ اور اسے تفویض کی گئی جاگیر کی عمومی انتظامیہ کا انچارج تھا۔ بندرگاہ انتظامیہ صوبائی اقتدار سے آزاد تھے۔ بندرگاہ کے گورنر کو متسادی کہا جاتا تھا اور سیدھے طور پر بادشاہ کے ذریعہ اس کی تقرری کی جاتی تھی۔ متسادی تجارتی اشیاء پر لگائے جانے والے ٹیکس وصول کرتا تھا اور ایک کسٹم ہاؤس کے کام کاج دیکھتا تھا۔ وہ بندرگاہ پر ٹکسال کی نگرانی بھی رکھتا تھا۔



متن پر مبنی سوالات 12.5

1- اکبر نے وزیر کے اختیار میں کٹوتی کیوں کی تھی؟

2- میر سمن کون تھا؟ اس کے فرائض کیا تھے؟

3- متسادی کون تھا؟ اس کے فرائض کیا تھے؟

4- سرکار کی سطح پر دو اہم اہلکار کون تھے؟

12.11 مغل انتظامی ادارے

(i) منصب داری نظام

ہندوستان میں مغلوں کے ماتحت منصب اور جاگیر نظام کا ارتقا وقت کے ساتھ ساتھ ہوا۔ منصب



نوٹس

داری ایک منفرد نظام تھا جس کا اختراع ہندوستان میں مغلوں کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ منصب داری نظام کا ارتقا کچھ تبدیلیوں اور ترمیم کے ساتھ اکبر کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ مغلوں کے ماتحت سول اور فوجی انتظامیہ کی بنیاد یہی نظام تھا۔ لفظ منصب کا مطلب رتبہ یا حیثیت تھا۔ کسی فرد کو جسے منصب کی ذمہ داری دی گئی تھی اس کی سرکاری درجہ بندی اور تنخواہ دونوں کو ہی مقرر کر دیا گیا تھا۔ منصب داروں کے لیے رکھ رکھاو کے لیے مسلح افواج کی تعداد بھی مقرر کر دی گئی تھی۔ امراء کے درجے کو زیادہ سبک بنانے کے لیے نظام وضع کیا گیا، ان کی تنخواہ مقرر کی گئی اور ان کے ذریعہ رکھ رکھاؤ کے لیے رسالے کی تعداد واضح کی گئی۔ منصب نظام کے تحت عہدوں کو عددی معنی میں ظاہر کیا گیا تھا۔ ابوالفضل بیان کرتا ہے کہ اکبر نے منصب داروں کے 66 گریڈ قائم کیے تھے جن کی وسعت 10 گھڑ سواروں سے لے کر 10,000 گھڑ سواروں تک کے کمانڈروں کی تھی، حالانکہ اس نے صرف 33 گریڈ کا ذکر کیا ہے۔ ابتدائی طور پر ایک منصب دار کی ذاتی تنخواہ اور منصب دار کے تحت امدادی فوجیوں کی تعداد کی نمائندگی کی ایک عدد مقرر کر دی جاتی تھی۔ بعد میں منصب دار کے عہدے کو دو اعداد ذات اور سوار کے ذریعہ ظاہر کیا جانے لگا۔ ذات کسی عہدے کے ذاتی درجے کو ظاہر کرنا تھا جبکہ سوار منصب داروں کے ذریعہ رکھی گئی امدادی فوج کے حجم کی نشاندہی کرتا تھا۔ امدادی فوج کی قوت کی بنیاد پر منصب داروں کو تین زمروں میں رکھا گیا تھا۔ منصب دار کی ایک مثال لیتے ہیں جن کا درجہ 7000 ذات اور 7000 سوار کا تھا (7000/7000) اس مثال میں ذات اور سوار کا درجہ (رتبہ) مساوی (7000/7000) تھا۔ دوسری مثال میں سوار کا درجہ ذات کی نسبت کم تھا لیکن یہ ذات درجے کے نصف پر یا پچاس فی صد پر موقوف ہو گیا تھا (یعنی 7000/4000) تیسری مثال میں سوار کا درجہ ذات کے مرتبے کے پچاس فی صد سے کم (7000/3000) تھا۔ اس طرح سوار درجہ ذات سے یا تو مساوی یا کم تھا۔ گویا کہ سوار درجہ اگر اونچا ہے تو سرکاری سلسلہ مدارج میں منصب دار کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کا فیصلہ صرف ذات کے درجے سے ہی کیا جاتا ہے مثال کے لیے کسی منصب دار کے پاس 4000 ذات اور 2000 سوار تھے تو وہ 3000 ذات اور 3000 سوار کے منصب دار کی نسبت زیادہ مرتبے والا تھا۔

لیکن اس اصول کے مستثنات بھی تھے خاص طور پر اس وقت جب منصب دار باغیوں کے ساتھ دشوار خطوں میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہو۔ ایسے معاملے میں ذات درجے کو بدلے بغیر سوار درجے کو ریاست کے ذریعہ بڑھا دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی سوار درجے کو بحرانی صورتحال سے نمٹنے کے لیے ایک عارضی مدت تک بڑھا دیا جاتا تھا۔

جہانگیر نے سوار درجے میں ایک نیا اہتمام شروع کیا تھا۔ اس کے مطابق سوار درجے کو منتخب منصب داروں کے معاملے میں دو اسپاء سہ اسپا کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ اس کے لیے فی سوار

8,000 دام کی اسی شرح پر جزوی ادائیگی منظور کی جاتی تھی۔ اسی طرح اگر سوار درجہ 4000 کا تھا جس میں 1000 دو اسپاہ سہ اسپاہ تھے تو اس کے لیے سوار کی تنخواہ کا شمار اس طرح کیا جاتا تھا۔

3,0000x8,000+(1,000x8,000'xz)=40,000,000 dams- دو اسپاہ سہ اسپاہ کے بغیر 4,000 سوار کے لیے تنخواہ (4,000x8,000)=32,000,000 دام پر رکھی جاتی تھی۔ اس طرح دو اسپاہ سہ اسپاہ زمرے کے لیے سواروں کی دوہری تعداد رکھنی ہوتی تھی اور اس کے لیے ادائیگی کی جاتی تھی۔ جہانگیر نے شاید اس اہتمام کی شروعات اپنے بھروسے کے امراء کو ترقی دینے اور فوجی لحاظ سے انہیں مضبوطی فراہم کرنے کے لیے کی تھی۔ اس اہتمام کے ذریعہ ذات درجے یا زمرے میں کسی تبدیلی کو انجام دیے بغیر اپنے امراء کی فوجی قوت بڑھائی جا سکتی تھی۔ ان کے ذات درجے میں کسی طرح کے اضافے سے نہ صرف دیگر امراء میں حسد بڑھا بلکہ اس سے خزانے پر بھی اضافی بوجھ بڑا۔

شاہ جہاں نے جمع (تخمینی آمدنی) اور حاصل (اصل کمائی گئی آمدنی) کے درمیان خلاء کی تلافی کے لیے منصب داری نظام کی ماہانہ شرح کی شروعات کی۔ عام طور پر منصب داروں کو جاگیروں کے ذریعہ محاصل تفویض کیے جاتے تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ شمار ایک سال کے دوران جاگیر کی متوقع آمدنی (جمع) کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔ یہ مشاہدہ کیا گیا کہ حقیقی محصول وصولیابی (حاصل) ہمیشہ تخمیناً آمدنی سے کم ہوتی تھی۔ ایسی صورتحال میں منصب دار کی تنخواہ ماہانہ شرح طریقے کے ذریعہ مقرر کی جاتی تھی۔ اس طرح، اگر کوئی جاگیر جمع کی صرف آدھی رقم کماتا تھا تو اسے شش ماہی کہا جاتا تھا، اگر یہ آمدنی صرف ایک چوتھائی ہوتی تھی تو اسے سہ ماہی کہا جاتا تھا۔ ماہانہ شرح کا نفاذ نقد تنخواہ ہوں پر بھی ہوتا تھا۔ منظور شدہ تنخواہ سے کٹوتیاں بھی کی جاتی تھیں۔ شاہ جہاں کے دور حکومت میں منصب داروں کو سوار درجے کی منظور شدہ قوت کا 1/5 تا 1/3 کے رکھ رکھاؤ کی اجازت تھی جو سوار درجے کے لیے رکھ رکھاؤ کی رقم پر ان کے دعوے میں کسی طرح کی کمی کے بغیر ہوتا تھا۔

اورنگ زیب نے یہ سبھی تبدیلیاں جاری رکھیں اور ایک اضافی درجے جسے مشروط کہا جاتا تھا کی تخلیق کی۔ یہ عارضی طور پر منصب دار کے سوار درجے میں اضافے کی ایک کوشش تھی۔ اورنگ زیب نے خوراک دو آب کہی جانے والی تخفیف بھی شامل کی تاکہ شاہی اصطبلوں میں جانوروں کی خوراک کی لاگت پوری کی جا سکے۔

(ii) جاگیرداری نظام

ریاست کے تئیں امراء کی خدمات کے سلسلے میں ان کے لیے مخصوص علاقے کے محاصل کی تفویض کا نظام مغلوں کے تحت بھی جاری رہا۔ مغلوں کے ماتحت جو علاقے تفویض کیے جاتے تھے انہیں عام طور پر جاگیر اور اسے پانے والوں کو جاگیردار کہا جاتا تھا۔ جاگیردار نظام منصب داری نظام کا ایک لازمی جزو



نوٹس

تھا جس کو اکبر کے ماتحت فروغ دیا گیا تھا۔ اور اس کے جانشینوں کے دور حکومت میں کچھ تبدیلیوں کے دور گزرے۔ اکبر کے دور میں سبھی قطعہ زمین کو موٹے طور پر دو زمرے خالصہ اور جاگیر میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلی قسم سے محاصل شاہی خزانے کو جاتا تھا اور یہ ان جاگیروں سے موصول ہوتا تھا جو نقد تنخواہ کے بدلے میں جاگیرداروں کو تفویض کی جاتی تھی۔ منصب داروں کو تنخواہ کے استحقاق کا شمار ان کے ذات اور سوار کے درجوں کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔ تنخواہ یا تو نقد ادا کی جاتی تھی (ایسی صورت میں اسے نقدی کہا جاتا تھا) یا جاگیر کی تفویض کے ذریعہ کی جاتی تھی یہ ترجیحی طریقہ تھا۔ اگر جاگیر کی تفویض کے ذریعہ ادائیگی کی جاتی تھی تو مرکزی دیوان کے ذریعہ ان پرگنوں کی شناخت کی جاتی تھی جن کا کل میزان 'جمع' منصب داروں کے تنخواہ کے استحقاق کے مساوی ہوتا تھا۔ اگر جمع رقم اس کی تنخواہ کے دعوے سے زیادہ ہوتی تھی تو اسے مرکزی خزانے میں بقایا جمع کرنا ہوتا تھا۔ جبکہ دوسری طرف اگر تنخواہ کے دعوے سے کم ہوتا تو اس کی کی ادائیگی خزانے سے کی جاتی تھی۔

تاہم کوئی بھی تفویضات نہ تو مستقل نوعیت کی اور نہ ہی موروثی ہوتی تھیں۔ بادشاہ جاگیر کا ایک حصہ یا پوری جاگیر کسی بھی وقت شاہی علاقے کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں منتقل کرسکتا تھا۔ مغل حکمرانی میں جاگیر اور خالصہ کے درمیانی نسبت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا تھا۔ اکبر کے دور میں خالصہ کل محاصل کا صرف 5 فی صد تھا۔ جہانگیر کے زمانے میں یہ 10 فی صد تھا جبکہ شاہ جہاں کے دور میں اس میں 9 سے 15 فی صدی تک کے درمیان بدلتا رہتا تھا۔ اورنگ زیب کے عہد حکومت کے بعد کے حصے میں خالصہ پر دباؤ کچھ زیادہ ہو گیا تھا کیونکہ منصب داروں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ جاگیر کے لیے دعویداروں کی تعداد بڑھ گئی تھی جاگیرداروں کا بھی تبادلہ ایک جاگیر سے دوسری جاگیر میں کیا جاتا تھا (لیکن بعض صورتوں میں انہیں اس بات کی اجازت تھی کہ وہ ایک ہی جگہ پر اپنی جاگیر طویل عرصے تک رکھ سکتے تھے)۔ مقامی محاصل کو فروغ دینے سے جاگیرداروں پر قابو رکھنے کے لیے تبادلہ کا نظام رائج کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ایک نقصان تھا کہ اس سے جاگیرداروں کو ان کے علاقوں کو فروغ دینے کے لیے طویل مدتی اقدامات کرنے میں جاگیردار دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

جاگیروں کی مختلف اقسام تھی۔ تنخواہ جاگیر تنخواہوں کے بدلے میں دی جاتی تھی، مشروط جاگیریں بعض شرائط کی بنیاد پر دی جاتی تھی۔ وطن جاگیروں کی تفویض زمیندار یا راجاؤں کو ان کی مقامی عمل داری میں تفویض کی جاتی تھی۔ التمغہ جاگیریں مسلم امراء کو ان کے آبائی قصبوں یا مقام پیدائش میں دی جاتی تھیں۔ تنخواہ جاگیریں ہر تین یا چوتھے سالوں میں قابل منتقلی تھیں۔ وطن جاگیریں موروثی ہوتی تھیں اور ناقابل منتقلی تھیں۔ جب کسی زمیندار کو منصب دار بنایا جاتا تھا تب اگر اس کے مرتبے کی تنخواہ اس کے وطن جاگیر کی آمدنی سے زیادہ ہوتی تھی تو اسے وطن جاگیر کے علاوہ کسی دیگر مقام پر تنخواہ جاگیر بھی دی جاتی

تھی۔ جاگیر داروں کو شاہی ضوابط کے لحاظ سے صرف مجاز محصول کی وصولیابی کی اجازت تھی ۔ جاگیر داروں کو عامل وغیرہ جیسے اپنے خود کے عہدیدار ملازمت پر رکھتے تھے۔ شاہی دفتر جاگیرداروں پر نگرانی رکھتا تھا۔ صوبے کے دیوان سے جاگیرداروں کے ذریعہ کسانوں پر ظلم وجبر کو روکنے کی توقع کی جاتی تھی۔ ہر صوبے میں امین کی تعیناتی یہ دیکھنے کے لیے کی جاتی تھی کہ وہ شاہی ضوابط کی پابندی کرتے تھے۔ اگر محصول کو وصول کرنے میں جاگیردار کو کوئی دشواری پیش آتی تھی تب فوجدار کی مدد لی جاتی تھی۔



متن پر مبنی سوالات 12.6

1- منصب داری نظام کا تعارف کس نے کیا؟ اس نظام کو کیوں وضع کیا گیا؟

_____

2- ذات اور سوار کیا ہے؟

_____

3- منصب داری نظام میں اورنگ زیب نے کیا تبدیلیاں کیں؟

_____

4- جاگیر نظام کیا ہے؟

_____

12.10 مراٹھوں کے ماتحت انتظامی ڈھانچہ

مراٹھا اقتدار کا عروج دکن کی تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ تھا۔ مراٹھوں کے انتظامی نظام پر مغلوں اور دکنی ریاستوں کے انتظامی نظام کا بہت زیادہ اثر پڑا۔

(i) مرکزی انتظامیہ

راجہ، انتظامیہ کا اعلیٰ ترین مقام تھا۔ انتظامیہ کو آٹھ شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا جس کی سربراہی وزرا کرتے تھے جن کو کبھی کبھی اشٹ پر دھان کہا جاتا تھا۔ آٹھ وزرا تھے (i) پیشوا جو مالیات اور عام انتظامیہ کی دیکھ بھال کرتا تھا (2) سرنوبت جو سیناپتی تھا، (3) مجومدار جو حسابات کی دیکھ بھال کرتا تھا (4) وقائع نویس جو خبر رسانی، ڈاک اور گھریلو معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا (5) سرنویس یا چٹنس جو سرکاری مراسلت دیکھتا تھا (6) دبیر غیر ملکی امور کا نگراں تھا۔ (7) نیائے دھیش عدلیہ کا نگراں تھا (8) پنڈت راؤ مذہبی معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اشٹ پردھان شواجی کی تخلیق نہیں تھی، پیشوا، مجومدار، وقائع



نوٹس

نویس، دبیر اور سرنویس جیسے عہدایدار دکنی حکمرانوں کے ماتحت بھی موجود تھے۔ پنڈت راؤ اور نیائے دھیش کے علاوہ اشٹ پردھان کے سبھی ارکان سے فوجی مہمات کی سربراہی کے لیے کہا جاتا تھا۔ شواجی کے ماتحت یہ منصب نہ تو موروثی ہوتے تھے اور نہ ہی مستقل ان کا عہدہ راجہ کی مرضی پر منحصر تھا۔ ان کا اکثر تبادلہ بھی کیا جاتا تھا۔ ہر اشٹ پردھان کی معاونت آٹھ معاونین دیوان، مجومدار، پھڈنس، سبنیس، کارخانیں۔ چٹنس، جمع دار، پوٹینس کے ذریعہ کی جاتی تھی۔

چٹنیس سفارتی مراسلت دیکھتا تھا اور تمام شاہی خطوط تحریر کرتا تھا۔ پھڈنیس قلعوں کے کمانڈروں کے خطوط کے جواب دیا کرتا تھا۔ پوٹینس شاہی خزانے کی آمدنی اور اخراجات دیکھتا تھا۔

(ii) صوبائی اور مقامی انتظامیہ

صوبائی انتظامیہ کو بھی دکنی اور مغل نظام کی بنیاد پر منظّم کیا گیا تھا، سبھی صوبائی اکائیاں پہلے ہی سے دکنی حکمرانوں کے ماتحت موجود تھیں۔ شواجی نے بعض معاملوں میں ان کی تنظیم نو کی اور انہیں دوبارہ نام دیا۔ صوبوں کو پرانت کے نام سے جانا جاتا تھا۔ پرانتوں کو صوبے دار کی سربراہی میں رکھا گیا۔ کئی صوبیداروں پر سرصوبیدار ہوتے تھے جن کا کام صوبے دار کے کام پر کنٹرول رکھنے کے علاوہ ان کی نگرانی رکھنا تھا۔ پرانت کی نسبت چھوٹے صوبے کو طرف کہا جاتا تھا جس کی سربراہی حوالدار کرتا تھا۔ موضع یا گاؤں انتظامیہ کی سب سے چھوٹی اکائی تھے۔ گاؤں کی سطح پر کلکرنی حسابات دیکھتے تھے اور ریکارڈ رکھتے تھے جبکہ پاٹل کے پاس قانونی اور پولیس سے متعلق اختیارات حاصل تھے۔ پرگنہ کی سطح پر دیش پانڈے حساب دیکھتے اور ریکارڈ رکھتے تھے جبکہ دیش مکھ کو قانونی اور پولیس سے متعلق اختیارات حاصل تھے۔ دیہی علاقے میں پولیس افسر کو فوجدار اور شہری علاقے میں کوتوال کہا جاتا تھا۔ مراٹھا نظام حکومت میں شہری اور فوجی عہدے کو متحد نہیں کیا گیا تھا۔ مراٹھوں کے ماتحت کارکردگی کی بنیاد پر ممتاز برہمن طبقہ مرکزی دفتر شاہی اور مقامی انتظامیہ میں مامور تھے۔ اس حیثیت سے انہیں کام دشدار کہا جاتا تھا۔ انہیں ٹیکس کی شرح مقرر کرنے اور وصولیابی کے وسیع اختیارات حاصل تھے۔ وہ مقدمے کا فیصلہ کرتے اور مقامی حالات کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ریکارڈ بھی رکھتے تھے۔ بعد میں صرف اسی مراٹھا افسر کی طرز پر برطانوی ضلع کلکٹر کا عہدہ تشکیل کیا گیا۔



متن پر مبنی سوالات 12.7

1- اشٹ پردھان کے القاب کی فہرست بنایئے۔

2- مراٹھوں کے انتظامی نظام پر کون اثر انداز ہوا؟

3- مراٹھا انتظامیہ کے ماتحت انتظامیہ کی سب سے چھوٹی اکائی کون سی تھی؟

آپ نے کیا سیکھا

آپ نے دیکھا کہ دہلی سلطنت کے قیام کے ساتھ نیا حکمراں طبقہ اور کچھ نئے انتظامی نظام وجود میں آئے، انتظامی ادارے عرب اور مرکزی ایشیاء کی اصل اور ہندوستانی اصل کے امتزاج تھے۔ مغل عہد کے دوران سلطنت کے بعض ادارے تبدیلیوں کے دور سے گزرے اور کچھ نئے اداروں کی تخلیق ہوئی۔ انتظامی نظام اور اداروں نے دہلی سلطنت اور مغل سلطنت کے استحکام میں کافی مدد گار رہے۔ سماج میں سماجی آہنگی قائم کرنے کے لیے بھی حکمرانوں کے ذریعہ انتظامی نظام سے استفادہ کیا گیا۔ اس کے لیے انتظامی سانچے میں سماج کے زیادہ سے زیادہ طبقات کو شامل کیا گیا۔ سلطنت کے کافی پھیلاؤ کے سبب انتظامی نظام تین سطحوں یعنی مرکزی صوبائی اور مقامی سطحوں پر شروع ہوا۔ مقامی انتظامیہ کو خاص طور پر گاؤں کے سربراہ یا مکھیا کے ہاتھوں میں رکھا گیا۔ صوبائی سطح پر سلطنت کے دور میں اقطاع کے ادارے کا اور مغل دور میں منصب اور جاگیر کے ادارے کے ذریعہ انتظامیہ کا کام انجام دیا گیا۔ مرکزی سطح پر سلطان یا بادشاہ کے انتظامیہ کا اپنا خود کا نظام تھا اور متعدد عہدیدار اس کی معاونت کرتے تھے۔ بعض عمل کی دیکھ بھال کے لیے مختلف شعبہ جات بھی تھے۔ کبھی کبھی حکمراں کے سامنے طبقہ امراء اور علماء مدافعت کرتے تھے جن کی کوشش یہ رہتی تھی کہ ان پر دباؤ بنایا جائے۔ مضبوط اور اہل حکمراں کے ماتحت یہ انتظامی نظام اور ادارے بہتر طور پر اپنے عمل انجام دیتے تھے لیکن کمزور حکمراں ان کے دباؤ میں رہتے تھے۔ مراٹھا انتظامی نظام کو مغل اور دکنی ریاستوں کے خطوط پر فروغ دیا گیا۔

اختتامی سوالات

1- دہلی سلطنت کے دوران کس طرح انتظامی ڈھانچہ کا ارتقا ہوا تھا؟
2- دہلی سلطنت کے دوران طبقہ امراء کی ترکیب پر بحث کیجئے۔
3- دہلی سلطنت کے دور حکومت میں وزارت کے کام کاج کا ذکر کیجئے۔



نوٹس

4- سلطنت کے ماتحت اقطاع نظام کا ارتقا دریافت کیجئے۔

5- سلطنت کے ماتحت مقامی انتظامیہ کے کام کاج پر بحث کیجئے۔

6- علاء الدین خلجی کی منڈی اصلاحات پر بحث کیجئے۔ اس نے اسے نافذ کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے؟

7- مغل دور میں دیوان کل اور میر بخشی کے فرائض کا ذکر کیجئے۔

8- مغلوں کے دور میں مقامی انتظامیہ کے کام پر بحث کیجئے۔

9- اکبر تا اورنگ زیب کے دور میں منصب داری نظام کا ارتقا بیان کیجئے۔

10- جاگیرداری نظام کی اہم خصوصیات بیان کیجئے۔

11- مراٹھا انتظامیہ کی اہم خصوصیات پر بحث کیجئے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

12.1

1- چہلگان 40 امراء کا گروپ تھا۔ اس کی تخلیق التمش کے ذریعہ کی گئی تھی۔

2- بلبن

3- سلطان کی حیثیت ''برابر کے لوگوں میں پہلی تھی۔''

4- علماء مسلمانوں کا مذہبی دانشور گروپ تھا جس کا کام مذہبی معاملات دیکھنا اور مذہبی ضوابط کی تشریح کرنا تھا۔

12.2

1- ستوفی ممالک، مشرف ممالک

2- داغ اور حلیہ

3- کھوٹ، مقدم، پٹواری

4- فواضل محاصل آمدنی کا بقایا تھا جسے مقتی کو اس کے اور اس کی فوج کے اخراجات کو پورا کرنے کے بعد بھیجنا ہوتا تھا۔

12.3

1۔ شِق دار، فوجدار، کوتوال وغیرہ

2۔ پرگنہ، شِق، سرکار وغیرہ

3۔ خط، مقدم، پٹواری

4۔ فواضل، ، محاصل آمدنی کا بقایا ہوتا تھا، جو مقتی سلطان کے پاس بھیجتے تھے تا کہ وہ اپنے اور اپنے اہل خاندان کے اخراجات پورے کر سکے۔

12.4

1- شہنا، بدیر، منیہان وغیرہ

2- دہلی اور چھن (راجستھان)

3- بنجارہ غذائی اجناس کو دیہاتوں سے شہر لایا کرتے تھے۔ علاء الدین خلجی کے زمانے میں انہوں نے خود ایک تنظیم کی تشکیل کیا اور جمنا کے کناروں پر بس گئے۔

12.5

1- اکبر وزیر کے اختیارات میں کٹوتی چاہتا تھا کیونکہ اس کا وزیر بیرم خاں کافی طاقتور ہو چکا تھا۔ اکبر نے وزیر سے مالیاتی اختیارات چھین لیے۔

2- میر سمن شاہی کارخانے کا افسر انچارج تھا۔ وہ شاہی محل کے لیے ہر طرح کی خریداریوں اور ان کے ذخیرے کے لیے ذمہ دار تھا۔ وہ مختلف اشیاء کو بنانے یا تیار کرنے کی بھی نگرانی کرتا تھا۔

3- تتسادی بندرگاہ کا گورنر تھا۔ وہ تجارتی اشیاء پر ٹیکس وصول کرتا تھا اور ایک کسٹم ہاؤس کا رکھ رکھاؤ دیکھتا تھا۔ وہ بندرگاہ پر ٹکسال کی بھی نگرانی کرتا تھا۔

4- فوجدار اور عمل گزار

12.6

1- اکبر نے منصب داری نظام کی شروعات کی۔ یہ امراء کے رتبے یا درجے اور ان کی تنخواہ مقرر کرنے اور ان کے ذریعہ رکھے جانے والے والے گھڑ سواروں کی تعداد کی صراحت کرنے کے لحاظ سے وضع کیا گیا تھا۔

2- ذات کسی عہدیدار کے ذاتی رتبے کو ظاہر کرتا ہے اور سوار منصب دار کے ذریعہ رکھی گئی امدادی فوج کی تعداد کی نشاندہی کرتا ہے۔

3- اورنگ زیب نے منصب نظام میں ایک اضافی درجے کی تخلیق کی جسے مشروط کہا جاتا تھا۔ اس نے شاہی اصطبلوں میں جانوروں کی خوراک کی لاگت پوری کرنے کے لیے خوراک دوآب کے نام ایک اور منہائی کا اضافہ کیا۔

4- دیکھیں سیکشن 12.9 (ii)



نوٹس

12.7

-1 مرکزی مراٹھا انتظامیہ کے تحت دیکھیں۔

-2 مراٹھوں کے انتظامی نظام پر مغل اور دکنی ریاستوں کا اثر پڑا تھا۔

-3 موضع یا گاؤں مراٹھا انتظامیہ کے تحت انتظامیہ کی سب سے چھوٹی اکائی تھی۔

اختتامی سوالات کے لیے اشارے

-1 پیرا1 اور 12.1 کا2 دیکھیں

-2 پیرا 12.2 (ii) دیکھیں

-3 12.3 (i) دیکھیں

-4 12.5 دیکھیں

-5 12.6 دیکھیں

-6 12.7 دیکھیں

-7 12.8 (iii) اور (iv) دیکھیں

-8 12.8.3 دیکھیں

-9 12.9 (i) دیکھیں

-10 12.9 (ii) دیکھیں

-11 12.10 دیکھیں

فرہنگ اصطلاحات

علماء – مسلم دانش ور جو مذہبی تدریس وتعلیم کا ماہر تھا۔ عالم کی جمع۔

چہلگان – التمش کے ذریعہ بنایا گیا 40 امراء کا ایک گروپ

دیوان وزارت – سلطنت دور کا نہایت اہم دفتر جس کی سربراہی وزیر کرتا تھا۔

دیوان عریض – وہ شعبہ جو فوجی تنظیم کی دیکھ بھال کرتا تھا، اس کی سربراہی عریض ممالک کرتا تھا۔

داغ – گھوڑوں اور جانوروں کو داغنے کا نظام

حلیہ – فوجیوں کا توضیحی مندرجات

دیوان انشا – وہ شعبہ جو ریاست کی مراسلت دیکھتا تھا اس کی سربراہی دبیر خاص کے ذریعہ کی جاتی تھی



نوٹس

دیوان رسالت – وہ شعبہ جو عدل کا انتظامیہ دیکھتا تھا، اس کی سربراہی صدر الصور کے ذریعہ کی جاتی تھی۔

محتسب – ضوابط کی دیکھ بھال کے لیے اس افسر کی تقرری کی گئی تھی۔

کارخانہ – شاہی کارخانے جو ریاست کے ذریعہ مطلوبہ اشیاء تیار کرنے یا وصول کرنے کا کام کرتے تھے۔

اقطاع – کسی علاقے یا گاؤں کے محاصلات کا عطیہ

مقدّم – گاؤں کا سربراہ جس کے لفظی معنی مکھیا یا بزرگ شخص ہے۔

رائے – ہندو سردار عام طور پر اس کا اپنا علاقہ اور اپنی فوج ہوتی تھی۔

منصب – مغل حکومت کے ذریعہ عطا کیا گیا فوجی عہدہ جس میں حیثیت اور فرد کی تنخواہ کو مقرر کر دیا جاتا تھا۔

جاگیر – قطعہ زمین جو ریاست کے ذریعہ کس سرکاری عہدیدار کو تفویض کی جاتی تھی۔

بنجارہ – اناج اور مویشی کا تاجر؛ جگہ جگہ گھومنے والا قبیلہ

دلال – بچولیا

عامل، عمل گزار – محاصل کلکٹر

خالصہ زمین – قطعہ زمین جو ریاست کے ذریعہ رکھی جاتی اور سیدھے طور پر ان کے ذریعہ انتظام کیا جاتا۔

محضر – علماء نے ایک اعلانیہ پر دستخط کیے تھے، جس کے رو سے ان کے درمیان خیالات کے ٹکراؤ کی صورت میں اکبر کے نظریہ کو رائج کرنا تھا۔

فواضل – زائد رقم

مقطی – اقطاع دار یا گورنر

مشرف – محاصل افسر

متصارف – آڈیٹر

وقف – مذہبی اداروں کے رکھ رکھاؤ کے لیے تفویض کیا گیا عطیہ

وظیفہ – گزارہ الاؤنس، وظیفہ



نوٹس

13

معیشت

عہد وسطیٰ کے لوگ اپنے بنیادی ذریعہ معاش کے لیے کئی طرح کی معاشی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے کام کا میدان پیداوار کے لیے زراعت سے لے دستکاری، تجارت اور کامرس تک تھا۔ کمرشیل اور مالیاتی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ اس پوری مدت میں ان سرگرمیوں میں مختلف تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ ریاست نے اپنی بقا اور توسیع کے لیے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے ذریعہ اپنے وسائل کو متحرک کیا۔

اس سبق میں، آپ پیدا وار، ریاست کے ذریعہ وسائل کو حرکت میں لانے، تجارتی اور کمرشیل (کاروباری) سرگرمیوں کے مختلف طریقوں اور ذرائع کے بارے میں مطالعہ کریں گے۔ زرعی پیدا وار کے سیکشن میں ہم کاشتکاری، فصل خیزی کے طریقے اور آبپاشی کے ذرائع اور طریقوں پر بحث کریں گے۔ ٹیکس کاری نظام کے تحت زمینی محصول (لگان)، محاصل کی انتظامیہ میں زمیندار، بچولیوں کے کردار اور کاشتکاروں کے طبقے پر پڑنے والے بوجھ کا تجزیہ کیا جائیگا، غیر زرعی پیداوار کے سیکشن میں آپ عہد وسطیٰ کی ہندوستانی دستکاریوں، اس کے لیے اپنائی جانے والی ٹکنالوجیوں اور پیداوار کی تنظیم کے وسیع تنوع کے بارے میں پڑھیں گے۔ آپ صرافوں، تاجروں، دلالوں وغیرہ اور کمرشیل رواجوں جیسے بل آف ایکسچینج (ہنڈی)، دلالی، بیمہ کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بھی پڑھیں گے۔

مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ:

- ہندوستان کی کاشتکاری کی وسعت؛ اگائی گئی خاص فصلوں، اور آبپاشی کے ذرائع اور طریقوں کے بارے میں جان سکیں گے؛
- عہد وسطیٰ کے نظام محاصل کا تجزیہ کر سکیں گے؛



- محاصل کی وصولیابی میں زمیندار بچولیوں کا کردار جان سکیں گے؛
- دستکاری کی مختلف اشیا کی پیداوار پر بحث کرسکیں گے؛
- کس طرح غیر زرعی پیداوار کی تنظیم کی جاتی تھی اس کا اندازہ کرسکیں گے؛
- داخلی اور غیر ملکی تجارت کے بارے میں بیان کرسکیں گے؛
- خاص کمرشیل رواجوں اور تجارت سے متعلق عملہ کے بارے میں جان سکیں گے؛ اور
- اس دور کے کرنسی نظام کو بیان کرسکیں گے۔

13.1 زراعتی پیداوار

عہد وسطیٰ میں زرعی پیدا وار سب سے اہم پیداوار تھی۔ زراعت سے ہونے والی آمدنی ریاستی محاصل کا اہم ذریعہ تھا۔

(i) کاشتکاری کی وسعت

کاشتکاری کی وسعت کے مفہوم کو کل دستیاب قابل کاشت زمین اور زیر کاشت اصل رقبہ کے کے لحاظ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ قابل ذکر ہے کہ زمین اور انسان کی ایک موافق نسبت تھی یعنی زمین کی دستیابی کسانوں کے ذریعہ اصل کاشت کی جانے والے زمین کی نسبت زائد تھی۔ ایسی صورتحال میں پیدا وار میں اضافے کی جدوجہد زراعت کو وسعت دینے یعنی نئے نئے علاقوں کو زیر کاشت لانے کے ذریعہ کی گئی تھی۔

مثال کے لیے ہم عصری ذرائع سے جانتے ہیں کہ گنگا، جمنا دوآب جیسے زرخیز خطوں میں بھی زمین کے بڑے بڑے قطعات سلطنت کے عہد حکومت میں جنگلات اور گھاس کے میدانوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ مغل دور میں بھی انسان کے لحاظ سے زمین کا تناسب موافق بنا رہا تھا۔

اس دور کے حکمرانوں نے اسی لیے ایسے علاقوں کو زیر کاشت لانے کے لیے جواب تک زیر کاشت نہیں تھے وہاں زراعت کی توسیع کی پالیسی پر بار بار زور دیا۔ قبائلی، پسماندہ اور دور افتادہ علاقوں میں زراعت کی شروعات کی گئی۔ جنگلات کو صاف کیا گیا اور خالی پڑی زمینوں کو قابل کاشت زمینوں میں منتقل کیا گیا۔ سلطنت سے لے کر مغل دور تک زراعت کی حدود کو اچھے تناسب میں بڑھایا گیا۔ مغل دور میں زراعت سلطنت کے تقریباً سبھی حصوں میں کی جاتی تھی، تاہم اس میں زمینیں اب بھی مغل زراعتی آبادی کی ضروریات کے لحاظ سے زائد تھیں۔ اکبر کے عہد حکومت کی نسبت اورنگ زیب کے دور حکومت میں کاشتکاری کی وسعت میں نمایاں طور پر اضافہ ہوا۔ بہار، اودھ اور بنگال کے کچھ حصوں میں کاشتکاری کا پھیلاؤ جنگلات کو صاف کرنے کے سبب ہوا، جبکہ پنجاب اور سندھ میں نہروں کے جال بچھانے کے



نوٹس

سبب کاشتکاری میں توسیع ہوئی۔

(ii) فصلوں کی نمونہ بندی

عہد وسطیٰ میں ہندوستانی کسانوں نے مختلف قسم کی غذائی فصلیں، نقدی فصلیں، سبزیوں اور مسالوں کی پیداوار کی تھی۔ وہ اپنے زمانے کی فصلی کاشت کی مختلف ترقی یافتہ تکنیکوں جیسے دوہری فصل خیزی، فصل کٹائی، فصل گردانی، کھادوں کا استعمال اور آبپاشی کے لیے کئی طرح کے طریقوں اور ترکیب سے واقف تھے۔

a- **غذائی فصل:** خاص غذائی فصلیں جن کی پیداوار کی جاتی تھی وہ تھیں چاول، گیہوں، جو، جوار، باجرہ اور مختلف قسم کی دالیں جیسے چنا، ارہر، مونگ، موٹھ، ارہر، کیسری وغیرہ۔

b- **نقدی فصلیں:** گنا، کپاس، نیل، افیم، ریشم وغیرہ عہد وسطیٰ کی کچھ نہایت اہم نقدی فصلیں تھیں۔ گنے سے شراب بنانے کا کام چودھویں صدی تک بڑے پیمانے پر ہونے لگا تھا۔ مغل دور میں گنا کافی بڑے پیمانے پر اگائی جانے والی نقد فصل تھی بنگال میں بہت عمدہ قسم کے گنے کی پیداوار ہوتی تھی۔

مغل دور میں بیانا (نزد آگرہ) اور سرکھیج (نزد احمد آباد) میں اچھی کوالٹی کی نیل پیدا ہوتی تھی۔ ریشم سازی (شہتوت کے درخت پر ریشم کے کیڑوں کو پالنا سلطنت کے دور میں اوسط پیمانے پر رائج تھا لیکن مغل دور میں یہ عمل بڑے پیمانے پر ہونے لگا تھا۔ بہار اور مالوہ کے مغل صوبے عمدہ قسم کی افیم کی پیداوار کرتے تھے۔ سولہویں صدی میں پرتگالیوں نے ہندوستان میں تمباکو کی کاشت شروع کی تھی اور بعد کے دور میں بڑے پیمانے پر یہ کام ہونے لگا تھا۔ سورت اور بہار تمباکو کی زیادہ پیداوار والے مرکز بن چکے تھے۔ اس طرح سترہویں صدی سے کافی کی کاشت بڑے پیمانے پر ہونے لگی تھی۔

c- **پھل اور سبزیاں:** عہد وسطیٰ میں پھل سے متعلق فصلوں کی کاشت میں تیزی سے فروغ حاصل ہوا۔ بعض دہلی سلطانوں نے پھل کی فصلوں کی کاشت کو بڑھانے میں کافی سرگرمی دکھائی۔ مثال کے طور پر فیروز شاہ تغلق نے دہلی کے گردونواح میں 1200 باغیچوں کی بنیاد رکھی۔ مغل بادشاہ اور ان کے امراء نے پوری فراخدلی سے پھلوں کے باغ لگوائے۔

سولہویں اور سترہویں صدی کے عرصے میں باہر کی ایجنسیوں کے ذریعہ ہندوستان میں متعدد پھلوں کا تعارف کیا گیا۔ مثال کے طور پر انناس، پپیتا اور کاجو وغیرہ پرتگالیوں کے ذریعہ متعارف کیے گئے۔ چیری کابل سے لائی گئی لیچی اور امرود کا تعارف اسی دور میں ہوا۔ طرح طرح کی سبزیوں کی بھی پیداوار عہد وسطیٰ کے ہندوستانی کسانوں کے ذریعہ کی



جانے لگی تھی۔ ابو الفضل نے اپنی آئینہ اکبری میں سبزیوں کی فہرست دی تھی، جن کا استعمال اس زمانے میں کیا جاتا تھا۔ بعد کے عہد وسطیٰ میں مرچ اور ٹماٹر کا تعارف ہوا۔

d- مسالے: کالی مرچ، الائچی، ہلدی، زعفران، پان کا پتہ وغیرہ کچھ اہم مسالے تھے جن کی پیداوار عہد وسطیٰ میں ہندوستانی کا شتکاروں کے ذریعہ کی جاتی تھی، مغل دور تک ہندوستان کے جنوبی ساحل سے ایشیا اور یوروپ کے مختلف ملکوں تک بڑی مقدار میں مختلف قسم کے مسالے برآمد کیے جاتے تھے۔

(iii) آبپاشی کے ذرائع اور طریقے

ہندوستانی زراعت اپنی آبپاشی سے متعلق ضروریات کے لیے ہمیشہ قدرتی اور مصنوعی دونوں طرح کے پانی کے مختلف وسائل پر منحصر رہی ۔ یہ وسائل تھے، بارش، کنویں، ندی، تالاب، نہریں اور جھیلیں وغیرہ۔

باندھ، جھیلیں اور آبی مخزن آبپاشی کے کچھ اہم ذرائع تھے۔ جنوبی ہندوستان میں ریاست، مقامی سردار اور مندر مینجمنٹ نے اس مقصد کے لیے ندیوں پر متعدد باندھ بنوائے مثال کے لیے مڈگ جھیل کو تنگ بھدراندی پر متصلہ علاقوں کی آبپاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے وجے نگر حکمرانوں کے ذریعہ بنوایا گیا تھا۔ جھیلیں اور آبی مخازن جیسے ڈھیر، ادے ساگر، راج سمنداور جے سمند (یہ سبھی میواڑ میں) بلسان (مارواڑ) اور مان ساگر (امبر) وغیرہ عہد وسطیٰ کے راجستھان میں پانی کے اہم وسائل تھے۔

کنویں، آبپاشی کے ایک عام وسیلے تھے، جو ملک کے مختلف حصوں میں یکساں طور پر واقع تھے۔ کنووں سے پانی نکالنے کے لیے متعدد قسم کی مصنوعی ترکیبیں استعمال کی جاتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے کنوؤں پر گھرنیاں (چرخی) لگائی جاتی تھی، ایک اور طریقہ لیور کے اصول پر مبنی تھا۔ اس طریقے میں بالکل سیدھی شہتیر کے کانٹے کے ایک سرے کے ساتھ ایک لمبی رسی بندھی ہوتی تھی اور دوسرے سرے میں بھری بالٹی سے زیادہ بھاری وزن لٹکایا جاتا تھا۔ ہندوستان میں سلطنت دور سے رہٹ (Perrian wheel) کا استعمال شروع ہو چکا تھا یہ اس دور کا پانی نکالنے والا سب سے زیادہ ترقی یافتہ طریقہ تھا۔ اس طریقے میں برتنوں کے ایک ہار کو ایک پہیے کے رم سے منسلک کیا جاتا تھا، اور گیئر کے ذریعہ اس پہیے کو جانور کی مدد سے گھمایا جاتا تھا۔

خاص طور پر دہلی کے سلطانوں نے نہر کے ذریعہ آبپاشی کو فروغ دیا۔ غیاث الدین تغلق نے (1320 تا 1325) نے اس غرض سے متعدد نہریں بنوائیں۔ تاہم فیروز شاہ تغلق نے نہروں کا ایک بہت بڑا جال بچھایا۔ ایسی چار نہروں کا ذکر اُس زمانے کی کتابوں میں کافی بار کیا گیا ہے۔ یہ تھیں۔ (i) ستلج سے گھگر (ii) نندوی سے ہوکر ارسانی تک سرِ مور پہاڑیوں تک (iii) گھگر سے ہیرانسی کھیرا کے گاؤں تک

پہنچتی تھی اور (iv) جمنا سے کھدائی کر کے فیروز آباد تک پھیلی نہر۔ دہلی سلطانوں کی نہروں کے بنوانے کی روایت مغل بادشاہوں تک جاری رہی۔ مثال کے طور پر نہر فیض شاہ جہاں کے دور حکومت میں بنائی گی تھی جو جمنا سے پانی لے جاتی تھی اور ایک بڑے علاقے میں اس کے ذریعے آبپاشی کی جاتی تھی۔



متن پر مبنی سوالات 13.1

1- زراعت کے لیے دستیاب زمین کی کیا صورتحال تھی؟

2- عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں چار غذائی فصلوں اور چار نقدی فصلوں کو درج فہرست کیجئے۔

3- عہد وسطیٰ میں ہندوستان میں کون سی چار فصلوں کو متعارف کیا گیا تھا؟

4- رہٹ کیا تھا؟

13.2 زمینی محصول (لگان، مالگزاری) کا پیشگی تخمینہ اور زمینی محصول کی مانگ

عہد وسطیٰ کی ریاستیں اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ زمینی محصول سے اخذ کرتی تھیں۔ علاوالدین خلجی، شیر شاہ سوری اور اکبر جیسے عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کی کوششوں سے مالگزاری انتظامیہ کی ایک جامع میکانیت کو بتدریج فروغ حاصل ہوا۔ اس کی ترقی یافتہ شکل میں مالگزاری انتظامیہ کی عمدہ طور پر وضع کی گئی پالیسیاں تھیں۔ یہ پالیسیاں تھیں: (i) مالگزاری (زمینی محصول) کا پیشگی تخمینہ لگانے کی غرض سے قابل کاشت زمین کی حقیقی پیمائش (ii) مٹی کی زرخیزی کی بنیاد پر زمین کی درجہ بندی (iii) مالگزاری کی مانگ کی شرح کو مقرر کرنا (iv) اس کی وصولی کے لیے جامع میکانیت کا قیام اور (v) زمین کی تشخیص اور وصولی کے لیے ایک معین طریقہ عمل پر کام کیا گیا۔

عہد وسطیٰ کے دوران مالگزاری کی تشخیص اور وصولی کے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے تھے۔ نہایت سادہ اور بنیادی طریقہ فصل کی بٹائی کا تھا۔ ریاست نے پیداوار کی ایک مخصوص نسبت ریاست کے حصے کے طور پر مقرر کی۔ اس طریقے میں کل پیداوار میں ریاستی حصے کو مقرر کردہ عہدیدار کے ذریعے وصول کیا جاتا تھا۔ یہاں مالگزاری کو وصول کرنے کے لیے زمین کی پیمائش کا طریقہ نہیں تھا۔ اصل پیدا



وار پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔

فصل کی بٹائی

فصل بٹائی کی تین اقسام رائج تھیں۔ پہلی قسم اناج کٹائی کے بعد کھلیان پر فصل کی تقسیم؛ دوسری قسم کھیت بٹائی یعنی جب فصل کھڑی ہوتی تھی تب کھیت کی تقسیم؛ اور تیسری، لانگ بٹائی جس میں فصل کاٹی جاتی تھی اور اناج الگ کیے بغیر ڈھیروں میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ ریاست کے حصے کا فیصلہ اسی شکل میں کیا جاتا تھا۔

دوسرے طریقے میں جسے کوکن کٹ کے طور پر جانا جاتا تھا کے لیے پیمائش اہم تھی۔ اس طریقے میں زمین کی پہلے پیمائش کی جاتی تھی، زمین کی پیداواریت کا اندازہ لگانے کے بعد پیمائش شدہ رقبے کی اکائی پر مالگذاری کے حصّے کا تعین کیا جاتا تھا۔ شیر شاہ نے تشخیص کے طریقے میں بہتری پیدا کی۔ پیدا واریت کا انداز لگانے کے لیے زمین کی تین قسم یعنی، اچھی، اوسط اور خراب زمینوں کی پیداوار کی بنیاد پر اوسط نکالا جاتا تھا۔ ریاست کے مطالبے کو اوسط حاصل کا ایک تہائی مقرر کیا جاتا تھا۔

ہر فصل کے لیے فی بیگھ محصول کے مطالبے کا اعلان کیا گیا اور اسے شیر شاہ کے راعی کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اکبر کے ابتدائی دور میں پوری سلطنت کے لیے ان شرحوں کو اپنایا گیا تھا۔ یہاں ریاست کے مطالبے کو جنس میں ظاہر کیا جاتا تھا لیکن ان پر رائج قیمتوں کے اطلاق کے بعد نقد وصولی/ادائیگی کی جاتی تھی۔

اس تیسرے طریقے کو ضبط (Zabt) کہا جاتا تھا کیونکہ تشخیص پیمائش کی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ حاصل پیداوار کی بنیاد پر ریاست کے حصے کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ اکبر کے ماتحت اس طریقے میں مزید بہتری پیدا کی گئی۔ سبھی علاقوں کو محاصل حلقوں یا دستوروں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پیدا وریت اور قیمتوں پر مبنی نقد کی صورت میں مختلف فصلوں کے لیے ہر دستور حلقے میں فی بیگھا شرح محصول کا تعین کیا جاتا تھا۔

زمین کی درجہ بندی

پیمائش کے بعد قابل کاشت زمین کی درجہ بندی زمین کی زرخیزی کی بنیاد پر تین زمروں اچھا، اوسط اور خراب کی گئی، قطعہ زمین کو مزید چار زمروں میں یعنی پولج، پرتی، چچار اور بنجر کاشت کے تسلسل کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا، پولج (Polaj) وہ زمین تھی جس میں ہر سال دو فصلیں پیدا کی جاتی تھیں؛ پرتی زمین وہ تھی جسے دو فصلوں کے اگانے کے بعد اس کی زرخیزی کو بحال کرنے کے لیے کچھ وقت تک خالی (بغیر کاشت کے) چھوڑ دیا جاتا تھا۔

چچار غیر زرخیز قطعہ زمین تھا جو ہر تین یا چار سال میں زیر کاشت لائی جاتی تھی اور بنجر زمین وہ تھی جو کاشت کے لیے غیر موزوں تھی اور اس لیے کبھی کبھار ہی اسے زیر کاشت لایا جا سکتا تھا۔

مختلف مقامات کے لیے ہر سال نئی شرح مرتب کرنے کے مسئلے پر قابو پانے کے لیے آئین دہ

سالہ یا دس سال کی محاصل شرح کو اپنانے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس کے مطابق پچھلے دس سالوں کی شرح کی اوسط کسی مخصوص فصل کے لیے نقد شرح محصول کے طور پر لیا جاتا تھا۔ تاہم، بے قاعدہ وقفوں پر ان میں تبدیلیاں کی جاتی تھی اور اسے ہر سال تازہ نہیں کیا جاتا تھا۔ شروعات میں آگرہ، الہٰ آباد، اودھ، دہلی، لاہور اور مالوہ کے صوبوں میں نافذ کیا گیا۔ بعد میں اس کی توسیع کچھ دیگر خطوں تک کی گئی۔ تاہم، ایک مخصوص وقت میں ایک مخصوص خطے کی سبھی زمین کی پیائش کی جاتی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیائش شدہ خطوں میں بعض علاقے بغیر پیائش کے رہتے تھے۔ ملک کے تقریباً سبھی حصوں کے ضبطی خطوں میں بھی ایسی صورت حال کے لیے تشخیص اور وصولی کے لیے دیگر طریقے اپنائے جاتے تھے۔

زمینی محصول (مالگزاری) سے ریاست کو کافی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ اس لیے ریاست اپنے محاصل کی زیادہ سے زیادہ وصولی کے لیے زیر کاشت علاقے کی توسیع کے لیے ہمیشہ کوشش کرتی تھی۔ ریاست کی سبھی کوششیں کاشتکاروں سے محاصل کی زیادہ سے زیادہ وصولیابی کو یقینی بنانے پر مبذول رہتی تھی۔

مغل مالگزاری انتظامیہ کی تنظیم پرگنہ سطح پر کی گئی تھی۔ امین سروے کرنے والی پارٹی کا سربراہ ہوا کرتا تھا جبکہ عامل مالگزاری کی وصولیابی کا ذمہ دار تھا۔ امین کی مدد کے لیے قانون گو ہوا کرتا تھا جو سبھی محاصل ریکارڈوں کے بارے میں معلومات رکھتا تھا۔ مالگزاری کی وصولی میں عامل کے کام میں چودھری معاونت کرتا تھا۔ دیہی سطح پر پٹواریوں کے ذریعہ ریکارڈ رکھے جاتے تھے اور مقدم یا گاؤں کے مکھیا کے ذریعہ وصولیابی کی جاتی تھی۔ پودوار یا خزانچی اور کارکن یا کلرک جیسے دیگر عہدیدار تھے۔ ریکارڈوں کو فارسی اور علاقائی دونوں زبانوں میں رکھا جاتا تھا۔

پٹّہ اور قبولیات

ہر کاشت کار کو ریاست سے پٹّہ کے نام سے دستاویز دیا جاتا تھا جس میں کاشتکار کے ذریعہ رکھی گئی زمین کے مختلف زمروں کی تفصیلات اور مختلف فصلوں پر اس کے ذریعہ واجب الادا مالگزاری کی شرح درج کی جاتی تھی۔ قبولیات کے نام سے معاہدہ عمل کے مطابق کاشتکار کو ریاست کو مالگزاری کی اس مخصوص رقم کو ادا کرنے کا وعدہ کرنا ہوتا تھا جسے کاشتکار سے لیا جانا ہوتا تھا۔ زمینی محصول کے علاوہ کاشتکار کو بعض اضافی محصول بھی ادا کرنے ہوتے تھے تاکہ محاصل کی تشخیص اور وصولی کی لاگت کو پورا کیا جا سکتا۔

متن پر مبنی سوالات 13.2

1- کھیت بٹائی اور لانگ بٹائی کے درمیان کیا فرق تھا؟

2- عہد وسطی کی تین ہندوستانی حکمرانی کے نام بتایے جن کی مالگزاری پالیسیوں نے مالگزاری کے انتظامیہ کی جامع میکانیت کے فروغ میں معاونت کی۔

3- پولج، پرتی اور چچار زمینیں کیا تھیں۔

4- پٹہ اور قبولیات کیا ہیں؟

13.3 محاصل کی وصولی میں زمین دار بچولیوں کا کردار

کاشتکاروں اور ریاست کے درمیان ریاستی عہدیداروں کے علاوہ مختلف زمرے کے بچولیوں کا بھی وجود تھا۔ مالگزاری وصول کرنے میں یہ بچولیے ایک نہایت اہم کردار نبھاتے تھے۔ وہ اپنے ذریعہ پیش کی گئی خدمات کے لیے بدلے میں اپنی زمینوں پر مالگزاری میں رعایت یا مالگزاری میں ایک حصے کا دعویٰ کرتے تھے۔

دہلی سلطنت کے قیام سے پہلے کے ہمارے معلوماتی وسائل میں راجہ، راج پتر، رنکا، مہاسامنت جیسی اصطلاحوں کا حوالہ ملتا ہے۔ یہ زمین سے متعلق موروثی طور پر مستحق ہوتے تھے۔ وہ اپنے متعلقہ علاقوں کے کسانوں سے مالگزاری وصول کرتے تھے، اس کا ایک حصہ وہ حکومت کو بھیجتے تھے اور اپنی گزر بسر کے لیے خود ایک حصہ رکھ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ریاست نے برہمنوں اور مندوروں کو ٹیکس کی رعایت کے ساتھ زمینیں عطا کی تھیں۔ ایسے علاقوں سے زمینی محصول کو ان عطیہ یاب کے ذریعہ وصول کیا جاتا تھا۔

سلطنت دور میں زمیندار بچولیے مالگزاری وصول کرنے میں اہم کرار نبھاتے رہتے تھے۔ کھوٹ (khut) یعنی چھوٹے زمیندار، مقدم (گاؤں کے مکھیا) اور بچولیوں کا ایک اور گروپ جیسے رائے، رانا، راوت وغیرہ ایک اوسط کسان کے مقابلے زمین پر برتر حقوق سے استفادہ کرتے تھے۔ علاء الدین خلجی نے ان گروپوں کے اختیارات اور حصوں میں کٹوتی کی کوشش کی۔ بعد میں غیاث الدین اور فیروز شاہ تغلق جیسے دہلی سلطانوں نے ان کو بعض رعایتیں دیں۔ مغل دور میں رائے، رانا اور راوتوں اور دیگر ایسے بچولیوں کو زمیندار کے طور پر جانا جاتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو زمین کی پیداوار پر موروثی حق حاصل تھا۔



نوٹس

زمیندار کسانوں کی پیداوار میں راست حصے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ملک کے مختلف حصوں میں اُن کا حصہ 10 فی صد سے 25 فی صد تک الگ الگ ہوتا تھا۔ ان کے دعوے ریاست کے مالگزاری مطالبے کے ساتھ وابستہ ہوتے تھے۔ زمیندار ریاست اور جاگیر دار کی مدد بھی مالگزاری وصول کرنے میں کیا کرتے تھے۔ سلطنت دور کا اقطاع مغلوں کے دور میں جاگیر کی ترمیم شدہ شکل میں پیش ہوا۔ جاگیر داروں کو محاصل کی تفویض کے ذریعہ ادائیگی کی جاتی تھی۔ ہم نے پہلے ہی باب 12 میں ان پر بحث کی ہے۔ مقدم (شمالی ہندوستان میں) اور پٹیل (دکن میں) گاؤں کے مکھیا ہوتے تھے۔ ان کی خدمات کے لیے انہیں محصول سے پاک گاؤں کی زمین عطا کی جاتی تھی۔ پٹواری (شمالی ہندوستان میں) اور کلکرنی (دکن میں) گاؤں کے محاسب کے طور پر عمل کرتے تھے اور اسی طرح ان کی ادائیگی کی جاتی تھی۔

13.4 کاشتکاری پر بوجھ

عہد وسطی کے ہندوستان میں آبادی کی بڑی اکثریت کاشتکاروں پر مشتمل تھی۔ تاہم یہ ایک ہم آہنگ گروپ نہیں تھا۔ جہاں ایک طرف امیر کاشتکار دہلی سلطنت میں کھوٹ اور مقدم اور مغل دور میں خود کاشت ہوتے تھے جن کے پاس کافی بڑی آراضی ہوتی تھی اور وہ اپنی زمینوں پر کھیت مزدوروں کی مدد سے کاشت کرتے تھے۔ وہیں دوسری طرف چھوٹے کسان اور گاؤں کے ادنیٰ درجے کے ذریعہ نمائندگی کی جاتی تھی (جیسے بلہار، ریزاریا پالستی، کنی، پہیکاست، ایاری وغیرہ)، کسانوں کی اکثریت کو عمومی اصطلاح میں رعیت کہا جاتا تھا۔

مجموعی طور پر کاشتکاروں کو اپنی پیداوار پر مالگزاری کے طور پر ایک بڑا حصہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ زمیندار بچولیوں کی ایک بڑی تعداد زائد پیداوار میں ایک حصے پر تصرف اختیار کرتی تھی۔ اس کے علاوہ عہد وسطیٰ کے کسانوں کو سیلاب، قحط سالی اور وبائی امراض جیسی قدرتی مصیبتوں کا بار بار سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایک اوسط کسان ہمیشہ زمینی محصول کی رجعیا ادائیگی۔ قرض پر سود، بار بار واقع ہونے والی قحط سالی، بیماری اور وبائی امراض کے سبب معمولی گزر بسر کے لیے حاشیے پر رہتا تھا۔

کاشت کاروں پر سختی اور ناراضگی کبھی کبھی احتجاج اور بغاوتوں کے انجام پر پہنچتی تھی۔ سلطنت دور میں محمد بن تغلق کی شرح محاصل بڑھانے کی کوشش دوآب خطے میں خطے کی بہت ہی زبردست زرعی شورش کا سبب بنی۔ جاٹوں، سکھوں، مراٹھوں اور ستنامیوں کی بڑے پیمانے پر شورش بادشاہ اورنگ زیب کے دور حکومت میں ہوئی۔ ان باغیانہ افعال کے پیچھے کاشتکاروں کی ناراضگی بھی ایک وجہ تھی۔



متن پر مبنی سوالات 13.3

1- راج پتر، رنا کا اور مہاسامنت کون تھے؟

_____

2- مقدم اور پٹیل کون تھے؟

_____

3- مغل دور میں کاشتکاروں کی بعض اہم شورشوں کو درج فہرست کیجئے۔

_____

13.5 دستکاری سے متعلق اشیاء (غیر زرعی) کی پیداوار

اگر چہ لوگوں کی اکثریت کا پیشہ زراعت تھی لیکن ملک کے دیہی اور شہری علاقوں میں ایک بڑے پیمانے پر طرح طرح کی دستکاریاں بھی موجود تھیں۔ ان دستکاریوں میں کپڑا سازی، برتن سازی، رنگنے کے کام، چینی بنانے، دھات سے متعلق کام، کاغذ بنانے، لکڑی سے متعلق کام، ہتھیار، اور زمرہ بکتر بنانے، جہاز سازی اور کیمکل کام وغیرہ شامل ہیں۔

اہم دستکاریاں

کپڑا سازی عہد وسطیٰ میں کافی بڑے پیمانے پر رائج دستکاریوں میں سے ایک تھی۔ ہندوستان بنکروں کے ذریعہ چار اہم قسم کے کپڑے سوتی، ریشمی اونی اور مخلوط موٹے سوت کے کپڑے تیار کیے جاتے تھے۔ بنگال، لاہور، آگرہ، اودھ، پٹنہ، فتح پور سکری اور گجرات وغیرہ سوتی ٹکسٹائل کے اہم پیدا واری خطے تھے۔ کشمیر، لاہور اور آگرہ شال اور قالین بنانے والے بڑا مراکز تھے۔ اس کے علاوہ بنگال اور گجرات ٹکسٹائل اشیاء کی برآمد کے لیے جانے جاتے تھے۔

اس دور میں ایک علاحدہ اور مخصوص دستکاری رنگنے یا رنگ کاٹنے (بلیچنگ) کے کام کو فروغ حاصل ہوا۔ بھروچ، احمد آباد، صورت، پٹنہ، سونارگاؤں، ڈھاکا، مسالوی پٹم وغیرہ رنگنے اور بلیچنگ کے اہم مراکز تھے۔

شکر پورے ملک میں بنائی جاتی تھی۔ شکر اپنی مختلف شکلوں گڑ، بھورا، باریک دانے دار شکر وغیرہ بنگال، اڑیسہ، احمد آباد، لاہور، ملتان اور کئی دوسرے مقامات پر بنائی جاتی تھی۔

ایک اور اہم صنعت معدنیات نکالنے کی تھی۔ نمک، شورہ اور ابرق بڑے پیمانے پر پیدا کی جاتی تھی۔ راجستھان میں سامبھر جھیل، پنجاب کی چٹانی نمک کانیں اور سمندری پانی نمک کی پیداوار کے کچھ



معیشت

بڑے ذرائع تھے۔ سمندری نمک خاص طور پر بنگال، سندھ، مالا بار، میسور اور کچھ کدان میں پیدا کیے جاتے تھے۔ شورے کو بارود بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ ایک نہاہت اہم معدنی اشیاء تھی۔ ابتدائی طور پر اسے احمد آباد، بڑودہ اور پٹنہ وغیرہ میں نکالا جاتا تھا۔ تاہم سترہویں صدی کے دوسرے نصف میں اس معدن کی پراسنگ کے لیے پٹنہ ایک اہم مرکز بن چکا تھا۔

سونے اور چاندی کی کانوں کا جہاں تک تعلق ہے، ہندوستان میں ان کی قلّت تھی۔ اس لیے ان دھاتوں کی درآمد کی جاتی تھی۔ ہیرے کی کان کنی زیادہ تر گولکنڈہ میں انجام دی جاتی تھی۔ ہیرے کی پیدا وار کے لیے دیگر اہم مراکز بیراگڑھ (بیرار) پنّا (مدھیہ پردیش)، کھوکھر (چھوٹا ناگپور) وغیرہ تھے۔ کھیتری (راجستھان) تانبے کی پیداوار کا ایک اہم مرکز تھا۔ لوہا عام طور پر پائی جانے والی دھات تھی۔ بنگال، الہٰ باد، آگرہ، بہار، گجرات، دہلی، کشمیر، چھوٹا ناگپور اور اڑیسہ کے متصل خطے عہد وسطیٰ میں لوہا پیدا وار کے اہم مراکز تھے۔

دستکاری کے طور پر کاغذ بنانے کے کام کی شروعات ہندوستان میں دہلی سلطنت کے دور میں ہوئی تھی۔ تقریباً پہلی صدی عیسوی میں چین میں یہ پہلی بار تیار کیا گیا تھا۔ یہ دستکاری بہت تیز رفتار سے بڑھی۔ مغل دور میں کاغذ بنانے کا کام تقریباً ہر خطے میں رائج تھا۔

عہد وسطیٰ متعدد تکنیکی ترکیبوں اور مختلف شعبوں میں ان کے اطلاق کی شروعات کا بھی گواہ ہے۔ ٹیکسٹائل کے شعبے میں چرخہ کا تعارف تیرہویں تا چودھویں صدی میں ہوا تھا یہ ایک نہایت اہم تکنیکی اختراع تھی۔ اس سے تکلی پر مبنی دھاگے کی پیدا وار کے مقابلے چھ گنا تک پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اسی طرح پندرہویں صدی میں ہندوستان میں پٹ لوم گڑھواں کرگھے کا آغاز ہوا جس سے بُننے کے عمل میں تیزی آئی۔ ڈرالوم بُنائی کا ایک اور اہم طریقہ تھا۔ دھاگوں کے اُٹھنے گرنے کے اس طریقے سے کئی رنگ کے کپڑے ایک ساتھ تیار کیے جاسکتے تھے۔ اسی طرح بلاک پرنٹنگ کو کچھ دانش ور عہد وسطیٰ کے زمانے سے منسوب کرتے ہیں۔

فلزکاری اور دھاتی کاموں کے شعبے میں مینوفیکچرنگ کے عمل بہت سی نئی تکنیکوں کا آغاز ہوا۔ کچھ ایسی تکنیکیں تھی جن کا استعمال عمودی سوراخ والے گڈھے، بیضوی شافٹ کے ساتھ گہری کانوں کے لیے کیا جاتا تھا اور اس کے علاوہ گھرنیوں وغیرہ کا استعمال کیا جانے لگا۔ اعلیٰ کوالٹی کے فولاد اور تانبے کی بدری مخلوط دھات اس دور کے نئے دھاتی عمل تھے۔

ہتھیاروں اور زرہ بکتر بنانے کے شعبے میں بارود، بھاری توپ، آتشیں اسلحہ وغیرہ کچھ نہایت اہم عہد وسطیٰ کی اختراعات تھیں۔ جہاں ایک طرف ہندوستان میں باہری علاقوں سے جدید توپیں خاص طور پر ہندوستان میں لائی گئی تھیں (جسے اس نے فارس سے حاصل کیا تھا)، وہیں دوسری طرف اسے

پرتگالیوں کے ذریعہ لایا گیا، اس کے علاوہ فتح اللہ شیرازی، اکبر کے دور کا ایک ممتاز دانش ور اور انجینئر تھا جس نے اس شعبے میں بعض بیش قیمت اختراعات کی تھیں۔

کاغذ بنانے کا کام جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس دور میں ہی اس کی شروعات ہندوستان میں ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ کتابوں کی جلد سازی کو بھی اس دور میں فروغ حاصل ہوا۔

اگر چہ قدیم دور میں ہندوستانی گلاس بنانے کی ٹکنالوجی سے آشنا تھے لیکن اس کا استعمال منکوں اور چوڑیاں بنانے تک محدود تھا۔ عہد وسطیٰ کے دوران مختلف دیگر گلاس اشیاء جیسے دواؤں کی شیشیوں، برتنوں وغیرہ کو بنانے کی شروعات ہوئی۔ ترکوں کی آمد کے ساتھ ہندوستان میں ٹن کی تہ چڑھانے کا کام بھی شروع ہوا۔ غذا کو تیزاب کے زہر سے بچانے کے لیے تانبہ اور پیتل کے برتنوں کے اندر ٹین کی تہ چڑھائی جاتی تھی۔

پیداوار کی تنظیم

گاؤں اور قصبوں میں دستکاری کے ذریعہ منظّم طور پر پیداوار کی جاتی تھی۔ کچھ شاہی کارخانے بھی موجود تھے۔ دیہی علاقوں میں دستکار روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کی پیداوار کرتے تھے۔ یہ دستکار دیہی سماجی نٹ ورک کا حصہ تھے اسے ججمانی نظام کہا جاتا تھا۔ یہ نظام دکن اور مہاراشٹر میں زیادہ منظّم تھے۔ ان خطوں میں دیہی دستکار اور ملازموں کو بالوٹے دار کہا جاتا تھا۔ قصبے میں موجود انفرادی دستکاروں نے ایسی اشیاء کے مرکز کی تشکیل کی جو بازاروں کے لیے اشیاء کی تشکیل کرتے تھے۔ تقریباً ہر دستکاری کے لیے ماہر دستکار ہوتے تھے جو بازار کے لیے اشیاء، تیار کرتے تھے۔ دستکاری پیداوار کی تنظیم کی سبھی سطح پر دستکار خود خام مواد اور اوزار حاصل کرتے تھے، اشیاء تیار کرتے تھے اور انہیں بازار میں فروخت کرتے تھے۔

دستکاری اشیاء کی پیداوار کے اس طریقے میں کئی بڑی کمزوریوں ونقائص کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ چونکہ پیداوار انفرادی بنیاد پر منظّم تھی اس لیے پیداوار کے عمل میں دستکاروں کے ذریعہ بڑے وسائل کی سرمایہ کاری کوئی خاص نہیں ہو پاتی تھی۔ ظاہر ہے، کم پیداوار کا حجم کم ہی رہا تھا۔ پیداوار کی ایک ترمیم شدہ شکل (جسے دادنی نظام کہا جاتا تھا) کو اس مسئلے کو حل کیے جانے کے لیے دھیرے دھیرے فروغ دیا گیا۔ اس نظام میں دستکار کو ضروری خام مواد فراہم کیا جاتا تھا اور اسے تاجروں کے ذریعہ پیشگی رقم دی جاتی تھی جو ان اشیاء میں تجارت کرتے تھے۔ مقررہ وقت کے اختتام کے بعد تاجر تیار اشیاء کو وصول کرتے تھے اور بازار میں انہیں فروخت کرتے تھے۔ شاہی کارخانے دستکاری پیداوار کی ایک اور اکائی تھی۔ یہ کارخانے شاہی اداروں کے حصے تھے۔ یہ اکائیاں صرف شاہی محل اور دربار کے لیے اشیاء کی پیداوار کرتی تھیں عام طور پر مہنگی اور تعیشی اشیاء یہاں پیدا کی جاتی تھیں۔ کارخانوں میں ماہر ملازم رکھے جاتے تھے جو ایک ہی چھت کے نیچے کام کرتے تھے اور ریاستی عہدیداروں کے ذریعہ ان کی نگرانی کی جاتی تھی۔ ظاہری طور پر

معیشت

دو امتیازی قسم کے کارخانے موجود تھے۔ پہلی، کارخانوں کی روایتی قسم جس میں چھوٹی مقدار میں تعیشی اشیاء پیدا کی جاتی تھیں بلکہ اعلیٰ فنی قدر کی اشیاء بھی پیدا کی جاتی تھی۔ سکوں یا اسلحہ سازی کی اکائیاں یہ دوسری قسم تھی جس میں معیار بنائے رکھا جاتا تھا اور تکنیکی طور پر ترقی یافتہ بڑے پیمانے کی پیداوار انجام دی جاتی تھی۔

متن پر مبنی سوالات 13.4

1- عہد وسطیٰ کی پانچ اہم دستکاریوں کے نام بتایے۔

2- شورے کی پیداوار کے تین اہم مراکز کا نام بتایے۔

3- ہیرے کی پیداوار کے چار اہم مراکز کے نام بتایے۔

4- ٹکسٹائل پیداوار میں تین اہم تکنیکی طریقے جو استعمال کیے جاتے تھے ان کے نام لکھیے۔

13.6 تجارت اور کامرس

عہد وسطیٰ میں ہندوستان نے بیرونی اور اندرونی تجارت کو فروغ دیا تھا۔ اندرونی یا داخلی تجارت کو مقامی، علاقائی اور بین علاقائی سطحوں پر فروغ حاصل ہوا۔ چین، عرب، مصر، مرکزی ایشیاء، افغانستان جیسے علاقوں کے ساتھ تجارتی رشتوں کو زمینی راستوں کے ذریعہ قائم رکھا گیا تھا۔ خلیج فارس، جنوبی چین کے سمندر، بحر روم، بحر احمر کے ذریعہ اس کی سمندر پار تجارت کو انجام دیا جاتا تھا۔ برصغیر ہند میں یوروپی تجارتی کمپنیوں، پرتگالی، برطانوی، ڈچ اور فرانسیسی کی آمد کے سبب یہاں کی تجارتی سرگرمیوں میں شدت پیدا ہوئی۔ اس دور میں ایشیائی بحری تجارت میں اضافہ ہوا۔ اس دور میں رقم ادھار دینے، دلالی، بیمہ وغیرہ جیسی نئی کمرشیل سرگرمیاں کافی تیزی سے بڑھیں، ہمیں کمرشیل سرگرمیوں میں بڑی تعداد میں تاجروں، صرافوں، دلالوں وغیرہ کا سرگرم کردار دیکھنے کو ملتا ہے۔

(i) داخلی تجارت

مغل دور تک داخلی تجارت کو نمایاں طور پر فروغ حاصل ہو چکی تھی۔ ہر علاقے کے نزدیک کے

قصبوں میں باقاعدہ بازاریں ہوتی تھیں جہاں آس پاس کے علاقوں سے لوگ آکر چیزوں کی خرید و فروخت کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ مقامی سطح پر بھی معیاری منڈیاں ہوتی تھیں جنہیں ہاٹ یا پینٹھ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ ایک ہفتے میں کسی مقررہ دن پر لگا کرتی تھیں۔ ان مقامی بازاروں میں غذائی اجناس، نمک، لکڑی اور لوہے کے ساز و سامان، موٹے سوتی کپڑے وغیرہ ملا کرتے تھے۔ یہ مقامی منڈیاں اس مخصوص خطے میں بڑے بڑے کمرشیل مراکز سے مربوط تھیں۔ یہ مراکز نہ صرف اپنے مخصوص خطے کی اشیاء کے لیے بازار کے طور پر تھے بلکہ دوسرے خطوں کی اشیاء بھی یہاں ملا کرتی تھیں۔ دہلی، آگرہ، لاہور، ملتان، بیجاپور، حیدر آباد، کالی کٹ، کوچین، پٹنہ وغیرہ مغل دور میں ایسے ہی بعض تجارتی خطے تھے۔

آرام و آسائش کے سامانوں کی تجارت بھی کافی تیزی پر تھی۔ اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں ضیا الدین برنی تحریر کرتا ہے کہ سلطنت دور میں کول (علی گڑھ) سے کشید کردہ شراب، دیوگری سے ململ، لکھنوتی سے دھاری دار کپڑے اور اودھ سے عام کپڑے دہلی میں آیا کرتے تھے، مغل دور میں بنگال میں اہم تجارتی مراکز، ڈھاکہ، مرشد آباد، ست گاؤں، پٹنہ وغیرہ تھے ہندوستان کے سبھی حصوں کے ساتھ بین علاقائی تجارت یہاں کافی فروغ حاصل کر چکی تھی۔ اسی طرح مغربی ہندوستان میں سورت اور احمد آباد اور شمالی ہندوستان میں آگرہ ایسے کچھ اہم مراکز تھے۔ جہاں بین علاقائی تجارت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔

(ii) غیر ملکی تجارت

ہندوستان نے دیگر ملکوں کے ساتھ روایتی طور پر تجارتی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ ابتدائی عہد وسطیٰ (یعنی دسویں صدی عیسوی سے) کے دوران ہندوستان چین، عرب اور مصر کے ساتھ مختلف تجارت سرانجام دیتا تھا۔ خلیج فارس اور جنوبی چینی سمندر کے درمیان بحری تجارت میں بھی ہندوستان کا کافی حصہ تھا۔ ہندوستانی ریشم، چینی مٹی کے برتن، کافور، لونگ، موم صندل لکڑی وغیرہ چین اور جنوبی ایشیاء سے در آمد کرتا تھا اور بحرین، مسقط، عدن، فارس وغیرہ جیسے مقامات سے گھوڑوں کی درآمد کرتا تھا۔ ہندوستان خوشبودار عطریات، مسالے، سوتی کپڑے، ہاتھی دانت اور قیمتی اور نیم قیمتی پتھر وغیرہ برآمد کیا کرتا تھا۔

سلطنت دور میں ہندوستان کے مرکزی ایشیا افغانستان، خلیج فارس اور بحر روم کے ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم تھے۔ ہندوستان خاص طور پر غذائی اجناس، ٹکسٹائل، غلام، نیل، قیمتی پتھر وغیرہ خاص طور پر برآمد کرتا تھا جبکہ سونے اور چاندی جیسی قیمتی دھاتیں، گھوڑے، کمخواب اور ریشمی کپڑے وغیرہ درآمد کرتا تھا۔

مغل دور میں ہندوستان میں یوروپی تجارتی کمپنیوں کی آمد اور یوروایشیائی اور درون ایشیائی تجارت میں ان کی راست شرکت کے سبب ہندوستان کی غیر ملکی تجارت میں شدت پیدا ہوئی۔ ہندوستان کے



نوٹس

تجارتی تعلقات مرکزی ایشیا فارس اور یورپ کے ساتھ تھے۔ اس کی خاص برآمدات میں ٹکسٹائل، شورہ، افیم اور چینی اور مسالے شامل تھے۔ اس کی برآمدات کے مقابلے اس کی درآمدات کچھ منتخب اشیاء جیسے چاندی، ریشم، چینی برتن، عمدہ قسم کی شراب، قالین، عطریات، گلاس، گھڑیاں، چاندی کے برتن، گھوڑے وغیرہ تک محدود تھیں۔

(iii) تجارتی برادری (کمیونٹی)

ہندوستان میں عہد وسطیٰ کی پوری مدت میں تجارتی برادری نے عصری معیشت اور سماج میں اہم کردار نبھایا تھا۔

سلطنت دور میں کاروانی یا نائک تاجر ہوا کرتے تھے جو دیہی علاقوں سے اناج اٹھانے اور لے جانے میں ماہر تھے۔ فارسی اصطلاح کاروانی کا مطلب ان لوگوں سے تھا جو بڑی تعداد میں اجتماعی طور پر نقل وحرکت کرتے تھے۔ بعد کی صدیوں میں انھیں بنجارا کہا جانے لگا۔ ہمیں ملتانی سوداگر کا بھی حوالہ ملتا ہے جو طویل فاصلاتی تجارت میں مہارت رکھتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر ہندو تھے۔

مغل دور میں متعدد تجارتی طبقات کا ذکر ملتا ہے۔ عصری ادب میں بنجاروں کے بے شمار حوالہ ایک تجارتی گروپ کے طور پر ملتے ہیں جو گاؤں اور شہروں کے درمیان تجارت سرانجام دیا کرتے تھے۔ وہ عام طور پر گروپوں میں اپنی فیملیوں اور گھریلوں سامانوں کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ ملتانی سوداگروں کی تعداد دہلی، پنجاب کے کچھ حصوں اور سندھ جیسے مقامات پر تیزی سے بڑھنے لگی تھی۔ مغل دور میں شمالی ہندوستان اور دکن میں بنیا ایک اور اہم تجارتی برادری تھی۔ پنجاب میں کھتری اور گولکنڈہ میں کوماٹی ان جیسی ہی تجارتی کمیونٹی تھی۔ تجارت میں ان کی شمولیت کے علاوہ مہاجن (رقم ادھار دینے والے) کا کام بھی کرتے تھے۔ مغل دور میں بوہرہ ایک اور تاجر برادری تھی۔ ان کی تعداد گجرات، اجین اور برہانپور میں کافی تھی۔ کچھ دیگر ممتاز تجارتی گروپ چیٹی (جنوبی ہندوستان) کلنگ (کورومنڈل ساحل سے اڑیسہ تک)، کوماٹی (تلگو بولنے تاجر گروپ) تھے۔

(a) صراف: یہ ایک دیگر کمیونٹی تھی جو زر کی لین دین کا کاروبار کرتے تھے۔ اس کمیونٹی کے حوالے سلطنت دور سے ملنے شروع ہو گئے تھے۔ تاہم مغل دور تک اس نے تین امتیازی کام انجام دینے شروع کر دیے۔

(i) صراف (Money changers): اس کردار میں صراف کو سکوں کی دھاتی لحاظ سے خاصیت اور ان کے وزن کا اندازہ لگانے کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ وہ مخصوص سکوں کی موجودہ شرح مبادلہ کا بھی تعین کرتے تھے۔

(ii) بینکروں کے طور پر: وہ جمع وصول کرتے تھے اور سود پر قرض دیتے تھے۔



(iii) تاجر کے طور پر وہ سونا، چاندی اور جواہرات کا کاروبار کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہنڈی یا بل آف ایکسچینج بھی جاری کرتے تھے۔

(b) دلال: یہ ایک اور اہم کاروباری طبقہ تھا۔ ان کا ظہور سلطنت دور میں ہوا۔ تاہم مغل دور میں دلالی بڑے پیمانے پر ایک کاروباری عمل بن چکا تھا۔ مختلف کاروباری سرگرمیوں اور لین دین میں وہ بچولیوں کا کام کرتے تھے۔ وہ غیر ملکی تاجر جو پیداوار کے مرکز، مارکٹنگ اور زبانوں سے انجام ہوتے تھے وہ اپنی تجارت کے لیے خاص طور پر دلالوں پر ہی انحصار کرتے تھے۔ ان دلالوں نے مختلف حیثیتوں میں کام کیا۔ کچھ کو تاجروں یا کمپنیوں نے ملازمت پر رکھا۔ کچھ آزاد دلال کے طور پر ایک ہی وقت میں کئی گاہکوں کے لیے کام کرتے تھے۔ ان میں کچھ کو سامانوں کی خرید و فروخت کو درج کرنے کے لیے کمرشیل مراکز پر ریاست نے مقرر کیا تھا۔ دلالوں کی فیس حتمی طور پر نہیں مقرر کی گئی تھی۔ یہ سودا طے کرنے میں دلال کی کوششوں کی بنیاد پر طے ہوتی تھی۔

(iv) کاروباری عمل ورواج

تجارتی اور کمرشیل طبقات کے عروج کے ساتھ عہد وسطیٰ میں کچھ نئے کاروباری عمل کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

(a) ہنڈی: ہنڈی یا بل آف ایکسچینج عہد وسطیٰ کا ایک کاروباری عمل تھا۔ ہنڈی ایک کاغذی دستاویز تھی، جس میں ایک مخصوص مقام پر ایک مقررہ مدت کے بعد رقم ادائیگی کا وعدہ کیا جاتا تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ بڑی نقدی رقم لانے لے جانے میں چونکہ پریشانی ہوتی تھی اس لیے اس عمل کی شروعات کی گئی تھی۔ صراف جو ہنڈی لین دین میں ایک اہم کردار نبھاتے تھے، عام طور پر ان کی مختلف قصبوں اور شہروں میں تنظیمیں تھیں۔ وہ منتقل کی جانے والی نقدی رقم کو قبول کرنے کے بعد تاجروں کو ہنڈی جاری کرتے تھے۔ ہنڈیوں میں میں انہیں بھنانے کی مدت اور مقام کے بارے میں تحریر رہتا تھا۔ وہ اشخاص جو منزل مقصود پر ہنڈیاں لے جاتے تھے وہ جاری کرنے والے صرافوں کے ایجنٹوں کو انہیں پیش کرتے تھے اور تحریر کی گئی قیمت کو بھنا لیا کرتے تھے۔ تاجروں کے علاوہ ریاستی عہدیدار اور دیگر امراء بھی رقم منتقل کرنے کے لیے اس کا استعمال کرتے تھے۔ ہنڈی نظام نے رقم منتقل کرنے کے لیے ایک محفوظ اور آسان طریقہ قائم کیا۔ صراف خود کے ذریعہ جاری کی گئی ہر ہنڈی کے لیے کمیشن لیا کرتے تھے۔

(b) بیمہ: یہ بڑے پیمانے پر رائج تھا خاص طور پر مغل دور میں۔ کچھ بیمہ فرمیں (زیادہ تر صرافوں کے ہاتھ میں تھیں)، وجود میں آئیں جو تجارتی اشیاء کے لیے محفوظ اور آسان سپردگی اختیار

کرنے کی ذمہ دار تھی۔ اگر راستے میں اشیاء کو کوئی نقصان پہنچتا تو یہ فرمیں اس کی تلافی یا بھرپائی ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی تھیں کمیشن کی شرح مختلف خطوں اور اشیاء کے مطابق مختلف ہوا کرتی تھیں۔ اشیاء کی بحری نقل وحمل کی شرح زمینی نقل وحمل کی شرح سے زیادہ ہوتی تھی۔

13.7 کرنسی نظام

نقد لین دین کے لیے چاندی اور تانبے کے سکے خاص طور پر گردش (سرکولیشن) میں تھے۔ سلطنت کے دور میں چاندی کے بدلتے تناسب کے ساتھ خالص چاندی کا ٹنکا اہم سکّہ۔ جتل اور ڈانگ تانبے کے سکے تھے۔ دھاتوں کی قیمتوں میں تبدیلی کے ساتھ زرمسکوکہ کی قیمت بدلتی رہتی تھی۔

پہلی بار شیر شاہ کے ماتحت سونا، چاندی اور تانبے کے سکّوں میں دھاتوں کے خالص پن کا معیار قائم کیا گیا۔ چاندی کے روپے کا بھی استعمال دین کے بنیادی سکے کے طور پر کیا جانے لگا۔ یہ 178 گرین (Grain) (نصف رتی) کا تھا۔ اکبر کے جانشینوں کے ماتحت چھوٹے موٹے بدلاؤ کے ساتھ اکبر کے دور کا ہی عمل جاری رہا۔ مغلوں کا تانبہ دام 323 گرین کا تھا۔ تانبے کی دام کی چاندی روپے کی قدر چاندی کی دستیابی یا کم یابی کے مطابق بدلتی رہتی تھی۔ اکبر کے دور میں 1 چاندی روپے کے برابر 40 تانبہ دام تھا۔ سونے یا اشرفی کا وزن 169 گرین کا تھا۔

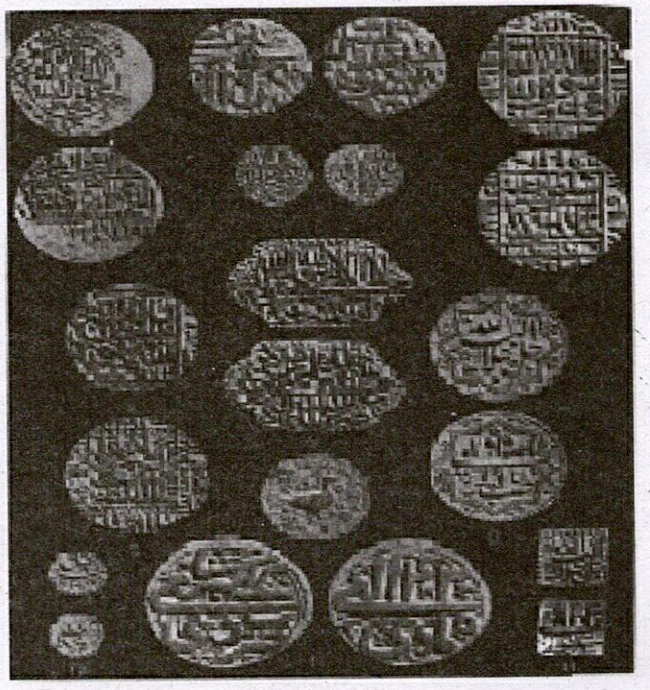

شکل 13.1: سکے

مملکت کی سبھی بندرگاہوں میں واقع شاہی ٹکسالوں میں سکّے ڈھالے جاتے تھے۔ اکبر کے دور میں 4 ٹکسالوں سے سونے کے سکے اور 14 سے چاندی کے سکے اور 42 ٹکسالوں سے تانبہ سکے جاری کیے جاتے تھے۔ روپے کی ٹکسالوں کی تعداد اورنگ زیب کے زمانے میں 40 ہوگئی تھی۔

متن پر مبنی سوالات 13.5

1- عہد وسطیٰ میں برّی تجارتی تعلقات کن ملکوں کے ساتھ قائم تھے کنہی پانچ ممالک کے نام بتایے۔

2- ہاٹ کیا تھا؟

3- عہد وسطیٰ کے بنگال کے بعض اہم تجارتی مراکز کا نام بتایے۔

4- درج ذیل کی مختصراً وضاحت کیجئے۔
کاروانی، کھتری، کوماٹی، بوہرہ، چیٹی۔

آپ نے کیا سیکھا

آیئے ہم اس سبق کے اہم نقاط کو مختصراً دوہراتے ہیں

زراعت لوگوں کی اکثریت کا پیشہ تھا۔ ریاستی پالیسی کے ایک جزو کے طور پر نئے نئے علاقوں میں 'پھیلاؤ' کے ذریعہ زرعی پیداوار میں اضافے کی جدوجہد کی گئی تھی۔ کسان غذائی فصلوں، نقدی فصلوں، پھلوں، سبزیوں اور مسالوں کی متنوع قسم کی پیداوار کرتے تھے۔ وہ ترقی یافتہ زرعی تکنیکوں جیسے فصل گردانی، دوہری فصل خیزی، تین فصلی کٹائی، پھلوں کی قلم لگانے وغیرہ کا استعمال کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے مختلف قسم کے مصنوعی پانی نکالنے کی ترکیبیں بھی استعمال کرتے تھے۔ ریاست مالگزاری سے اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ حاصل کرتی تھی۔ علاءالدین خلجی، شیر شاہ سوری اور اکبر جیسے حکمرانوں کے ذریعہ اس میدان میں بعض زبردست کوششوں کے نتیجے میں مالگزاری کی انتظامیہ کو رواں اور جامع فروغ حاصل ہوا تھا۔



نوٹس

معیشت

ریاست اور کسانوں کے درمیان محاصل کی وصول کے لیے بچولیوں کا ایک طاقتور گروپ موجود تھا۔ وہ نامزد علاقوں سے مالگزاری کے تصرف پر کچھ موروثی یا ریاست کے ذریعہ عطا کیے ہوئے حقوق (مذہبی عطیات کے طور پر یا ان کی خدمات کے بدلے میں) سے استفادہ کرتے تھے۔ مالگزاری کی وصولیابی کے عمل میں یہ بچولیے مدد کرتے تھے۔ عہد وسطیٰ کے ہندوستانی کسانوں پر کافی دباؤ تھا۔ مالگزاری کی رجعی نوعیت کے سبب بچولیوں کے ذریعہ محاصل میں حصے کی مانگ، اکثر وقوع ہونے والی قدرتی آفات نے کسان کی زندگی کو تکلیف دہ اور دشوار بنا دیا تھا۔ اس لیے کسانوں کی بغاوتیں اس دور میں مجموعی طور پر غیر معروف نہیں تھیں۔

ٹکسٹائل، کان کنی اور فلزکاری، جہاز سازی، تعمیراتی کام، ہتھیاروں اور زرہ بکتر وغیرہ بنانا اس دور میں رائج کچھ اہم دستکاریاں تھیں۔ دستکار کی پیداوار کو گاؤں، قصبوں اور ریاست کی مختلف سطح پر منظّم کیا گیا تھا جبکہ ریاست کے دستکاری سے متعلق شاہی کارخانے حکمراں طبقے کے اصراف کے لیے اشیاء کی پیدا وار کرتی تھیں۔ کامرس کے میدان میں ہندوستان کے تجارتی تعلقات مرکزی ایشیا چین، جنوب مشرق ایشیا اور یوروپ وغیرہ کے ساتھ قائم تھے۔ یوروپی تجارتی کمپنیاں جیسے پرتگالی، انگریز، ڈچ اور فرانسیسی اور ہندوستان میں ان کی شرکتسے ایشیائی اور یوروایشیائی تجارت نے ہندوستانی کاروبار اور تجارت پر کافی اثر انداز کیا، دلالی، ہنڈی (بل آف ایکسچینج) اور بیمہ جیسی نئی کاروباری سرگرمیوں کے ساتھ تجارت اور کامرس کے پھیلاؤ نے کمرشیل سرگرمیوں میں کافی مدد فراہم کی۔



اختتامی سوالات

1- عہد وسطیٰ میں کاشتکاری کی کیا وسعت تھی؟
2- رہٹ سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ یہ کیسے کام کرتے تھے؟
3- آبپاشی کے لیے فیروز شاہ تغلق کے ذریعہ تعمیر کروائی گئیں کچھ نہروں کے نام بتایے۔
4- مالگزاری کی کی نہایت جامع شکل میں مالگزاری کی تشخیص کے مختلف مراحل کی شناخت کیجئے۔
5- آئین دہ سالہ کیا تھا؟ اس نے کس طرح کام کیا؟
6- پرگنہ اور گاؤں کی سطح پر اپنے مخصوص کاموں کو انجام دینے والے کچھ اہم مالگزاری عہدیداروں کے نام بتایے۔
7- کارخانہ کیا تھا۔؟ اس نے کیسے کام سرانجام دیا تھا؟
8- عہد وسطیٰ کی پانچ اولیں تجارتی برادریوں کے نام بتایے۔

9- صراف کون تھے؟ انہوں نے کیا کردار نبھایا تھا؟
10- اصطلاح ہنڈی سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔؟ تجارت اور کامرس میں اس سے کیا آسانی پیدا ہوئی؟
11- مالگزاری کی وصولیابی میں زمیندار بچولیوں کے کردار پر مختصراً تبصرہ کیجئے۔
12- عہد وسطیٰ میں آبپاشی کے مختلف ذرائع پر مختصراً تبصرہ کیجئے۔
13- عہد وسطیٰ میں دستکاری سے متعلق پیداوار کی تنظیم پر مختصراً تبصرہ کیجئے۔
14- عہد وسطیٰ کی مقامی، علاقائی اور بین علاقائی تجارت پر مختصراً بحث کیجئے۔
15- عہد وسطیٰ کے کرنسی نظام پر تبصرہ کیجئے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

13.1

1- عہد وسطیٰ ہندوستان کی پوری مدت میں کسانوں کے ذریعہ کاشت کی جانے والی حقیقی زمین کی نسبت زائد زمینیں زیادہ موجود تھیں۔ نئے علاقوں کو کاشتکاری کے تحت لانے کے ذریعہ زرعی پیدا وار میں اضافے کی کوشش کی گئی تھی۔
2- چاول، گیہوں، جو اور جوار چنا مونگ جیسی غذائی فصلیں، گنا، افیم، نیل، ریشم جیسی نقدی فصلیں۔
3- تمباکو، اناس، چیری، پپیتا۔
4- رہٹ اس دور کی نہایت ترقی یافتہ پانی نکالنے کی ترکیب تھی۔ برتنوں کا ایک ہار پہیے کی ایک رِم کے ساتھ منسلک کی جاتی تھی۔ اس میں جانور کی قوت کی مدد سے گیئر میکانزم کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ پہیہ گھومتا تھا اور اس بنا پر ہار سے بندھے ہوئے برتنوں کے ذریعہ پانی اٹھانے کا کام کرتا تھا۔

13.2

1- فصل بٹائی کے طریقے کے طور پر کھیت بٹائی میں کھڑی فصل کے ساتھ کسانوں اور ریاست کے درمیان کھیت کی تقسیم شامل ہوتی تھی۔ جبکہ لانگ بٹائی میں علاحدہ کیے گئے اناج کے بغیر ڈھیروں میں فصل کی کٹائی اور ڈھیر لگانا شامل تھا۔
2- علاء الدین خلجی، شیر شاہ سوری اور اکبر
3- پولاج — وہ زمین جس سے دو فصلیں ہر سال اُگائی جاتی تھیں
پرتی — کچھ وقت کے لیے بغیر کاشت کے چھوڑی گئی زمین

4- مالگزاری سے متعلق دو دستاویزات تھے۔ پٹّہ ایک دستاویز تھا جو انفرادی کاشتکار کو دیا جاتا تھا جو اس کی ملکیت کے زمروں سے متعلق سبھی تفصیلات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مختلف فصلوں پر مالگزاری کی شرح درج ہوتی تھی۔ قبولیت ایک راضی نامہ ہوتا تھا جس میں کسان کے ذریعہ ریاست کو واجب الادا مالگزاری ادا کرنے کا وعدہ کیا جاتا تھا۔

13.3

1- دہلی سلطنت کے قیام سے پہلے موروثی زمین کے مستحق حاملین کے لیے یہ اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ مالگزاری کی وصولی کے تصرف کے عمل میں ریاست ان لوگوں کی مدد کرتی تھی۔

2- مقدم اور پٹیل علی الترتیب شمال اور جنوبی ہندوستان میں گاؤں کے سربراہ یا مکھیا ہوتے تھے اور اپنے اپنے متعلقہ گاؤں میں مالگزاری کی وصولی اور امن واماں قائم رکھنے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔

3- جاٹوں، سکھوں، مراٹھوں اور ستنامیوں کی شورشیں اسی طرح کی تھیں۔

13.4

1- عہد وسطیٰ کی پانچ اہم دستکاریاں، ٹکسٹائل، ڈائینگ اور بلیچنگ، شکر بنانے، معدن کی کھدائی اور فلز کاری (دھاتوں کام) سے متعلق تھیں۔

2- احمد آباد، بڑودہ اور پٹنہ

3- گولکنڈہ، ابیرا گڑھ، پنا، کھوکھڑ

4- چرخہ، پٹ لوم اور ڈرا لوم

13.5

1- چین، عرب، مصر، فارس اور افغانستان جیسے ممالک کے ساتھ ہندوسان نے بڑی تجارت قائم کر رکھی تھی۔

2- ہاٹ ایک معیاری مقامی بازار تھا ہفتے میں ایک دن اس کے لیے مقرر ہوتا تھا۔ ان بازاروں میں مقامی لوگ روزمرہ کے استعمال کے اپنے سامان خریدا کرتے تھے۔

3- بنگال کے کچھ اہم تجارتی مراکز ہگلی، ڈھاکہ، مرشد آباد، ست گاؤں اور پٹنہ تھے۔

4- کاروانی، ایک گجراتی اصطلاح تھی جس کا اطلاق ان تاجروں پر ہوتا تھا جو گروپوں سے ایک جگہ سے دوسری جگہ اناج کی نقل وحمل کرتے ہوئے نقل مکانی کرتے تھے۔

کھتری – کھتری پنجاب کے اولین اناج تاجر برادری تھے۔

کوماٹی – کوماٹی گولکنڈہ کے ایک اولین (تیلگو بولنے والے) تاجر گروپ تھا۔

بوہرہ – بوہرہ ایک نہایت ممتاز تاجر برادری تھی جو گجرات، اجین، اور برہان پور میں



کثرت سے موجود تھی۔

چھتی – جنوبی ہندوستان کا ایک ممتاز تجارتی گروپ تھا۔

اختتامی سوالات کے لیے اشارے

1- حوالہ سیکشن 13.1 (i)

2- حوالہ 13.1 (ii) پیراگراف 3

3- حوالہ 13.1 (iii) پیراگراف 4

4- حوالہ 13.2 پیراگراف 1 تا 4

5- حوالہ 13.2 پیراگراف 5

6- حوالہ 13.3

7- حوالہ 13.5 پیداوار کی تنظیم کے تحت

8- حوالہ 13.6 (iii)

9- حوالہ 13.6 (iv) (a)

10- حوالہ 13.6 (iv) (a)

11- حوالہ 13.3

12- حوالہ 13.1 (iv)

13- حوالہ 13.5 پیداوار کی تنظیم کے تحت

14- حوالہ 13.6 (i)

15- حوالہ 13.7

فرہنگ اصطلاحات

عامل – محاصل کا عہدیدار، پرگنہ سطح پر محاصل کی وصولی کا انچارج

امین – زمین کا سروے کرنے والا؛ محاصل کی تشخیص کی غرض سے سروے کی گئی زمین

بنجر – غیر زرخیز زمین، کاشت کے لیے غیہ موزوں

بوہرہ – گجرات کی ایک اہم تاجر برادری

چاچر – معمولی طور پر زرخیز زمین، تین یا چار برسوں میں ایک بار کاشت کی جانے



نوٹس

معیشت

والی زمین

چھتی (Chathi) – جنوبی ہندوستان کا ایک اہم تاجر گروپ

دادنی (Dadni) – دستکاری سے متعلق پیداوار کی شکل جس میں دستکار کو ضروری خام مواد اور پیشگی رقم ایسے تاجروں کے ذریعہ فراہم کی جاتی تھی جو ان اشیاء میں تجارت کرتے تھے۔ مقررہ وقت کے بعد تاجر تیار اشیاء وصول کرتے تھے اور بازار میں انہیں فروخت کرتے تھے۔

دام – مغل دور میں تانبے کے سکے

دستور – محصولی حلقہ، زمینی محصول کی تشخیص کی غرض سے محصولی حلقوں میں علاقے کی ڈویژن، ہر ایسے حلقے کو دستور کہا جاتا تھا۔

جاگیردار – مغل ریاست کے لیے اپنی خدمات کے بدلے میں محاصل کی تفویضات کے حامل۔

جتل – دہلی سلطنت کی تانبہ کرنسی (سکہ) 48 جتل ایک ٹنکا کے برابر۔

ہنڈی – بل آف ایکسچینج

کنکٹ – محصول کی تشخیص کا ایک طریقہ، زمین کی پہلے پیمائش کی جاتی تھی اس کے بعد پیداواریت مقرر کی جاتی تھی اور پیمائش شدہ علاقے کے محصول کی فی اکائی مانگ طے کی جاتی تھی۔

کارکن – گاؤں کا کلرک

کارخانہ – شاہی ورکشاپ، اجرت یاب مزدور کی مدد سے شاہی فیملیوں کے استعمال کے لیے اشیاء تیار کی جاتی تھی اور کاشت کی جاتی تھی۔

خودکاشت – امیر / خوشحال کاشتکار جو قطعہ زمین اور زراعت کے اوزار کی ملکیت رکھتے تھے۔

کلکرنی – دکن میں گاؤں کا محاسب

کھوٹ – سلطنت علاقے کے امیر کسان

کاروانی – تاجر جو بڑی تعداد میں اکٹھا ہوکر چلتے تھے اور دیہی علاقوں سے اناج کے نقل وحمل میں مہارت رکھتے تھے۔

کھیت بٹائی – فصل میں شرکت کا ایک طریقہ جس میں کھیتوں کی تقسیم کاشتکار اور کھیت میں کھڑی فصل کے ساتھ ریاستی محصول ایجنٹوں کے درمیان کی جاتی تھی۔



نوٹس

لانگ بٹائی	–	فصل میں شریک ہونے کا دوسرا طریقہ؛ فصل پہلے کاٹی جاتی تھی اور اناج الگ کیے بغیر ڈھیروں میں لگادی جاتی تھی اور اس کے بعد ریاستوں کے حصے کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔
مقدم	–	گاؤں کا سربراہ
پولج	–	زمین کی ایک قسم، کاشت کے لیے بہتر طور پر موزوں جس میں سالانہ دو فصلیں پیدا کی جاتی تھیں۔
پرتی	–	زمین کا دوسرا زمرہ جس میں دو فصلوں کو اگانے کے بعد زمین کو خالی چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ اس کی زرخیزی بحال کی جاسکے۔
پٹّہ	–	ہر کاشتکار کو ریاست کے ذریعہ دیا گیا ایک دستاویز جو کاشتکاروں کی ملکیت کی زمین کی تفصیل اور اس پر قابل اطلاق محصول کی شرح پر مشتمل ہوتا تھا۔
پٹواری	–	شمالی ہندوستان میں گاؤں کا محاسب
قبولیت	–	کسانوں سے لیا جانے والا ایک راضی نامہ جس میں پٹّہ میں دی گئی صراحت کے مطابق ریاست کو زمینی محصول ادا کرنے کا وعدہ کیا جاتا تھا۔
قانون گو	–	پرگنہ سطح پر ایک ماتحت محاصل عہدیدار
رعیت	–	عام کسان
رائے	–	فصل قیمتوں کا مرکزی شیڈول
صراف	–	وہ برادری جو بنیادی طور پر زری لین دین سے متعلق تھی اور زرمبادلہ کار، بینک کار کے طور پر کام کرتے تھے اور ہنڈیاں جاری کرتے تھے۔
ٹنکا	–	دہلی سلطنت کا معیاری چاندی سکہ
زمیندار	–	مغل دور کے زمیندار بچولیوں کا طبقہ جو موروثی زمینی حقوق سے استفادہ کرتا تھا۔



نوٹس

14

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں ثقافتی ارتقا

عہد وسطیٰ کو ہندوستان میں ایک عظیم ثقافتی امتزاج کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اسی دور میں ثقافتی ارتقا کے ایک نئے مرحلے کی ابتداء ہوئی۔ ترکوں اور مغلوں نے مذہب، فلسفہ اور نظریات، زبان اور ادب، طرز تعمیر اور عمارتی سامان کے استعمال، مصوری اور فنون لطیفہ، موسیقی پر فارمنس آرٹ (تماشا گری) کے میدانوں میں نئی خصوصیات کو فروغ دینے میں مدد کی۔ تقریباً سبھی میدانوں میں ہندوستان کی ایک نہایت خوشحال ثقافتی روایت پہلے ہی سے موجود تھی۔ مختلف ثقافتوں کے درمیان امتزاج کے سبب نئی فلسفیانہ اور مذہبی روایات، نظریات، شکلیں اور طرز نے جنم لیا۔ اس سبق میں آپ کو کچھ اہم میدانوں میں ان نئی ثقافتی ترقیوں سے آشنا کیا جائیگا۔ ہم خاص طور پر درج ذیل پر اپنی توجہ مرکوز کریں گے۔

- صوفی ازم اور بھکتی جیسی نئی مذہبی تحریکیں؛
- ایک نئے مذہب کے طور پر سکھ ازم کا عروج؛
- اردو اور فارسی زبان وادب کا فروغ؛
- مختلف ہندوستانی زبانوں میں ادب کا فروغ؛
- علاقائی تغیرات کے ساتھ سلطنت اور مغلوں کی فن تعمیر۔
- موسیقی کی نئی شکلیں
- مغل مصوری اور ہندوستان میں ابھرنے والے دیگر نئے طرز

ہم امید کرتے ہیں کہ اس سبق کا مطالعہ اس دور کی ثقافت کے بارے میں آپ کی تفہیم میں اضافہ کرے گا۔

مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ:



- ہندوستان میں صوفیوں کے مختلف سلسلوں کے فلسفہ اور عمل کے بارے میں جان سکیں گے؛
- ہندوستان میں بھکتی سنتوں کے مختلف سلسلوں کے فلسفہ اور عمل کے بارے میں بحث کر سکیں گے؛
- سکھ مذہب، اس کے عمل، گرو اور خالصہ پنتھ کے ادارے کے عروج کا پتہ لگا سکیں گے؛
- عہد وسطیٰ کی مصوری کی مختلف طرزوں اور شکلوں کو بیان کر سکیں گے؛
- عہد وسطیٰ میں نئی زبانوں کے فروغ اور ادب کے نشو ونما کے بارے میں بحث کر سکیں گے؛
- عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں موسیقی اور رقص کے طرز کے مختلف مکاتب کے بارے میں بحث کر سکیں گے؛ اور
- عہد وسطیٰ کے فن تعمیر میں اپنائے گئے خاص طرز، استعمال کیے گئے سامان اور اپنائی گئی خاص تکنیکوں کے بارے میں جان سکیں گے۔

14.1 صوفی ازم

صوفی ازم وہ اصطلاح ہے جن کا استعمال اسلام میں تصوف سے متعلق مذہبی نظریات کے لیے کیا جاتا ہے۔ 11 ہویں صدی تک اس کا ارتقا ایک اچھی طرح منظّم تحریک کی شکل میں ہو چکا تھا۔ صوفی، صوفی پیر کی راہ پر چلنے پر زور دیتے ہیں جو خدا سے براہ راست ربط قائم کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ صوفی ازم یا تصوف 8 ویں صدی میں ظہور میں آیا اور ابتدائی معروف صوفیوں میں رابعہ الاداویہ، الجنید اور بایزید بسطامی تھے۔ صوفی ازم کی اساس خدا، اور بندے کے درمیان رشتہ یعنی محبت ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ انسان سے روح، قربت اور حلول کے نظریات اور خدا اور انسان کے درمیان رشتے عشق اور فنا جیسے تصورات وجود میں آئے۔ ایسے لوگوں کو صوفی سمجھا جاتا تھا جن کا دل بالکل پاک ہو، وہ اپنے زاہدانہ عمل اور عشق الٰہی کے جذبے اور خدا سے ملنے کے عقیدے کے ذریعہ خدا سے ربط قائم کرنے کی جستجو کرتے ہیں۔ خدا سے ربط قائم کرنے کے تجربے کے اس عمل میں وہ مزید مقامات (مختلف مراحل) کے دور سے گزرتا ہے۔

مختلف صوفی سلسلوں کی سرگرمیوں کے مرکز خانقاہ تھے۔ خانقاہ کے سربراہ شیخ پیر و مرشد (مدرس) ہوتے تھے جو اپنے مریدوں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اس دور میں خانقاہوں کا ظہور تعلیم و تبلیغ کے اہم مراکز کے طور پر ہوا تھا۔ بارہویں صدی تک صوفی سلسلوں میں منظّم ہو چکے تھے۔ لفظ ''سلسلہ'' کا مطلب زنجیر یعنی کڑیوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے اور یہ پیر و مرید کے درمیان اٹوٹ زنجیر کی صراحت پیش کرتا ہے۔ پیر کے انتقال کے بعد اس کی مزار درگاہ ان کے شاگردوں اور پیروکاروں کا مرکز بن گئی۔

10 ویں صدی میں صوفی ازم اسلامی سلطنت کے اہم خطوں میں پھیل چکا تھا، ایران، خراسان،

ماڈیول-2



عہد وسطیٰ کا ہندوستان

نوٹس

ٹرانسی اوکسیانا، مصر، شام اور بغداد اہم صوفی مراکز تھے۔ حضرت الغزالی (1059 تا 1111 عیسوی) نہایت محترم، معزز صوفی تھے۔ انہوں نے اسلامی راسخ الاعتقادی کے ساتھ اسلامی تصوف کو ہم آہنگ کیا جس سے تصوف کو اسلام میں ایک محفوظ مقام ملا۔ وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ مرید کے لیے حضرت محمدؐ کے احکام کی تعمیل ظاہری اور باطنی طور پر کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے مرید کے لیے اپنے روحانی آقا کی رہنمائی کو ضروری بتایا۔

ہندوستان میں صوفی تحریک 11 ہویں صدی میں شروع ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں الجویری کا اثر قائم ہوا جنہیں لاہور میں دفنایا گیا۔ انہیں برصغیر ہند کا سب سے قدیم صوفی سمجھا جاتا ہے۔ عہد وسطیٰ کی تاریخ میں صوفی سلسلوں میں چشتی، سہروردی، قادری اور نقش بندی سلسلے کو زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ چشتی اور سہروردی سلسلے سلطنت دور میں کافی مقبول تھے۔ پنجاب اور سندھ سہروردی سلسلہ غالب تھے جبکہ چشتی سلسلہ دہلی، راجستھان اور مغربی گنگائی میدانوں کے علاقوں میں سرگرم عمل تھا۔ سلطنت دور کے آخر میں وہ گنگائی میدان (بہار اور بنگال) کے مشرقی خطوں تک اور دکن میں ان کا دائرہ عمل وسیع ہو چکا تھا۔ عہد وسطیٰ کے دوران صوفیوں نے اسلامی دینیاتی تصورات جیسے وحدت الوجود کی تشریح و تفصیل میں ایک اہم کردار نبھایا اور زیارت جیسے عمل کو فروغ دینے کی حوصلہ افزائی کی۔

ہندوستان میں جس صوفی تحریک کا ظہور ہوا تھا اس کی خصوصیات درج ذیل تھی:

- صوفیائے کرام متعدد و مختلف سلسلوں میں منظّم تھے۔
- ان میں اکثر سلسلوں کی سربراہی کچھ اہم صوفی یا پیر کرتے تھے۔ ان کے نام ان صوفیائے کرام کے ناموں پر رکھے جاتے تھے اور ان کے شاگرد یا مرید اس کی پیروی کرتے تھے۔
- تصوف میں جانا جاتا تھا کہ خدا سے رابطہ قائم کرنے کے لیے ایک روحانی پیر کے وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے۔
- صوفیائے کرائے اپنے مریدوں کے ساتھ خانقاہوں میں رہتے تھے۔
- صوفیائے کرام کے میدان عمل کا مرکز خانقاہ ہوا کرتا تھا۔
- خانقاہوں کا ظہور علم کے اہم مرکز کے طور پر ہوا جو دینیات کے مدرسوں سے مختلف تھے۔
- بہت سے صوفیائے کرام اپنی خانقاہوں میں سمع سے محظوظ ہوتے تھے یہ موسیقی کی ایسی شکل تھی جسے قوالی کہا جاتا تھا اور جس کو فروغ اسی دور میں حاصل ہوا تھا۔
- صوفیائے کرام کی مزاروں کی زیارت جلد ہی رسمی زیارت کی ایک اہم شکل کے طور پر ظہور میں آئی۔
- اکثر صوفیائے کرام معجزات میں یقین رکھتے تھے۔ تقریباً تمام پیروں کے ساتھ کوئی نہ کوئی معجزاتی



نوٹس

واقعات وابستہ تھے اور وہ معجزات انجام دیتے تھے۔

- نظام ریاست اور ریاست کے امور میں مختلف صوفیائے کرام کا انداز نظر الگ الگ تھا۔

چشتی سلسلہ

ہندوستان میں چشتی سلسلے کا قیام حضرت معین الدین چشتیؒ کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ معیظ الدین محمد غوری کے حملے کے بعد ہندوستان آئے تھے اور بعد میں 1206 میں اجمیر تشریف لے آئے۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ کی شہرت 1235 میں ان کے انتقال کے بعد بڑھنے لگی۔ ان کے مزار کی زیارت محمد تغلق کے ذریعہ کی گئی تھی جس کے بعد مسجد اور درگاہ کی تعمیر پندرہویں صدی میں محمود خلجی کے ذریعہ کی گئی تھی۔ مغل بادشاہ اکبر کے دور کے بعد اس درگاہ کی سرپرستی اپنے عروج پر تھی۔

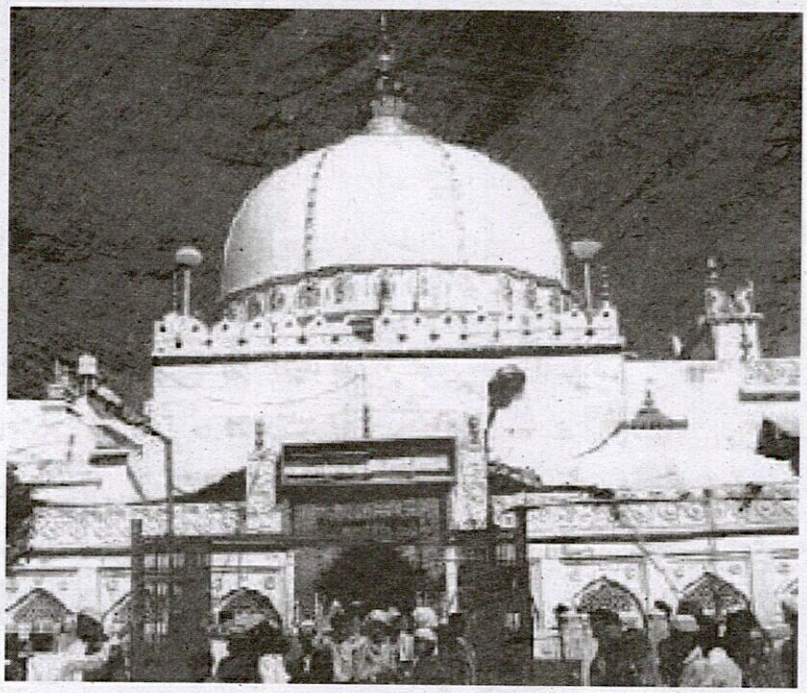

شکل 14.1: اجمیر درگاہ

چشتی سلسلے والے مانتے ہیں کہ:

- خدا اور انفرادی روح کے درمیان تعلق محبت سے پیدا ہوتا ہے
- مختلف عقیدے کے لوگوں کے درمیان رواداری
- مریدوں کو ان کے مذہبی عقائد کا لحاظ کیے بغیر قبول کیا جانا
- سبھی کے لیے کار خیر کا رویہ اپنانا
- ہندو اور جین یوگیوں سے میل ملاپ



- سادہ زبان کا استعمال

دہلی میں چشتیہ سلسلے کا قیام حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے ذریعہ کیا گیا تھا جو 1221 میں ماوراء النہر، اپنے وطن سے دہلی آکر بس گئے۔ یہ منگول حملوں کا دور تھا جب مرکزی ایشیا کے لوگوں کا منگولوں سے بھاگ کر آنے کا سلسلہ بہت تیز ہو چکا تھا۔ دہلی میں ان کی موجودگی سہروردی سلسلے کے لوگوں کے لیے ایک خطرہ تھا جو ان کے خلاف الزامات عائد کرنے کے ذریعہ انہیں چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ دہلی کے سلطان التمش نے ان کوششوں کو رد کر دیا اور آخر کار سہروردی کافی نرم پڑے۔ چشتی پیر، سادہ زندگی، غربت، عاجزی وانکساری اور خدا کے لیے بے غرض ولی تعلق پر زیادہ زور دیتے تھے۔ دنیاوی تصرفات کو ترک کرنے یا نفس کشی کو یہ اعضائے حس پر قابو رکھنے کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ جو روحانی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی دلیل تھی خدا کے تئیں قلبی لگاؤ کی انتہائی شکل ان لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرنا ہے جو دکھ درد میں مبتلا ہیں، مجبوروں کی ضرورت پورا کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔ انہوں نے اپنے گزر بسر کے لیے سلطان سے کسی بھی طرح کی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

چشتی سلسلے کے دیگر اہم چشتی بابا فرید الدین گنج شکر تھے جنہوں نے ملتان اور لاہور کی راہ میں واقع ہانسی (ہریانہ) میں قیام کیا۔ حضرت نظام الدین اولیا کو سلطنت دور کے چشتی درویش کے طور پر زیادہ معروف ہیں۔ وہ چودھویں صدی میں ہوئے تھے یہ سیاسی تبدیلی اور افراتفری کا دور تھا۔ انہوں نے بلبن کی موت سے خلجی حکومت کے قیام اور اس کے بعد تغلق کے قیام کا دور دیکھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے متعلق کئی کہانیاں مشہور ہیں۔ کچھ کہانیاں دہلی کے سلطان کے ساتھ ان کی کشمکش کی بھی ہیں۔ حضرت خواجہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک سخت پالیسی بنا رکھی تھی انھوں نے دہلی میں سلطان کے دربار کے مختلف گروہوں اور دھڑوں کے ساتھ خود کو نہ شامل کیا اور وہ اسی لیے سبھی کے لیے محترم ومعزز تھے۔ دہلی کے چشتی پیروں میں ایک حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی تھے۔ انہوں نے اس دور کے سیاسی معاملات میں سرگرم رول ادا کیا۔

انہی وجوہات سے صوفیائے کرام کے مخلص وفادار پیروکاروں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔

شیخ برہان الدین غریب کے ذریعہ دکن میں 13ویں صدی میں چشتی سلسلہ قائم ہوا تھا۔ 14ویں اور 16ہویں صدی میں بہت سے چشتی صوفیائے کرام گلبرگہ ہجرت کر گئے۔ اس سلسلے میں کچھ تبدیلیاں واقع ہوئیں جہاں بعض چشتی سلسلے کے پیروں نے حکمراں خاندانوں سے مالی امداد اور سرپرستی قبول کرنی شروع کر دی تھی۔ اس خطے میں حضرت محمد بندہ نواز ایک مشہور ومقبول پیر ہوئے ہیں۔ دکن کا بیجاپور شہر صوفی سرگرمی کے ایک اہم مرکز کے طور پر ابھرا۔



سہروردی سلسلہ

یہ سلسلہ شہاب الدین سہروردی کے ذریعہ بغداد میں قائم کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت بہاء الدین زکریا نے قائم کیا۔ انہوں نے ملتان میں سہروردی سلسلے کی بنیاد رکھی۔ یہ علاقہ قباچہ کے اقتدار میں تھا وہ قباچہ پر تنقید اور اس کے حریف التمش کے حق میں تھے۔ ان کا طریقہ کار چشتیہ سلسلے کے پیروں سے مختلف تھا۔ چشتوں کے برخلاف سہروردیوں نے سلطان سے گزر بسر کے عطیات قبول کیے۔ وہ مانتے تھے کہ صوفیوں کے پاس جائیداد، علم اور تصوف سے متعلق خصوصیات ہونی چاہیں۔ سہروردی پیروں کی دلیل تھی کہ یہ اس لیے ضروری تھا کہ غریبوں کی بہتر طور پر خدمات کو یقینی بنایا جا سکے۔ وہ مذہبی فریضے کی بجا آوری یا مذہب کے ظاہری اعتقادات پر زور دیتے تھے۔ انہوں نے علم اور تصوف دونوں کے اتحاد کی وکالت کی۔ شیخ کے سامنے سرخم کرنا، زیارت کرنے والے کو پانی پیش کرنا اور سلسلے میں داخل ہونے کے وقت سر منڈوانے کی رسومات چشتی سلسلے میں قائم تھیں۔ سہروردی سلسلے نے ان رسومات کو ترک کر دیا۔ ان کے انتقال کے بعد اس سلسلے کے ذریعہ پنجاب اور سندھ میں اہم کردار نبھایا جاتا رہا۔

نقش بندی سلسلہ

ہندوستان میں اس سلسلے کو خواجہ بہاو الدین نقش بندی کے ذریعہ قائم کیا گیا۔ شروعات سے اس سلسلے کے تصوف میں شریعت کی تعمیل پر زور دیا گیا اور ہر طرح کی اختراع، جدت یا بدعت کو رد کیا گیا۔ حضرت خواجہ بہاو الدین نقش بندی کے جانشین شیخ باقی باللہ دہلی کے قریب بس گئے تھے اور ان کے جانشین شیخ احمد سرہندی نے سبھی بدعتوں سے اسلام کو پاک رکھنے کی کوشش کی جسے وہ غیر اسلامی عمل مانتے تھے۔ انہوں نے سماع (مذہبی موسیقی) اور اولیائے کرام کے مزاروں کی زیارت کے رواج کی مخالفت کی۔ انہوں نے ہندوؤں اور شیعہ فرقے کے ساتھ تعامل کی مخالفت کی۔ انہوں نے اکبر کے ذریعہ متعدد وغیرہ مسلموں کو نئی حیثیت دیے جانے اور جزیہ کو ختم کرنے اور گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگانے کی مخالفت کی۔ ان کا ماننا تھا کہ وہ اسلام کے پہلی ہزار سالہ مدت (ملینیم) کے مجدّد تھے۔ انہوں نے بتایا کہ انسان اور خدا کے درمیان رشتہ آقا اور غلام کا ہے نہ کہ عاشق محبوب کا رشتہ ہے۔ انہوں نے خدا کے بندے کے تئیں جوابدہ ہونے پر زور دیا۔ انہوں نے تصوف کے نظریات اور راسخ العقیدہ اسلام کی تعلیمات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

قادری سلسلہ

قادر یہ سلسلہ پنجاب میں مقبول تھا، شیخ عبدالقادر اور ان کے بیٹے اکبر کے ماتحت مغل حکومت کے ہم نوا تھے۔ اس سلسلے کے پیر وحدت الوجود کے تصور کی تائید کرتے تھے اس سلسلے کے مشہور صوفیائے کرام میں ایک میاں میر تھے جنہوں نے مغل شہزادی جہاں آراء اور اُس کے بھائی دارا کو اپنی مریدی میں لیا تھا،



نوٹس

شیخ کی تعلیمات کا اثر شہزادے کی تخلیقات میں دکھائی دیتا ہے۔ اس سلسلے کے دوسرے پیر شاہ بدخشانی (Badakshani) نے روایت سفید عناصر کو رد کرتے وقت یہ اعلان کیا کہ وہ بے دین جنہوں نے حقیقت کو سمجھا اور اسے تسلیم کیا وہ ان دینداروں سے بہتر ہیں، جو حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔

عہد وسطیٰ میں اسلام کے لبرل اور روایت پسند خیالات کے درمیان ہمیشہ تناؤ سا بنا رہتا تھا۔ صوفیائے کرام دونوں طرح کے خیالات کے حامی تھے۔ جہاں چشتیہ سلسلے کے صوفیائے کرام جیسے لبرل خیال کے حامی تھے اور مقامی روایتوں کے امتزاج کے حق میں دلیل دیتے تھے وہیں دوسری طرف قادریہ سلسلہ کے شیخ عبدالحق جیسے دیگر تھے جن کا خیال تھا کہ اسلام کی پاکیزگی کو ہلکا کیا جا رہا تھا۔ اس راسخ العقیدہ نظریے کی نمائندگی علماء بھی کرتے تھے جو شریعت کی تائید کے تناظر میں دلیل دیتے تھے۔ متعدد صوفیائے کرام نے علماء کے ذریعہ اسلامی قوانین کی بالکل محدود تعریف کے خلاف اپنی رائے ظاہر کی۔



متن پر مبنی سوالات 14.1

1- پیر کون ہوتا ہے؟

_____

2- الغزالی کون تھے؟

_____

3- اصطلاح ''سماع'' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

_____

4- خلجیوں اور تغلقوں کے دور کے چشتیہ سلسلے کے مشہور صوفیائے کرام کون تھے؟

_____

5- شیخ عبدالقادر کون تھے؟

_____

14.2 بھکتی تحریک

ہندوستانی تاریخ میں بھکتی تحریک ایک ایسی تحریک ہے جس نے بھگوان کے تئیں پوری یکسوئی کے ساتھ خود سپردگی کے تصور کو مقبول بنایا۔ اس کے اصل کو قدیم ہندوستان کے برہمنی اور بدھ روایتوں میں دریافت کیا جاتا ہے۔ مذہبی مساوات اور وسیع سماجی شراکت کی بنیاد پر ایک مذہبی روایت کو ایک مقبول



تحریک میں فروغ دینے کا سہرا جنوبی ہندوستان کو جاتا ہے، یہ تحریک مقبول ومعروف سنتوں کی سربراہی میں 10 ویں صدی عیسوی میں اپنے اوج کمال پر پہنچی۔ بھکتی کے تصور کی قبولیت کے لیے مختلف خطوں میں مختلف روایات کو اپنایا گیا۔ اس تحریک میں کافی تنوع تھا اور پورے برصغیر ہند میں یہ مختلف اور متنوع شکل میں پھیلی بڑھی۔

بھکتی تحریک کے ذریعہ روایت پسند برہمن ازم سے نکلنے کی کوشش کی گئی۔ ابتدائی عہد وسطیٰ کے دور میں تحریک میں شدت پیدا ہوئی۔ مورخین نے ہندوستان میں بھکتی تحریک کی ابتدا کو اسلام کے آمد اور صوفی ازم (تصوف) کی توسیع کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ ترکوں کی فتح کے سبب روایت پرست راجپوت برہمن غلبے کے خلاف ردعمل کی راہ ہموار ہوئی۔ بھکتی تحریک کے عروج کے بارے میں کچھ دانشوروں کا کہنا ہے کہ یہ جاگیر دارانہ ظلم کے خلاف ایک ردعمل کے طور پر شروع ہوتی تھی۔ کبیر، نانک، چتنیہ اور تلسی داس جیسے بھکتی سنتوں کی شاعری میں جاگیر دارانہ مخالف سر اس بات کی توضیح کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔ بھکتی تحریک کی ابتداء کے بارے میں کوئی ایک رائے ایسی نہیں ہے جس کو حق بجانب قرار دیا جائے۔ بھکتی سنتوں کی شاعری اور فلسفے سے یہ بات واضح ہے کہ یہ روایت پرست برہمن ازم سے الگ تھی۔ وہ مذہبی مساوات میں یقین رکھتے تھے اور انہوں نے عام لوگوں کی تکلیفوں سے خود کو جوڑ کر اپنی شناخت قائم کی تھی۔

کچھ دانشور یہ محسوس کرتے ہیں کہ ابتدائی عہد وسطیٰ میں جو سماجی ومعاشی تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں وہ بھکتی تحریک کے ظہور کے لیے ضروری پس منظر فراہم کرتی ہیں۔ ممنوعہ اشیاء تعیّشاتی اور دیگر دستکارانہ اشیاء کی مانگ بڑھ گئی تھی نتیجتاً شہروں میں دستکاروں کو بھی تحریک میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ بھکتی تحریک میں مساوات کے تصور کے سبب دستکاروں کی توجہ مبذول ہوئی ان کو برہمن نظام کے ذریعہ دی گئی کم تر حیثیت سے یہ گروپ مطمئن نہیں تھا۔ تحریک کو سماج کے ان طبقات کی بھی حمایت حاصل ہوئی۔ پنجاب جیسے کچھ مقامات میں اس سے کچھ الگ معاملہ بھی تھا جہاں صرف کھتری ہی نہیں بلکہ جاٹ کسان بھی اس تحریک کی طرف راغب ہوئے۔

ابتدائی عہد وسطیٰ میں بھکتی تحریک اصلاح اور تبدیلی کی ایک اہم تحریک کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ آزاد خیالی پر مبنی تحریکوں کے ابھرنے کے بعد بھکتی تحریک ہندوستانی تاریخ کے ایک اور مرحلے کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس مرحلے میں نئے خیالات اور عمل ظہور میں آئے جو ملک پر مجموعی طور پر اثر انداز ہوئے اور یہیں سے اصلاحی تحریکوں کی شروعات ہوئی۔

شمالی ہندوستان میں بھکتی تحریک

شمال میں بھکتی تحریک میں سماجی ومذہبی تحریکات بھی شامل تھیں جو جنوب کے ایک آچاریہ سے متعلق



تھیں اور کبھی کبھی انہیں جنوب سے شروع ہونے والی تحریک کے ایک تسلسل کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اگر چہ ان دونوں خطوں کی روایات میں کچھ یکسانیت تھی لیکن ہر ایک کی تعلیمات میں بھکتی کا تصور مختلف تھا۔ کبیر جیسے نرگن بھکتوں نے ورن آشرم اور ذات پات کے امتیاز پر مبنی سبھی روایتوں کو مسترد کر دیا اور نئی قدروں کی وکالت کی اور نئے گروپوں اور روایتوں کو پسند نہ کرنے والے نئے مسلک کے ابھرنے میں مدد کی۔ وہیں تلسی داس جیسے سگن بھکتوں نے ذات پات کے نظام اور برہمنوں کی برتری کو برقرار رکھا۔ وہ مذہب کے تئیں خود سپردگی اور بھگون سے ذاتی وابستگی کے سیدھے سادے عقیدے کی تعلیم دینے کے علاوہ مورتی پوجا کا بھی زبردست اقرار کرتے تھے۔

نرگن بھکتی (وحدانیت پرست) تحریک

شمالی ہندوستان میں کبیر (1440 تا 1518 عیسوی)، اولیں اور انتہائی با اثر سنت تھے۔ وہ ایک بنکر تھے۔ انہوں نے بنارس میں اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارا۔ ان کا کلام سکھوں کی مقدس کتاب آدی گرنتھ میں بھی شامل کیا تھا۔ کبیر سے متاثر ہونے والے لوگوں میں بنارس کے ریداس تھے جو چمڑہ کمانے والوں کی ذات کے تھے، گرونانک تھے جو پنجاب کے رہنے والے کھتری اور راجستھان کے رہنے والے جاٹ کسان دھنا تھے۔

شمالی ہندوستان میں وحدانیت کے قائل مختلف بھکتی سنتوں کی تعلیمات میں درج ذیل یکسانیت تھی۔

- اکثر وحدانیت پرستوں کا تعلق نچلی جاتیوں سے تھا اور وہ اس بات سے آگاہ تھے کہ ان کے خیالات میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی تعلیمات اور اثرات سے بھی واقف تھے۔ اپنی نظموں میں انہوں نے ایک دوسرے اور اپنے پیشرووں کا اس انداز میں ذکر کیا ہے جس سے ان میں نظریاتی یگانگت کا پتہ چلتا ہے۔
- ان میں سے سبھی پر بھکتی کے ویشنو تصور، ناتھ پنتھی تحریک اور تصوف کا اثر تھا۔ ان کے خیالات لگتا ہے تین روایتوں کے امتزاج تھے۔
- بھگوان کے ساتھ بھکتی کے ذاتی تجربے کو اہمیت دینا وحدانیت کے قائل بھکتی سنتوں کے درمیان ایک اور عام خاصیت تھی۔ ان کا عقیدہ نرگن بھکتی پر تھا نہ کہ سگن بھکتی پر انہوں نے ویشنوازم سے بھکتی کا تصور اپنایا تھا لیکن اسے نرگن رخ دے دیا۔ اگر چہ انہوں نے خدا کے لیے مختلف ناموں اور خطابات کا استعمال کیا لیکن ان کا بھگوان انسانی شکل میں نہیں تھا، اس کی کوئی شکل نہیں تھی وہ ابدی اور ایسا تھا جس کا بیان کرنا مشکل ہے۔
- بھکتی سنتوں نے اس وقت کے منظم اور رائج مذاہب (ہندو مذہب اور اسلام) سے کسی طرح کے



رسمی تعلق کو مسترد کر دیا اور وہ ان مذاہب کے منفی پہلو پر تنقید کرتے تھے۔ انہوں نے برہمنوں کے اقتدار کو مسترد کر دیا اور ذات پات کے نظام اور بت پرستی (مورتی پوجا) کے عمل پر سخت تنقید کی۔

- ان کی نظمیں عوامی زبانوں اور پورے شمالی ہندوستان میں بولی جانے والی بولیوں میں لکھی جاتی تھیں۔ اس سے وہ عوام کے درمیان اپنے خیالات پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ اس سے انہیں مختلف نچلی جاتیوں کے درمیان اپنے خیالات تیزی سے پہنچانے میں مدد ملی۔

ویشنو بھکتی

14 ویں اور ابتدائی 15 ویں صدی میں رامانند شمالی ہندوستان میں ایک مقبول ویشنو بھکتی سنت کے طور پر مشہور ہوئے۔ اگر چہ ان کا تعلق جنوب سے تھا لیکن وہ بنارس میں رہتے تھے کیونکہ وہ اسے جنوبی ہندوستانی بھکتی اور شمالی ہندوستانی بھکتی روایتوں کے درمیان ایک کڑی سمجھتے تھے۔ انھوں نے وشنو کی جگہ رام کو بھکتی کا پیکر بنایا۔ انہوں نے رام اور سیتا کی پوجا کی اور شمالی ہندوستان میں ان کی شناخت رام پنتھ کے بانی کے طور پر کی جاتی ہے۔ وہ وحدانیت پرست بھکتی سنتوں کو پسند کرتے تھے اور ذات پات کی درجہ بندی کو بھی مسترد کرتے تھے اور پنتھ کو مقبول بنانے کی اپنی کوشش میں مقامی زبانوں میں تبلیغ دیتے تھے۔ ان کے پیروکاروں کو رام آنندی کہا جاتا ہے۔ تلسی داس بھی بھکتی کے اغراض کی وکالت کرتے تھے ابتدائی 16 ویں صدی میں ایک مقبول بھکتی سنت ولبھ آچاریہ نے کرشن بھکتی کو مقبول بنایا۔ ان کے نقش قدم پر چلنے والوں میں سور داس (1483 تا 1563) اور میرا بائی (1503 تا 1573) تھے۔

بنگال میں ویشنو بھکتی تحریک شمالی ہندوستان اور جنوب کی بھکتی تحریکوں سے کافی مختلف تھی۔ اس پر بھگوت پران اور ساہاجیہ بدھ اور ناتھ پنتھی روایتوں کا بھی اثر پڑا تھا۔ یہ روایتیں بھکتی کے باطنی اور جذباتی پہلوؤں پر توجہ مبذول کرتی تھیں۔ 12 ویں صدی میں جے دیو اس روایت کے ایک اہم بھکتی سنت تھے۔ انہوں نے کرشن اور رادھا کے حوالے سے پیار کے روحانی پہلو کو نمایاں کیا۔ چنتیہ اس خطے کے ایک مقبول سنت تھے۔ انہیں کرشن کے اوتار کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ اگر چہ انہوں نے برہمنوں اور مقدس کتابوں کے اقتدار کا مسلہ نہیں اٹھایا۔ انہوں نے سنکیرتن (حالت وجد میں رقص کے ساتھ کیے جانے والے گروپ بھکتی گیت) کو مقبول بنایا۔ ان کے ساتھ بنگال میں بھکتی تحریک اصلاحی تحریک میں بدلنا شروع ہو چکی تھی اور ذات پات کے بھید بھاؤ پر سوالات اُٹھنے لگے تھے۔

مہاراشٹر میں بھکتی تحریک کو بھگوت پران اور شوناتھ پنتھیوں سے ترغیب ملی۔ جنیشور مہاراشٹر کے اولیں بھکتی سنت تھے۔ بھگوت گیتا کی ان کی تشریح کو جانیشوری کہا جاتا ہے جسے مہاراشٹر میں بھکتی نظریات کی بنیاد کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ جاتی تفریق کے خلاف دلیل دیتے ہوئے ان کا ماننا تھا کہ بھگوان کو پانے کا طریقہ صرف بھکتی کے ذریعہ ہی تھا۔ اس پنتھ کے دیوتا وٹھوبا تھے اور اس کے پیروکار ایک



نوٹس

سال میں دوبار مندر کی زیارت انجام دیتے ہیں۔ پنڈر پور کے وٹھوبا مہاراشٹر میں تحریک کی خاص بنیاد بن چکا تھا۔ نام دیو (1270 تا 1350) مہاراشٹر کے دیگر اہم بھکتی سنت تھے۔ جہاں انہیں شمالی ہندوستان میں ایک نرگن سنت کے طور پر وحدانیت پرست روایت کے لیے یاد کیا جاتا ہے وہیں مہاراشٹر میں انہیں وکاری روایت (ویشنو بھکتی روایت) ایک جزو سمجھا جاتا ہے۔ مہاراشٹر کے بعض دیگر اہم بھکتی سنت چوکا، سونارا، تکا رام اور ایک ناتھ تھے۔ تکا رام کی تعلیمات دوہوں کی شکل میں تھی جو گا تھا کی تشکیل کرتی تھی۔ ایک ناتھ کی تعلیمات جہاں مراٹھی میں تھی میں مراٹھی ادب کی خصوصی حیثیت کو روحانی سے بیانیہ ترکیب میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی۔



متن پر مبنی سوالات 14.2

1- بھکتی تحریک میں کس نظام سے الگ ہونے کی کوشش کی گئی تھی؟

2- تین اہم بھکتی سنتوں کے نام بتایے۔

3- چتنیہ کون تھے؟

14.3 سکھ مذہب

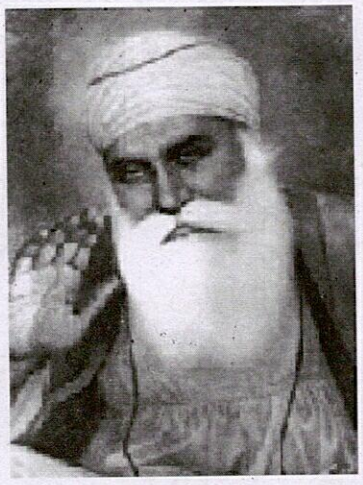

شکل 14.2: گرونانک

گرونانک کی تعلیمات اور فلسفے ہندوستانی فلسفیانہ فکر کے ایک اہم جزو کی تشکیل کرتا ہے، ان کا فلسفہ تین بنیادی عناصر پر مشتمل ہے، ایک کرشمائی شخصیت (گرو)، نظریات (شبد) اور تنظیم (سنگت)، نانک نے رائج مذہبی عقیدے کا جائزہ لیا اور ان پر تنقید کی اور ایک ایسا حقیقی مذہب قائم کرنے کی کوشش کی جو نجات کی طرف لے جا سکے۔ انہوں نے مورتی پوجا کو مسترد کر دیا وہ تیرتھ یا تراؤں کے حق میں نہیں تھے انہوں نے انسانی جون میں اوتار لینے کے نظریے کو بھی قبول نہیں کیا۔ انہوں نے رسمیت اور ظواہر پسندی کی مذمت کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہدایت پانے کے لیے ایک حقیقی گرو کا ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے لوگوں کو صلاح دی کہ طرز عمل اور عبادت کے اصولوں، سچ، حلال (جائز کمائی)، خیر (دوسروں کی بھلائی چاہنا)، نیت (صحیح ارادہ) اور رب کی عبادت کی پابندی کریں۔ انہوں نے ذات پات کے نظام اور اس کے سبب پیدا ہونے والی نابرابری کی مذمت کی۔ ان کی دلیل تھی کہ افراد کی ذات اور وقار کا فیصلہ اس کے اعمال یا افعال کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ انہوں نے عدل، نیکی اور آزادی پر زور دیا۔ ان کی تحریریں بطور خاص دو بنیادی تصورات سچ اور نام پر مشتمل تھیں۔ ان کے مطابق الوہی اظہار کی بنیادوں کی تشکیل شبد (لفظ)، گرو (الوہی ادراک) حکم (الوہی حکم) کے ذریعہ ہوتی ہے۔ انہوں نے لنگر (کمیونٹی کچن) کا تصور پیش کیا۔ گرونانک نے خود کی شناخت ایک عام شخص یا بندے کے طور پر کی۔ اگر چہ سکھ گروؤں نے مساوات پر زور دیا لیکن پیرکاروں میں سماجی تفریق جاری رہی۔ 17 ویں صدی کے آخر میں ہی گرو گوبند سنگھ نے مساوات کے تصور پر دوبار زور دیا۔ 1699 میں مختلف سکھ گروپوں کے درمیان اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کی اور خالصہ کی تشکیل کی۔ اس ادارے کے ذریعہ ثالثوں کے طور پر مسندوں کو ہٹا دیا گیا۔ اس کے بعد ہر سکھ کا گرو کے ساتھ براہ راست ربط تھا۔ سکھوں میں اتحاد کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے گرو گوبند سنگھ نے کچھ رواج شروع کیے جن کی پابندی سکھوں کے ذریعہ کی جانی تھی۔ دوہرے دھار والی کرپان (تلوار)، بال کو نہ کاٹنا، ہتھیار لے کر چلنا، نام کے جزو کے طور سنگھ لگانا کے ذریعہ یہ شروعات کی گئی تھی۔

گرو پنتھ کا تصور ایک اور ادارہ جاتی تصور ہے جو اسی دور میں ظہور میں آیا تھا۔ یہ خالصہ پنتھ کے اجتماعی اقتدار کو واجب قرار دیتا ہے۔ اپنے آخری دنوں میں گرونانک نے اپنا ایک جانشین نامزد کیا اور اسے خراج عقیدت پیش کیا، اس سے اس تصور کو تقویت ملتی ہے کہ گرو اور سکھ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں۔ اس سے سنگت کے ادارے (جو سکھوں کا اجتماعی ادارہ تھا) کے لیے مسئلہ پیدا ہو گیا جس میں کہا جاتا ہے رب موجود ہوتا ہے۔ جب گرو گوبند سنگھ نے خالصہ قائم کیا تو انہوں نے پنج پیارے (پانچ چیلے) کا انتخاب کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے پاہل (امرت چکھ) کا بندوبست کریں۔ اس کے ساتھ ہی گرو اور خالصہ کے درمیان اختلاف علامتی طور پر ختم کر دیا گیا۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ گرو



نوٹس

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں ثقافتی ارتقا

گوبند سنگھ کے مطابق خالصہ کا اپنا خود کا روپ (شکل) ہے، گرونانک کھتری تاجر ذات کے تھے جبکہ ان کے پیروکار زیادہ تر دیہی جاٹ تھے یہ گرو گوبند سنگھ تھے جنہوں نے سکھوں کے درمیان خالصہ کا اجراء کیا۔ گروارجن نے گروگرنتھ صاحب کی تالیف کی تھی۔ دسویں گرو، گرو گوبند سنگھ کی وفات کے بعد گرو کی روایت ختم ہوگئی۔ ایسا مانا جاتا تھا کہ گرو کی روح کسی جانشین میں نہیں داخل ہوئی بلکہ اس کے بجائے یہ ''شری گروگرنتھ صاحب'' میں برقرار رہی۔



متن پر مبنی سوالات 14.3

1- اصطلاح خالصہ سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

2- کھتری کون تھے؟

14.4 ادب اور زبانیں

سنسکرت ادب

عہد وسطیٰ ادب سے مالا مال زمانہ رہا ہے جس میں نئی نئی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ بعض مورخین کا ایک روایتی نظریہ تھا کہ سنسکرت زبان کی سرپرستی میں اس لیے کمی آگئی تھی دہلی سلطنت کے قیام کے نتیجے میں فارسی کی سرپرستی شروع ہوگئی تھی۔ لیکن یہ دور سنسکرت کے کثیر ذخیرے کا شاہد ہے۔ یہ دور کاویہ (منظوم بیانیہ) کہی جانے والی منظوم تخلیقات اور دھرم شاستر جو مرتب قوانین کی عبارتیں ہیں، کے لیے جانا جاتا ہے۔

عہد وسطیٰ کے پہلے نصف میں مرکزی اور جنوبی ہندوستان میں متعدد چھوٹے اداروں کے ذریعہ سنسکرت کو سرپرستی ملی ہوئی تھی۔ مغربی ہندوستان میں ہیم چندسوری ایک اہم جین وانش ور تھا جس نے سنسکرت میں چیتنیہ کی طرح ہی تالیفی کام انجام دیا تھا۔ اسی دور میں متعدد ڈرامے لکھے گئے تھے۔ اس دور میں تحریر کی ایک نئی طرز جسے چمپو کہا جاتا تھا، وجود میں آئی تھی۔ یہ وہ شکل تھی جس میں نثر و نظم دونوں کا امتزاج ہوتا تھا۔ راجپوت راجاؤں کی سرپرستی میں سنسکرت کی تخلیقات ان کی خاندانی تواریخ جیسے ''پرتھوی راج وجے'' اور ''ہمیر مہا کاویہ'' تھی۔ اس دور کی تاریخی نظموں میں ایک راج ونود تھی۔ یہ سلطان محمود بے گڑھا کی سوانح عمری تھی جسے درباری شاعر اوے راجہ نے لکھا تھا۔ کلہن کی راج ترنگنی ایک اور اہم تخلیق

تھی جو کشمیر کے راجاؤں کی تاریخ تھی۔ یہ 12ویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی۔ دوسری راج ترنگنی راجا کے ذریعہ لکھی گئی تھی جس نے جے سنگھ سے سلطان زین العابدین تک کے کشمیر کے راجاؤں کی تاریخ لکھی تھی اور تیسری راج ترنگنی سری ور کے ذریعہ لکھی گئی تھی جو 1486 تک کے خطے کی تاریخ تھی۔ ان کے علاوہ ''پربندھ'' نام کی تخلیق تھی جو نیم تاریخی متون تھی اور اسی دور میں لکھی گئی تھی۔

15ویں صدی کے بعد سنسکرت زبان کی سرپرستی وجے نگر کے حکمرانوں، تنجور کے نایکوں اور ٹراون کور اور کوچین کے جنوبی دربار میں برقرار رہی تھی۔ سنسکرت ادب مختلف صنف جیسے مہاکاویہ، سلیش کاویہ، چمپو کاویہ، ناٹک اور تاریخی کاویہ جاری رہیں۔ اس دور کے اہم مصنفین تھے۔ گوند دکشت (ساہتیہ سدھا اور سنگیت سدھا ندھی ان کی اہم تخلیقات تھی)، اپایا دکشت (ویلور کے نائک حکمراں کے دربار میں)، نیلا ناتھ دکشت (جو مدورائی کے نایک دربار میں وزیر تھا)، چکرورتی (جس کو کوچی کوڈ کے حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی)۔ تاریخی کاویوں میں نہ صرف مختلف حکمرانون کے استحصال کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے بلکہ مصنفین کے سماجی ادارک کی بھی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ داراشکوہ جیسے بعض مغلوں نے بھی ان کاویوں کا ذکر کیا ہے۔ مغل شہزادے کو بنارس کے نرسنگھ سرسوتی کے اعزاز میں پرشستی کی تالیف کا سہرا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بیجاپور اور گولکنڈہ کے حکمرانوں کے درباروں میں بھی کچھ تخلیقات مرتب کی گئی تھیں لیکن اس دور میں سنسکرت ادب کا زوال شروع ہو چکا تھا۔

فارسی ادب

دہلی سلطنت کے قیام کے ساتھ ایک نئی زبان اور نیا ادبی طرز برصغیر ہند میں متعارف ہوا۔

امیر خسرو کی تحریروں سے برصغیر ہند میں فارسی ادب کا فروغ ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ وہ ایک شاعر تھے جو ترک مہاجر کی فیملی میں پیدا ہوئے اور سلطان بلبن کے دور حکومت میں اپنی شاعری کی شروعات کی۔ وہ حضرت نظام الدین اولیا کے شاگرد تھے اور جلال الدین خلجی، علاو الدین خلجی اور غیاث الدین تغلق کے درباروں میں سرپرستی حاصل کی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مختلف نفس موضوعات اور شاعری کے متعدو بحر اور وزن میں ننانوے تخلیقات مرتب کی تھیں۔ ان کی شاعری غزل، قصیدہ، رزمیہ اور مرثیہ یا نوحہ کی مختلف شکلوں میں لکھی گئی تھی۔ ان کا طرز تحریر ہندوستانی سیاق وسباق میں مرتب کی گئی فارسی طرز کی پہلی مثال پیش کرتا ہے۔ اسے سبک ہندی (ہندوستانی طرز) کے طور پر جانا جانے لگا۔ ان کے ذریعہ تالیف کی گئی اہم تخلیقات میں شامل ہیں مطلع الانوار، شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں اور آئینہ سکندری، ان تخلیقات کا انتساب علاء الدین خلجی کو کیا گیا تھا۔ ان کے پانچ دیوانوں (غزل) میں تحفۃ الصغار، باقیا ناقیہ (Baqiya Naqia) اور نہایت الکمال شامل ہیں۔ انہوں نے مثنوی (بیانیہ نظمیں) بھی لکھیں جو عظیم تاریخی اور ادبی قدر کی حامل ہیں۔ ان میں سے بعض ہیں، قِران



نوٹس

السعدین، مفتاح الفتح (جلال الدین خلجی کی فوجی کامیابی کی داستان)، تغلق نامہ (غیاث الدین تغلق کے اقتدار تک پہنچنے کا بیان) اور خزائن الفتح (علا والدین خلجی کی جنوب کی فتح کی روئیداد)۔ دیگر اہم فارسی شاعروں میں ایک شیخ نجم الدین حسن تھے جو علا والدین خلجی کے دربار کے ایک شاعر تھے۔ ان کی غزلوں سے ان کو ہندوستان کا سید کا لقب ملا۔

درباری تاریخ نویسی یا وقائع نگاری دہلی سلطنت کے درکی ایک اہم خاصیت تھی۔ ان میں کچھ اہم تصنیفات اس طرح تھیں، مناج السراج کے ذریعہ لکھی گئی طبقات ناصری، عصامی کے ذریعہ لکھی گئی فتوح اسلاطین اور فیروز شاہ تغلق کے ذریعہ لکھی گئی فتوحات فیروز شاہی۔ اس دور میں ضیاء الدین برنی کا فارسی ادب میں کافی اہم اشتراک تھا۔ تاریخ فیروز شاہی اور فتاوی جہانداری ان کی اہم تخلیقات تھیں۔ اس دور کے صوفی ادب کو ایک نئی شکل ملی جسے ملفوظات کہا جاتا تھا جو صوفیائے کرام کے مذاکرات کی شکل میں ہوتی تھیں۔ ان میں سے کچھ زیادہ مشہور تصنیفات تھیں، امیر حسن بخری کے ذریعہ لکھی گئی فوائد الفواد جو شیخ نظام الدین اولیا کی حکایات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ خیر المجالس ہے جو شیخ نصیر الدین محمد کی حکایتوں پر مشتمل ہے۔ اس دور کی متعدد تخلیقات ایسی تھیں جن کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ ضیا نقشابی کا طوطی نامہ (طوطوں کے بارے میں ایک کتاب) یہ سنسکرت کہانیوں کا پہلا فارسی ترجمہ تھا۔ اسی دور میں مہا بھارت اور راج ترنگنی کا ترجمہ بھی فارسی زبان میں کیا گیا تھا۔ فارسی میں سنسکرت کے متعدد ترجمے فیروز تغلق اور سکندر لودھی کے زمانے میں ہوئے۔

دہلی سلطنت کی طرح ہی مغل دربار کی سرکاری زبان فارسی بنی رہی۔ مغل حکمرانوں اور شہزادوں نے تحریر کی روایت قائم رکھی۔ پہلا مغل بادشاہ بابر خود ایک ادبی شخصیت تھا جس نے اپنی یادداشت ترک زبان میں لکھی تھی بعد میں اس کا فارسی ترجمہ عبدالرحیم خاں خاناں نے کیا تھا۔ ہمایوں نے ایک فارسی دیوان کی تالیف کی تھی۔ شہزادہ داراشکوہ نے صوفی فقیر میاں میر اور ان کے شاگرد (مرید) کی سوانح عمری لکھی تھی۔ اس نے مجموعات بحرین بھی لکھا تھا۔

برصغیر ہند کا دورہ کرنے والے اور مقیم فارسی شاعروں کے ذریعہ اس دور میں ہندوستانی طرز میں سبک ہندی کے طور پر جانی جانے والی تخلیق بھی اسی دور کی تھی۔ فیضی، عرفی، طالب، غنی کشمیری اور بیدل جیسے مصنفین بھی ان لوگوں میں تھے جو مغلوں کے ذریعہ حاصل کی گئی سرپرستی سے مستفید ہو رہے تھے۔

فیضی کی اہم تخلیقات میں تباصر الصبح بھی شامل تھی۔ اس نے متعدد ہندو مذہبی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا۔ عبدالرحیم خاں خاناں ایک ذہین دانش ور اور شاعر تھے اور اکبر و جہانگیر دونوں کے دور حکومت میں تھے۔ اکبر نے ایک عظیم دانش ور مورخ ابوالفضل کی بھی سرپرستی کی۔ اکبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے کتب خانے میں چار ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں۔ اسے اس دور کے متعدد مصنفین کی سرپرستی کے

لیے جانا جاتا ہے۔ شاہ جہاں کے دور حکومت میں شاعر علی قلی سالم اور ابو طالب کلیم اہم شاعر تھے۔ ابو طالب کلیم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے بادشاہ نامہ کی تصنیف کی تھی۔ جنوب میں فارسی ادب کی سرپرستی بیجاپور کے عادل شاہی حکمرانوں کے ذریعہ کی گئی تھی۔ یہاں ملک قمی اور ملا ظہوری ممتاز فارسی شاعر مانے جاتے تھے۔ گولکنڈہ کے قطب شاہی نے محمد حسین تبریزی جیسے شاعروں کی سرپرستی کی تھی، مغل دربار نے فارسی ادب کے ارتقا میں ایک اہم کردار نبھایا اور علاقائی ادب کے ارتقا اور فروغ پر اثر انداز ہوئے۔ پنجابی، پشتو، سندھی اور کشمیری جیسی زبانوں پر فارسی کا زبردست اثر پڑا تھا۔

علاقائی زبانوں کا فروغ اور ارتقا

ہندی، بنگالی، آسامی، اڑیہ، مراٹھی اور گجراتی جیسی علاقائی زبانوں کا عہد وسطیٰ میں پھلنا پھولنا ایک اہم پیش رفت تھی۔ ان زبانوں کو 7ویں اور 8ویں صدیوں میں دریافت کیا جا سکتا ہے اس وقت لگتا یہ ہے کہ وہ اپنے پراکرت اصل سے الگ ہوئی تھیں۔ 14ویں صدی میں ملالیم ایک آزاد زبان کے طور پر ابھری تھی۔ ان علاقائی زبانوں کا نشوونما علاقائی جذبہ اور علاقائی نظام ریاست کے ظہور کے ساتھ ساتھ ہوا۔ نتیجتاً سنسکرت کا زوال ہوا اور فارسی نے اس کی جگہ لے لی اور ان میں سے بعض علاقائی زبانیں ایک ایسا ذریعہ بنیں جس کے ذریعہ انتظامی مشینری کام کرتی تھیں۔ بھکتی تحریک کے عروج اور اس کو توسیع میں ان زبانوں کا استعمال کیا جاتا تھا جس سے یہ زبانیں نمو اور ترقی کر سکیں۔

ہندی اور اردو

اردو کے تشکیلی مرحلے کے دوران اس کے فروغ پر برج، ہریانوں جیسی علاقائی بولیوں اور دہلی اور پنجاب کے آس پاس میں بولی جانے والی دیگر بولیوں کا اثر پڑا، زبان کی بنیادی ساخت کھڑی بولی (اوپر مذکورہ خطے میں بولی گئی مختلف بولیوں کا ایک امتزاج) پر مشتمل تھی۔ اس زبان کے ذریعہ فارسی رسم الخط اور ادبی زبان کو اختیار کیا گیا۔ لفظ اردو ترکی اصل کا ہے جس کا مطلب ہے لشکر یا کیمپ، ایسا لگتا ہے کہ یہ اس بولی سے نکلی تھی جو ترک کیمپ (چھاونی) میں عہدیداروں اور فوجیوں کے درمیان بولی جاتی تھی۔ ہندوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وہ زبان تھی جس سے اردو اور ہندی دونوں کو ہی انجام کار فروغ ملا۔ امیر خسرو کی تخلیقات کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے اس زبان کی بنیاد رکھی۔ اس زبان کا استعمال 14ویں صدی سے شروع ہوا اور نتیجتاً ادبی بولی میں فروغ ہوا جسے دکنی کہا جاتا ہے۔ اس زبان کے اہم مراکز گجرات، بیجاپور گولکنڈہ، بیدر اور اورنگ آباد اہم مراکز تھے۔ اس زبان کے قدیم مصنف سید بندہ نواز گیسو دراز تھے جو بہمنی مملکت کے ایک ممتاز صوفی تھے۔ بیجاپور، ابراہیم عادل شاہ II خود دکھنی زبان کا ایک عظیم سرپرست اور موسیقی کی ایک کتاب کا مصنف تھا۔

ہندی کا ارتقا 7ویں اور 8ویں صدی اور 14ویں کے درمیان اپ بھرنش مرحلے کے دوران ہوا۔



نوٹس

اُس کے اِس ارتقائی دور کو ویرگا تھا کال (سورماؤں کی شاعری کا دور) یا آدی کال (ابتدائی دور) کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مختلف راجپوت حکمرانوں نے ان اشعار کی سرپرستی کی جو ہندی کی راجستھانی بولی تھی اور جس میں سورماؤں کی شجاعت اور بہادری کی عظمت بیان کی گئی تھی۔ مشہور تخلیقات میں چندر بردائی کی پرتھوری راج راسو وِشال دیو راسو اور ہمیر راسو جیسے شاعروں کی دیگر نظمیں شامل تھیں۔ ان میں متعدد تخلیقات کی سند مشکوک ہے۔ اس دور کیبعض بودھوں اور جینیوں کی بھی تخلیقات ہیں جو اسی دور سے منسوب کی جاتی ہیں۔ ہندی زبان کا ارتقا بھکتی روائتوں اور تصورات کے اظہار میں اس زبان کا استعمال بڑھنے کے ساتھ 14ویں اور 15ویں صدی کے دوران ایک اور تبدیلی کے دور سے گزرا، کبیر نے ایک اور طرز اختیار کیا جسے الٹ وانسی کہا جاتا ہے۔ یہ طرز متناقص اور معمائی دونوں پر مشتمل تھا۔ تلسی داس جیسے بھکتی سنتوں نے اودھی بولی کا استعمال کیا وہیں میرا بائی نے راجستھانی کی مارواڑی بولی استعمال کی اور سورداس نے برج بھاشا کا استعمال کیا۔ صوفیائے کرام نے بھی زیادہ سے زیادہ سامعین تک پہنچنے کے وسیلے کے طور پر نئی بولیوں کا استعمال کیا۔ چشتی صوفیائے کرام نے اپنی مذہبی سماع کو مرتب کرنے اور کلام پڑھنے کے لیے ہندی کا استعمال کیا۔

بنگالی

چار پد کہے جانے والے عوامی گانے جو 10ویں اور 12ویں صدی کے درمیان مرتب کیے گئے تھے وہ بنگالی زبان کے بالکل ابتدائی نمونے ہیں، کوندری اور سرکراننڈی کی تخلیقات کو بنگالی میں اہم ابتدائی تخلیقات کے طور پر لیا جاتا ہے۔ بھکتی تحریک کو کے پروان چڑھنے اور چتنیہ سے منسوب مختلف مناجات کی ترکیب نے اس زبان کے فروغ میں مزید محرک پیدا کیا۔ برندابندہ کی چیتنیہ بھاگوت یا چیتنیہ منگل بنگالی ادب کا ایک ایسا ہی اہم اشتراک تھا جس کے ذریعہ ایک دہے کے بعد سنت کی موت کی بیش بہا روئیداد حاصل ہوئی بلکہ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے اس زمانے میں رائج سماجی حالات کے عکاسی بھی ہوتی ہے۔ کرشن داس کوی راج کی چیتنیہ چرت امرت ایک دیگر اہم روئیدار تھی۔ لوچن داس نے لوک گیتوں کے ایک نئے طرز کی شروعات کی جسے دھمالی کہا جاتا ہے۔ بیانیہ نظموں جنہیں منگل کاویہ کہا جاتا ہے، اسی دور میں ان کی مقبولیت بڑھی، چندی جیسے مقامی دیوتاؤں کی اہمیت انہوں نے بڑھائی شیو اور وشنو جیسے پرانک دیوتا گھر گھر کے دیوتا ہو چکے تھے۔ منگل کاویہ کی بیانیہ شکل پرانوں سے اخذ کی گئی تھی۔

آسامی اور اڑیہ

ہیما سرسوتی پرہلاد چرت اور ہرا گوری سامیاوا کی 13ویں صدی کی تخلیقات کو آسامی میں پہلی تخلیق سمجھا جاتا ہے۔ بھکتی تحریک کے جوابی عمل میں آسام میں بھی ادب کو فروغ حاصل ہوا۔ شنکر دیو جنہوں نے آسام میں وشنو ازم متعارف کیا۔ ان سے بھی آسامی شاعری کے فروغ میں محرک کی قوت ملی۔ ان کے



نوٹس

شاگرد مادھوداس نے بھکتی رتنا ولی تحریر کی جس میں بھکتی کے پہلوؤں کی دکھایا گیا۔ بارا گیتا لکھی جس میں ورنداون میں کرشن کی زندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ پرانوں کا ترجمہ بھی آسامی زبان میں کیا گیا۔ اڑیہ میں سرل داس کی تخلیقات کو اڑیہ ادب کی پہلی تخلیقات کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مدھوشیون، بھیم اور ساساشید کے ذریعہ پرانک مرکزی خیال کی بنیاد پر متعدد کاویہ تخلیق کیے گئے۔ اسی دور میں رس کلول لکھی گئی تھی جو رادھا اور کرشن کے درمیان پیار کے مرکزی خیال پر مبنی ہے۔ دیگر اہم تخلیقات ہیں ششوشنکر داس کی اور شا بھیلا شا اور کارتک داس کی رکمنی وِواہ۔ اپندر بھانجا کی تخلیقات (1670 تا 1720) اہم تھیں کیونکہ بعد کے دور میں یہ اڑیہ ادب کے نئے دور کی ہراول ثابت ہوئیں۔

جنوبی ہندوستان میں ادب

جنوب میں ولی پتورار اس دور کی اہم ادبی شخصیت تھی۔ سنسکرت الفاظ کو استعمال کرنے کی روایت اور ادبی اظہار ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ تمل میں دیگر تخلیقات وہ تشریح ہیں جو ویشنو دانشوروں کے ذریعہ تحریر کی گئی تھیں اور تولکاپیم اور کورل جیسے سنگم دور کی تخلیقات کی بھی تشریح لکھی، متعدد فلسفیانہ تخلیقات اور تشریحات تھیں جو پرانوں پر لکھی گئی تھیں۔ تمل ادب میں متعدد تخلیقات شیوازم اور ویشنوازم سے متعلق تھیں۔ عہد وسطیٰ کی اہم تخلیقات میں اروسا مایا ولاکم ہری داس کے ذریعہ تحریر کی گئی تھیں اور شیو دارو موتارم اور رشیو سمایا نیری دونوں مارئن انار بندر کے ذریعہ لکھی گئی تھیں۔ فلسفہ کے میدان میں قابل ذکر تخلیقات پر ان تیرو ملیا ناتھیں کے ذریعہ چدمبر پورانم (1508) لکھی گئی تھیں اور بالا سبرامنیا کوی رائے کے ذریعہ لکھی گئی تھیں۔

اس دور میں بہت مشہور تیلگو شاعر اراپراگا تھے، جنہوں نے ادبی تحریر کی چمپو صنف (نظم ونثر کی امتزاجی شکل) کو مقبول بنایا۔ انہوں نے تیلگو میں بھگوت پران کا بھی ترجمہ کیا تھا وجے نگر حکمراں کرشن دیو رائے نے تیلگو میں امکٹ مالیا وا تحریر کیا۔ اس کے دربار میں مشہور معروف شاعر الا رانی پڈانا اور نندی تماہا تھے جنہوں نے پری جات اپاہارنا لکھی تھی۔ بھٹو مورتی یا رام راجہ بھوشن کو واسو چرتر اور ہرش چندر نلیو پاکھیانم کے لیے جانا جاتا ہے (اس میں نل اور راجہ ہریش چندر کی کہانی بیان کی گئی ہے)۔ کنٹر بولنے والے خطوں میں جین مصنفین اس دور کی ادبی تالیف میں غلبہ رکھتے تھے۔ باسا وا اور ان کے پیروکاروں جنہوں نے خطے میں ویرشیوا تحریک کو مقبول بنایا تھا انہوں نے بھی کنٹر ادب کے مختلف پہلوؤں کی تشکیل کی تھی۔ ہویسالا حکمرانوں کی سرپرستی نے زبان کے فروغ میں مزید مدد کی تھی۔ جیروپا کے وادی ودیانند کرناٹک شاعروں کی ایک منتخب مجموعہ کلام ہے۔ جین دانشور سالوہ نے تری لاکورارا (کائنات کا علم) اپراجیہ ساتک (فلسفے پر) اور بھرنیشور چرت (مشہور حکمراں بھرت کی کہانی) جیسی تخلیقات کے مصنف تھے۔ اسی دور میں ملیالم ایک آزاد زبان کے طور پر وجود میں آئی۔ یہ زبان بولی کی شکل میں تھی اور 14 ویں



نوٹس

صدی میں ابتدائی تخلیق جو مرتب کی گئی تھی وہ تھی رام چریتم، رام پنکر جنہوں نے بھارت گا تھا، ساوتری مہاتھیم اور بھگوتم لکھی تھی اسے ملیالم میں اہم سمجھا جاتا ہے۔

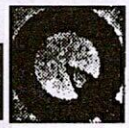

متن پر مبنی سوالات 14.4

1- دو اہم تخلیقات کے نام بتایے جو سنکرت میں لکھی گئی تھی؟

2- ''کاویہ'' کیا ہے؟

3- امیر خسرو کون تھا؟

4- ضیاالدین برنی کی دو اہم تخلیقات کے نام بتایے۔

5- اصطلاح سبک ہندی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

6- کوئی چار علاقائی زبانوں کے نام بتایے جنہیں عہد وسطیٰ کے دوران فروغ ملا تھا۔

14.5 موسیقی

سلطنت دور کی موسیقی کے بارے میں دستیاب معلومات محدود ہے۔ اس دور میں موسیقی کے فروغ کا اہم مرحلہ امیر خسرو کے زمانے کو مانا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی دور میں قوالی طرز کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ انہیں ایمن، گورا اور صنم جیسے متعدد راگوں کے فروغ کا بھی سہرا جاتا ہے۔ انہیں نئے موسیقی کے نئے آلے کی تخلیق کا بھی سہرا جاتا ہے۔ اسے ستار کہا جاتا تھا جو ہندوستانی وینا اور ایرانی تمبورا کا ایک امتزاج تھا۔ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ترک جنوبی ہندوستانی میں رباب اور سارنگی جیسے موسیقی کے سازوں کو بھی لائے تھے۔ ورنداون میں سوامی ہری داس نے موسیقی کو فروغ دیا اور ایسا سمجھا جاتا ہے انہوں نے تان سین کو بھی موسیقی کی تعلیم دی۔ تان سین مغل بادشاہ اکبر کے درباری تھے۔ تان سین کو ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کے ایک اہم فروغ کنندہ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اور انہیں اس بات کے لیے ہی جانا جاتا ہے کہ انہوں



نے میاں کی ملہار، میاں کی توڑی اور درباری جیسے راگ کو متعارف کیا۔ راجہ مان سنگھ کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ انہوں نے شمالی ہندوستانی موسیقی کی دھیرو پد طرز کی اکمالیت میں اہم رول نبھایا۔ جنوب میں راگوں کے ایک نظام کو جنک اور جنیہ راگ کہا جاتا ہے جو اس دور میں موجود تھا۔ 1550 میں کونڈا ویڈ و کی راما ماتیہ کے ذریعہ سورمالا کلاندھی لکھی گئی تھی۔ اس میں 20 جنن اور 64 جنیہ راگ بیان کیے گئے ہیں۔ 18 ویں صدی تک ترانہ، دادرا اور غزل جیسی موسیقی کی متعدد شکلیں وجود میں آئی۔

14.6 مصوری

سلطنت دور میں مصوری کے فروغ کا مطالعہ نہیں یا گیا کیونکہ اس کے محدود نمونے تھے۔ سلطنت میں ایک دیواری نقش کا چھوٹے سے منتظر کا حوالہ متعدد ادبی حوالوں سے ملتا ہے۔ التمش کی شان میں تحریر کیے گئے قصیدے میں دیواری نقش کے ابتدائی حوالے ملتے ہیں جس میں خلیفہ کے ایلچی کے استقبال کے لیے خاص محراب کی تصویر کشی بیان کی گئی ہے۔ ایک دوسرے حوالے میں فیروز شاہی سلطان کا حوالہ دیا گیا ہے جو دہلی کے محلوں کی دیواروں پر جانداروں کی شکلوں سے متعلق مصوری کی روایت پر پابندی کے بارے میں ہے۔ اسی دور میں قرآن کی آئتوں کی خوش نویسی بھی پورے جنوبی ایشیاء میں مقبول ہو چکی تھی۔ قرآن کا ایک اولیں نسخہ (1399 عیسوی) گوالیر میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس قلمی نسخے کو متنوع آرائشی فنی خصوصیات کے ساتھ مزین کیا گیا تھا۔ 15 ویں صدی تک گجرات، مالوہ اور جونپور کی مملکتیں فن کے اہم مراکز کے طور پر ظہور میں آئیں۔

عہد وسطیٰ میں مصوری مغلوں کے تحت ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ انہوں نے پورے شمالی ہندوستان میں مصوری کے کردار میں کافی تبدیلیاں پیدا کیں۔ مغل مصوری کی توضیح شاہی دربار میں مقبول طرز اور موضوعات کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ مصوری کے مغل طرز کے ابتدائی اصل کو کابل میں دریافت کیا جا سکتا ہے، ہمایوں کے عہد حکومت میں دو فارسی آرٹسٹ میر سید علی اور عبد الصمد کو سرپرستی ملی ہوئی تھی۔

اکبر نے حمزہ نامہ کے قلمی نسخے پر توضیحی تصویر بنانے کے لیے ان فنکاروں کو متعین کیا تھا۔ یہ مخطوطہ 1,400 صفحات پر مشتمل تھا جن پر توضیحی تصویر کو گوالیر، گجرات، لاہور اور کشمیر سے لائے گئے آرٹسٹوں نے مرتب کیا تھا، اسی دور میں مغل مصوری کی مختلف خصوصیات کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ اس دور کی متعدد مصوری، ایک مصوری پر کام کرنے والے دو یا چار تک مصوروں کی ایک ٹیم کی اجتماعی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ اس دور کی مصوری کی اہم خصوصیات میں شکلوں کا محدود تحرک، ڈرائینگ کے خطوط کی باریکی ولطافت اور تعمیراتی ستونوں کی سپاٹ تصویر کشی شامل ہے مغل مصوری کو فطرت نگاری اور اجزا میں ہم



آہنگی، لباس ہندوستانی شکل وصورت اور پس منظر میں ذیلی مناظر کے استعمال کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔ اس دور کی مغل مصوریوں میں دونہایت عام موضوعات دربار کے مخصوص واقعات اور اولیں وممتاز شخصیتوں کی چہرہ کشی ہیں۔



شکل 14.3: مغل مصوری

جہانگیر کے دور حکومت میں مغل مصوری کے طرز میں بعض دیگر تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جہانگیر کے دور کی مصوری نمایاں طور پر ایک ظواہر پسند طرز ہے اور ایک چوڑے حاشیے پر مشتمل تھی جو گل بوٹوں، انسانی مشکلوں کے چہروں کی شبیہ، فطرت کی نقالی پر مبنی خصوصیات کی عکاسی کرتی ہے، پینٹنگ کے پس منظر میں درختوں، چڑیوں، ندیوں، دریاؤں کا استعمال کافی مقبول ثابت ہوا۔

شاہ جہاں کے دور کی مغل مصوری میں محبت کے دلچسپ مناظر اور شاہی دربار سے منسلک خواتین ممبروں کی چہرہ کشی دکھائی دیتی ہے جبکہ اورنگ زیب کے دور کی مصوری مغل بادشاہ کی فوجی مہمات کے دوران اس کی جھلک ملتی ہے۔ تعمیرات کی طرح مغل مصوری بھی علاقائی طرز کے نمو اور ارتقا کی راہ ہموار کرتی ہے جس میں اسی طرح کی خصوصیت اور مخصوص آرائشی ڈیزائن کو دہرانے یا نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

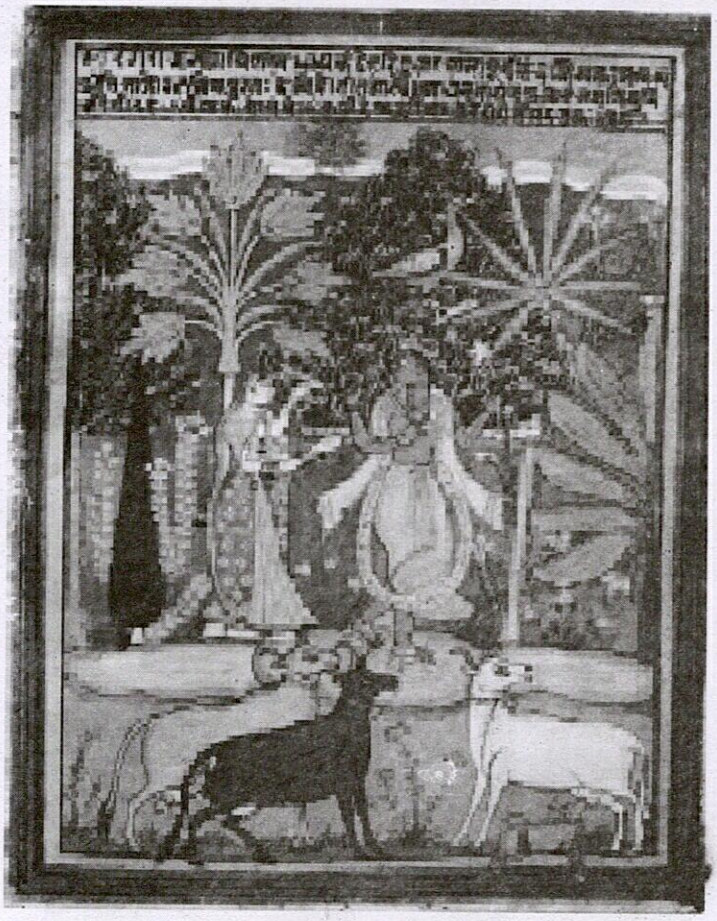

شکل 14.4: راجپوت مصوری

راجپوت مصوری جو اسی دور کی ہے متعدد مختلف درباری طرز پر مشتمل ہے جو مختلف راجپوت مملکتوں کے مطابق ہے۔ 16ویں اور 17ویں صدیوں کے دوران راجپوت مصوری کا استعمال اساطیر اور درباری مناظر کی نمائندگی کے لیے کیا جاتا تھا۔ راجپوت مصوری کی وسعت ایک بہت بڑے جغرافیائی خطے تک ہے لیکن ہر خطے کی فنکارانہ اسکیم میں ایک علاحدہ ذیلی موضوع کی تشکیل کی گئی ہے۔ دکن اور بنگال، گجرات اور اڑیسہ کے خطوں کے علاقائی طرز ایسے اور بھی طرز تھے جو اس زمانے میں مقبول تھے۔ راجپوت مصوری اٹھارہویں صدی میں اس وقت مزید پروان چڑھی جب متعدد آرٹسٹ اپنے نئے سرپرستوں کے دربار میں منتقل ہوئے۔ یہ مصوری کے متعدد چھوٹے علاقائی طرز کے ظہور کے ساتھ ساتھ ہی واقع ہوئے تھے۔ ان مصوری کو رنگوں کی شدت کے لیے جانا جاتا ہے جن کا استعمال وہ شکار کے مناظر، افراد کی چہرہ کشی اور موسیقی اجلاس کی تصویر کشی کے لیے کرتے تھے۔ اس مصوری کے خاص طرز تھے میواڑ، بوندی اور کشش گڑھ مکاتب۔



نوٹس

متن پر مبنی سوالات 14.5

1- امیر خسرو کے ذریعہ تخلیق کیے گئے موسیقی کے آلات کے نام بتایے۔

2- دروپد طرز کے فروغ میں کس نے اہم کردار ادا کیا تھا؟

3- مغل مصوری میں طرز سے متعلق تبدیلیاں کیا تھیں جن کا مشاہدہ جہانگیر کے دور میں کیا جاتا ہے۔

4- مغل چھوٹی تصویروں میں کچھ مقبول نفس موضوعات کا ذکر کیجئے۔

14.7 تعمیرات

دہلی سلطنت کی فن تعمیر

عہد وسطی میں نئی تعمیراتی شکلیں اور طرز متعارف ہوئے تھے۔ اس دور میں محراب اور گنبد کے نئے طرز تعمیر کا مزید اضافہ ہوا۔ عمارتوں اور مکانوں کی تعمیر میں چونے پانی سیمنٹ ریت کی آمیزش کے استعمال نے عمارتی تکنیکوں میں بدلاؤ پیدا کیا۔ اس دور کے تعمیراتی طرز کی اہم خاصیت اصل محراب کو فروغ ملنا تھا۔ اس میں پتھروں اور اینٹوں کو ایک خط منحنی کی شکل میں فانہ نما پتھروں کے طور پر بھی اور ایک اچھے باندھنے والے مادے کے ذریعہ مضبوطی سے ایک ساتھ باندھنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان محرابوں کو مختلف شکلوں میں بنایا جاتا تھا لیکن زیادہ تر نوکیلی شکل بنائی جاتی تھی۔ 14 ویں صدی میں ایک بدلا ہوا محراب جسے چار مرکزی محراب کہا جاتا تھا۔ تغلقوں نے اپنی عمارتوں میں اس کو متعارف کیا تھا۔

برصغیر ہند میں ابتدائی ترک عمارتوں کی صرف کچھ مثالیں ملتی ہیں جہاں نئے کان کنی سے حاصل نئی اشیاء کا استعمال کیا جاتا تھا۔ اس دور کی زیادہ تر عمارتوں میں اچھی طرح کندہ کاری کیے گئے سرستون ستون اور قدیم عمارتوں کے شافٹ کا دوبارہ استعمال کیا جاتا تھا۔ پتھر اس دور کے معماری (راج یا مستری) کا کام میں کثرت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ عام طور پر عمارتوں پر پلستر کے لے جپسم کا استعمال کیا جاتا تھا۔ چونے کا پلستر پلستران مقامات پر کیا جاتا تھا، جہاں چھتوں، نہروں وغیرہ میں نکاسوں میں پانی کے رساؤ کو روکنا ضروری تھا۔ بعد کے دور میں جپسم کا مسالہ عمارتوں کی تعمیر میں زیادہ مقبول ہوا۔ سلطنت، مغل دور حکومت میں عہد وسطیٰ کی تعمیرات اور اس دور میں ہندوستان میں فروغ پانے والے

علاقائی طرز کی ایک مختصر روئداد ہم یہاں پیش کریں گے۔

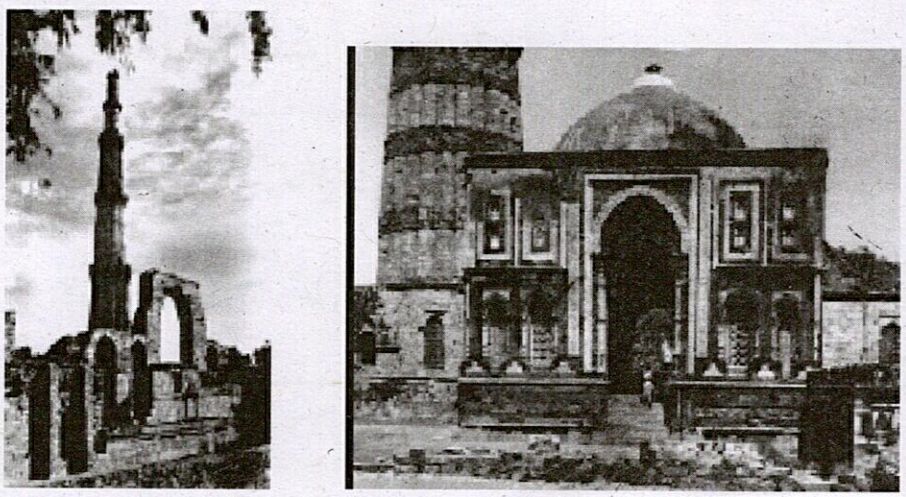

شکل 14.5: قطب مینار اور علائی دروازہ

سلطنت دور

یادگار عمارتیں جیسے قوت الا سلام مسجد (1198)، قطلب مینار (1199 تا 1235)، آدھے دن کا جھونپڑا (1200) اور التمش کا مقبرہ ہند اسلامی فن تعمیر کی ابتدائی شکلوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ابتدائی عمارتوں کو دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ انہیں مقامی کاریگروں کے ذریعہ تعمیر کیا گیا تھا جبکہ بعد کی عمارتوں سے ہند اسلامی طرز کی پختگی میں اضافے کا پتہ چلتا ہے۔ ان یادگار عمارتوں میں کوئی بھی گنبد اور اصل محراب کا تدریجی فروغ دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کی عمدہ مثالیں التمش (34-1233) اور بلبن (88-1287) کے مقبرے ہیں۔ قطب کمپلکس میں علائی دروازہ (1305) اور نظام الدین میں جماعت خانہ مسجد (1325) خلجی دور کی مثالیں ہیں۔ سلجوق تعمیراتی روایت کے امتیازی اثر کی بنا پر ان تبدیلیوں پر یہاں غور کیا جا سکتا ہے۔ ایک نوکیلی نعل جیسی اصل محرابی شکل کا استعمال ! اصل گنبد کا ظہور، لال بلو اپتھر کا استعمال اور سنگ مرمر کی آرائشی کندہ کاری، محراب کے نچلے حصے پر کنول کی کلی کی جھالر کے استعمال کی ابتدا اور نئی معماری اس نئے طرز کی اہم خصوصیات تھیں، تغلق دور کا نیا طرز بنیادی عمارتی سامانوں کے طور پر پتھر کے ٹکڑے کے استعمال دیواروں اور فصیل کے ابھرے ہوئے حصوں کی پیچھے کی طرف جھکتی ڈھلان، چار مرکزی محراب کہی جانے والی ایک نئی قسم کے محراب، نوکدار گنبد کے ظہور اور مقبرہ کے آٹھ رخوں والے منصوبے کے آغاز کے ساتھ دکھائی دیتا ہے، تغلق فن تعمیر کی ایک اور اہم خصوصیات سلامی دار (Batter) دیواروں کا



نوٹس

تھا۔اس سے سازوں کو مضبوطی ملتی تھی۔

سوری تعمیراتی یادگاروں کو دو دور میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور سہسرام کی عمارتیں (1530 تا 1540) جیسے شیر شاہ کے والد اور خود شیر شاہ کے مقبرے، دوسرا مرحلہ (45-1540) دہلی میں پرانا قلعہ اور قلعہ کے اندر قلعی خانہ مسجد جیسی عمارتوں میں دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں محراب کے بالائی کی جانب خط منحنی میں تھوڑی ہموار سطح مغل مرحلے کے دوران چار مرکزی محراب کے فروغ سے پہلے کے مرحلے کی نشاندہی کرتا ہے۔

علاقائی تغیرات

اس دور میں مختلف علاقائی تعمیراتی شکلوں کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ مشرقی ہندوستان میں بنگال اور جونپور میں دو امتیازی طرز تعمیر کو فروغ حاصل ہوا۔ بنگال طرز کی نہایت اہم عمارتیں دو شہروں گور اور پانڈوا کی باقیات میں ضلع مالدہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں دو اہم خصوصیات کو معارف کیا گیا ہے۔ پہلی خصوصیت جھکا محراب (Drop arch) تھا جس کا پھیلاؤ اس کے نصف قطر کی نسبت زیادہ بڑا ہوتا تھا۔ دوسری خصوصیت تھی محرابی چھجے کے ایک نظام کے تحت چھت کو اٹھانے کا طریقہ تھا جہاں چھوٹے گنبدوں کو سہارا دینے کے لیے چوکور اینٹوں سے گولائی قائم کی جاتی تھی جس سے ایک مربع سے دائری بنیاد تک اس تک پہنچنے میں مدد ملی۔ اس دور میں بانس کے سے بنے گھروں کے بجائے اینٹ کی ساختیں تیار کی جانے لگیں جس کے دوران دائرہ نما (دوہری ڈھلان) چھت کی ایک مخصوص شکل تیار کی جانے لگی۔ جونپور کے تعمیراتی طرز کو مسجدوں کو دیکھ کر زیادہ اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ طرز تغلق طرز سے کافی مماثلت رکھتا ہے۔ محراب، اور شہتیر کا استعمال اس طرز کی قابل ذکر خصوصیات ہیں۔

مغربی ہندوستان میں علاقائی تعمیراتی شکلوں کا فروغ 14 ویں صدی میں زیادہ نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ 14 ویں صدی سے 15 ویں صدی تک پہنچتے پہنچتے فنی شکلوں میں ایک نمایاں تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ پہلے میں مسمار شدہ مندروں سے عمارتی سامانوں کا استعمال بڑے پیمانے پر کیا جاتا تھا جبکہ بعد میں ایک نئے طرز کو فروغ حاصل ہوا جس میں مندروں کے تعمیراتی نقش کی نقل مسجدوں کے نقشے میں کی جانے لگی تھی۔ مرکزی ہندوستان کے مالوہ خطے میں نئی فنی شکلوں کا فروغ نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ دھار اور مانڈو کے شہتر اس طرز کی زیادہ بہتر توضع کرتے ہیں۔

ایک دیگر اہم خطہ جس نے اپنے امتیاز طرز کو فروغ دیا وہ دکن کا وجے نگر آرٹ تھا۔ یہاں بہمنی مملکت نے شمالی تعمیراتی شکلوں کے مقابلے ایک بہت ہی مختلف تعمیراتی طرز کی تخلیق کی۔ شمال کے تغلق طرز اور ایرانی طرز کے امتزاج کے ساتھ دکنی طرز کو فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تعمیراتی طرز کو فروغ مملکت

کی راجدھانی گلبرگہ (1347) سے بیور (1425) اور آخر گولکنڈہ (1512) منتقل ہونے کے ساتھ حاصل ہوا۔ گلبرگہ میں پہلے مرحلے کا تعمیراتی طرز تغلق طرز کو اختیار کرنے کے ذریعہ ایک امتیازی اسلامی فن تعمیر کی نمائندگی کرتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں ایرانی تعمیراتی طرز کو اختیار کیا گیا۔ اس میں رنگین ٹائیلوں اور دیواری مصوری کا استعمال کیا جاتا تھا اور ساتھ ہی گنبدوں کی شکل میں بھی تبدیلی ہوئی۔ دکن میں علاقائی طرز میں ایک دیگر اہم ترقی وجے نگر فن کی شکل میں ہوئی۔ ہامپی شہر تعمیراتی شکلوں کا مشاہدہ کرکے اسے زیادہ بہتر طور پر سمجھا جاتا ہے۔ محلوں اور مندروں کے علاوہ شہر میں پانی کی فراہمی کے کاموں ایک وسیع نٹ ورک تھا۔ اس کے علاوہ ہاتھی اصطبل اور لوٹس محل جیسی سرکاری عمارتیں بھی تھیں۔ اس طرز کی منفرد خصوصیت تعمیراتی اور آرائشی غرض سے ستون کا استعمال تھا۔ پلو وحکمرانوں کے ماتحت وجے نگر میں مندر تعمیر اپنے کمال پر پہنچ چکی تھی۔ تعمیراتی روایت کے ساتھ ایک مرتعش سنگ تراشی کی روایت تھی جو متعدد اساطیری شکلوں اور بیانیہ میں استعمال کی جاتی تھی۔ ہیم کٹ پہاڑی، ویروپکش مندر اور ہزار رام مندر وجے نگر مندر کے فن تعمیر کی مثالیں ہیں۔

مغل سلطنت میں فن تعمیر

یہ دور ہندوستان میں بڑے پیمانے پر تعمیراتی سرگرمیوں کا گواہ ہے جو کہ اسلامی آرٹ کے عروج کا زمانہ ہے۔ یہ وہ دور بھی تھا جس میں تصورات اور طرز کا کافی مبادلہ ہوا اور اس کے نتیجے میں ایک ایسے طرز کی تخلیق ہوئی جو سلطنت دور سے کافی مختلف تھا۔ اور جس کی متعدد مقامی یا علاقائی خصوصیات بھی تھیں۔ مغل بادشاہ اکبر نے عظیم منصوبوں کی شروعات کی جو اس دور کی نشاندہی کرتی ہے۔

اس دور کی ابتدائی تعمیرات میں وہ دو مسجدیں شامل ہیں جسے 1526 میں سنبھل اور پانی پت میں بابر کے ذریعہ بنوائی گئی تھی۔ بابر کو دھول پور میں باغوں اور آگرہ میں رام باغ اور زہرہ باغ کی ڈیزائن بنانے کا بھی سہرا جاتا ہے۔ دو مسجدیں ایک آگرہ میں دوسری حصار میں دوسرے مغل بادشاہ ہمایوں کے دور سے متعلق تھیں۔ مغل تعمیر کی نشان وشوکت ہمایوں کے مقبرے کی تعمیر کے ساتھ شروع ہوئیں اس کی ڈیزائن فارس کے میر مرز اغیاث نے تیار کی تھی۔ وہ مقبرے کا کام کرنے کے لیے اپنے ساتھ فارس کے کاریگر لے آیا تھا۔ یہ مقبرہ باغ کے احاطے کا بالکل ابتدائی نمونہ ہے اور چھتے دار بلور پتھر کے چبوترے پر بنایا گیا ہے۔ مقبرہ ہشت رخی ہے اور اونچے گنبد کے ذریعہ اس کی تکمیل کی گئی ہے۔ گنبد ایک دوہرا گنبد ہے جسے دو پرتوں میں بنایا گیا ہے ایک عمارت کے اندرونی حصے میں چھت فراہم کرتی ہے جبکہ دوسری بیرونی پرت ہے جو عمارت کا بالائی حصہ فراہم کرتی ہے۔

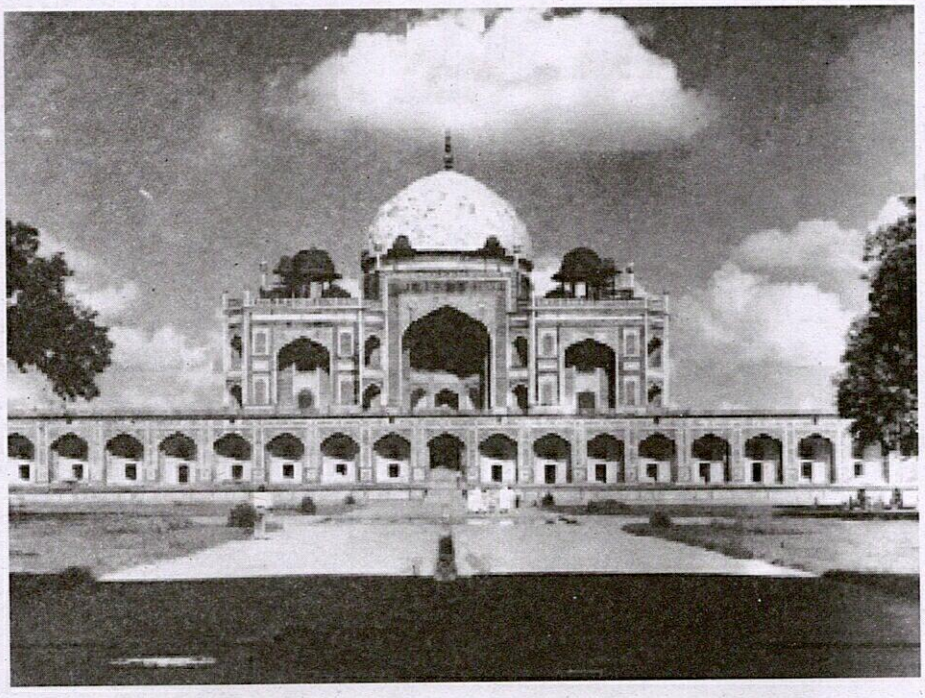

شکل نمبر 14.6: ہمایوں کا مقبرہ

اکبر کے دور میں متعدد ملکی طرز کی حوصلہ افزائی ہوئی جس سے بلوا پتھر، محرابوں (آرائشی شکل میں خاص طور پر) کا استعمال اور ایسی سجاوٹ کا استعمال ہونا شروع ہو چکا تھا جس میں اندرونی حصوں پر شوخ رنگین وضع کے ذریعہ بطور خاص گہرائی سے تراشے گئے یا کندہ کاری سے مزین نقوش شامل تھے۔ آگرہ میں جو اہم یادگاری منصوبے اختیار کیے گئے تھے اس میں آگرہ قلعہ کی عمارت بھی شامل تھی، قلعہ کی اندر کی کئی ساختیں ایسی تھیں جو گجرات اور بنگال طرز میں تیار کی گئی تھیں جسے بعد میں شاہ جہاں نے مسمار کرا دیا تھا اور قلعے اور اس کے اندرونی حصوں کا نمونہ اس نے دوبارہ بنوایا، لال بلوا پتھر میں جہانگیر محل کو ایک مضبوط عمارت سمجھا جاتا ہے، یہ ہندو اور اسلامی عمارت ڈیزائنیوں کا ایک امتزاج ہے۔ خاص ساختی نظام شہتیر اور دیوار گیری ایک ساتھ تعمیر کا یہ فن لاہور اور الہ آباد کے قلعہ بند محل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اکبر کے ماتحت مغل فن تعمیر فتح پور سکری کی تعمیر کے ساتھ ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ یہ شہری محل (1571 تا 1585) میں پورا کا پورا لال بلولے پتھر سے بنوایا گیا تھا۔ اس کا مشاہدہ دو زمروں کے تحت کیا جا سکتا ہے ایک مذہبی اور دوسرا غیر مذہبی، مذہبی عمارتوں میں جامع مسجد، بلند دروازہ اور شیخ سلیم چشتی کے مقبرے ہیں غیر مذہبی عمارتوں میں محل، انتظامی عمارتیں اور دیگر ساختیں شامل ہیں جامع مسجد میں مرکزی صحن، تین جانب چھتوں اور گنبدی افقی پس منظر کے ایک مثالی منصوبے کا استعمال کیا گیا ہے۔ محل میں وہ عمارتیں

ہیں جنہیں جودھابائی محل، پنچ محل (پانچ منزلہ ساخت جوجیوں جیوں اونچی ہوتی جاتی ہے تیوں تیوں اس کا حجم گھٹتا جاتا ہے) دیوان خاص (مستطیل کی شکل ہے اور باہر سے دومنزلہ ہے) اور دیوان عام شامل ہے، دیگر عمارتوں میں ہاتھی پول اور کارخانہ عمارتیں شامل ہیں۔

جہانگیر کے دور کی اہم عمارتوں میں سکندرہ میں اکبر کا مقبرہ، اعتماد الدولہ کا مقبرہ شامل ہے، سکندرہ کے مقبرے کو مقبرے کے احاطے کے ساتھ ڈیزائن کیا گیا جو ایک باغ سے گھرا ہوا ہے مقبرہ خود تین منزلہ ہے۔ پہلی منزل چھتے دار چبوترہ ہے جو وسطی خانے کی تشکیل کرتا ہے۔ یہ لال بلوے پتھر کی تین قطاروں میں ہے جبکہ سب سے اونچا سفید سنگ مرمر سے بنا ہے جو اس کو چاروں طرف گھیرنے والے پردے کے ساتھ اوپر کی طرف کھلتا ہے۔ اعتماد الدولہ کا مقبرہ 28-1622 میں بنوایا گیا تھا جو اکبری دور سے تعمیر کے طرز میں تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے، گنبد کی چھت کے ساتھ محیط مقبرہ خوبصورت سنگ مرمری نقش ونگار سے مزین ہے۔ جہانگیر کو کشمیر میں مشہور مغل باغوں کی بنیاد رکھنے کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔

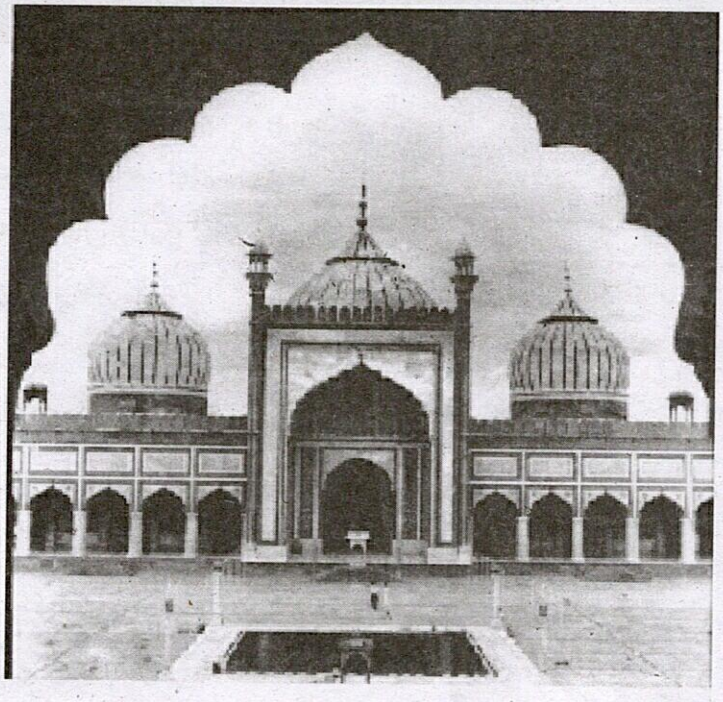

شکل نمبر 14.7: جامع مسجد دہلی

شاہ جہاں کی اہم یادگار عمارتوں میں لال قلعہ (دہلی میں)، موتی مسجد (آگرہ)، دہلی کی جامع مسجد اور تاج محل شامل ہے۔ لال قلعہ جمنا ندی کے کنارے کے ساتھ ایک مستطیل کے طور پر وضع کیا گیا ہے۔

نوٹس

دو دروازے دہلی اور لاہور دروازے ہیں۔ قلعہ کے گرد خندق ہے جو ندی کے کنارے چھوڑ کر باقی جگہ کھدی ہوئی ہے۔ قلعہ کے اندر کی اہم عمارتیں دیوان عام، دیوان خاص اور رنگ محل ہیں آگرہ کی موتی مسجد نماز کے لیے ایک کھلے ہال کی متبادل اسکیم کے ساتھ ایک تجربہ تھا جس میں میناروں کو ترک کر کے اس کی جگہ نماز کے ہال کے چار کونوں پر چھتریاں لگائی گئی تھی۔ جامع مسجد فتح پور سیکری کی جامع مسجد کی ایک اور بڑی شکل ہے۔ یہ ایک بڑے چبوترے پر بنائی گئی ہے، مسجد کے اندر تین جانب ستونوں کی قطار ہے جبکہ چوتھی جانب اندرونی گوشہ ہے، سنگ مرمر کے تین گنبد میں جو اندرونی گوشے کے اوپر تعمیر کیے گئے ہیں۔ تاج محل شاہ جہاں کے ایک انتہائی شاندار منصوبے کی نمائندگی کرتا ہے۔ تاج محل کی تعمیر 1632 میں شروع ہوئی تھی اور 1643 میں پوری ہوئی تھی۔ کمپلکس کا منصوبہ اونچی محیط دیوار اور وسط میں ایک کافی اونچا دروازہ ہے۔ تاج کی خاص عمارت کے شمالی سرے پر ایک اونچے سنگ مرمر کے چبوترے پر واقع ہے۔ ایک بہت بڑا گنبد بھی ہے جو اس ساخت کی چوٹی کو ایک اوندھے کنول کے کلس سے ڈھکتا ہے، عمارت کی آرائشی خصوصیات خاص طور پر خطاطی اور بیرونی حصے میں کندہ کاری کے کام اور اندرونی حصے میں Pietra Dura پر مشتمل ہے۔

اورنگ زیب کے دور میں دہلی میں لال قلعہ میں واقع موتی مسجد، لاہور میں بادشاہی مسجد اور اورنگ آباد میں اورنگ زیب کی بیوی رابعہ الدوراں کے لیے مقبرہ مغل تعمیرات کی خاص مثالیں ہیں۔ اورنگ آباد میں واقع مقبرے کا نمونہ تاج محل پر مبنی ہے۔ اورنگ زیب کے بعد تعمیراتی یادگاروں میں دہلی میں واقع صفدر جنگ کا مقبرہ ہے جو علاقائی گورنروں کے ذریعہ مغلوں کی روایت کے تسلسل کی نمائندگی کرتا ہے۔

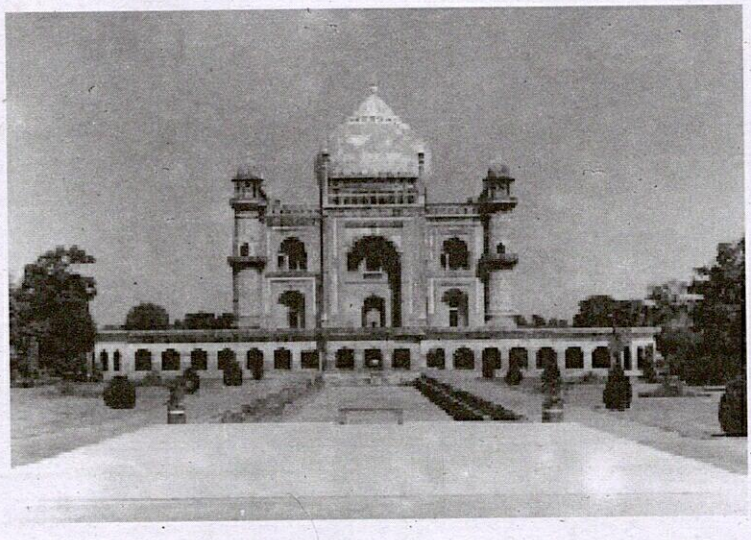

شکل 14.8: صفدر جنگ مقبرہ



آرائشی طرز

اس دور کے فن کی دیگر خصوصیت اسلامی عمارتوں میں آرائشی فن کا استعمال تھا جو پہلی بار برصغیر ہند میں متعارف ہوا تھا۔ یہ آرائشی طرز خطاطی، جیومترائی شکلوں اور برگ نما (پتے جیسا) شکل میں ہوتا تھا۔ خطاطی میں قرآن کی آئتوں کو زاویائی، صوفیانہ اور کوفی کے نام سے معروف یادگاری رسم الخط میں عمارتوں پر نقش کیا جاتا تھا، خطاطی دروازے کے فریموں، چھتوں، دیوار کے پنلوں وغیرہ جیسے عمارت کے مختلف حصوں پر کی جاتی تھی۔ جبکہ دوسری طرف جیومترائی شکلوں کا استعمال مختلف قسم کے امتزاج میں کیا جاتا تھا۔ اڈیزائنوں کا تخلیقی ذریعہ دائرہ تھا جسے بعد میں مربع، مثلث یا کثیر الاضلاع کی شکل میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد ان شکلوں کی ضرب اور ذیلی تقسیم، گردش کے ذریعہ یا متشاکل بندوبست کے ذریعہ مرتب کیا جانے لگا تھا۔ سلطنت کی عمارتوں کی میں استعمال کی گئی آرائش کی غالب شکل آپس میں گتھے ہوئے پھول پتوں کا نقش تھا، اس کی خصوصیت کا تعین ٹہنی کے ایک سلسلے کے ذریعہ کیا گیا تھا جو باقاعدگی سے تقسیم ہوکر برگ دار چھوٹی ٹہنیوں کا ایک سلسلہ پیدا کرتا ہے اور یہ اصل ڈنڈی میں پھر مل جاتی تھی (اس طرح یہ ایک دوسرے سے گتھ جاتے تھے)۔



متن پر مبنی سوالات 10.6

1- عہد وسطیٰ کے دوران تعمیراتی شکلوں میں دو اہم تبدیلیوں کے نام بتایے۔

2- اصل محراب کیا ہے؟

3- ہند اسلامی تعمیرات کی ابتدائی شکلوں سے متعلق کچھ یادگاروں کے نام بتایے۔

4- فتح پور سیکری کی تعمیر میں کس قسم کا پتھر استعمال کیا گیا ہے؟

5- عہد وسطیٰ کی تعمیر میں استعمال کیے گئے بعض آرائش طرز کے نام بتایے۔

ماڈیول-2



عہد وسطیٰ کا ہندوستان

آپ نے کیا سیکھا

نوٹس

عہد وسطیٰ کی ثقافت ہندوستانی اور فارسی فلسفہ، ادب، فن اور فن تعمیر کے امتزاج کی نمائندگی کرتی ہے۔ مذہبی میدان میں صوفی ازم اور بھکتی روایت دونوں کا ایک دوسرے پر اثر پڑا۔ ان کے ذریعہ عوامی سطح پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی روایت کو سمجھنے کے لیے ایک موقع فراہم ہوا۔

ایک نئی زبان کے طور پر اردو کا ظہور تعامل اور امتزاج کی ایک عمدہ مثال ہے۔ یہی بات موسیقی اور مصوری کے میدان میں دکھائی دیتی ہے۔ تعمیر کے میدان میں، شکل اور طرز اور آرائش کا ایک دوسرے پر کافی اثر پڑا۔

عہد وسطیٰ اس طرح جنوبی ایشیا میں مذہب اور فن کی دنیا میں غیر معمولی تبدیلی کے ایک اہم دور کی نمائندگی کرتا ہے۔ صوفی ازم کی بڑھتی مقبولیت نے اسلام کی عوامی قبولیت پزیری میں ایک اہم رول نبھایا اور اسی دوران برصغیر ہند میں منفرد اسلامی روایت قائم ہوئی۔ بھکتی تحریک نے بھی ہندوازم کے فروغ میں اسی طرح کا کردار نبھایا۔ جہاں ایک طرف اس نے موجودہ مذہبی سماجی درجہ بندیوں کو چیلنج پیش کیا وہیں دوسری طرف اصل دھارا کی ہندو روایت میں وحدانیت جیسے تصورات بھی بحال کیے۔ صوفی اور بھکتی دونوں تحریکوں نے تسلیم شدہ مذہبی عالموں یا پروہتوں کے اقتدار اور رائج مذہبی رسمیات کی موزونیت پر سوال اٹھائے، زیادہ اہم بات یہ کہ جہاں دونوں نے رائج مذہبی روایتوں پر سوال اٹھائے وہیں بالآخر قائم شدہ مذہبی نظاموں میں خود کو شامل پایا۔

عہد وسطیٰ کے دوران دیگر اہم ترقی دیسی ادب کا نشو ونما تھا۔ بڑھتی علاقائی شناختوں نے نئی ادبی اور فنی شکلوں کی تخلیق کی۔ بنگالی، گجراتی، مراٹھی اور تیلگو جیسی علاقائی زبانوں کی نشو ونما ایک بہت ہی اہم پیش رفت تھی۔ ترجمے کی مقبولیت نے مجموعی ناظرین کی تعداد بڑھائی اور تصورات کے تبادلے میں بھی مدد ملی۔ تبادلہ خیالات موسیقی میں نئی پیش رفت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ عہد وسطیٰ میں ستار کا استعمال اور موسیقی کے نئے طرز نے اس میں مزید اضافہ کیا۔

فن کے میدان میں مصوری کے نئے طرز کو بھی ترقی ملی جو مغل اور راجپوت طرز کی سرپرستی سے مربوط تھی۔ پہلے زمانے کے مقابلے کردار اور اسلوب سے متعلق پیش کش میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ ہندو وسطیٰ کے امتزاج کو نئے تعمیراتی طرز کے فروغ میں زیادہ بہتر طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس دور سے متعلق قلعوں، محلوں، مندروں اور سجدوں کی ایک بڑی تعداد نئے طرز کی مثالیں ہیں۔ اس دور کے آرائشی فنی پہلوؤں اور گنبدوں کے توافق اس دور کو تعمیراتی روایتوں کی مثالیں ہیں۔



نوٹس

اختتامی سوالات

1- صوفی تعلیمات کی کچھ اہم پہلوؤں پر بحث کیجئے۔
2- خواجہ بہاوالدین نقش بندی کے ذریعہ قائم صوفی سلسلے کا نام بتایے۔ ان کے سلسلے کی اہم تعلیمات کیا تھیں؟
3- مختلف بھکتی سنتوں کی تعلیمات میں کیا مماثلت تھیں؟
4- بنگال، مہاراشٹر میں بھکتی تحریک میں اہم پیش رفت کیا ہیں؟
5- گرونانک کی تعلیمات کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔
6- عہد وسطیٰ میں سنسکرت ادب میں نئے میلانات کی پیش رفت پر روشنی ڈالیے۔
7- امیر خسرو کون تھے؟ فارسی ادب کے فروغ میں ان کا کیا اشتراک تھا؟
8- مغل دور میں وجود میں آئے نئے مصوری طرز کی اہم خصوصیات کیا تھیں؟
9- سلطنت دور کی اہم تعمیراتی خصوصیات طرز کا جائزہ لیجئے۔
10- اکبر اور جہانگیر کے دور حکومت میں مغل فن تعمیر میں نئے طرز کے ظہور پر بحث کیجئے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

14.1

1- پیر ایک صوفی معلم ہوتا ہے۔
2- ایک اہم صوفی جس نے اسلامی راسخ العقیدگی کے ساتھ اسلامی تصوف کی ہم آہنگی پیدا کی۔
3- بھکتی موسیقی کے حوالے کے لیے استعمال کی جانے والی ایک اصطلاح۔
4- حضرت نظام الدین اولیاء
5- پنجاب میں قادریہ سلسلے کے رہنما اور اکبر کے حامی تھے۔

14.2

1- راسخ العقیدہ برہمن ازم
2- کبیر، تکارام، چیتنیہ
3- وہ بنگال کے ایک اہم بھکتی سنت تھے۔



14.3

1- وہ سکھ جس کا سیدھا ربط گرو سے تھا۔

2- پنجاب کا ایک اہم تاجر طبقہ۔

14.4

1- راج ترنگنی، پرتھوی راجاوجیہ۔

2- یہ ایک شاعرانہ بیانیہ ہے۔

3- سلطنت دور میں ایک فارسی شاعر جو حضرت نظام الدین اولیاء کے شاگرد تھے۔

4- فتاویٰ جہاں داری، تاریخ فیروز شاہی۔

5- ہندوستان میں فارسی ادب کی ایک نئی شکل۔

6- مراٹھی، بنگالی، گجراتی، اڑیہ۔

14.5

1- ستار

2- راجہ مان سنگھ

3- ظواہر پسند طرز کی ابتداء اور فطرت پر مبنی پیشکش کا استعمال۔

4- دربار میں مخصوص واقعات اور ممتاز شخصیتوں کی چہرہ کشی۔

14.6

1- محراب اور گنبد

2- محراب بنانے کی ایک طرز جو عہد وسطیٰ میں ظاہر ہوئی تھی۔ مرکزی پتھر اس میں اہم تھا۔

3- قوت الاسلام مسجد، قطب مینار، آدھے دن کا جھونپڑہ۔

4- لال بلوا پتھر

5- خطاطی، جیومترائی شکلیں

اختتامی سوالات کے اشارے

1- 14.1 اور پیرا گراف 1,3,6 سے رجوع کریں۔

2- 14.1 نقش بندی سلسلے سے رجوع کریں۔

3- 14.2 پیرا 1 تا 4 سے رجوع کریں۔

4- وشنو بھکتی کے تحت 14.2 سے رجوع کریں۔



5- سیکشن 14.3 پیراگراف 11 اور 2

6- سنسکرت ادب کے تحت سیکشن 14.4 سے رجوع کریں۔

7- فارسی ادب میں 14.4 سے رجوع کریں۔

8- 14.6 سے رجوع کریں۔

9- دہلی سلطنت کے تحت 14.7 سے رجوع کریں۔

10- مغل سلطنت کے تحت 14.7 سے رجوع کریں۔

فرہنگ اصطلاحات

خانقاہ – صوفی سلسلے کی سرگرمیوں کا مرکز

سلسلہ – صوفی سلسلہ

وحدانیت پرست – وہ جو ایک خدا میں یقین رکھتا ہو

Peitra Dura – ایرانی آرائشی طرز جس میں رنگین پتھر سفید، دیگر رنگین، پتھر، سنگ مرمر پر اس طرح جمایا جاتا تھا کہ یہ ایک ٹکڑا لگتا ہے۔

روح – روح

حلول – تناسخ

زیارت – مقبرے جانے کا عمل، ایک طرح کا مذہبی سفر

سمع – صوفیائے کرام کا موسیقی مجمع



نوٹس

15

اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کو سمجھنا

ہندوستان میں اٹھارہویں صدی کی خصوصیت کا تعین دو اہم تغیرات (ایک حالت سے دوسری حالت میں پہنچنا) کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اس میں اقتدار کی مسافت تو بدلی ہی اہم سماجی اور معاشی تبدیلیوں کا بھی آغاز ہوا۔ پہلا عبوری دور مغل سلطنت سے علاقائی سیاسی سلسلوں تک پہنچنے کا ہے جو صدی کے پہلے نصف میں واقع ہوا۔ دوسرا عبوری دور یا تغیر نظام ریاست، سماج اور معیشت میں پیدا ہوا۔ 18ویں صدی میں انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی نے سیاسی اقتدار کی حیثیت کے حصول کے لیے اپنی راہ متعین کی۔ مغل اقتدار کے زوال کے بعد متعدد آزاد مملکتوں کے ابھرنے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس باب میں ہم ملک کے مختلف حصوں میں ان آزاد مملکتوں کے ظہور کا مطالعہ کریں گے۔ جارحانہ برطانوی پالیسیاں معاشی حالات پر اثر انداز ہوئیں۔ زراعتی اور غیر زراعتی پیداوار میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ کمرشیل سرگرمیوں میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ان سب پر اس باب میں بحث کی جائے گی۔ 18ویں صدی کے سماجی اور ثقافتی مناظر کا بھی اس باب میں تجزیہ کیا جائے گا۔

مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ:

- مغل سلطنت کے زوال کے اسباب کی وضاحت کے ساتھ علاقائی نظام حکومت کے ظہور کو بھی واضح کرسکیں گے؛
- اس دور کی ہندوستانی معیشت میں علاقائی تغیرات میں امتیاز کرسکیں گے؛
- 18ویں صدی میں سماج اور ثقافت کی خصوصیات کی شناخت کرسکیں گے؛
- اس دور کی ہندوستانی معیشت میں علاقائی تفریق کو سمجھ سکیں گے؛
- اور اٹھارویں صدی کو سمجھنے سے متعلق امور کو درج فہرست کرسکیں گے؛



نوٹس

15.1 مغل سلطنت کا زوال

پس منظر

مغل سلطنت کا اتحاد اور استحکام بادشاہ اورنگ زیب کے طویل اور مضبوط دور حکومت میں لڑکھڑا چکا تھا۔ تاہم مغل انتظامیہ کو درپیش مزاحمتوں اور مخالف حالات کے باوجود یہ اب بھی کافی موثر تھا اور 1707 میں اس کے انتقال کے وقت مغل فوج کافی مضبوط تھی۔ اس سال کو عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ وہ سال ہے جب عظیم مغلوں کا دور ختم ہوا اور مغلوں کے کمزوروں کی دور کی شروعات ہوئی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل اقتدار کمزور ہو گیا وہ اس حیثیت میں نہیں تھا کہ فوجی طور پر اپنے قاعدے قانون کو سلطنت کے سبھی حصوں میں نافذ کر سکے۔ نتیجے کے طور پر متعدد صوبائی گورنروں نے اپنے اقتدار کا دعویٰ پیش کرنا شروع کر دیا تھا۔ دھیرے دھیرے انہوں نے آزاد حیثیت حاصل کر لی۔ ساتھ ہی متعدد مملکتیں ایسی بھی جو مغلوں کے ماتحت تھیں انہوں نے بھی آزادی کا دعویٰ کیا۔ کچھ نئے علاقائی گروپ بھی ان سبھی پیش رفت کے ساتھ مستحکم ہوئے اور سیاسی قوت کے طور پر ابھرے۔ 1707 اور 1761 کے درمیان پانی پت کی تیسری جنگ (جس میں احمد شاہ ابدالی نے مراٹھا سرداروں کو ہرایا تھا) کا دور بھی علاقائی شناخت کے سلسلے میں نئی سرگرمی کا گواہ ہے۔ اس کے سبب سیاسی اور معاشی لامرکزیت میں مدد ملی، اس کے ساتھ ہی مقامی خام مال، مصنوعات اور اناجوں کی علاقائی اور بین علاقائی تجارت نے سیاسی اور فوجی رشتوں کے بلا لحاظ معاشی طور پر ایک دوسرے پر منحصر رہنے کے مضبوط بندھن کی تخلیق کی۔

مغل سلطنت کا ختم ہونا

1707 میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اِردگرد کے علاقوں سے زبردست خطرہ پیدا ہونے کے سبب سلطنت کے قلب میں مسائل بڑھنا شروع ہو گئے تھے۔ نئے بادشاہ بہادر شاہ اول (یا شاہ عالم، 1707 تا 1712) نے مصالحت کی ایک پالیسی اپناتے ہوئے ان سبھی امرا کو معاف کر دیا جنہوں نے اس کے حریفوں کی حمایت کی تھی۔ اس نے ان کے لیے مناسب علاقوں اور تعیناتی کو منظوری دی۔ اس نے کبھی جزیہ ختم تو نہیں کیا لیکن ٹیکس وصول کرنے کی کوئی موثر کوشش نہیں کی گئی۔ شروعات میں اس نے امبر (بعد میں جے پور) اور جودھپور کے راجاؤں کی راجپوت ریاستوں پر پورا کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جب اس کی کوششوں کے ردعمل میں زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تب اسے ان کے ساتھ تصفیے کی ضرورت محسوس کی۔ تاہم مغل اقتدار کے لیے پوری طرح وقف جنگجوؤں کے لیے یہ تصفیہ پہلی جیسی صورت نہیں پیدا کر سکا۔ مراٹھوں کے تئیں بادشاہ کی مصالحت کی پالیسی کو بھی ادھورے طور پر اختیار کیا گیا۔ وہ دکن میں جہاں آپس میں جنگ کرتے رہے وہیں مغلوں کے خلاف بھی لڑائیاں لڑیں۔

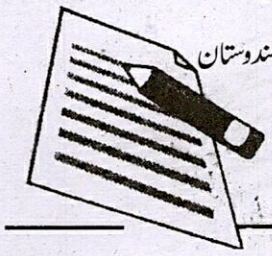

نوٹس

اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کو سمجھنا

تاہم بہادر شاہ بندیلا سردار چھتر سال اور جاٹ سردار چوڑامن سے مصالحت کرنے میں کامیاب رہا۔ جاٹ سردار نے سکھوں کے خلاف مہم میں بھی اس کا ساتھ دیا۔

جہاندار شاہ (1712 تا 1713) ایک کمزور اور غیر موثر حکمراں تھا۔ اس کے وزیر ذوالفقار خاں نے غیر معمولی اختیارات کے ساتھ سلطنت کے انتظامی معاملات سنبھالے۔ ذولفقار جانتا تھا کہ راجپوتوں اور مراٹھوں کے ساتھ دوستانہ رشتے قائم کرنا ضروری ہے۔ وہ سلطنت کو بچانے کے لیے بالعموم ہندو سرداروں سے بھی مصالحت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اورنگ زیب کی پالیسیوں کو بدل دیا، جزیہ ختم کر دیا۔ اس نے سکھوں کو دبانے کی قدیم پالیسی جاری رکھی۔ اس کا مقصد ان سبھی لوگوں کے ساتھ مصالحت کرنی تھی جو مغل ادارہ جاتی ڈھانچے میں اقتدار میں شریک ہونے کے خواہش مند تھے۔ ذوالفقار خاں نے معاشی نظام میں اصلاح کی بھی متعدد کوششیں کیں۔

وہ ریاست کے محصول کی وصولیابی کی اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ جب مقتول شہزادہ عظیم الشاہ کے بیٹے فرخ سیر نے ایک بہت بڑی فوج اور خزانہ خالی ہونے پر بہار و بنگال سے مالیاتی فراہمی کی بنیاد پر جہاندار شاہ اور ذوالفقار خاں کو چیلنج کیا۔ مایوس کن صورت حال میں انہوں نے اپنے خود کے محلوں کو لوٹا، یہاں تک کہ دیواروں اور چھتوں سے سونا اور چاندی نکال لیا۔ تاکہ ایک خاصی بڑی فوج کو مالیاتی وسائل فراہم کیے جاسکیں۔ فرخ سیر (1713 تا 1719 حکمرانی) نے اپنی فتح اور تخت نشینی کو سید بھائیوں، عبداللہ خاں اور حسین علی براہا سے منسوب کیا۔ سیدوں کو اس طرح وزیر اور صدر بخشی کے عہدوں سے نوازا گیا اور انہوں نے ریاست کے معاملات پر کنٹرول اختیار کرلیا۔ انہوں نے ذوالفقار خاں کے ذریعہ شروع کی گئی پالیسیوں کو فروغ دیا۔ جزیہ اور اسی طرح کے دوسرے ٹیکس فوری طور پر ختم کر دیے گئے۔ بھائیوں نے انجام کار سکھوں کی بغاوت بھی کچلی اور راجپوتوں، مراٹھوں اور جاٹوں سے مصالحت کی کوشش کی۔ تاہم وزیر اور بادشاہ کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہونے پر اس پالیسی میں رکاوٹ پڑی۔ امراء کے گروپوں کی وفاداریاں بدلنے لگیں۔ ایک بار پھر جاٹوں نے آگرہ اور دہلی کے درمیان شاہی بڑی شاہراہ پر لوٹ پاٹ شروع کر دی تھی۔ فرخ سیر نے ان کے خلاف ایک تعزیری (سزا دینے کی) مہم کی قیادت کے لیے راجہ جے سنگھ کو نامزد کیا لیکن وزیر نے راجہ کو نظر انداز کرتے ہوئے بات چیت کے ذریعہ سمجھوتہ کرلیا۔ نتیجے کے طور پر پورے شمالی ہندوستان میں زمینداروں نے یا تو پرتشدد بغاوت کی یا پھر محاصل ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ جبکہ دوسری طرف فرخ سیار نے دکن کے گورنر کی افواج کی مخالفت کرنے پر زور دیتے ہوئے کچھ مراٹھا سرداروں کو خط لکھا۔ دکن کا گورنر سید حسین علی خاں کا نائب اور معاون تھا۔ اس سے فرخ سیر کی پریشانی بڑھ گئی۔ آخر کار 1719 میں سید برادران جودھپور کے اجیت سنگھ اور ایک مراٹھا فوج کو دہلی لے آئے تاکہ بادشاہ کو معزول کیا جاسکے۔



فرخ سیر کے قتل سے طبقہ امراء کے مختلف دھڑوں میں جو سیدوں کی بڑھتی طاقت سے جلتے تھے سیدوں کے خلاف برگشتگی کی ایک لہر پیدا ہوئی۔ ان میں بہتوں نے خاص طور پر اورنگ زیب کے زمانے کے پرانے امراء نے وزیر کے ذریعہ کاشتکاری پر محصول کی حوصلہ افزائی سے ناراض ہو گئے کیونکہ ان کے خیال میں یہ محض دوکانداری تھی اور ملک داری یا نظام حکومت کی خلاف ورزی تھی۔ فرخ سیر کے محل میں ان بھائیوں نے 1719 میں آٹھ مہینے کے اندر جلدی جلدی یکے بعد دیگرے تین نوعمر شہزادوں کو تخت نشین کیا۔ ان میں سے دو رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ (شاہ جہاں دوئم) بیمار ہوکر وفات پا گئے۔ تیسرا جس نے محمد شاہ کا لقب اختیار کیا اس نے سید بھائیوں کے کنٹرول سے خود کو پوری طاقت سے آزاد کرانے کے زبردست کوشش کی۔

نظام الملک، شن قلی خاں اور اس کے والد کے عم زاد محمد امین خاں، دو ممتاز امراء کی زیر قیادت ایک طاقتور گروپ ظہور میں آیا، جس نے آخر کار سید بھائیوں کو اکھاڑ پھینکا (1720)۔ اس وقت محمد شاہ (1719 تا 1748) اقتدار میں تھا، بادشاہ اور طبقہ امراء کے درمیان رشتے کی نوعیت اب تقریباً پوری طرح بدل چکی تھی۔ امراء کے انفرادی مفادات سیاست کی راہ اور ریاستی سرگرمیوں پر مبنی تھے۔ 1720 میں محمد امین خاں نے وزیر کی حیثیت سے سید عبداللہ خاں کی جگہ لی، امین خاں کی موت کے بعد (جنوری 1720) میں ایک مختصر مدت کے لیے نظام الملک نے یہ عہدہ اس وقت تک سنبھالا جب تک کہ امین خاں کے بیٹے قمر الدین خاں نے موروثی حق کا دعویٰ کرتے ہوئے جولائی 1724 میں یہ عہدہ اختیار نہ کرلیا۔ امراء خود ان تقرریوں کو اصلاً نافذ کرتے تھے۔ اس وقت امراء نے کافی اختیارات حاصل کر لیے تھے۔ وہ اپنے حق میں بادشاہ کے نام سے فرمان جاری کرتے تھے۔ بادشاہ کی حیثیت بغیر حقیقی اختیارات کے صرف علامتی بن کر رہ گئی تھی۔ حقیقی اختیارات امراء کے اہم گروپوں میں سمایا ہوا تھا۔ مرکزی وفاتر کے کنٹرول میں امراء کا انداز نظر بالکل شاہانہ ہوا کرتا تھا حتیٰ کہ وہ ان خطوں کے استحکام کے لیے زیادہ فکر مند ہوتے تھے جہاں ان کی جاگیریں ہوتی تھیں۔ گورنروں، فوجدار اور دیگر مقامی عہدیداروں کو فرمان (احکامات جن میں بعض حقوق یا مخصوص رعایت دی جاتی تھی) بادشاہ کے نام پر روایت کے مطابق بھیجے جاتے تھے۔ اورنگ زیب کے جانشینوں کی انفرادی ناکامی بھی شاہی اقتدار کے زوال میں معاون تھی۔ جہاندار شاہ میں وقار اور مروجہ معیار کے عمل میں فقدان تھا، فرخ سیر ڈھلمل مزاج کا تھا، محمد شاہ غیر سنجیدہ، تن آسانی چاہنے والا اور عیش پسند تھا۔ تقرریوں، ترقیوں اور برخاستگیوں حتیٰ کہ صوبوں میں بھی بادشاہ کے منظور نظر افراد کی رائے کو وزن دیا جانے لگا تھا۔



نوٹس

15.2 علاقائی نظام حکومت اور ریاستوں کا ظہور

مغل زوال کے مرحلے اور اگلی صدی (موٹے طور پر 1700 تا 1850) میں جو ریاستیں اُبھریں وہ وسائل، اور دوسری خصوصیات میں ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں، اُن کی مدت بھی غیر متعین تھی۔ ان میں سے بعض جیسے جنوب میں حیدر آباد ایک ایسے علاقے میں واقع تھا جو قریبی قبل مغل دور میں علاقائی ریاستوں کے ساتھ خلط ملط رہتا تھا اور اُس علاقے میں ریاستوں کی تشکیل کی قدیم مقامی یا علاقائی روایت تھی۔ دیگر کچھ ایسی ریاستیں تھیں جن کا کردار زیادہ پختہ تھا اور مخصوص عمل جو کہ آخری سولہویں اور سترہویں صدی کے دوران واقع ہوا تھا، سے اخذ کی گئی تھیں۔ مابعد مغل دور میں بہت سی ریاستیں نسلی یا فرقہ واری گروپ بندی جیسے مراٹھا، جاٹ اور سکھ پر مبنی تھیں، وقت آنے پر خطوں کی خوشحالی نے مقامی زمینداروں اور طاقتور گروپوں کے ذریعہ بیرونی اقتدار کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ تاہم ان باغیوں کی باہمی رقابت اور تصادم کے سبب ان کے مفادات مستحکم نہیں ہو سکے اور اس طرح سلطنت کو موثر چیلنج پیش کرنے میں زیادہ کامیاب نہیں رہے۔ وہ اپنے سگے لوگوں، کسانوں اور اپنی جاتیوں کے چھوٹے زمینداروں کی حمایت پر منحصر تھے۔ ہر مقامی گروپ دوسروں کی قیمت پر اپنی خوشحالی زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہتا تھا۔ شاہی علامتوں پر زور دینے کی ضرورت ظہور میں آنے والی طاقتی سیاست کی قسم میں پنہاں تھی، خطوں میں بعض مقابل اپنی طاقت کے تناسب پر پڑوس میں دوسروں پر اپنا تسلط قائم کرنے کے مواقع کی تلاش اور قبضہ کرنے کی جستجو میں لگے رہتے تھے۔ ان سبھی کو کسی نہ کسی طرح کے جواز حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی، جو ایک طویل زمانے سے تسلیم شدہ بادشاہ کے اقتدار کی صورت میں آسانی سے دستیاب ہوتا ہے۔ انہیں مغل مرکز کی علامتی برتری کو اجتماعی طور پر قبول کرنے میں کوئی ڈر نہیں تھا کیونکہ ان کے آرزوؤں کی تکمیل ساتھ ساتھ ہوتی تھی۔ مرکزی اقتدار کے دھیرے دھیرے کمزور ہونے سے نئی قسم کی صوبائی مملکتوں کی راہ ہموار ہوئی۔ وہ امراء جو اہل اور طاقتور تھے انہوں نے خود کے لیے ایک علاقائی بنیاد کی تعمیر کی جدوجہد کی وزیر رشن قلی خاں نے خود اس کی راہ دکھائی۔ انتظامیہ کی اصلاح میں ناکام ہونے کے بعد اس نے 1723 میں اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور اکتوبر 1724 میں دکن میں حیدر آباد ریاست قائم کرنے کے لیے جنوب کی طرف بڑھا۔ اس مرحلے میں مغل دربار کے سردار صوبوں سے ضروری محاصل کی روانی کو یقینی بنانے اور شاہی اتحاد کے شائبہ کو برقرار رکھنے کے لیے فکر مند تھے۔ سلطنت کے انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مراٹھوں نے اب شمال کی سمت توسیع کی شروعات کی اور مالوہ، گجرات اور بندیل کھنڈ کو تاراج کر دیا۔ اس کے بعد 39-1738 میں نادر شاہ نے جس نے ایران کے حکمراں کی حیثیت سے خود کو قائم کیا تھا، ہندوستان پر حملہ کیا۔



متن پر مبنی سوالات 15.1

1- 1707 میں اورنگ زیب کا جانشیں کون ہوا تھا؟ اس نے کس طرح کی پالیسی اپنائی تھی؟

2- ''سید برادران'' کے نام سے کون مشہور تھے؟ ان کی کچھ حصولیابیوں کا ذکر کیجئے۔

3- حیدرآباد کی ریاست کس نے قائم کی تھی؟ اس نے مغلوں کے ماتحت کیا عہدہ اختیار کیا تھا؟

4- اورنگ زیب کی وفات کے بعد امراء کے اختیارات بڑھنے کے کوئی دو سبب بتایے۔

5- کس ملک کے حکمراں نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا؟

15.3 مراٹھا اقتدار

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغل خاندان کی طویل زوال کے دور میں اکیلی اہم طاقت مراٹھا تھے۔ نہایت اہم مراٹھا جنگجو خاندان بھونسلاؤں کا تھا، جنوبی سیاست میں شیواجی بھونسلے نہایت اہم طاقت بن کر ابھرا۔

شیواجی جیسی خوش بختی ان کے بیٹوں اور ان کے جانشینوں، سمبھا جی اور اس کے چھوٹے بھائی راجہ رام کے حصے میں نہیں آئی۔ ایک وقت تو ایسا لگا کہ مراٹھا اقتدار کا زوال شروع ہو گیا ہے۔ لیکن ابتدائی اٹھارہویں صدی میں کسی حد تک بدلی ہوئی صورت حال میں بازیابی کا عمل واقع ہوا۔ اس لحاظ سے خاص اہم مرحلہ ساہو کا دور حکومت تھا جو راجہ رام کے بعد 1708 میں تخت نشین ہوا تھا۔ ساہو کا دور حکومت چار دہایوں 1749 تک چلا۔ اسے چت پاون برہمن وزیروں کے سلسلہ نسب کی بالا دستی کے طور پر جانا جاتا تھا جنہوں نے درحقیقت مراٹھا ریاست میں مرکزی اقتدار پر کنٹرول کیا۔ بھونسلا اب ایسے سربراہ بن چکے تھے جن کے پاس برائے نام اختیار تھا۔ پیشوا (وزیر اعلیٰ) کا لقب اختیار کر کے اس سلسلے کی پہلی حقیقی ممتاز شخصیت، بالا جی وشوناتھ کی تھی جس نے اپنے اقتدار کے عروج میں ساہو کی مدد کی تھی۔ وشوناتھ اور اس کے جانشین باجی راو اول (1720 اور 1740 کے دوران پیشوا) نے مراٹھا ریاست کے نظم حکومت کو افسر شاہی میں اس حد تک تبدیل کیا جس حد تک وہ ابتدائی بھونسلاؤں کے ماتحت رہی تھی۔ سردیش مکھی اور

نوٹس

چوتھ کے نام سے مغل علاقوں سے خراج وصول کرنے کے عمل کو منظم بنایا۔ (یہ دو اصطلاحیں وصول کیے گئے خراج کے تناسب کے مطابق تھی)۔ انہوں نے مغلوں کے خطوط پر لگان اور دیگر ٹیکسوں کی تشخیص اور وصولیابی کے مجموعی طریقوں کو اختیار کیا پیشوا اور اس کے ماتحتوں کے دستاویزوں میں زیادہ تر محاصل کی اصطلاحات کا جو استعمال کیا گیا تھا وہ فارسی سے اخذ کی گئی تھیں۔ اس سے مغل اور مراٹھا رواجوں کے درمیان ایک عظیم تسلسل کا پتہ چلتا ہے۔

مراٹھا نیم وفاقیہ

ساہو کے دور حکومت کے ختم ہوتے ہوتے کچھ طاقتور مراٹھا مملکتوں کا اپنے علاقوں میں پورا کنٹرول تھا۔ یہ ان کے زیر اختیار علاقوں میں تجارت، بینک کاری، مالیات کے ایک نہایت ترقی یافتہ نٹ ورک کے فروغ کا گواہ ہے۔ بینکنگ کے مراکز پونے میں واقع تھے اور ان کی شاخیں گجرات، وادی گنگا اور جنوب میں تھیں۔ بحری معاملات پر بھی توجہ دی گئی۔ بالاجی وشوناتھ نے انگریا خیل کی سرپرستی پر خاص

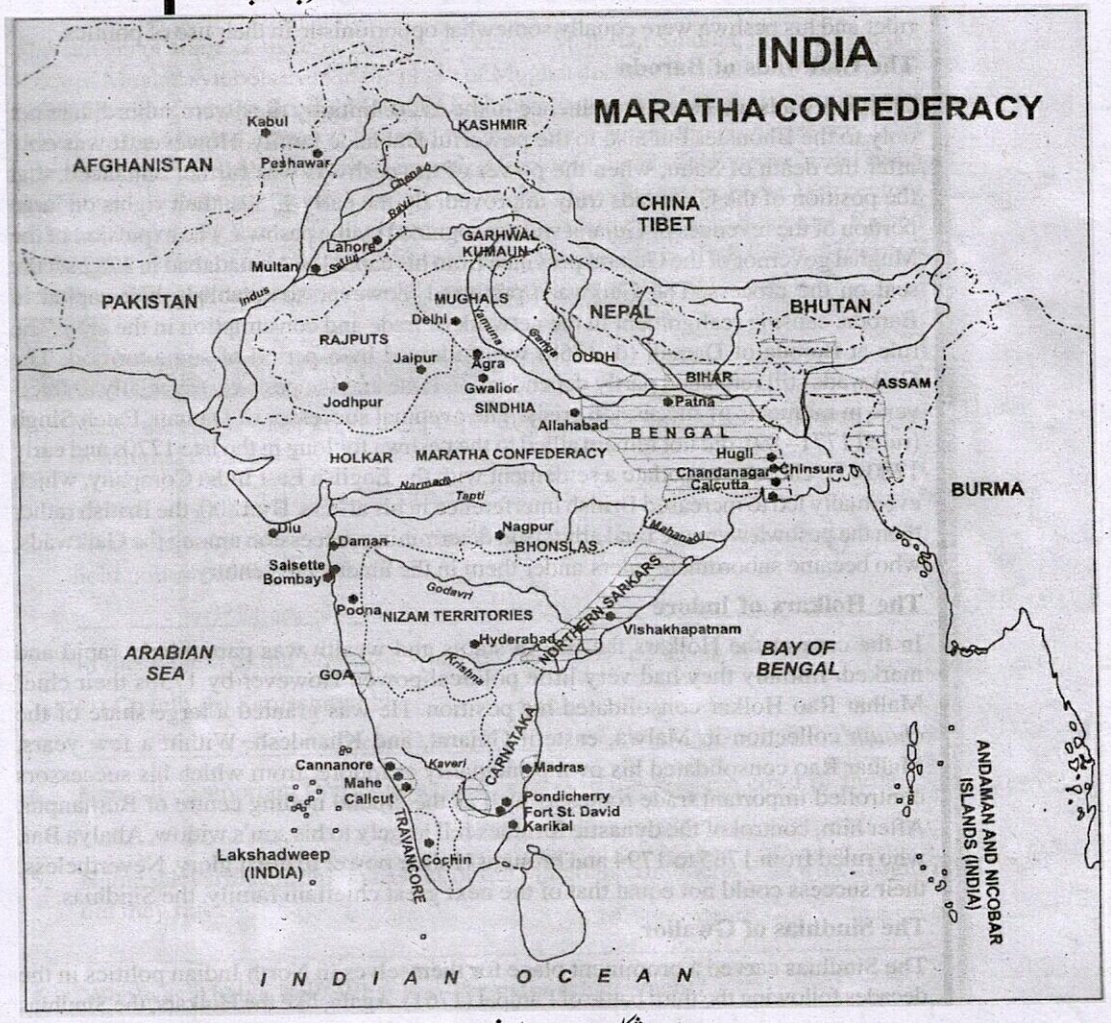

شکل 15.1 مراٹھا نیم وفاقیہ



نوٹس

توجہ دی، جس کی زیرنگرانی کولابا اور مغربی ساحل کے دیگر مراکز میں جہازوں کا ایک بیڑا تھا۔ یہ جہاز نہ صرف بمبئی میں نئی انگریز بستی کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے بلکہ گوا، طاس اور دمن میں پرتگالیوں کو بھی خطرہ تھا، جبکہ دوسری طرف مراٹھوں کے اصل مرکز سے دور زیادہ سے زیادہ غلبہ حاصل کرنے کی سرگرمی بھی شروع ہوگئی۔ ان سرداروں میں زیادہ اہم گائیکواڑ، سندھیا اور ہولکر تھے۔ بھونسلے خاندان کی شاخیں بھی جو کولھا پور اور ناگپور میں دوبارہ چلی آئی تھیں جبکہ دکن کے ستارا میں اصل سلسلہ نسب بسا رہا، آیئے ان کے زیر اثر علاقوں کا جائزہ لیں۔

ناگپور کے بھونسلے

کولھا پور کے برخلاف بھونسلے اور تنجور کے ویام کوجی کے جانشینوں نے ناگپور میں واقع بھونسلے خاندان کے اصل سلسلے کے ستارا راجہ جیسی ایک مساوی حیثیت کا دعویٰ پیش کیا۔ اس سلسلے کی سب سے اہم شخصیت راگھوجی بھونسلے کی تھی (جس نے 1727 تا 1755 میں حکومت کی تھی) جو 1740 کے دہے اور 1750 کے ابتدائی دہے میں بنگال اور بہار میں مراٹھا حملے کا ذمہ دار تھا۔ اس کے جانشینوں جانوجی، سباجی اور مدھوجی کے پیشوا اور ستارا خاندان سے رشتے بدلتے رہے اور اس مفہوم میں ان عملداریوں کے باہمی رشتے کو صرف ڈھیلے ڈھالے وفاق کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے نہ کہ ایک مضبوط وفاقی بندھن کے طور پر۔ دیگر ماتحت حکمراں جو ستارا حکمراں اور اس کے پیشوا کی چھتر چھایا میں ظہور میں آئے تھے وہ سیاست کے اپنے استعمال میں کسی حد تک اتنے ہی موقع پرست تھے۔

بڑودہ کے گائیکواڑ

گائیکواڑوں نے 1720 میں اہمیت حاصل کرنے شروع کر دی تھی۔ ابتدائی طور پر وہ نہ صرف بھونسلوں کے ماتحت تھے بلکہ طاقتور ڈبھاڑے فیملی کے بھی ماتحت تھے۔ تاہم صرف ساہو کی موت کے بعد، جب پیشواؤں کی طاقت مزید بڑھ چکی تھی تب گائیکواڑوں کی حیثیت میں واقعی اضافہ ہوا۔ 1750 کے ابتدائی دہے میں گجرات کے محاصل کے ایک بڑے حصے پر ان کے حقوق کو پیشوواؤں نے تسلیم کرلیا تھا گجرات صوبے کے مغل گورنر کی 1752 میں احمد آباد کی اپنی راجدھانی سے بے دخلی سے ان کی حیثیت مستحکم ہوگئی۔ بہر حال گائیکواڑ نے بڑودہ میں اپنی راجدھانی قائم کرنے کو ترجیح دی جس کے سبب اس علاقے میں تجارت اور اشیاء کی کھپت کے نٹ ورک میں دوبارہ تطبیق پیدا ہوئی۔ داما جی (وفات 1768) کی بڑودہ میں حکومت کے بعد کچھ افراتفری کا دور بھی گزرا، گائیکواڑ اب بھی کسی حد تک پونے اور پیشوا پر منحصر تھے۔ خاص طور پر جانشینی کے بحران کی صورت میں ان کی مداخلت کے لے داما جی کا ہونے والا جانشین فتح سنگھ (حکومت 1771 تا 1788) 1770 کے آخری دہے اور 1780 کے ابتدائی دہے میں پیشوا کے ساتھ اپنا اتحاد زیادہ نہیں قائم رکھ سکا۔ اس نے انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ سمجھوتے کے

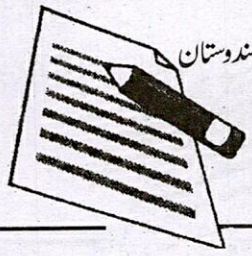

نوٹس

لیے مذاکرات کو پسند کیا۔ اس کے نتیجے میں اس کے معاملات میں برطانوی مداخلت بڑھ گئی۔ 1800 تک گائیکواڑوں میں جانشینی کے تعین میں پیشوا کے بجائے انگریز آخری ثالث ہوا کرتے تھے انیسویں صدی میں وہ انگریزوں کے ماتحت حکمراں بن چکے تھے۔

اندور کے ہولکر

جہاں تک اندور کے ہولکروں کا معاملہ ہے ان کی حیثیت اور خاص طور پر دولت میں تیزی سے اور نمایاں طور پر اضافہ ہوا۔ تاہم 1730 کے دہے تک ان کے سربراہ ملہا اراو ہولکر نے اپنی حیثیت مستحکم کی۔ مالوہ، مشرقی گجرات اور خاندیش میں چوتھ کی وصولیابی کا ایک کا ایک بڑا حصہ اسے عطا کیا گیا۔ کچھ ہی سالوں میں اندور میں اس نے اپنی ایک چھوٹی سی ریاست کو مضبوط بنالیا جہاں سے اس سے جانشینوں نے اہم تجارتی راستوں اور برہان پور کے اہم تجارتی مرکز پر اپنا تسلط قائم کیا۔ اس کے بعد اس کی خاندانی خوش بختی کافی حد تک اس کے بیٹے کی بیوہ کے حصے میں آئی۔ اہلیہ بائی نے 1765 سے 1794 تک حکمرانی کی اور ہولکر اقتدار کو عظیم وقار بخشا۔ تاہم ان کی کامیابی کو ان کے بعد آنے والے سندھیا خاندان کی کامیابیوں کے برابر نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

گوالیر کے سندھیا

پانی پت کی تیسری جنگ (1761) کے بعد کے دہوں میں شمالی ہندوستانی سیاست میں سندھیاؤں نے خود کے لیے ایک امتیازی مقام متعین کیا۔ مزید برآں، ہولکروں کی طرح سندھیا کا بھی کافی حد تک مرکزی ہندوستان ہی مرکز تھا، پہلے اجین میں اور بعد میں 18 ویں صدی کی آخری چوتھائی سے گوالیار میں اپنا مرکز بنایا، مہادیو جی سندھیا (1761 تا 1794) کے طویل دور حکومت میں یہ خاندانی سلسلہ واقعی مستحکم ہوا۔

مہادجی ایک موثر اور جدت پسند فوجی کمانڈر ثابت ہوئے۔ اس نے اپنی فوج میں یوروپی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد بھرتی کی۔ 1770 کے بعد اس کی طاقت کافی بڑھنے لگی وہ اپنے دور میں شمالی ہند میں زبردست پیش قدمی کرنے میں کامیاب رہا کیونکہ افغان حملوں سے یہ علاقہ کافی کمزور ہو چکا تھا۔ شاہ عالم ثانی کے دور حکومت میں مغل دربار میں کسی حد تک اس نے مداخلت کی۔ 1780 کے دہے کے وسط میں مغل بادشاہ نے اسے اپنے معاملات کا ''نائب ولی'' بنایا۔ اس کا اثر نہ صرف دہلی اور آگرے کے پورے صوبے بلکہ راجستھان اور گجرات میں بھی محسوس کیا گیا۔ اس کے سبب وہ اس دور کا زبردست مراٹھا رہنما بن گیا۔ ایسٹ انڈی کمپنی کے عہدیدار اس کے ساتھ معاملہ برتنے میں کافی محتاط رہتے تھے۔

پونے میں کارگزار پیشوا نانافڈنویس کے ساتھ اس کے تعلقات تناؤ سے بھرپور تھا، آخر کار مہادجی کے ذریعہ تخلیق کی گئی قوت محرکہ اس کے جانشین دولت راؤ سندھیا (1794 تا 1827 حکمرانی) کے ذریعہ



نوٹس

برقرار نہیں رکھی جا سکی۔ اسے انگریزوں نے ہرا دیا اور 1803 میں اسے ایک معاہدے پر مجبور ہونا پڑا جس کی رو سے اسے شمال اور مغرب دونوں علاقے انگریزوں کے حوالے کرنے پڑے۔

ان میں سے بعض حکمرانوں خاص طور پر مہادجی سندھیا کی سرگزشت سے واضح ہوتا ہے کہ مغل علامتوں کا اثر مغل زوال کے مرحلے میں بھی قائم تھا۔ مثال کے لیے برطانیہ سے گوالیر کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے مہاوجی نے شہر پر اپنے قبضے کے لیے مغل بادشاہ سے منظوری لینے کا خیال رکھا، اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ شاہ عالم کے ذریعہ منظور کی گئی مراعات اور القاب جیسے امیر الامراء (امیروں کا سربراہ) اور نائب وکیل مطلق (نائب ولی) کا بھی تحفظ کیا۔ اس فن میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ 18ویں صدی کی نظیروں سے پتہ چلتا ہے کہ مغلوں کی وفاداری کے مصنوعی دعوے کو پوری طرح شاید ہی خارج کیا گیا ہو۔ بلکہ اعزاز والقاب کے مغل نظام کے ساتھ ساتھ انتظامی اصطلاحات اور مالیاتی رواج شاہی اقتدار کے زوال کے باوجود مغلوں سے ماخوذ کیے جاتے رہے۔

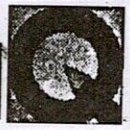

متن پر مبنی سوالات 15.2

1- ایک نہایت اہم اقتدار جو مغل خاندان کے زوال پذیر مرحلے میں ابھرا تھا اس کا نام بتایئے؟

2- مراٹھا حکومت کے دوران پیشوا کسے کہا جاتا تھا؟ اس پیشوا کا نام بتایئے جو 1720 سے 1740 تک اقتدار میں رہا تھا۔

3- مراٹھوں کے سیاق وسباق میں درج ذیل اصطلاحات کس کی نشاندہی کرتی تھیں؟
(a) چوتھ (b) سردیش مکھی

4- ہندوستان کے مغربی ساحل میں اہم پرتگالی تجارت مراکز کے نام بتایئے۔

5- مراٹھا نیم وفاقیہ کے مختلف حکمراں خاندانوں کے نام بتایئے۔ کس دور میں ان کی حکمرانی تھی؟

6- اہلیا بائی کون تھی؟ اس کی خاص حصولیابیاں کیا تھیں؟



نوٹس

15.4 بنگال کے نواب

اورنگ زیب کے ماتحت مرشد قلی خاں نے بنگال کے دیوان کے طور پر اپنے کیریر کی شروعات کی تھی، مرکزی اقتدار کے بڑھتے زوال کے ساتھ وہ حقیقتاً آزاد ہو چکا تھا۔ تاہم وہ باقاعدگی سے مغل بادشاہ کو خراج بھیجتا رہا، علی وردی خاں نے مرشد قلی خاں کے خاندان کو معزول کیا اور 1739 میں خود نواب بن گیا۔ ان نوابوں نے استحکام اور امن قائم کرنے کی ساتھ ساتھ زراعت، تجارت اور صنعت کو فروغ دیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو مساوی مواقع فراہم کیے جاتے تھے۔ لیکن نواب یوروپی تاجر کمپنیوں کی طویل مدتی موجودگی کا اشارہ نہیں سمجھ سکے اور انہوں نے فوجی تیاریوں کو نظر انداز کیا۔ 1756-1757 میں علی وردی خاں کے جانشین سراج الدولہ نے تجارتی حقوق پر انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی سے لڑائی لڑی تھی۔ جون 1757 میں پلاسی کی جنگ میں اس کی ہار سے بنگال اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کو مغلوب کرنے کی راہ ہموار ہوئی۔

15.5 اودھ کے نواب

اودھ کے مغل صوبے پر مرکزی اقتدار کے کمزور ہونے کے ساتھ صوبائی گورنر مساوات خاں برہان الملک کی بھی آرزوئیں بڑھ چکی تھیں۔ سادات خاں نے مقامی زمینداروں کو ڈسپلن میں رکھا اور ایک اچھی تنخواہ یافتہ، عمدہ طور پر مسلح اور اچھی تربیت یافتہ فوج کی تشکیل کی ۔ 1739 میں اپنی وفات سے پہلے سادات خاں نے صوبائی سربراہی کو ایک موروثی حیثیت عطا کی۔ اس کے جانشین صفدر جنگ اور آصف الدولہ نے نہ صرف شمالی ہندوستان کی سیاست میں ایک انتہائی فیصلہ کن کردار ادا کیا بلکہ اس نے اودھ کی نوابی کو ایک طویل مدتی انتظامی استحکام بھی بخشا۔ نوابوں کے ماتحت پہلے فیض آباد بعد میں لکھنو فن، ادب اور دستکاریوں کے میدان میں دہلی کا ثقافتی حریف بن چکا تھا۔ علاقائی تعمیر پر امام باڑہ اور دیگر عمارتوں کی شکل میں اس کی خود عکاسی ہوتی ہے۔ کتھک شکل کے رقص کا ارتقا ثقافتی امتزاج کا نتیجہ تھا۔

15.6 پنجاب کے سکھ

بندہ بہادر کی قیادت میں سکھوں کو مغل فوج نے شکست فاش دیا۔ لیکن سکھوں کو مغل اقتدار کی مزاحمت سے نہیں روک سکی۔ 1720 اور 1730 کے دہے میں امرتسر سکھ سرگرمی کے ایک مرکز کے طور پر ابھر چکا تھا۔ اس مرکز کے عروج کی خاص وجہ اس کی پہلے سے قائم افضلیت تھی۔ اس دور کے نہایت اہم سکھ رہنماؤں میں ایک کپور سنگھ تھے جو اپنے آس پاس کے علاقے میں اپنی عملداری چلاتے تھے۔ انہوں



نوٹس

نے دھیرے دھیرے ایک محاصل وفوجی نظام کو مستحکم کرنے کا اقدام کیا۔ کچھ سکھ گروؤں نے سیاسی قوت کے طور پر خود کو مستحکم کرنا شروع کیا۔ ان سرگرمیوں کے سبب اس خطے میں لاہور صوبے کے مغل گورنر کو اپنے لیے ایک آزاد اقتداری مرکز قائم کرنے کی کوشش کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ پہلے عبدالصمد خاں اور اس کے بعد اس کے بیٹے زکریا خاں نے مقتدر اعلیٰ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ 1745 میں مؤخر الذکر کی موت کے بعد یہ توازن جنگجو قائدین جسّا سنگھ اہلواوالیہ کے حق میں مزید منتقل ہو گیا۔ بعد میں اس نے کپور تھلہ کی مملکت قائم کی۔ سکھ قائدین کے زیر اقتدار علاقوں کے وسعت اس طرح پنجاب اور باری دوآب میں دیکھا گیا۔ پنجاب میں 1750 اور 1760 کے دہے کی ابدالی کی فوجی مہمات نمایاں مخالفت سکھوں کی طرف سے کی گئی تھی۔ اس موقع پر مراٹھوں نے بھی اہم کردار بنایا۔ آخر کار 1760 کے وسطی دہے میں لاہور پر سکھ اقتدار قائم ہوا اور افغان اپنی بتدائی حصولیابیوں کو مستحکم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ احمد شاہ کے جانشین تیمور شاہ (1722 تا 1793 حکمرانی) کی زیر قیادت سکھوں کے ذریعہ لے لیے گئے کچھ علاقوں اور شہروں (جیسے ملتان) کو بازیاب کرلیا گیا اور احمد شاہ کے جانشین صدی کے آخر تک اس سلسلے میں اپنی اوالعزمی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ 1770 کی دہائی میں ان کا سامنا تقریباً 60 سکھ حکمرانوں کے ایک وفاق کے ساتھ تھا ان میں سے کچھ برطانیہ کے ماتحت رجواڑہ ریاستوں کے طور پر ظہور میں آئی تھیں جیسے نابھا اور پٹیالہ۔ سکھ عملداریوں نے مغلوں کے ذریعہ شروع کیے گئے متعدد رواج جاری رکھا۔ حکمراں سرداروں کے خاص ماتحتوں کو جاگیر عطا کی جاتی تھی۔ مغل دفتر شاہی کی فارسی پر مبنی ثقافت اب تھوڑی کمزور پڑنی شروع ہو چکی تھی۔ ایسا ہی ایک حکمراں سردار چرہٹ سنگھ سوکر چکیا کا پوتا رنجیت سنگھ تھا جس نے ایک مختصر سی مدت کے لیے ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بالآخر جوڑ دیا تھا۔ رنجیت سنگھ کی موثر حکمرانی 1799 تا 1839 چالیس سال تک قائم رہی۔ انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کی طاقت اس دور میں ملک کے سبھی حصوں میں بڑھ رہی تھی۔ اس کی موت کے دس سال کے اندر برطانیہ نے پنجاب کو ملا لیا۔ رنجیت سنگھ کے اقتدار کا عروج بالاتر فوجی قوت، جزوی طور پر رکھے گئے یوروپی فوجی اور علاقوں کے نہایت اہم محل وقوع پر مبنی تھا جو اسے اپنے باپ سے وراثت میں ملا تھا۔ رنجیت سنگھ کی مملکت مغل حکومت کے خلاف تقریباً ایک صدی سے چلی آرہی سکھ بغاوت کے کی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ یہ نظام حکومت (حکومت چلانے کا فن) کے اصولوں کے ذہانتی اطلاق پر مبنی تھی۔ اس نے اپنی راجدھانی لاہور کی عظیم تجارتی شہر بنا دیا تھا۔ اس شہر پر اس نے 1799 میں قبضہ کرلیا تھا۔ تجارتی راستوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد اپنے محاصل کو بڑھانے کے لیے نمک، اناج اور کشمیر سے ٹکسٹائل میں تجارت پر اجارہ داری قائم کی۔ ان آمدنیوں کے استعمال سے 40,000 گھڑسواروں کے رسالے اور پیدل فوج تیار کی۔ 1809 تک وہ زیادہ تر پنجاب کا غیر متنازع حکمراں بن چکا تھا۔



نوٹس

15.7 جے پور اور دیگر راجپوتانہ ریاستیں

مشرقی راجستھان میں جے پور (پہلے امبر) ایکچھوٹی راجپوت ریاست تھی جس پر کچھ اہاخیل کا قبضہ تھا۔ ابتدائی اٹھارہویں صدی میں حکمراں جے سنگھ سوامی نے اپنے گونا گوں اختیارات کو بڑھانے کے اقدامات اٹھائے۔ (i) اپنے گھریلو علاقوں کے آس پاس اپنی تفویض شدہ جاگیر رکھنے کا بندوبست کر کے (ii) کاشتکاری کے ذریعہ مالگزاری پر حقوق (قلعہ زمین پر زمینی محصول وصول کرنے کے لیے جو کسی فرد سے ریاست کے ذریعہ کرائے پر لی جاتی تھی) اختیار کرنے کے ذریعہ جسے دھیرے دھیرے مستقل بنادیا گیا تھا۔ اس نے یہ کام انجام دیا۔ 1743 میں اس کی موت کے بعد جے سنگھ (جس کے نام پر جے پور نام رکھا گیا تھا) اس خطے میں ایک کافی اہم حکمراں کی حیثیت سے ظہور میں آیا۔ زیادہ تر بڑی راجپوت ریاستیں مستقل چھوٹے موٹے جھگڑوں اور خانہ جنگی میں الجھی رہتی تھیں۔ مارواڑ کے اجیت سنگھ کو اس کے اپنے بیٹے نے ہی مار دیا تھا۔

1750 کے دہے میں جے سنگھ کی طرح ہی بھرت پور کا جاٹ حکمراں سورج مل نے اپنے علاقوں میں محاصل کے مغل انتظامیہ کی ترمیمی شکل اختیار کی۔ تاہم اس وقت تک جے پور مملکت کی خوش بختی پر سنجیدگی سے سوال اٹھائے جانے لگے تھے۔ مراٹھوں سے خطرے کے پیش نظر امدادی قدم اٹھانے کے طور پر قلیل مدتی جبری مالیاتی وصولی اختیار کی گئی۔ اس وقت 1750 اور 1760 کے دہے میں مسلسل فصل خراب ہونے کے سبب کمزور زراعت پر مزید خراب اثر پڑا۔ اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف کو اس طرح ایک معاشی کساد بازاری (مندی) اور جے پور کی سیاسی قوت میں زوال کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس دور میں جے پور مراٹھوں اور خاص طور پر مہادجی سندھیا کی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے ایک ہدف بن چکا تھا۔

ابھی تک مراٹھوں کو چھوڑ کر جن ریاستوں پر بحث کی گئی ہے وہ سبھی زمین سے گھری ہوئی ریاستیں تھیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے تجارت ایک اہم عنصر نہیں تھا، رنجیت سنگھ کی مملکت تجارت سے قطعی طور پر جڑی ہوئی تھی۔ تاہم سمندر کی رسائی نہ ہونے کے سبب مجبوری کافی بڑھ چکی تھی خاص طور پر ایسے دور میں جبکہ انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی ایک بڑی طاقت تھی اور ابتدائی طور پر خود اسے سمندری کاروباری کی حیثیت حاصل تھی۔

15.8 جنوبی ہندوستان میں سیاست

ابھی تک زیر بحث علاقوں کے برخلاف جنوب میں متعدد ریاستیں ایسی تھیں جنہوں نے اس دور



نوٹس

میں سمندر تک رسائی اور بندرگاہوں کے استعمال کے ذریعہ اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ان میں سے خاص مارتنڈ ورما اور رام ورما کے زیر اقتدار کیرل میں ٹراون کور اور حیدر علی اور ٹیپو کے زیر اقتدار میسور ریاست تھی۔

ان ریاستوں کو اٹھارہویں صدی کے آخری نصف میں یا کم سے کم 1740 کے بعد نمایاں حیثیت ملنی شروع ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے جنوبی ہندوستان پر مسلم امراء کے ایک گروپ کا غلبہ تھا جو 1680 کے دہے اور 1690 کے دہے میں مغل توسیع کے تحت آئے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری لہر 1700 کے فوراً بعد شروع ہوئی تھی۔ ان میں سے متعدد امراء مغل اقتدار کے تحت خراج ادا کرنے والے کی حیثیت سے خود کی حکمرانی قائم کی تھی۔ ان میں سے کچھ بالا گھاٹ یا شمالی کرناٹک (جیسے سیرا کے عبدالرسول خاں) کے نسبتاً چھوٹے نواب تھے۔ ان میں سے نظام الملک اور آرکوٹ میں سعد اللہ خاں جیسی سیاسی طور پر بارسوخ شخصیات تھیں۔ 1740 کے دہے تک نظام الملک نے اپنی حیثیت کافی مضبوط کر لی تھی جبکہ آرکوٹ کی چھوٹی ریاست تقریباً تین دہاہیوں پہلے ظہور میں آ چکی تھی۔

ان حکمرانوں میں کوئی ایسا نہیں تھا جس نے خاندانی جانشینی قائم کی تھی اور نہ ہی انہوں نے پورے اقتدار کا دعویٰ کیا۔ اس طرح انہوں نے مغل اقتدار کے نمائندے کی حیثیت سے خود کی حکمرانی جاری رکھی۔ اس لیے 1720 کے دہے میں جنوبی ہندوستان میں جو سیاست ظہور میں آئی تھی میں متعدد چھوٹے حکمرانوں کے ساتھ، جو تین زیادہ ممتاز تھے، مراٹھا، نظام اور ارکاٹ (یا کرناٹک) کے نواب۔

اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف میں اقتدار کے ان تینوں مراکز کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ 1740 کے دہے اور 1750 کے ابتدائی دور میں آرکوٹ میں جانشینی کی جنگ کے سبب اس کے حکمرانوں کو نجی برطانوی تاجروں سے مالیاتی جوڑ توڑ کرنی پڑی جنگی اخراجات کے لیے ان کا قرض بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ 1750 کے دہے میں حیدر آباد کا اقتدار بھی زوال پذیر ہو گیا۔ (اس کے بانی نظام الملک کی وفات کے بعد) علاقوں سے اس کا تسلط جلد ہی ختم ہو گیا اس سے مملکت صرف زمینی سرحدوں سے ہی محصور ہو گئی۔ یہ علاقے نسبتاً قلیل آبادی کے تھے۔ اس سیاق وسباق میں ریاستوں کے لیے صرف یہی متبادل رہ گیا کہ وہ بیرونی رسد کے ذرائع کو کھلا رکھتے ہوئے ایک جامع اور عمدہ طور پر منظم کی گئی جنگی تنظیم قائم کریں۔ اس دور کے نظام حکومت میں تجارت کے کنٹرول کو کافی اہم سمجھا جاتا تھا۔

ٹراونکور کی ریاست

ریاست ٹراونکور مارتنڈ ورما کی (1729 تا 1758) حکمرانی کے ذریعہ وینا ڈ (ٹراونکور) کی جنوبی کیرل ریاست میں ان اصولوں کو بروئے کار لایا گیا۔ راجہ نے اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کے لیے کچھ اقدامات کیے۔ یہ اقدامات تھے۔ (i) اس نے تقریباً 50,000 کی ایک بڑی مستقل فوج تیار کی (ii) اس نے



نوٹس

نائر اشرافیہ کی طاقت کم کی۔ پہلے اس علاقے کے حکمراں فوجی طور پر اس پر منحصر رہتے تھے، اور (iii) اپنی مملکت کی شمالی سرحدوں کی حصار بندی کی۔ اسے ٹراون کورلائن، کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس حکمراں کی ایک یہ بھی پالیسی تھی کہ اس نے شامی عیسائیوں کی سرپرستی میں اضافہ کیا۔ یہ اس کی عملداری میں ایک بڑی تجارتی برادری تھی۔ اس کا مقصد تجارت میں یوروپی شمولیت کو محدود کرنا تھا۔ خاص اشیاء میں کالی مرچ شامل تھی لیکن شاہی اجارہ داری کے طور پر دیگر اشیاء کو بھی معین کیا گیا تھا۔ ان کی تجارت کے لیے لائسنس کی ضرورت تھی۔ مارتنڈ کے جانشین، رام ورما (حکمرانی 1758 تا 1798) نے کافی حد تک ان پالیسیوں کو جاری رکھا۔ وہ ایک خطرناک نئے حریف اقتدار میسور کے خلاف اپنی مملکت کا کامیابی سے دفاع کرنے کا اہل تھا۔

میسور کا عروج

وڈیار خاندان کے کنتھیر وانارس راجہ اور چکا دیو راجہ کے حکمرانی کے ماتحت میسور ایک اہم ریاست کے طور پر ابھرا۔ تاہم، میسور زمین سے گھری ہوئی ایک مملکت تھی اور اس لیے ہندوستانی مشرقی ساحل کے ذریعہ تجارت اور فوجی رسد پر منحصر تھی۔ ان بندرگاہوں پر یوروپی کنٹرول بڑھ گیا تھا۔ میسور کی پریشانیوں میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ 1760 کے دہے سے ایسے اقدامات اختیار کیے گئے جس سے صورت حال بدلی۔ ایک مہاجر نسل کا گھڑ سوار رسالے کے کمانڈر حیدر علی نے 1761 میں مملکت کا حقیقی اقتدار حاصل کرلیا اور وڈیاروں کو ایک برائے نام سربراہ بنادیا اور طاقتور کلالے خاندان کے وزرا کو ہٹا دیا۔ پہلے حیدر علی اور اس کے بعد (1782 کے بعد) ٹیپو سلطان نے میسور کو مستحکم کرنے کی کوشش کی اور اُسے ایک ایسی مملکت بنادیا جس کی رسائی نہ جزیرہ نما ہندوستان کے دونوں ساحلوں تک ہوگئی تھی۔ کوڈا (کُرگ) کی پہاڑی مملکت کے رہنے والے کوڈاؤں کے برخلاف یہ نسبتاً زیادہ کامیاب تھے۔ ساحلی کرناٹک اور شمالی کیرل ان کے زیر اقتدار آچکے تھے جس سے ٹیپو سلطان کو مشرق وسطیٰ کے ساتھ اپنے لحاظ سے سفارتی اور کمرشیل رشتے راہ ہموار کرنے میں کامیابی ملی۔ ٹیپو کی اوالعزمی اور آرزوئیں اپنے والد کی نسبت نمایاں طور پر کافی زیادہ تھیں اور مغل فرمانروائی کے سبھی اثرات (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے) سے نکلنے کی اُس نے سرگرم جدوجہد کی۔ تاہم حیدر اور ٹیپو کے میسور کا سب سے بڑا مسئلہ داخلی محاصل کا بندوبست نہ کرپانا تھا۔ فوجی اور مالیاتی اُمور کے لیے تارک وطن اور کرایے کے فوجیوں پر انحصار کافی نمایاں تھا، پولیگار کہے جانے والے مقامی سرداروں کے ذریعہ ان کی ہمیشہ مزاحمت کی جاتی تھی۔ سب سے نازک حقیقت یہ تھی کہ 1770 کے دہے تک میسور کو انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں ایک زبردست فوجی دشمن کا سامنا تھا جو کسی طرح دم لینے کی مہلت دینے کو تیار نہیں تھا۔ یہ انگریز ہی تھے جنہوں نے نسبتاً خوشحال زرعی زمینوں اور مشرقی ہندوستان میں کورومنڈل ساحلی میدان کی بندرگاہوں تک میسور والوں کی

رسائی مشکل کردی۔ 1799 میں انگریز افواج کے ذریعہ ٹیپو سلطان کو بھی آخر کار ہلاک کر دیا گیا۔

متن پر مبنی سوالات 15.3

1- کس خطے میں اور کس کی سرپرستی میں رقص کی کتھک شکل کا ارتقا ہوا؟

2- 1757 کی پلاسی جنگ کی اہمیت کیوں تھی؟

3- میسور کے سلطان کا نام بتایئے جس نے برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے چیلنج کا مقابلہ کیا؟ اس نے اپنی حکومت کے دوران کن مشکلات کا سامنا کیا؟

15.9 اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں معیشت

اٹھارہویں صدی کو اس کے ابتدائی اور بعد کے دور کے درمیان کسی طرح کے نمایاں تسلسل کا مظاہرہ نہیں نظر آتا۔ یہ ہندوستان کا ایک ایسا دور تھا جس میں کافی سیاسی اتھل پتھل مچی تھی۔ جس میں ریاستیں تشکیل ہوتی تھیں اور تیز تواتر کے ساتھ ختم ہوجاتی تھی۔ نظام حکومت غیر محکم سا تھا جس میں تغیر ہوتا رہتا تھا۔ بلا شبہ یہ بات بھی صحیح ہے کہ فوجی قوتوں کے ذریعہ کی گئی یورش انتشار کی موجب ہوتی تھی۔ 1770 کے دہے اور اس کے بعد کی جنگوں میں آبپاشی کے تالابوں کی تباہی، مویشیوں کو جبراً ضبطی میں لینے اور بڑی تعداد میں عوام کی ہجرت کوئی انجان بات نہیں تھی، جو جنگی حالات میں ہوتی رہتی تھی، اس سے معاشی استحکام کو نقصان پہنچا اور ترقی کے مواقع بہت کم رہ گئے۔

جب 18 ویں صدی میں دہلی کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ یقیناً ایک تاریک دور تھا۔ نادر شاہ اور اس کے بعد احمد شاہ ابدالی اور آخر میں روہیلوں (جنہوں نے 1761 تا 1771 دہلی پر کنٹرول حاصل کیا تھا) کے حملے نے شہر کو مسلسل تباہی کی صورت میں ڈال دیا۔ ہندوستان کے دیگر مراکز (خواہ وہ ترونیدرم، پونے، پٹنہ یا جے پور رہا ہو) کے باشندوں کو شاید ہی اس طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ اس زمانے میں معاشی رخ کا عمل تبدیل ہوا جس کے ساتھ سیاسی لامرکزیت کا دور بھی شروع ہوا اور اس کی بنا پر دہلی اور آگرہ کے تجربے کی تعمیم نہیں کی جاسکتی۔ تاہم مختلف خطوں کے حالات ایک جیسے نہیں تھے۔ بعض خطّوں میں اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف میں جیسے بنگال، جے پور اور حیدر آباد میں

توسیع کا جاری عمل دیکھا گیا۔ وہیں دوسرے خطے جیسے ٹراون کور، میسور یا پنجاب اپنے عروج کے آخری دور میں تھے۔ معاشی خوشحالی یا زوال کی کوئی واحد ایک جیسی تاریخی ترتیب نہیں ہے جو اس دور کے ہندوستان کے سبھی خطوں کے لیے یکساں ہو۔ اٹھارہویں صدی کی معیشت کی بعض کلیدی کمزوریوں اور تضادات کے باوجود اس دور میں زراعت، داخلی تجارت اور شہریانے کے میدان میں کافی بہتری پیدا ہوئی۔ کچھ ایسے بھی علاقے تھے جہاں زراعتی تنزلی بھی دیکھی گئی جس کی وجہ اکثر بین ریاست جنگ جوئی تھی جیسا کہ پنجاب اور شمالی ہندوستان کے کچھ حصوں میں ہوا۔ نئے زراعتی طریقوں کی اور تکنیکوں میں کمی کو تجربے، زمینی بندوست اور محنت کے ذریعہ پورا کیا گیا۔ زمین کی تقسیم کے کاغذات کے اعداد وشمار کے استعمال اور آئینہ اکبری کے حوالے سے موازنہ یہ ثابت کرتا ہے کہ قابل کاشت زمین کی کمی نہیں تھی بلکہ محنت (مزدوری) کی کمیابی اور امن نہ ہونے کے نتیجے میں زرعی پیداوار میں زوال پیدا ہوا اور زرعی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی قیمتوں میں اضافے سے کسانوں کو فائدہ پہنچا لیکن عمودی طور پر منقسم کاشتکاری طبقات کے لحاظ سے یہ فائدہ مساوی نہیں تھا۔ زرعی اشیاء کے نظام پیداوار جس نے کمرشیل نقل وحرکت اور مبادلے کے مہنگے نٹ ورک سے گاؤوں کو باندھ رکھا تھا، سے ریاستیں خراج وصول کرتی تھیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 1702 اور 1704 کے درمیان جنوبی ہندوستان میں ایک بڑے غذائی بحران کے علاوہ ہندوستان میں اٹھارہویں صدی کے پہلے سات دہے میں نمایاں طور پر کوئی قحط سالی نہیں واقع ہوئی۔ 1770 میں بنگال میں زبردست قحط سالی واقع ہوئی تھی جس میں ایک تہائی آبادی فنا ہوگئی تھی وہ نوآبادیاتی فتح کے فوراً بعد واقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد 1783 میں شمالی ہندوستان میں ایک اور تباہ کن قحط سالی پیدا ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر ایک موافق زمین ومزدور کی نسبت کے سبب نہایت متحرک کاشتکار اور قبائلی مزدور زمین کا اختیار رکھنے والوں کے ساتھ معقول شرائط پر مذاکرات کرنے کے اہل تھے۔ لیکن ضرورت سے زیادہ محاصل کی مانگوں کے سبب کسانوں کا اجڑنا بطور خاص شمالی ہندوستان میں ایک باقاعدہ مظہر بن چکا تھا۔ جہاں کچھ گاؤں محاصل والی قطعہ آراضی کو موروثی جائیدادوں میں بدلنے کے قابل ذکر اہتمام کرنے میں کامیاب ہوئے وہیں دیگر گاؤوں کو طاقتور علاقائی ریاستوں کے استحصال کو محسوس کیا جیسا کہ ٹیپو کے میسور کا معاملہ تھا۔ آبادی، پیداوار قیمتوں اور اجرتوں کا میلان موٹے طور پر تھوڑا اوپر بڑھنے کی طرف مائل تھا۔ ٹکڑوں میں تقسیم چھوٹی چھوٹی ریاستیں اناج، کپڑوں اور مویشی میں داخلی تجارت کی خوشحالی میں اضافہ میں رکاوٹ نہیں تھیں۔ کارپوریٹ تاجر ادارے اشیاء کے نقل وحمل کی نگرانی، کریڈٹ (قرض) اور بیمہ خدمات کے اہتمام میں سیاسی سرحدوں سے کافی آگے نکل چکے تھے۔

قبل نوآبادی دور میں ہنرمند یا دستکار مزدوروں خاص طور پر بنکروں کے پاس بچولیے سماجی گروپوں



اور ریاست کی غیر معقول مانگوں کے خلاف کامیاب کے مزاحمت کے لیے کافی گنجائش تھی۔ یہاں تک کہ مداخلت کار ریاست جیسے آخری اٹھارہویں صدی کی میسور ریاست نے مزدوروں کے بجائے بچولیوں پر ہی یورش کی۔ بنگال اور مدراس کی صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ شہری مزدور کا قبل نو آبادی دور کی نسبت ابتدائی نوآبادی دور میں ریاست اور بازار کی نسبت زیادہ بری حالت میں تھے۔ جہاں داخلی تجارت بہت بہتر تھی وہیں ہندوستانی جہاز راں اور تاجر یورپی پیش رفت کے مقابل درآمدی تجارت میں زوال پزیر تھے۔ تقریباً 1720 میں عظیم گجراتی بندرگاہ سورت شہر اپنی اہمیت کھو چکا تھا۔ آخری اٹھارہویں صدی میں یورپی مانگ کے علاوہ جنوب مغرب اور جنوب مشرق ایشیا میں ہندوستانی اشیاء کی مانگ کے ابھرنے کا رجحان تھا لیکن اب ہندوستانیوں کی قسمت پر برطانوی تاجر اور جہاز رانوں نے غلبہ حاصل کرلیا تھا اور انھوں نے کافی منافع کمایا۔

سورت، مسولی پٹنم اور ڈھاکہ کے قدیم کمرشیل مراکز تنزلی کا شکار ہو چکے تھے۔ بامبے، مدراس اور کلکتہ جیسے نوآبادیاتی بندرگاہ شہروں کو کافی نمایاں مقام حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن دہلی اور آگرہ کی مغل راجدھانیوں کے زوال کے ساتھ علاقائی راجدھانیوں بشمول لکھنو، حیدر آباد، مختلف مراٹھا شہروں اور سری رنگا پٹنم کے ظہور سے ان کی تلافی ہوئی۔ 1800 میں شہریانے کی سطح ایک صدی پہلے کے مقابلے کافی اونچی تھی۔ شہری مراکز میں جو تبدیلی ہوئی تھی اُس سے حکمرانوں اور تاجروں کے درمیان ایک نسبتی توازن قائم ہو گیا تھا۔ کچھ معاملوں میں کمرشیل اور مالیاتی کشش کی بنا پر وہ ریاست کے اختیارات کو بھی اپنے سر لے رہے تھے۔

مختلف اسباب کی بنا پر ایسا بھی دکھائی دیتا ہے کہ وسطی اٹھارہویں صدی معاشی میدان میں ایک نمایاں تبدیلی ظاہر کرتی ہے۔ مثال کے لیے ایک بار جب انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال صوبہ کے محاصل پر اختیار حاصل کرلیا تو زر کی روانی پر بڑا خراب اثر پڑا۔ اس سے پہلے بنگال اپنی درآمدات کے بدلے میں سونا چاندی حاصل کرتا تھا لیکن اب یہ انداز باقی نہیں تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آخری حصے میں کسانوں کو نیل اور افیم جیسی بعض نقدی فصلوں کی کاشت کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ اس کا غذائی فصلی پیداوار پر بہت خراب اثر پڑا۔ لیکن اٹھارہویں صدی کا دوسرا نصف تقریباً 1750 سے پہلے کے دور سے مختلف تھا، جنگ کا بدلتا کردار اس کی ایک اور وجہ تھی۔ پہلے کے مقابلے میں 1750 کے بعد کی شہری زندگی اور معاشی پیداوار کے لیے زیادہ ابتر بن چکا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نئی ٹکنالوجیوں کے استعمال کے سبب اب زیادہ مہنگی صورت پیدا ہوگئی۔ بڑے پیمانے پر آتشیں اسلحوں کے استعمال، کرائے کے فوجیوں کی بھرتی اور مستقل افواج کے اخراجات وغیرہ کے سبب بہت نقصان دہ اثرات مرتب ہوئے۔



نوٹس

15.10 سماجی سیاق وسباق

اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں ماضی کی روایت کے لحاظ سے ہی سماجی زندگی چل رہی تھی۔ صدیوں سے پورے ہندوستان میں سماجی وثقافتی اتحاد کی کچھ ہمہ گیر خصوصیات کے ہونے کے باوجود سماجی وضع میں کوئی یکسانیت نہیں تھی۔ مذہب، خطہ، قبیلہ، زبان اور طبقہ کی بنیاد پر سماج کثیر سطحی شناختوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہندو سیکڑوں جاتیوں کی بنیاد پر تقسیم تھے۔ ذات کا فیصلہ پیدائش کی بنیاد پر کیا جاتا تھا جس سے لوگوں کو سماجی درجہ بندی میں ایک مستقل مقام حاصل ہوجاتا تھا۔ بین جاتی شادیاں اور بین جاتی کھانا پینا ممنوع کیا تھا۔ روایتی طور پر ذات ہی پیشے کی بنیاد تھی لیکن اٹھارہویں صدی تک کسی حد تک سماجی اور پیشہ ورانہ نقل پزیری اختیار کی جارہی تھی۔ مثال کے لیے برہمنوں نے مختلف تجارتی سرگرمیوں کو اپنانے کی کوشش شروع کردی تھی۔ ذات ابھی بھی ایک بڑی تقسیمی قوت بنی ہوئی تھی۔

مسلمان بھی نسل، ذات، قبیلے اور حیثیت کی سوچ سے متاثر تھے۔ شیعہ اور سنی میں بڑے مذہبی اختلاف تھے۔ ایرانی، افغانی، طورانی اور ہندوستانی مسلمانوں میں بھی آپس میں کافی اختلاف تھے۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے وہ مذہب میں اپنی ذات استعمال کرتے تھے۔ بنیادی سماجی اکائی فیملی تھی جو پدری انداز پر مبنی تھی۔ کیرل میں یہ رواج نہیں تھا وہاں مادری نظام رائج تھا۔ عورتوں سے مثالی بیٹیوں، بیویوں اور ماؤں کے موزوں نمونے کے طور پر زندگی گزارنے کی توقع کی جاتی تھی۔ شمالی ہندوستان میں اونچے طبقات کی عورتوں کو پردہ کرنا پڑتا تھا۔ بچہ شادی رائج تھی اور شادی دو کنبوں کے درمیان ایک سماجی رشتہ ہوتی تھی۔ اونچے طبقات میں کثیر ازدواج اور جہیز کا چلن تھا جبکہ اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کی سب سے بڑی برای ہندوؤں میں ستی کی رسم اور بیواؤں کی حالت تھی۔

تعلیمی نظام میں وقت کی ضرورتوں کے لحاظ سے تبدیلی نہیں ہوئی۔ درسی نصاب ادب، زبان، قانون، مذہب، فلسفہ اور منطق تک محدود تھا۔ اس میں طبیعی اور مادی علوم، ٹکنالوجی اور جغرافیہ کا مطالعہ شامل نہیں تھا۔ ترقی پسند تصورات کی کمی تھی کیونکہ نظریاتی ڈھانچہ حاوی تھا۔ ابتدائی تعلیم کافی بڑے پیمانے پر تھی۔ اونچی تعلیم کا ذریعہ صرف سنسکرت اور فارسی تھی، مزید برآں، عورتوں اور نچلی ذات کے لوگوں کو اس تعلیم سے خارج کیا گیا تھا۔

15.11 ثقافتی ماحول

یہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ اٹھارہویں صدی مادی نے زندگی میں ایک عام تنزلی دیکھی اور اسی کے ساتھ، اسی دور کی ثقافتی زندگی زیادہ تر ابتر ہوچکی تھی۔ تاہم، 18ویں صدی کی ایسی تصویر کشی کے



لیے کوئی خاص جواز نہیں دکھائی دیتا۔ حتیٰ کہ دہلی جس کی معاشی صورت حال واضح طور پر زوال پزیر تھی لیکن یہاں پر اس دور میں متعدد بڑے شاعر، فلسفی اور مفکرین ہوئے تھے جن میں شاہ ولی اللہ سے لے کر میر تقی میر شامل ہیں۔ مزید برآں، علاقائی درباروں کو کافی اہمیت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ اعلیٰ ثقافت کے خاص سرپرستوں کے فرائض اختیار کرنے کے لیے تیار تھے خواہ یہ موسیقی، بصری فنون یا ادب کا معاملہ ہو۔ یہ اس طرح نسبتاً بکھرے ہوئے مراکز تھے جن کی سمت اودھ سے لے کر بیکانیر تک اور لاہور سے تنجاور تک تھی۔ جس میں رائج ثقافت کی درباری روایتوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ مراٹھوں کے ماتحت تنجاور خاص طور پر ثقافتی خوشحالی کی عمدہ مثال پیش کرتا تھا۔ یہاں تمل، تیلگو، سنسکرت اور مراٹھی میں اعلیٰ معیار کی ادبی تخلیق جاری رہیں بلکہ کچھ مراٹھا حکمراں ایسے تھے جنہوں نے خود نمایاں طور پر اس سلسلے میں اپنا راست کردار نبھایا، اس طرح 18 ویں صدی میں تنجاور میں ہی ہندوستانی کلاسیکی موسیقی جسے آج کرناٹک روایت کے طور پر جانا جاتا ہے، مرتب کی گئی تھی۔ اسی طرح کی شخصیتوں میں تیاگ راج، متوسواری دکشت اور شیام شاستری شامل تھے۔ آخر کار تنجاور میں مصوری کی ایک امتیازی طرز کو بھی اسی دور میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ اس کے امتزاجی عناصر ٹکسٹائل مصوری کی قدیم مقامی روایت کے ساتھ برآمد کیے گئے تھے۔

یہ توانائی محض ممتاز ثقافت تک نہیں محدود تھی۔ اولاً اس دور کے متعدد تھیٹر اور موسیقی روایات اور رسمی ادبی صنف کی ترقی ہوئی اور لوک اثرات نئے سرے سے مرتب ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوازم اور اسلام کے عوامی تعامل سے زیارتوں اور تہواروں سے متعلق ثقافتی سرگرمیوں کو ایک مخصوص وضع ملی۔ بڑے مراکز وارانسی سے لے کر رامیشورم تک کی طویل فاصلاتی زیارتوں کو ابتدائی صدیوں کے مقابلے زیادہ بڑھاوا ملا اور بڑھتی نقل پذیری کے ایک عام رجحان سے میل کھانے کے طور پر اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مغل ریاستوں کے بعد کرائے کے فوجیوں کو ملازمت پر رکھنا اور منشیوں اور کلرکوں کو درآمد کرنا اب عام بات ہو چکی تھی۔ مثال کے لیے اٹھارہویں صدی کے حیدر آباد میں دفتر شاہی (بیوروکریسی) میں بڑی تعداد میں شمال سے کائستھوں کو بلا کر رکھا گیا۔ میسور میں مراٹھی برہمنوں کو 1720 کے بالکل ابتدائی دہے میں مالیاتی عہدوں سے نوازا گیا۔ یہ واضح ہے کہ موسیقاروں، ادیبوں اور فنکاروں کی نقل پزیری بڑے پیمانے پر رائج تھی۔ جب کبھی کوئی نیا سیاسی مرکز ظہور میں آیا باصلاحیت افراد کے لیے وہ فوراً باعث کشش بن گیا۔ جیسا کہ رنجیت سنگھ کا لاہور اس بات کو ثابت کرتا ہے۔ یہاں اعلیٰ معیاری فارسی ادب کی تشکیل ہوئی لیکن ایسا پنجابی کے ادبی عمل کی ترقی کی قیمت پر نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ تعمیر اور مصوری میں میدان میں بھی نئی پیش رفت دکھائی دیتی ہے۔ شمال سے دور تر کانگڑہ نام کی ایک چھوٹی ریاست نے مصوری کے ایک اہم نئے مکتب کو پروان چڑھایا جو کافی حد تک ویشنو نفس موضوع کے لیے وقف تھا۔ اہم مذاہب میں

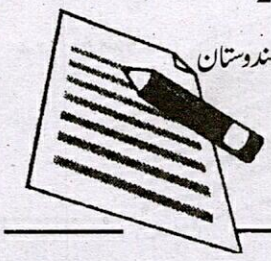

نوٹس

مراٹھوں نے اجمیر میں شیخ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ کی اعانت کی اور تنجور کے راجہ نے ناگور کے شیخ شاہ اطمید کی درگاہ کو مالی مدد فراہم کی۔ میسور کے ٹیپو سلطان نے شرنگری مندر کو مالی اعانت فراہم کی تھی۔ مسلمان خوشی خوشی ہندو تہواروں میں شرکت کرتے تھے اور ہندو محرم کے جلوس میں شامل ہوتے تھے۔ درحقیقت، حیرت انگیز طور پر ایک بہت بڑے تناسب جیسے ہندوستان کی روایتی ثقافت، کا آج حصہ سمجھا جاتا ہے وہ اسی دور سے اور پہلے کی صدی سے بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔

15.12 اٹھارہویں صدی کی تاریخ کو سمجھنے میں بحث اور مسائل

اٹھارہویں صدی کی نوعیت کے موضوع پر بحث میں مغل ہندوستان کے مورخین اور نو آبادیاتی مطالعات میں دلچسپی لینے والے شامل ہوتے رہے ہیں۔ ابتدائی مغل مطالعات میں مغلوں کے سیاسی سقوط کے سائے میں ہونے والی مجموعی تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور اسے ایک تاریک دور کے طور پر سمجھا گیا ہے، اس طرح مغل سیاسی بحران کو ئی سماجی زندگی کے مفلوج ہو جانے سے تعبیر کیا جانے لگا۔

تاہم بعد کے مطالعات میں اٹھارہویں صدی کی معیشت اور سماج کی جانچ پڑتال نو آبادیاتی حکومت کے شروع ہونے اور علاقائی پس منظر میں کیا گیا اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف سے پہلے کے علاقائی تناظر میں ''تسلسل بنام تبدیلی'' کے موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ عام طور پر ہندوستانی مورخین کا ماننا ہے کہ نو آبادیاتی فتح جو وسطی اٹھارہویں صدی میں شروع ہوئی تھی وہ ہندوستانی تاریخ کا نقطہ رخصتی ہے۔ لہٰذا اٹھارہویں صدی مشتمل بنیادی امور کے دور ہیں ایک مغل سلطنت کے زوال سے سماجی و معاشی ساخت میں کمزوری پیدا ہوئی اور دوسرے یہ کہ آیا استعمار پسندی کی آمد بنیادی ٹوٹ پھوٹ تھی یا نہیں؟ کیا اٹھارہویں صدی ایک تاریک دور تھا یا یہ معاشی گرم بازاری کا دور تھا؟ کیا یہ تیزی سے ہونے والا ٹوٹ پھوٹ کا عمل تھا یا یہ ایک تسلسل اور تبدیلی کا دور تھا؟ ہندوستان میں اٹھارہویں صدی کے دوران برطانوی اقتدار کو کس طرح وسعت ملی؟ سیاست، سماج، معیشت، مذہب اور ثقافت کی نوعیت سے متعلق یہ اور دیگر سوال ایسے تھے جس نے اٹھارہویں صدی کی تاریخ کے مطالعے کو زبردست بحث کا موضوع بنا دیا۔ روایتی طور پر مورخین کا ماننا ہے کہ ہندوستان میں اٹھارہویں صدی کا دور جنگ، سیاسی انتشار اور معاشی زوال کی بنا پر ایک تاریک دور تھا جو مستحکم اور خوشحال مغل دور دور برطانوی بالا دستی کے درمیان پس گیا تھا۔ ہندوستانی مورخین کی جدید ترین نسل نے اس نظریے کو زبردست چیلنج پیش کیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ابتدائی مغل اور بعد کی برطانوی ریاستوں اور مغل اقتدار کے زوال کے ساتھ ظہور میں آئی چھوٹی چھوٹی جانشین ریاستوں کے جھرمٹ کے درمیان تسلسل قائم تھا۔ سیاسی افراتفری جس سے پوری صدی متاثر تھی، یہ سوال اٹھنا ضروری تھا کہ آیا مغل سلطنت کے زوال کے نتیجے میں مرکزی سیاسی

اقتدار ٹوٹ گیا اور یہ زوال ایک انتشار کے مرحلے کا محرک بنا، پہلے علاقائی مملکتوں کے ظہور اور اس کے بعد برطانوی استعمار کی بالا دستی کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ آیا محض مغل سلطنت کے زوال کو ہندوستانی سماج کے نقصان کے طور پر اور مرکزی اقتدار کے زوال کے بعد پیدا ہونے والے خلاء کے طور پر دیکھنا چاہیے جسے صدی کے پہلے نصف میں علاقائی طاقتوں جیسے اودھ اور بنگال کے نواب، حیدرآباد کے نظام سے پر کیا گیا تھا۔ مزید برآں ایک سیاسی قوت کے طور پر برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا ظہور کیا ہندوستانی سماج، معیشت اور نظام حکومت کے لیے ایک تعطل تھا یا ہندوستان میں برطانوی استعمار کے اگلے دوسو سالوں کی کی شروعات کی نشاندہی کرتا ہے۔؟

متن پر مبنی سوالات 15.4

1- 1770 کے بعد معاشی عدم استحکام کے کوئی دو اسباب بیان کیجئے۔

2- یوروپی پیش رفت کے مقابل ہندوستان کی برآمدی تجارت میں کیوں تنزلی پیدا ہوئی؟

3- ان بڑے نوآبادیاتی بندرگاہی شہروں کا نام لکھیے جنہوں نے ابتدائی کمرشیل مراکز کی جگہ لی تھی۔

4- اٹھارہویں صدی کے سماجی نظام کی دو اہم خصوصیات بیان کیجئے۔

5- 18ویں صدی کے ہندوستان میں رائج بڑی سماجی برائیوں کو درج فہرست کیجئے۔

6- 18ویں صدی تک اعلیٰ تعلیم کے ذرائع کیا تھے؟

7- وہ کون سا اہم مرکز تھا جہاں ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کی کرناٹک روایت ظہور میں آئی تھی۔ اس روایت کو فروغ دینی والی خاص شخصیات کون تھیں؟



نوٹس

آپ نے کیا سیکھا

اس سبق میں 18 ویں صدی کے تاریخ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس میں آخری مغل حکمرانوں، ان کی کمزوریوں اور دشواریوں کی مختصر روائداد پیش کی گئی ہے۔ اس میں مغل امراء کے تدریجی ظہور اور آخر کار مغل سلطنت کے انتشار کا سبب بھی دریافت کیا گیا ہے۔

اس سبق میں مرکزی اقتدار کے ٹوٹنے کے نتیجے میں ظہور میں آنے والی حیدر آباد، اودھ اور بنگال جیسی علاقائی مملکتوں کی بات کی گئی ہے علاقائی حکمرانوں کے اشتراک اور ان کے داخلی تصادم پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

مراٹھا نیم وفاقیہ کے ظہور اور آخر کار مراٹھوں کا پانچ مراٹھا مملکتوں بھونسلے، گائیکواڑ، ہولکر، سندھیا اور ستارا میں ٹوٹنا ایک اور اہم مرحلہ تھا۔ پیشواؤں کے اختیارات اور کچھ اہم انتظامی خصوصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ماتحت سکھوں کا استحکام، راجپوت ریاستوں کا ظہور اور ہندوستانی انتظامیہ، نظام حکومت اور ثقافت کے تئیں ان مملکتوں کے اشتراک کو مختصراً واضح کیا گیا ہے۔

18 ویں صدی کے بعد کے نصف میں کچھ اہم پیش رفت ہوئی، حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے ماتحت میسور کے ظہور کا بیان قابل ذکر ہے، ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد اور میسور اور کمپنی کے درمیان تصادم ہندوستانی سیاسی منظر کے ایک نئے مرحلے کی شروعات کی نشاندہی کرتا ہے سیاسی پیش رفت کے ساتھ سبق میں ہندوستانی معیشت کی نئی خصوصیات، ہندوستانی زراعت اور برآمدی تجارت کے زوال جس سے نو آبادیاتی معیشت کا راستہ صاف ہوا تھا، کے اسباب پر بحث کی گئی ہے۔

جبکہ سماجی حالات کئی طرح سے ساکت تھے لیکن 18 ویں صدی کے ہندوستان میں معاشی اور ثقافتی میدانوں میں مختلف نئے رجحانات بھی ظاہر ہوئے۔

18 ویں صدی ہندوستانی نظام حکومت اور معیشت کی پیچیدہ نوعیت کے سبب ان پیش رفت کی نوعیت کے بارے میں مورخین کے مختلف خیالات بھی ہیں۔

اختتامی سوالات

1- اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل اقتدار کا زوال اتنی تیزی سے کیوں ہوا؟

2- علاقائی نظام حکومت اور ریاستوں کے ظہور کے عمل کا جائزہ لیجئے۔ جواز کے لیے ان اقتدانے شاہی علامت کی ضرورت کیوں محسوس کی؟

3- مراٹھوں نے ابتدائی 18ویں صدی میں اپنی کھوئی ہوئی اہمیت کیسے بحال کیا؟

4- مہاداجی سندھیا کون تھا؟ ان کے اشتراک کی فہرست بتایے۔

5- بنگال میں اپنی حیثیت کو مستحکم بنانے کے لیے بنگال کے نوابوں کی کوششوں کا جائزہ لیجئے۔

6- کب اور کس کے ذریعہ سکھ اقتدار لاہور میں قائم ہوا؟۔ اس سیاق وسباق میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کردار کی وضاحت کیجئے۔

7- راجپوتانہ میں اپنی طاقت بڑھانے کے لیے سوائی راجہ جے سنگھ کے ذریعہ اٹھائے گئے اقدامات کی وضاحت کیجئے۔

8- جب 18ویں صدی کے دہلی کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یقیناً یہ ایک تاریک دور کھائی دیتا ہے۔ معقول دلیل دیتے ہوئے اس بیان کا جواز پیش کیجئے۔

9- 18ویں صدی میں ہندوستانی زراعت کے زوال کے اسباب کا جائزہ لیجئے۔

10- 18ویں صدی کے ہندوستان میں معاشی میدان میں نمایاں تبدیلیوں کو بیان کیجئے۔

11- 18ویں صدی کی نوعیت پر بحث کیوں ہوئی۔؟

12- کس بنیاد پر مورخین 18ویں صدی کو ''تاریک دور'' کے طور پر جانتے ہیں؟

13- 18ویں صدی کی تاریخ کو سمجھنے میں کیا مسائل پیش آتے ہیں؟

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

15.1

1- بہادر شاہ اول یا شاہ عالم، اس نے مصالحت کی پالیسی اپنائی۔

2- عبداللہ خاں اور حسین علی خاں کو ''سید برادران'' کے طور پر جانا جاتا تھا۔

حصولیابیاں:

(i) اس نے علی الترتیب ''وزیر'' اور ''بخشی'' کا عہدہ اختیار کیا۔

(ii) اس نے سکھ بغاوتوں کو فرو کیا اور راجپوتوں کے ساتھ مصالحت کی کوشش کی۔

(iii) اس نے ''جزیہ'' جیسے جابرانہ ٹیکس کو ختم کیا۔

3- حیدرآباد ریاست کی بنیاد چن قلی خاں اور نظام الملک نے رکھی تھی۔ اس نے مغلوں کے ماتحت

'وزیر' کا عہدہ اختیار کیا۔

4- (i) بعد کے حکمراں کمزور اور غیر موثر تھے۔

(ii) ان میں سے بعض متلون مزاج کے تھے اور فضول عیاشی اور اخراجات میں وقت صرف کرتے تھے۔

5- 1738 تا 1739 عیسوی میں نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا، وہ ایران کا حکمراں تھا۔

15.2

1- مراٹھا

2- مراٹھا کے حکمراں شاہو کے دور میں، وزیر اعلیٰ کو پیشوا کہا جاتا تھا۔ باجی راؤ اول بہت طاقتور پیشوا تھا جس نے 1720 تا 1740 کے دور میں حکومت کی۔

3- چوتھ اور سردیش مکھی اس خراج کو کہا جاتا ہے جو مراٹھاؤں کے ذریعہ وصول کیا جاتا ہے۔ یہ خراج کے تناسب کے مطابق ہوتا تھا۔ چوتھ مغل ٹیکس کا ایک چوتھائی، سردیش مکھی اس کا 1/10 ہوتا تھا۔

4- گوا، باسن، دمن۔

5- ناگپور کے بھونسلے، بڑودہ کے گائیکواڑ، اندرو کے ہولکر، گوالیر کے سندھیا اور ستارا خطے میں شواجی کے جانشین حکومت کرتے تھے۔

6- اہلیہ بائی ہولکر حکمراں ملہار راؤ کی بیوہ بہو تھی۔ اس نے 1765 تا 1794 اندور پر حکمرانی کی۔ اس کی خاص حصولیابی یہ تھی کہ اس نے ہولکروں کے اقتدار کو مستحکم کیا اور اس کو شان وشوکت بخشی۔

15.3

1- ایک نئے رقص، کتھک کا ارتقا اودھ کے نوابوں کی سرپرستی میں اودھ میں لکھنو کے خطے میں ہوا تھا۔

2- اس جنگ میں بنگال کے آزاد نواب سراج الدولہ کو برطانوی افواج نے شکست دی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اس سے بنگال کو مغلوب کرنے کی راہ ہموار ہوئی اور آخر کار ہندوستان ایک غیر ملکی طاقت کے زیر اقتدار آیا۔

3- ٹیپو سلطان، برطانیہ کے ساتھ دشمنی کے علاوہ ٹیپو کو ہمیشہ مقامی سرداروں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

15.4

1- سیاسی ابتری اور فوجی قوتوں کے حملے معاشی عدم استحکام کے دو خاص سبب تھے۔

2- عظیم گجراتی بندرگاہ شہر اپنی اہمیت کھو چکا تھا حالانکہ ہندوستانی اشیاء کے لیے اب بھی زبردست مانگ تھی۔ برطانوی تاجر اور جہاز رانوں نے درآمدی تجارت سے ہندوستانیوں کو بے دخل کر دیا۔



نوٹس

3- بامبے، مدراس، کلکتہ جیسے نوآبادیاتی شہروں نے ابتدائی کمرشیل مراکز کی جگہ لی۔

4- اٹھارہویں صدی کی سماجی زندگی کئی طرح سے بغیر کسی خاص تبدیلی کے پچھلی روایتوں کا ایک تسلسل تھا۔ سماج مذہب، قبیلہ، ذات، زبان، طبقہ وغیرہ کی بنیاد پر کثیر سطحی شناختوں کی بنیاد پر تقسیم تھا۔

5- اونچے طبقات کی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں۔ بچہ شادی، کثیر ازدواج اور جہیز سماج کی دیگر سماجی برائیاں تھیں۔ لیکن زیادہ نازک اور سب سے بڑی سماجی برائی ستی کا رواج تھا۔

6- 18ویں صدی اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ صرف سنسکرت اور فارسی تھا۔

7- ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کی کرناٹک روایت کو تنجاور خطے میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ اس روایت کے خاص فروغ کار تیاک راجہ، متوسوامی دکشتر اور شیام شاستری تھے۔

اختتامی سوالات کے اشارے

1- سیکشن 15.1 سے رجوع کریں

2- سیکشن 15.2 سے رجوع کریں

3- سیکشن 15.3 سے رجوع کریں

4- سیکشن 15.2 سے رجوع کریں

5- سیکشن 15.4 سے رجوع کریں

6- سیکشن 15.6 سے رجوع کریں

7- سیکشن 15.7 سے رجوع کریں

8- سیکشن 15.9 سے رجوع کریں

9- سیکشن 15.9 سے رجوع کریں

10- سیکشن 15.9 سے رجوع کریں

11- سیکشن 15.12 سے رجوع کریں

12- سیکشن 15.12 سے رجوع کریں

13- سیکشن 15.12 سے رجوع کریں

نصاب تاریخ

(سینیئر سیکنڈری نصاب)

توجیہی نکات:

تاریخ کسی بھی معینہ دور میں انسانی سماج اور مختلف ادوار میں اس کے ارتقاء کا سائنسی مطالعہ ہے۔ اس کو اسکولی نصاب میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کو ایک عام مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے، جو مڈل اور ثانوی سطحوں پر سوشل سائنس کا ایک حصّہ ہے۔ مڈل کے مرحلہ پر ہندوستانی تاریخ کے پورے دور کا احاطہ کیا جاتا ہے جبکہ ثانوی سطح پر انسانی سماج کے ارتقاء کے واقعات کی تدریس کی جاتی ہے۔

سینئر سیکنڈری کے مرحلہ پر تاریخ ایک انتخابی مضمون بن جاتا ہے۔ اس کا اہم مقصد آج کی تبدیل پذیر تکنالوجیوں اور ہماری ثقافتی روایت کے تسلسل کے درمیان خلا کو پُر کرنا ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ہماری آئندہ نسلیں تبدیلی اور تسلسل کے امتزاج کی نمائندگی کریں۔ لہٰذا سینئر سیکنڈری مرحلہ پر قدیم سے جدید دور تک پوری ہندوستانی تاریخ کو واضح کرنا انتہائی اہم اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔

نصاب کے اغراض ومقاصد:

اس مرحلہ پر تاریخ کی تدریس کے توجیہی نکات درج ذیل ہیں:

- مختلف ادوار میں ہندوستانی سماج کے ارتقاء کے اہم مرحلوں کے بارے میں فہم وادراک کو بڑھانا
- قدیم، وسطی اور جدید ادوار میں ہندوستانی سماج کے ارتقاء کے لیے ذمہ دار تاریخی عناصر کے بارے میں سمجھ پیدا کرنا
- ملک کے مختلف علاقوں میں آباد لوگوں کے متنوع ثقافتی اور سماجی نظاموں کے بارے میں قدر شناسی پیدا کرنا
- ثروت مند، متنوع اور مخلوط نوعیت کی ہندوستانی ثقافت کے بارے میں واقفیت پیدا کرنا ہے
- ملک کے مختلف حصوں میں ہندوستانی عوام کی مختلف ادوار میں کامیابیوں کے بارے میں جائز فخر وانبساط کو بڑھاوا دینا
- دوسرے ممالک کے ساتھ عملِ باہم کے نتیجہ میں معرضِ وجود میں آئیں تبدیلیوں کے عمل کی دریافت کرنا
- یہ تسلیم کرنا کہ ہندوستانی ثقافت نے الگ تھلگ رہ کر پیش رفت نہیں کی بلکہ یہ مختلف ثقافتوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے اور تبدیلی، تسلسل اور ترقی کے عصری طریقۂ عمل کو سمجھنا
- نوجوان نسل کے ذہنوں کو اس تعصب اور الجھنوں سے پاک کرنا، جو تاریخ کی غلط ترجمانی سماجی ماحول اور فطری طور پر ان کو آلودہ کیے ہوئے ہیں۔
- قومی ورثہ کے قیام میں ملک کے مختلف حصوں کے لوگوں کے ذریعہ ادا کیے گئے حصّہ کے بارے میں قدر شناسی پیدا کرنا
- ملک کے عصری مسائل کے بارے میں تاریخی تناظر میں مناسب فہم وادراک پیدا کرنا تاکہ منصفانہ سماجی نظام میں فعال شرکت کے لیے دانش مند شہری کو تیار کیا جاسکے۔
- ہندوستان کے ماضی کو حال سے جوڑنے کے مقصد سے ہندوستان کے ماضی کے مطالعہ میں اصولی پختگی اور مقصدیت پیدا کرنا

اس مرحلہ پر تاریخ کے مطالعہ کا مقصد طالب علموں کو ''تاریخی تحقیقات کے عناصر'' سے روشناس کرانا اور انھیں یہ بتانا ہوتا ہے کہ مورخین کس طرح سوچتے اور کام کرتے ہیں۔ اس کے لیے انھیں مآخذ کی ان اقسام سے واقف ہونا چاہیے، جو تاریخ کی بنیاد بناتے ہیں اور ان میں مآخذ کی معتبر نوعیت کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے۔

رسائی:

اس نصاب کا بنیادی مقصد تاریخی طریقۂ عمل کو سمجھنے کے لیے مقصدیت اور اصولی پختگی پیدا کرنا ہے۔ ہندوستانی تاریخ کے تمام مراحل کو اہمیت دیتے ہوئے، ہندوستان اور دنیا کے اہم واقعات پر زور دیا جانا چاہیے۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی اور اس میں مختلف طبقات/ مذاہب/ گروپوں کے ذریعہ ادا کیے گئے حصّہ پر خصوصی طور سے زور دیا جانا چاہیے۔ اس نصاب میں آزادی کے بعد کے مسائل، چنوتیوں اور ترقی پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ''ہندوستان میں ریاست کا ارتقاء'' اور ''ہندوستان میں ثقافت'' کے موضوع سے متعلق اختیاری ماڈیول کو چننے کی آزادی دی گئی ہے۔ اس نصاب میں عالمی تحریکوں اور خاص طور سے عالمی امن، بین الاقوامی تعاون اور ترک نو آبادیات میں ہندوستان کے رول پر خصوصی طور سے زور دیا گیا ہے۔

- عالمگیر تناظر پیدا کرنے کے لیے اس پورے نصاب میں ایک جامع رویہ اختیار کیا گیا ہے۔
- انسانی سماج کے، سماجی، معاشی اور ثقافتی ارتقا پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔
- نصاب کے زیادہ تر سیکشنوں میں تاریخی واقعات کو داستانوی بلاغت کے بجائے ان کی اصل صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

- ملی جلی ثقافت کے عناصر کے فروغ پر پوری توجہ دی گئی ہے۔ ہندوستانی تاریخ کے قدیم، وسطی اور جدید ادوار میں سبھی خطّوں کے لوگوں کے کردار کو مقصدیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔
- آزادی کے بعد کے ہندوستان میں سیاسی، سماجی اور معاشی میدانوں میں اہم رجحانات کو شامل کر کے اس نصاب کو زیادہ بامعنی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔
- عصری دنیا میں ابھرتے ہوئے رجحانات اور تبدیلیوں کو اس نصاب میں مناسب طور پر شامل کیا گیا ہے تا کہ طلباء عالمی واقعات اور تبدیلیوں سے واقف ہوں۔
- تاریخ کے مضمون میں مزید دلچسپی کو بڑھاوا دینے کے لیے محتاط منصوبہ بندی کے ساتھ بصری، صوتی مواد کو شامل کیا گیا ہے۔

نصابی ڈھانچہ

اس نصاب کے 5 بنیادی ماڈیولز ہیں:

1۔ قدیم ہندوستان

2۔ قرون وسطیٰ کا ہندوستان

3۔ جدید ہندوستان

4۔ قومی تحریک اور عصری ہندوستان

5۔ ہمعصر دنیا

نصاب کے دو اختیاری ماڈیولز ہیں:

6A۔ ریاست کا ارتقا

یا

6B۔ ہندوستان میں ثقافت

ان دو میں سے طالب علم کو کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے

ہر ماڈیول کے لیے نمبروں کی تقسیم اور مطالعاتی وقفہ درج ذیل ہے:

	ماڈیول کا نام	نمبر	مطالعاتی وقت (گھنٹے میں)
1۔	قدیم ہندوستان	20	55
2۔	قرون وسطیٰ کا ہندوستان	20	55
3۔	جدید دور کا ہندوستان	15	35
4۔	ہندوستانی قومی تحریک اور عصری ہندوستان	15	35
5۔	ہمعصر دنیا	15	30
6A۔	ریاست کا ارتقا	15	30
	یا		
	ہندوستان میں ثقافت		
	کل نمبر	100	240

کورس کی نوعیت

ماڈیول-1: قدیم دور کا ہندوستان

رسائی:

یہ ماڈیول طالب علم کو گذشتہ شواہد، آثار قدیمہ کے وسائل اور روایات سے روشناس کرائے گا، جس سے ماضی کی تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اس سے ماقبل تاریخ سے 750 تک ہندوستان میں تاریخی عمل کی پیش رفت کا عام جائزہ لینے میں مدد ملے گی۔ اس میں قدیم دور میں سماجی، سیاسی، معاشی، مذہبی اور ثقافتی ارتقا کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ ماڈیول بعد کے رجحانات اور واقعات کی روشنی میں ہڑپا اور ویدک دور کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

ضروری معلومات:

- قدیم ہندوستان کی تاریخی جغرافیہ کے بارے میں معلومات
- جغرافیائی محل وقوع اور انسانی فروغ کے درمیان تعلق کے بارے میں معلومات

1.1 ہندوستانی تاریخ کا ادراک

ہندوستان کے ماضی، شواہد، سوالات، تاریخی اشکال، حقیقی کہانی، داستانیں، کہانیاں، تاریخی مکتوبات کی روایات، ہندوستانی تاریخ کے موضوعات کے بارے میں معلومات

امدادی صوتی و بصری پروگرام

- قدیم تہذیب کا حصہ

1.2 ہندوستانی تاریخ کی بنیاد

- جغرافیائی خدوخال
- آثار قدیمہ کے وسائل سے فراہم کردہ معلومات
- پتھر کے عہد کے شکاری اور خانہ بدوش، چراگاہیں اور کھیتی باڑی، دیہی ثقافتیں
- لوہے کا عہد

امدادی بصری و صوتی پروگرام

- انسان اور ماحول کے درمیان عمل باہم
- ہندوستان میں مذاہب

1.3 ہڑپا تہذیب

- مآخذ، وسعت، شہری منصوبہ بندی، زوال اور موخرہ ہڑپا ثقافتیں

- غیر ہڑپائی ہندوستان میں تانبے کے استعمال کرنے والی کمیونٹی

امدادی صوتی و بصری پروگرام:

- ہڑپا ثقافت

1.4 ویدک دور

- ویدک کتابیں
- سماج، معیشت اور مذاہب، جیسا کہ ویدوں میں دکھلایا گیا ہے
- جن پدوں کی تشکیل

1.5 جن پد سے سلطنت تک

- مادّی اور تصوراتی پس منظر، مذہبی تحریکیں
- آبادیوں کی توسیع اور شہر کاری، دستکاری مصنوعات، تجارت اور سکوں کا ڈھلاؤ
- سماجی ڈھانچے، جن پد سے مہاجن پد تک اور پھر سلطنت تک پیش رفت
- موریہ – فرمان اور مکتوبات، ریاست، انتظامیہ، دھم، معیشت

1.6 مابعد موریہ تغیرات:

- وسطی ایشیا سے تعلق اور اس کے نتائج، کشان سماج، مذہب، آرٹ اور فنِ تعمیر
- وسطی ہندوستان اور دکن: ریاستی تشکیل، مجسمہ سازی اور غاروں میں تصویر کشی
- ہند رومن تجارت، تجارتی برادریاں، سکّے اور زر مبادلہ کا نظام

امدادی صوتی و بصری پروگرام

- اشوک، عظیم موریائی راجہ، اس کے فرمان، منقش مکتوبات اور ستون

1.7 گپت خاندان اور 750ء تک ان کے جانشین

- سیاسی تاریخ
- ریاستوں کی نوعیت
- سماجی اور معاشی تبدیلیاں
- آرٹ اور ادب کے خصوصی حوالے کے ساتھ ثقافتی تبدیلیاں
- برہمنی روایات کا استحکام اور پُران مذہب کا قیام، سائنس اور تکنالوجی میں تبدیلیاں

1.8 750 سے 1200ء تک کا ہندوستان، شمال، دکن، جنوب، شمالی ریاستوں، پلوؤں، پرتیہاروں، راشٹر کوٹوں کا ظہور، سہ رخی جدوجہد، راجپوت ریاستوں کا ظہور

- شولا، ریاست، سماج اور معیشت
- جنوبی ہندوستان میں بھکتی تحریک سمیت ثقافتی رجحانات
- ایشیائی ملکوں کے ساتھ ہندوستان کے روابط

ماڈیول 2: قرونِ وسطیٰ کا ہندوستان

رسائی:

اس ماڈیول کو ہندوستان میں ترک اور مغلوں کی آمد کے لیے ذمہ دار عوامل اور وجوہات کو اجاگر کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس میں ہندوستان میں سیاسی یکجہتی اور مختلف ثقافتوں کو ضم کر کے ایک مخلوط ثقافت کے فروغ کے لیے مغل بادشاہوں کی کوششوں کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ ریاست، معیشت، سماج اور ثقافت میں طالب علم کو نئے رجحانات سے واقف کراتا ہے۔ اس میں 18ویں صدی عیسوی کے بارے میں مختلف خیالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے اس دور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس میں ان قوتوں کی شناخت بھی کی گئی ہے، جو مغل حکومت کے زوال اور ہندوستان میں آزاد ریاستوں کے قیام کا سبب بنیں۔

ضروری معلومات

- قدیم ہندوستان اور ان طاقتوں کے بارے میں جانکاری جو مرکزی حکومت کے زوال کا سبب بنیں
- شمالی اور جنوب میں علاقائی بادشاہتوں کے تحت معاملات کی نوعیت
- اس بے شمار دولت اور کاروباری امکانات کے بارے میں جانکاری جنھوں نے حملہ آوروں کو اس جانب متوجہ کیا

2.1 دہلی سلطنت کا قیام اور اس کی توسیع:

- شمال، مغرب سے اوائلی داخلہ – عرب – محمود غزنوی
- غوری کا حملہ – ترک حکومت، غلام خاندان کا دور حکومت، خلجی، تغلق اور لودی خاندان
- بنگال، گجرات اور راجستھان وغیرہ میں پھیلاؤ
- خاص چنوتیاں، منگولوں – تیمور کے حملوں سے، مختلف سردار اور امارت کے لیے تنازعات

2.2 مغل حکومت کا قیام، بابر کی آمد:

- ہمایوں کی شکست، افغانوں کے سر اٹھانے سے تنازعات
- اکبر سے اورنگزیب تک مغل حکومت کے لیے
- چنوتیاں – راجپوت دکن، مراٹھے اور شمال مغربی تنازعات اور مفاہمتیں

2.3 علاقائی ریاستوں کا وجود میں آنا

- مشرقی، برہمنی، وجے نگر، مراٹھا، مالوہ، گجرات وغیرہ
- ان ریاستوں کی تشکیل، سیاسی ڈھانچہ اور مرکزی طاقتوں کے ساتھ ان کے تعلقات

2.4 انتظامی نظام اور ادارے: مرکزی، علاقائی اور مقامی انتظامی اداروں کا مطالعہ

- اقطاع، جاگیر، منصب داری، نین کارا، مراٹھا تفویضی نظام، طبقۂ امراء اور ان کے مراتب

2.5 معیشت

(a) زرعی پیداوار

- کاشت کاری کی توسیع، فصلوں کی ترتیب، وسائل، آبپاشی کے طریقے
- زمین کا لگان، انتظامی اقدامات اور تعین
- ٹیکسوں کی وصولی
- آمدنیوں اور ٹیکسوں کے بچولیے
- کسانوں پر بوجھ

(b) غیر زرعی پیداوار

- کپڑوں کے خصوصی حوالہ کے ساتھ مختلف دستکاریوں/کارخانوں پر تبادلۂ خیال
- سمندر پار کی کاروباری- تجارتی سرگرمیاں، یوروپی کمپنیوں کا رول
- کاروباری گروپ- بیوپاری، زرمبادلہ کرنے والے، تجارتی دلال
- کاروباری طریقے، مقامی بنک کاری، ہنڈیاں، انشورنس وغیرہ

امدادی صوتی / بصری پروگرام

- قرون وسطیٰ میں ریاست، معیشت، مذہب اور ثقافت کے رجحانات

2.6 وسطی دور میں ثقافتی تبدیلیاں:

(a) مذہب

- صوفی ازم، بنیادی فلسفہ، طریقے، احکامات
- بھکتی، بنیادی تعلیمات، طریقے، احکامات
- سکھ ازم کا ابھار، گروؤں کی تعلیمات، خالصہ طریقے

(b) ادب اور پینٹنگ

(c) پینٹنگ، موسیقی اور اداکارانہ فن، مجسمہ سازی، فنِ تعمیر، فن تعمیر کی نئی تکنیکیں اور طرز

امدادی صوتی / بصری پروگرام

- دہلی کی یادگار تاریخی عمارتیں

2.7 18ویں صدی کی تفہیم- ہندوستان 18ویں صدی میں

- 18ویں صدی کے بارے میں
- 18ویں صدی کو سمجھنے میں مسائل
- ماڈیول 3 جدید دور کا ہندوستان

رسائی:

اس ماڈیول میں انگریزوں اور ہندوستان میں ان کی حکومت کے قیام کے بارے میں بتلایا گیا ہے۔ اس ماڈیول کو برطانوی پالیسیوں کے تئیں مفصل رسائی کو بڑھاوا دینے کے لیے تیار کیا گیا ہے، جنھوں نے ہندوستان میں ایک تجارتی کمپنی قائم کی اور اس کو ایک مقتدر اعلیٰ حکومت میں تبدیل کر دیا اور اس ماڈیول کا مقصد ہندوستانی سماج پر جدید مغربی تصورات کے اثرات کا مطالعہ کرنا بھی ہے، جس نے سماجی بیداری اور مذہبی اصلاحی تحریکوں پر اثر ڈالا۔ اس میں برطانوی راج کے مجموعی اثرات کی شکل میں عوامی بغاوت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے، جو 1857ء کے غدر کی صورت میں سامنے آئی۔

ضروری معلومات:

- 15ویں صدی میں پرتگالیوں اور دوسری یوروپی قوموں کی آمد اور پرتگالی، ڈچ، برطانوی اور فرانسیسی تجارتی کمپنیوں کے ہندوستان میں قیام کے بارے میں معلومات
- مذہبی تقلید پسندی، سماجی لعنتوں اور 18ویں صدی میں عام فہم وفراست میں گراوٹ سے متعلق جانکاری

3.1 ہندوستان میں برطانوی حکومت کا قیام 1857ء تک (درج ذیل کا مختصر بیان)

- ایشیا میں یوروپی مشرقی تجارت کا ایک نیا مرحلہ
- کلکتہ پر برطانیہ کا قبضہ
- بنگال کی انتظامیہ کا دوہرا نظام
- جنوبی ہندوستان میں اینگلو فرانسیسی جدوجہد

توسیع کا تصور- اوزار اور طریقۂ کار- ویلزلی، لارڈ ہیسٹنگز، ڈلہوزی، لالوز کا یکسر الحاق کا اصول، پڑوسی ریاستوں کے تئیں برطانوی پالیسی

- نوآبادیاتی انتظامی نظام کی افزائش، حکومت کی کوششیں، انضباطی ایکٹ، پٹس انڈیا ایکٹ، چارٹر ایکٹ 1813 سے 1831ء
- قانونی تنظیمیں- قانون کی حکومت کا تصور، قانون کے سامنے برابری- نظریہ اور عمل

امدادی بصری/صوتی پروگرام

- ہندوستان میں یوروپیوں کی آمد، جہانگیر کے دربار میں تھامس رے کی آمد اور اس فرمان کا اجرا جس سے ہندوستان میں برطانوی گھس پیٹھ کا آغاز ہوا۔

3.2 معاشی تبدیلیاں

- برطانیہ کی نوآبادکار پالیسی
- زمین کی آمدنیوں کے تصفیہ اور کسانوں، زمینداروں پران کے اثرات، زراعت کی زرعی تجارت کاری
- صنعتی پالیسیاں– دولت کا نکاس، مواصلاتی نظام، گھریلو صنعتوں کی تباہی، نو آبادیاتی معیشت، جدید صنعتوں کا وجود، ہندوستان کی غربت، تجارت کے نمونے اور بڑی تجارتی کمپنیاں

امدادی صوتی / بصری پروگرام

- ہندوستانیوں پر برطانوی راج کے اثرات

3.3 سماجی تبدیلیاں

- برطانیہ کی سماجی اور ثقافتی پالیسیاں، جدید تعلیم کی اشاعت– مراحل
- پیشہ ورانہ اور دانشور طبقات کا عروج، پریس اور قومی ادب کا فروغ
- ہندوستانی نشاۃ ثانیہ اور اصلاحی تحریکیں
- ہندوستان کے ماضی کی بازیافت

3.4 کمپنی راج کے خلاف عوامی مزاحمت

- سنیاسی اور فرائیضی، وہابی، سنتھال اور دوسرے
- 1857ء کی بغاوت، اس کے اثرات، اسباب، واقعات، 1858ء کی بغاوت کی انتظامی تبدیلیاں

امدادی صوتی / بصری پروگرام

- 1857ء کی بغاوت کے بارے میں صوتی، بصری پروگرام

ماڈیول–4، ہندوستانی قومی تحریک اور عصری ہندوستان

رسائی:

اس ماڈیول میں ہندوستانی قومی تحریک اور عصری ہندوستان میں مسائل، چنوتیوں اور تبدیلیوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ طالب علم کو ہندوستانی قومی تحریک کے اور گاندھی جی کے عدم تشدد اور ستیہ گرہ تحریکوں کے مختلف رجحانات سے روشناس کراتا ہے۔ انقلابی تحریک اور بیرون ہند قومی تحریک کا بھی اس ماڈیول میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں آزادی کے بعد کی اصلاحات اور رجحانات کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ طالب علموں کو دنیا کے دوسرے ملکوں کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کے بارے میں بتانا بھی مقصود ہے۔

ضروری معلومات:

- برطانی راج کے تحت رائج کردہ پالیسیوں کے بارے میں معلومات
- 1857ء کی بغاوت اور ہندوستانی سماج پر اس کے اثرات کے بارے میں جانکاری، نوآبادیاتی حکومت کی نوعیت کا ادراک

4.1 قوم پرستی

- ہندوستانی قوم پرستی کی تاریخی معلومات (اہم تصورات)

4.2 (a) قومی تحریک

- انڈین نیشنل کانگریس کی تشکیل
- اعتدال پسندوں، جنگجو قوم پرستوں، سودیشی، انقلابیوں کا ابھار، گھریلو اصول وقوانین اور لکھنو معاہدہ
- فرقہ ورانہ بیداری کا ظہور
- جدوجہد آزادی
  - گاندھی جی اور عوامی تحریک
- گاندھیائی تصورات، رولٹ، ستیہ گرہ، عدم تعاون، سول نافرمانی، ہندوستان چھوڑو تحریک
- آئینی تبدیلیاں ردّعملی
  - انقلابی تحریکیں– غدر پارٹی۔ ایچ ایس آر اے وغیرہ

ماڈیول–205ویں صدی کی دنیا

رسائی

20ویں صدی کی دنیا سے متعلق یہ ماڈیول سینئر سیکنڈری کے تاریخ کے نصاب میں پہلی مرتبہ شامل کیا گیا ہے۔ اس کو اس طرح سے ترتیب دیا گیا ہے کہ طالب علم 20ویں صدی کے اہم واقعات سے روشناس ہوسکے تاکہ وہ تاریخی واقعات کو عالمگیر تناظر میں سمجھ سکے۔

ضروری معلومات

- عصری دنیا کا ادراک جس نے ہماری قومی تحریک کو مستحکم بنایا اور ہمیں آزادی دلائی
- 19ویں صدی میں سامراجیت کے استحکام کے بارے میں جانکاری
- ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے زیادہ تر ملکوں میں نوآبادیاتی حکومت کی استحصال پسندانہ نوعیت

5.1 19ویں صدی کا ترکہ: سرمایہ داریت، سامراجیت، سوشلزم، حریت پسندی، قوم پرستی

5.2 روسی انقلاب، فاشسٹ جوابی انقلابات، جرمنی اور جرمنی، چینی انقلاب

5.3 عالمی جنگ– پہلی عالمی جنگ اور اس کے اثرات، دوسری عالمی جنگ اور اس کے اثرات

5.4 سرد جنگ اور اس کے اثرات، سوویت انتشار اور الگ حکومتوں کا قیام

5.5 لاطینی امریکہ عالم عرب، افریقہ، ایشیا کی قومی آزادی کی تحریک عام رویہ

امدادی صوتی / بصری پروگرام

نسل پرستی اور افریقی قومی تحریک: تیسری دنیا کے ابھرتے ہوئے ممالک

5.6 ترقی کا عہد اور ایک عالمگیر پیمانے کی دنیا

- سائنس اور ٹکنالوجی
- صنعت، زراعت اور مواصلات

5.7 ثقافتی رجحانات

انتخابی ماڈیول (کوئی ایک)

رسائی:

انتخابی ماڈیول کا مقصد طالب علم کو یہ آزادی اور لچکداری فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنی پسند کے ایک موضوع کا انتخاب کرے۔ طالب عالم کو دو ماڈیولوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ ان ماڈیولوں کا مقصد تاریخ اور ثقافت میں ایک مخصوص حصہ کے بارے میں معقول نظریہ پیدا کرنا ہے اور اس سے ایک مدلل نظریہ اور تجزیاتی رسائی کے پیدا ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔

ماڈیول-6A: ہندوستان میں ریاست کا ارتقا

ضروری معلومات:

- مطالعہ کے دوران ہندوستانی ریاستوں کو سمجھنا

6.1 ریاست کی تشکیل کی جانب مؤخرہ ویدک، قبائلی سردار، علاقائی ریاستیں، اوائلی سیاسی شکلیں

6.2 اوائلی ریاستیں، وسطی دور کی ریاستیں

- شمالی ہندوستانی: موریا اور گپتا خاندان، سلطنت اور مغل

6.3 نوآبادیاتی ریاست

ہندوستان میں قومی ریاست کے فروغ کے مراحل

امدادی صوتی / بصری پروگرام

- ہندوستانی ریاستوں کے بدلتے ہوئے نمونے

یا

6B

ہندوستان میں ثقافت

ضروری معلومات

- زیر مطالعہ ادوار میں ہندوستان کے ثقافتی فروغ کے بارے میں عام سوجھ بوجھ

I۔ عصری ثقافتی صورت حال

- ہمہ گیری، بقائے باہم اور عمل باہم
- عصری ثقافتی صورت حال: تبدیلیاں اور عالمگیریت
- ثقافت کی وضاحت: علم اثریات، علم بشریات، کلاسیکی، لوک، شہری، دیہی، سماجی، معاشی اور مذہبی سیاق وسباق میں، ثقافت کے تکنیکی اور معاشی بنیاد پر توجہ یہ دکھلانا کہ ثقافت اور مذہب ایک دوسرے کے مترادف نہیں ہیں۔

امدادی صوتی / بصری پروگرام

- ہندوستان کی ثقافتی ورثہ

II۔ ثقافتی مصنوعات

- پینٹنگ: مختلف شکلیں یعنی مدھوبنی، جین تصویری مخطوطات، اجنتا، مغل چھوٹی تصاویر
- ادب: رزمیہ، رامائن کے مختلف پہلو، علاقائی ردّ و بدل، قبائلی/لوک گیت کا تنوع، ٹیلی ویژن رام لیلا
- فن تعمیر: گھر کی اقسام، گجرات، کیرل، ناگالینڈ
- خورد و نوش کی ثقافت: عمل باہم کے نتیجہ میں کھانے کی عادتوں میں تبدیلی، رسوئی کے برتن، عام بمقابلہ خصوصی کھانے

III۔ ثقافتی ترسیل

- ثقافت کے کئی استعمال
- ثقافت کے ذریعہ منتقلی (۱) ثقافت کے ذریعہ مذہبی تصورات کی منتقلی: بودھ کی مثال (۲) ثقافت کے ذریعہ سماجی تصورات کی منتقلی: چھپائی کی مثال
- موسیقی: درباری موسیقی، لوک موسیقی، بھجن، قوالیاں، مناجات، رقص، ثقافتوں میں تنوع کو درشانے کے لیے قبائلی موسیقی کی ایک شکل۔ جب الوطنی کے گیت، فلمی گانے
- بودھ مت کا پھیلاؤ: عام فہم زبان کا استعمال، استوپا، جٹک، تصویریں

تجزیاتی اسکیم

طالب کا تجزیہ عوامی امتحانات اور ٹیوٹر مارکڈ اسائنمنٹ (ٹی ایم اے) کی شکل میں مسلسل اور جامع تجزیہ کے ذریعہ کیا جائے گا۔

تجزیہ کا طریقہ	مدت	نمبر	پرچے
عام/ فائنل امتحانات	3 گھنٹے	100	1
ٹی ایم اے I یا ٹی ایم اے II	خود تجزیاتی	25	
ٹی ایم اے۔ III لازمی	خود تجزیاتی	25	

ٹی ایم اے کیا یوارڈ/ گریڈ کو مارک شیٹ میں الگ سے دکھلا جائے گا، اس کو عوامی امتحان میں گریڈنگ میں شامل نہیں کیا جائے گا۔